کنارے دور نہ تھے

زُمر نعیم اجر

کنارے دُور نہ تھے

زُمر نعیم اجر

وقار عظیم
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

عبداللہ اکیڈمی
الکریم مارکیٹ۔ اُردو بازار، لاہور (پاکستان)
فون: 0423-7230350 فیکس: 009+42-37241382
موبائل: 0344-4422336 0345-4061241
E-mail: abdullahacademy@gamil.com

ناشر:
سلمان منیر

ہماری کتابیں · معیاری کتابیں
خوبصورت اور کم قیمت کتابیں

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب — کنارے دور نہ تھے
مصنفہ — زمر نعیم اجر
پروف ریڈنگ — ارسلان احمد
کمپوزنگ — گُل گرافکس
اشاعت — 2013ء
ٹائٹل — عاطف بٹ
پرنٹرز — آر۔آر پرنٹرز، بندر روڈ لاہور
قیمت — 300 روپے

ISBN No: 978-969-599-033-9

مشتاق بک کارنر
شاکسٹ
الکریم مارکیٹ۔ اُردو بازار، لاہور

کتاب ہذا میں اگر کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما کر شکریہ ادا کرنے کا موقع فراہم کریں تا کہ اگلے ایڈیشن میں درستگی کی جا سکے۔ شکریہ

انتساب

والد صاحب!
محمد نعیم خان (مرحوم)
اور بھائی!
محمد اقبال نعیم (مرحوم)
کی اُن دُعاؤں
کے نام
جو مجھے ہمیشہ اپنے گرد حصار کی
مانند محسوس ہوتی ہیں

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور آپ سبھی کی محبتوں کے اعتماد کے ساتھ میں اپنی چوتھی کتاب کے سلسلے میں آپ سے مخاطب ہوں۔

عبداللہ اکیڈمی کے زیر اشاعت یہ میری پہلی کتاب ہے۔ اُمید ہے قارئین کو میری پہلی کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی اپنی مختلف کہانیوں اور موضوعات کی وجہ سے پسند آئے گی اور قارئین کے ذوق کی تسکین کا باعث بھی بنے گی۔

ہر بار میری کوشش رہی ہے کہ میرے قلم سے تخلیق پانے والی ہر تحریر کے ذریعے معاشرتی رویوں کو عیاں کرتے ہوئے اُس کے مثبت رخ عیاں کروں' زندگی کی سچائیوں کو احساسات کی گہرائیوں اور جذبات کے توازن کے ساتھ برتنے کی صلاح دوں۔ کیونکہ زندگی نعمت خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو محبت اور سچائی کے ساتھ قبول کرنا ہی انسان کو خوشی کے بے پناہ احساس سے نوازتا ہے۔ جو اللہ نے صرف انسان کے لیے ہی مخصوص کیا ہے۔

دوسروں کے لیے جینا زندگی کی معراج بن جاتا ہے دوسروں میں خوشیاں بانٹنے کا عمل جاری رکھنا میری کوشش رہی ہے۔ میں اس کوشش میں کامیاب رہی یا نہیں۔ اپنی آراء سے ضرور آگاہ کیجئے گا۔

اُمِ نعیم اجر

''اپنی ماں کی حالت دیکھو اور اپنا انکار، وہ اب اس قابل ہیں کہ کوئی دُکھ سہہ سکیں۔''

''مگر پھپھو! میں کیسے اتنا بڑا فیصلہ بنا سوچے سمجھے کر لوں، میں اس لڑکی کو جانتا نہیں، میری انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہے اور میں شادی کر لوں۔'' اس نے حیرت سے استفسار کیا۔ اس سے زیادہ حیرانی سے پھپھو مدحت نے اسے دیکھا۔

''نوید! کیا تم ڈاکٹر کی بات بھول گئے ہو، انہوں نے بھابھی کے بارے میں کیا کہا ہے؟ کسی قسم کا کوئی بھی صدمہ ان کی جان لے سکتا ہے، تمہاری غیر موجودگی میں دو اٹیک ہو چکے ہیں اور تیسرے سے آج تک کوئی بچا نہیں دیکھا۔ تم تو یہ سمجھو کہ یہ تمہاری ماں کی آخری خواہش ہے وہ بھی مجبور ہیں۔ انہوں نے بھی بستر مرگ پر لیٹی اپنی دوست کو زبان دی تھی کہ سمیعہ ان کی بہو کی حیثیت سے ان کے پاس رہے گی۔ تم اب لوٹے ہو تو وعدہ نبھانا ضروری ہو گیا ہے۔'' پھپھو مدحت نے بڑے پیار سے اسے سمجھایا۔ اس کی مما نے بیٹے کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنی نند کو آگے رکھا تھا۔ وہ خود تو نوید سے شادی کا کہہ کہہ کر تھک گئی تھیں مگر وہ اپنی مصروفیات کو بہانہ بنا کر ان کی بات توجہ سے نہیں سنتا تھا۔ مدحت نے اسے اپنے گھر ضروری کام کے لیے بہانے سے بلایا تھا۔

''پھپھو! یہ بات ٹھیک ہے کیا کہ اپنی دوست سے کیا وعدہ نبھانے کے لیے وہ بیٹے کی خوشیاں برباد کر دیں۔ اتنی بڑا ڈ مائنڈڈ ہو کر بھی مما نے ایسا فیصلہ کیا مجھے حیرت ہوتی ہے۔ انہوں نے مجھے ایک نئی دنیا سے روشناس کروانے کے لیے اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھیجا تھا۔ ان کی اولین خواہش تھی کہ میں زندگی کے کسی موڑ پر بھی کسی کی طرف نہ دیکھوں، اپنے فیصلے خود کروں اور اب وہ

Pakistanipoint
Waqar Azeem

مجھ سے ہی ہر حق چھین رہی ہیں، یہ کیسا انصاف ہے پھپھو؟''

آج نوید بھی دل کی بھڑاس نکالنے پر تلا ہوا تھا۔ پھپھو کا اس کا لہجہ پسند نہیں آیا۔

''نئی دنیا سے روشناس کروانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اس کے رنگ میں رنگ جاؤ۔ اچھے بُرے کی تمیز سکھانے کے لیے تمہیں وہاں بھیجا گیا ہے۔ تم ان کی محبت سمجھنے کی کوشش کرو۔ انہوں نے اپنی عمر کا سب سے قیمتی دور تم تینوں بھائیوں کی پرورش میں صرف کیا ہے، عبید اور جنید اگر پڑھ نہ رہے ہوتے تو شاید تمہارے تغافل کو دیکھ کر بھابھی عبید کے لیے سوچتیں یا انتظار کرتیں مگر سمعیہ اپنے ماموں ممانی پر بوجھ بن گئی ہے، وہ لوگ مزید برداشت نہیں کر سکتے اور پھر بھابھی کو بھی اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں ہے۔ وہ کم از کم تمہاری خوشی دیکھنے کی تمنائی ہیں۔''

''آپ مجھے بھی تو سمجھنے کی کوشش کریں، مجھے مما کے حقوق سے انکار نہیں ہے، میں ان کے حکم پر اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔ انہوں نے ہم تینوں کو پاپا کے بعد کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ ہماری خوشیوں کے لیے انہوں نے کبھی سمجھوتا نہیں کیا، صرف اسی لیے کہ ہمیں کسی قسم کا کامپلیکس نہ ہو، ہماری شخصیت میں کوئی محرومی نہ رہ جائے، اسی لیے پھپھو مجھے اس مقام پر تعجب ہے کہ مما نے فیصلہ کرتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ مما کی طرح میری بھی تو کسی سے کمٹ منٹ ہو سکتی ہے۔'' اس بار اس نے اپنے دل کی بات کہہ دی تو مدحت پھپھو اسے حیرانی سے دیکھتی رہ گئیں۔

''تمہارا مطلب ہے کہ تم..... کون ہے وہ؟''

''اب کیا فائدہ اس سے کہ کون ہے وہ، جب کہ آپ اور مما ایک فیصلے پر متفق ہو چکی ہیں۔''

''مگر تمہارے کسی فعل سے تو کبھی ظاہر ہی نہیں ہوا اور تم نے اپنی ماں کے سامنے کبھی اس قسم کا تاثر بھی نہیں دیا، وہ تو صرف یہی سمجھی بیٹھی ہیں کہ تم نے نیا نیا بزنس سنبھالا ہے اس لیے ٹال مٹول کر رہے ہو۔''

''اب کوئی شور مچانے والی بات تو نہیں تھی، وقت آتا تو بتا دیتا، مما نے بھی تو اپنے اداروں کو اب ظاہر کیا ہے، حالانکہ مجھے آئے ہوئے بھی سال ہو رہا ہے اور جب کہ وہ فیصلہ بھی تین چار سال قبل کر چکی تھیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اس نے کرسی کی پشت پر گردن پیچھے کر کے آنکھیں موند کر بے بسی سے کہا۔ پھپھو مدحت اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے قریب آ گئیں۔ اس کی پیشانی پر بکھرے بال اپنے ہاتھ سے سنوارنے لگیں، محبت بھرے لمس پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''بیٹا! ہر انسان کی زندگی کبھی نہ کبھی اسے ایک دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیتی ہے، نوید! زندگی میں تمہیں تمہاری بچھڑی خوشیاں کبھی بھی آ کر مل سکتی ہیں مگر بیٹا! سوچو اگر ماں اور اس کی محبت ایک بار بچھڑ گئی تو پھر لاکھ کوشش کے باوجود تم نہیں پا سکو گے، یہ اٹل حقیقت ہے، ان کا مان نہ توڑو۔ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ، بھابھی جان کا انتخاب لاجواب ہے۔ وہ لڑکی کسی بھی گھر کو جنت بنا سکتی ہے، وہ ذہین و نیک سیرت ہونے کے ساتھ ساتھ خوب صورت بھی ہے تم بھابھی کے فیصلے سے مایوس نہیں ہو گے۔''

پھپھو مدحت نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا۔ حالانکہ وہ ان کی بات پوری توجہ سے سن رہا تھا، سمجھ رہا تھا، ان کی آخری بات پر سیدھا ہو کر گویا ہوا۔

''جب مما کی خوشی ہی چاہیے تو پھر وہ کسی بھی ہو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، او کے آپ مما سے کہہ دیجیے گا وہ اپنی خواہش اور خوشی پوری کر لیں۔''

وہ ہارے ہوئے انداز میں کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ انہیں اس کے اقرار سے جہاں خوشی ہوئی وہاں اس کے انداز پر افسوس ہوا۔ انہوں نے تاسف سے..... اونچے لمبے مردانہ وجاہت کے پیکر بھتیجے کو دیکھا۔ جو زندگی کے سب سے اہم معاملے میں سمجھوتا کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ لیکن انہیں یقین تھا۔ سمعیہ کو پاتے ہی وہ پچھلی تمام باتوں کو بھلا کر نئی زندگی میں گم ہو جائے گا۔

نوید نے ایسے ہی اپنی ماں کی محبت پر اپنی محبت قربان نہیں کی تھی۔ اسے احساس تھا کہ ماں نے تن تنہا انہیں اس دنیا کے سرد و گرم سے بچایا تھا۔ باپ کی بے وقت موت کے باوجود کبھی ان کی ممانز مین حسن خان نے انہیں کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ ماں کے ساتھ انہیں ان کی ذات سے باپ کی شفقت و تحفظ بھی ملا تھا۔ جس وقت حسن خان کی موت ہوئی تھی۔ اس وقت نوید حسن خان صرف نو برس کا تھا اور عبید اور جنید خاصے چھوٹے تھے۔ نرمین حسن خان پر بھی جوانی کا عروج تھا۔ پھر بھی انہوں نے اکیلے کسی کی مدد کے بغیر نہ صرف شوہر کا بزنس سنبھالا تھا بلکہ بچوں کی پرورش کے ساتھ ان کی تعلیم و تربیت بھی اعلیٰ پیمانے پر کی تھی اور خود کو بھی معتبر رکھا تھا، اسی لیے تو مدحت کے دل میں عام نندوں سے ہٹ کر اپنی بھابھی کے لیے عزت و احترام اور محبت تھی۔

وہ اپنے خیالوں میں مگن ڈرائیو کر رہا تھا پتا ہی نہ چلا کب گھر آ گیا۔ مما پورچ میں ہی اپنی منتظر ملیں۔ مدحت پھپھو نے شاید انہیں فون پر خوشخبری سنا دی تھی۔ مما کے چہرے پر پھیلے خوشی کے رنگ دیکھ کر اس نے اپنی پہلی محبت کی کسک کو دل میں دفن کر کے ہونٹوں پر اطمینان بھری مسکان

سجالی۔ وہ گاڑی بند کر کے ان کی طرف بڑھا۔

''السلام وعلیکم مما! خیریت آپ یہاں کھڑی ہیں۔؟''

''وعلیکم السلام، ہاں اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی۔ تم نے مجھے آج بہت بڑی خوشی دی ہے۔'' نم آنکھوں سے انہوں نے بیٹے کی پیشانی چوم لی۔ وہ انہیں بازو کے گھیرے میں لے کر اندر کی طرف بڑھا۔

''آپ اکیلی ہیں گھر پر، دونوں کہاں گئے؟'' وہ ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھے۔

''اپنی بھابھی سے ملنے۔ مجھ سے لڑ رہے تھے، میں نے انہیں ملوایا نہیں تھا آج تک، میں نے اب کہا ہے مل آؤ اب دیکھو دونوں شیطان بے چاری سمعیہ کا کیا حال کرتے ہیں۔''

وہ بے حد خوش تھیں۔ آنکھوں میں، چہرے پر خوب صورت چمک تھی۔ نوید سے ماں کو نظر بھر کر دیکھا نہ گیا۔ اصل میں وہ خود اپنے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو چھپانا چاہ رہا تھا، فوراً ان کے سامنے سے اٹھ گیا۔

''مما! میں ذرا فریش ہو جاؤں پلیز، آپ چائے بنوا دیں۔''

وہ سیدھا دوسری منزل پر اپنے کمرے میں پہنچا، اپنے ذہن میں بھٹکتے خیالات کو جھٹکتے ہوئے اس نے شاور لیا، کپڑے تبدیل کر کے دوبارہ نیچے آ گیا۔ مما اس کے لیے چائے بنا کر منتظر بیٹھی تھیں۔ چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ خوشی و بے چینی سے گویا ہوئیں۔

''سنی! میں چاہتی ہوں کہ اب یہ کام جلدی کروں، میرا مطلب ہے تمہاری شادی۔ میں نے کل مدحت کو بلایا ہے، کل ہم تاریخ لینے جائیں گے، سمعیہ کے ماموں کو بھی فون کر دیا ہے۔ ہم چاہ رہے ہیں کہ اگلے ماہ کی کوئی مناسب تاریخ لے لیں۔''

''مما! اتنی جلدی، اس ماہ کے ختم ہونے میں صرف تین دن رہ گئے ہیں۔'' اسے اتنی جلدی کی توقع نہیں تھی۔

''میرے پاس وقت نہیں ہے بیٹا! کبھی بھی دل دھڑکنے سے منکر ہو سکتا ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے سمعیہ کو اس گھر میں چلتے پھرتے دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''پلیز مما! ایسی باتیں مت کریں۔'' نوید نے ان کا چہرا اپنی طرف گھمایا ان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ نوید سے برداشت نہیں ہوا۔

''یہ میرا برسوں پرانا خواب ہے۔ مجھے ایک بیٹی کی شدید خواہش رہی ہے، سمعیہ کو تو میں تب

ہی لانا چاہتی تھی جب فرغانہ نے مرتے ہوئے میرے حوالے کیا تھا لیکن تمہاری تعلیم کی وجہ سے مجھے اپنی خواہش دبانی پڑی۔ بڑی پیاری اور معصوم بچی ہے۔ نجانے کیوں اسے دیکھتے ہی میرے اندر محبت اُبلنے لگتی ہے۔

تم ضرور میرے فیصلے پر الجھے ہو گے، شاید تمہیں یہ غلط بھی لگا ہو گا، مگر بیٹا! میں مجبور ہوں۔ میری خود سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے کیسے اس وقت بنا سوچے سمجھے تمہاری شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ شاید یہ تقدیر میں لکھا تھا، کاتب تقدیر نے میرے دل و دماغ میں ایسا کچھ ڈال دیا تھا ورنہ میں تمہاری مرضی و خواہش تو ضرور پوچھتی مگر میرا وعدہ..... میں ڈرتی تھی کہ اگر تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تو تم کہیں انکار ہی نہ کر دو۔'' مما وضاحتیں کر رہی تھیں، نوید مما کی باتیں لب بھینچے سن رہا تھا محسوس کر رہا تھا پھر بھی اس کے اندر کوئی مچل رہا تھا۔ اس کے لہجے میں عجیب سے دُکھ کی آمیزش تھی۔

''چھوڑیں مما! اب ان باتوں کو، آپ اپنی خوشی پوری کریں، میں کوشش کروں گا، آپ کی توقع کے مطابق شیڈول بنا لوں گا۔'' اس نے جیسے خود کو بالکل ہی بے بس پایا۔

اسی لمحے عبید اور جنید اندر داخل ہوئے دونوں بھائی کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔

''ہوں تو مل آئے ہو اپنی بھابھی سے کیسی ہے؟'' مما نے پوچھا۔

''اے ون، بھائی آپ بہت لکی ہو ریلی، بہت معصوم اور پیاری ہیں ہماری بھابھی۔ مما! ویسے آپ ہمیشہ اچھی چیزیں بھائی کے لیے منتخب کرتی ہیں۔''

اس کے لہجے میں چھپی شرارت سمجھ کر نرمین حسن خان نے محبت سے ایک دھپ اس کی کمر پر جمائی۔ ''بدتمیز! کچھ خیال کیا کرو۔''

''مما! وہ ہم سے شرما رہی تھیں، ہمارے سامنے بھی نہیں آ رہی تھیں۔ یہ جاتے ہی زبردستی ان کے روم میں گھس گیا اور پتا نہیں انہیں کیا کچھ کہہ کے آیا ہے۔'' عبید نے اس کے گھورنے کے باوجود اس کی شکایت لگائی۔

کتنے خوش تھے اس کے بھائی، اس بات سے بے خبر کہ جس سے وابستہ یہ خوشیاں ہیں وہ اندر ہی اندر غم میں ڈوبا جا رہا ہے۔

''اچھا اب زیادہ بکواس نہیں کرو، اٹھو جا کر اسٹڈی کرو۔''

''بھائی! کتنا اچھا ٹاپک چل رہا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں، پڑھو جا کر۔ اچھا پڑھ لوں گا

ناں۔'' اس کے گھورنے پر فوراً صفائی پیش کی۔

نوید اپنے ذہن میں امڈ آنے والے ان گنت خیالوں کے ڈر سے اُٹھ آیا تھا۔ چند ماہ پہلے ہی اس پر اس اچھوتے جذبے کا ادراک ہوا تھا، اس سے پہلے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی مما کے علاوہ بھی کسی صنف مخالف سے اس قدر متاثر ہوگا کہ اس کو پانے کی خواہش دل میں جڑ پکڑ جائے گی، جس کی طلب و خواہش حاصل زندگی لگے گی۔

☆☆☆

''سمارا علوی سے اس کی پہلی ملاقات اپنے دوست ضمام آفندی کے گھر ایک پارٹی میں اس کی خالہ زاد کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ وہ ماڈرن سوسائٹی کو موو کرنے والی پہلی لڑکی تھی جو نوید حسن خان کے دل کے تار چھیڑ گئی تھی۔ وہ بھی اپنے حُسن کے جادو سے اچھی طرح واقف تھی اسی لیے نوید حسن خان کی بے خودی پہلی نظر میں ہی بھانپ گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے شوق کو ہوا دے کر اس سے فاصلے بڑھا کر پھر اس کے قریب آئی تھی، حالانکہ وہ خود بھی نوید حسن خان کی شاندار شخصیت پر فریفتہ ہو چکی تھی اس کا اونچا لمبا قد، مردانہ وجاہتوں میں گندھا پیکر کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا۔ اس پر مستزاد وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ کامیاب بزنس مین بھی ثابت ہو چکا تھا۔ اس کا بھاری و دھیما لہجہ اس کے دل کی دنیا بھی زیر و زبر کر گیا تھا۔ نوید سے پہلے بھی وہ بے شمار مردوں سے ملی تھی جو اس کی شوخیوں، اداؤں کے دام میں الجھے تھے مگر وہ خود پہلی بار نوید کے زیر دام آئی تھی اس کے ساتھ کی تمنائی تھی۔ اس کا شعلوں جیسا دہکتا حُسن مزید بھڑک اُٹھا تھا۔ اس کی فطرت میں ترنگ اور بڑھ گئی تھی، اس کی اداؤں میں بانکپن عروج پر آ گیا تھا۔ اس کے جلوؤں میں آنچ جیسی حدت بھر گئی تھی جو فاصلے پر رہنے کے باوجود نوید حسن خان کو سلگاتی رہتی تھی۔ شاید اس کی ان ہی اداؤں نے مل کر نوید جیسے سنجیدہ مزاج کے مرد کو زندگی کے معنی سمجھائے تھے۔ وہ اپنی لگی بندھی روٹین پر قناعت کیے ہوئے تھا سمارا سے مل کر اسے زندگی کا مقصد سمجھ آنے لگا تھا کہ کسی کو چاہنا، کسی کی چاہت کو پانا کتنے بڑے اعزاز کی بات ہوتی ہے، کسی کی چاہ سے کیسے اندھیری زندگی پُرنور ہوتی ہے۔ اردگرد کا ہر منظر قابل دید اور خوبصورت ہو جاتا ہے جینے کی خواہش شدید تر ہو جاتی ہے، خوابوں میں دھنگ رنگ ہر سو بکھرا رہتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ ساری خوبصورتیاں محسوس کر رہا تھا اور اپنے اندر جذب کر رہا تھا اور انہیں مستقل اپنے اردگرد رکھنے کے لیے سمارا علوی سے اظہار بھی کرنا چاہ رہا تھا، مگر اب تقدیر نے اس سے قوت اظہار ہی چھین لی تھی۔ سمارا سے ملاقاتوں کا مقصد

اگرچہ عیاں تھا پھر بھی دونوں کے درمیان کھل کر اظہار محبت نہیں ہوا تھا۔

سمارا اپنی تمام تر بے باکی و بولڈنیس کے نوید حسن خان سے اظہار میں پہل چاہتی تھی، یہ اس کی شخصیت و ذات کی تکریم کا مسئلہ تھا۔ اس مقام پر عورت کا سر بلند رہنا جائز تھا اور نوید حسن بھی عنقریب اسے یہ سر بلندی بخشنا چاہتا تھا مگر اب مما کے فیصلے نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ اپنی تمام امنگوں اور سارے جذبوں کو دل میں دبانے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

وہ ہر لحاظ سے سمارا کو اپنے لیے مناسب سمجھتا تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال کبھی نہیں آیا تھا کہ مما اس کی پسند سے اختلاف کریں گی اور اسے اپنی پسند کا پابند بنا دیں گی۔ بے بسی سے سوچتے سوچتے نہ جانے کیوں ذہن میں عجیب طرح کا غصہ بھر گیا تھا۔ دل میں عجیب طرح کے جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ وہ جو نارمل ڈرائیو کر رہا تھا ایک دم سپیڈ بڑھا دی، سمارا کے تصور کو آنکھوں میں بسا کر مخاطب کیا۔

''سمارا! میں اگر تمہیں نہیں پا سکا تو وہ بھی مجھے نہیں پا سکے گی، مما کی خوشی اور زندگی کے لیے میں شادی تو کر سکتا ہوں مگر اس کے بعد کچھ نہیں کر سکتا، نہ اسے حقوق دوں گا اور نہ ہی محبت۔'' اس نے جیسے خود سے عہد کیا اور اس کا وجود، اس کا ذہن کسی کشمکش سے آزاد ہو گئے۔ وہ کچھ سکون محسوس کر رہا تھا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے وہ کافی دور نکل آیا تھا۔ خیال آتے ہی اس نے واپسی کے لیے گاڑی موڑ لی۔

☆☆☆

سمارا علوی سے کئی دنوں سے ملاقات نہیں ہو رہی تھی جبکہ نوید اس سے ملنے کو بے چین و بے قرار تھا۔ وہ جانتا تھا۔ ضمام کے ذریعے اس کی شادی کی خبر سمارا تک پہنچ جائے گی۔ اس لیے وہ پہلے ہی خود مل کر سمارا کو تمام حالات اور اپنے عزائم سے آگاہ کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر اس سے بدگمان نہ ہو جائے۔ وہ کسی قیمت پر اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

اپنے آفس میں بیٹھا اس سے ملنے کے لیے فون کر ہی رہا تھا کہ وہ اپنی مخصوص بے تکلفی سے چلی آئی۔ اسے دیکھتے ہی جیسے کھل اٹھا۔

''تھینک گاڈ، تم آ گئیں۔ میں تمہیں ہی رنگ کر رہا تھا۔''

''کوئی خاص بات تھی کیا؟'' وہ بڑی ادا سے پوچھتے ہوئے بیٹھ گئی۔

''پلیز اٹھو، کہیں باہر چلتے ہیں، مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔''

''رئیلی؟'' اس نے بڑی بے چینی و بے یقینی سے پوچھا تھا۔ اس کا کچھ کہنا اسے کوئی اور مطلب سمجھا رہا تھا۔ جس کو سننے کے لیے وہ عرصے سے بے تاب تھی۔ اس سے ملنے والا ہر مرد پہلی ہی ملاقات میں اس کے ساتھ کا تمنائی ہو جاتا تھا۔ یہ نوید حسن خان ہی تھا، جس نے پانچ چھ ماہ کی مدت میں خود کر کچھ کہنے کے لیے تیار کیا تھا۔ وہ جانتی تھی پہلی ملاقات میں ساتھ کے تمنائی صرف وقت گزاری کے لیے اس پر لفظوں کا سحر پھیلاتے تھے اور جبکہ نوید حسن خان کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ اس کے ساتھ وقت نہیں گزارے گا، بلکہ اس کا ہمیشہ کا ساتھ چاہے گا۔ اس نے اپنی اہمیت بڑھانے کے لیے کہا۔

''مگر میں تو تھوڑی دیر کے لیے آئی ہوں، آج کل گھر میں پاپا کے دوست کی فیملی آئی ہوئی ہے اسی لیے تو اتنے دن نہیں آ سکی۔ پاپا کے فرینڈ کا بیٹا فصیح جان ہی نہیں چھوڑتا، رئیلی اب بھی بڑی مشکل سے جان چھڑا کر آئی ہوں۔''

سارا نے کیوٹکس سے سجے ہاتھوں کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہوئے نوید کے متغیر ہوتے چہرے کو بھی دیکھا، جو ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔

''مگر سارا! مجھے بہت اہم بات بتانی ہے، تمہیں بعد میں گلہ رہے گا، بلکہ بدگمانی بھی ہو گی، پلیز کچھ دیر۔'' نوید نے خلاف طبیعت ذرا منت سے کہا۔

''او کے چلتی ہوں مگر زیادہ ٹائم کے لیے اصرار مت کرنا۔ پاپا نے فصیح کو کمپنی دینے کے لیے کہا ہے۔''

''پلیز میں اپنے اور تمہارے درمیان کسی فصیح کو سننا نہیں چاہتا۔''

آخر اس سے ضبط نہ ہوا سختی سے کہتا اُٹھ کھڑا ہوا۔ میز سے چابی اٹھائی، انٹر کام پر اپنی سیکرٹری کو جانے کا بتایا۔ وہ بھی کھلکھلاتی پرس جھلاتی اٹھی اور اس کے ساتھ ایک قریبی ریسٹورنٹ میں آ بیٹھا۔ کافی کا آرڈر دینے تک وہ بالکل خاموش رہا۔

''نوید! اتنے چپ اور پریشان کیوں ہو، کیا فصیح کی وجہ سے جیلیسی فیل کر رہے ہو، میں تو تمہیں ایسا نہیں سمجھتی تھی۔''

''میں ایسا بھی نہیں سمی! مجھے اپنی محبت پر اعتماد ہے، بس میرے ساتھ ایک پرابلم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے میں پریشان ہوں۔''

اس نے بالآخر اپنی محبت کا کھلا اظہار کر دیا تھا۔ بڑی مدت بعد وہ کھلا تھا۔ سارا بے یقینی سے

تکے گئی۔

''میں تمہیں جو بتانے جا رہا ہوں، پلیز اسے بڑے تحمل سے سننا میرے حالات کا جائزہ لینے کے بعد کوئی فیصلہ کرنا۔'' نوید نے آج پہلی بار بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''مجھے غلط مت سمجھنا میں نے میرے دل نے پوری ایمانداری سے تمہیں چاہا ہے اور پانے کی خواہش کی ہے۔ میں جذبوں کے لیے اظہار ضروری نہیں سمجھتا میں تمہاری زندگی بھر کا ساتھ چاہتا تھا۔'' سارا کے چہرے پر فتح مندانہ احساس دوڑا تھا، آنکھوں میں چمک اُبھر آئی۔ ریسٹورنٹ کا خواب آگیں ماحول گنگنا اُٹھا۔

''مگر اس سے پہلے کہ میں اس کے لیے کوئی عملی قدم اٹھاتا۔ میری راہ میں کئی مجبوریاں دیوار کی طرح حائل ہو گئیں۔

میں جانتا ہوں تمہیں اس لفظ سے چڑ ہے، تمہارے نزدیک مجبوری کوئی حیثیت نہیں رکھتی، مگر سارا اگر حقیقت پسندی سے سوچو تو تمہیں اندازہ ہو کچھ رشتے انسان کی زندگی سے زیادہ اہم ہوتے ہیں، میری مما نے ہماری.....''

''اوہ..... تو مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے تمہیں بھی وہی گھسا پٹا جواز پیش کرنا پڑ رہا ہے۔ کیا کہنا چاہتے ہو تم کہ مجھے تمہاری مما نے ایکسپیٹ نہیں کیا۔ اور تم اپنی مما کی دھمکیوں سے مجبور ہو گئے ہو۔'' سارا نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچ لیا۔ اس کے لہجے میں بڑی کاٹ تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ مما تو تمہارے بارے میں جانتی بھی نہیں ہیں۔ مگر وہ بہت پہلے کمٹ منٹ کر چکی تھیں۔ مجھے اور میرے بھائیوں کو بھی کچھ دن پہلے بتایا ہے۔ وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں، میں انہیں کوئی دکھ نہیں دے سکتا۔ تم نہیں جانتیں، انہوں نے کبھی میری کوئی خواہش رد نہیں کی۔ مگر میری شادی کا فیصلہ وہ یک طرفہ طور پر کر چکی ہیں اور میں انہیں مجبور نہیں کر سکتا۔ مگر تم یقین کرو نوید حسن خان صرف تمہارا ہے، یہ شادی صرف مما کی خوشی ہو گی، میری نہیں۔ میں نے صرف ان کی خاطر اپنی خواہشوں کو، اپنی محبت کے پہلے احساس کو دبایا ہے۔ یقین کرو، میں اپنی محبت، اپنے جذبات کسی اور کو نہیں دوں گا، اگر تم تھوڑا انتظار کرو تو میں تم سے شادی کر لوں گا، بس تھوڑا انتظار پلیز ٹرائی ٹو انڈر سٹینڈ می۔''

وہ پہلے جھنجھلایا تھا پھر نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ وہ نخوت سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''سارا علوی نے ہمیشہ اپنے لیے زیرو میٹر چیزوں کا انتخاب کیا ہے۔ نوید حسن خان! مجھے احساس ملکیت چاہیے۔ کسی اور کی الاٹ منٹ پر اپنا محل بنانا نہیں چاہوں گی اور نہ ہی چھیننے کی مجھے عادت ہے تم اگر میرے ہو تو صرف میرے ہو ورنہ۔''

وہ کھٹ کھٹ کرتی نکلتی چلی گئی اور وہ اسے روک بھی نہ سکا۔ اس نے بعد میں بھی کئی بار فون کر کے اسے منانے کی کوشش کی تھی مگر وہ کوئی بات سننے کی روادار ہی نہیں تھی۔

☆☆☆

مما شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں جیسے جیسے دن قریب آ رہے تھے، وہ اندرونی گھٹن میں مبتلا ہو رہا تھا۔ بے چینی و بے قراری بڑھ رہی تھی۔ مما اور بھائی اپنی خوشیوں میں مگن تھے۔ اس کے رویوں کا کسی نے نوٹس نہیں لیا تھا۔ ایک طرح سے اس کے لیے یہی اچھا تھا ورنہ اسے جواب دینا مشکل ہو جاتا۔ اپنے تمام تر غصے کے باوجود اسے مما کی خوشیوں کا بھرم رکھنا تھا اور اس کے لیے وہ کوشاں بھی تھا خود کو نارمل ظاہر کر کے وہ مما کا مان رکھ رہا تھا۔ وہ ہر چیز اس کے سامنے رکھ کر اس کی پسندیدگی ضرور پوچھتی تھیں۔ کبھی وہ خاموشی اختیار کر لیتا تھا کبھی کہتا۔

''آپ کی پسند میری پسند ہے۔'' مدحت پھپھو اپنے بیٹے اور بیٹی کے ساتھ رہنے کے لیے آ گئی تھیں، گھر میں ہر وقت ایک ہنگامہ سا رہتا تھا۔

شادی سے دو روز پہلے مما نے بہت سنجیدگی سے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا۔ وہ الجھن اور حیرت میں مبتلا ان کے روبرو تھا۔ گھر میں معمول کا ہنگامہ تھا۔ اس لیے کوئی اور متوجہ نہیں ہو سکا تھا۔ مما کو سنجیدہ دیکھ کر اس نے پریشانی سے پوچھا۔

''کیا بات ہے مما! کوئی پرابلم ہے؟'' وہ ہولے سے مسکرائیں۔

''اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ کوئی پرابلم نہیں ہے۔ بس تم سے چند باتیں کرنی ہیں۔''

''جی کہیے، میں سن رہا ہوں۔''

''سمیعہ کے بارے میں تمہیں کچھ باتوں سے آگاہ کرنا بہت ضروری ہے۔ تم تو صرف اتنا ہی جانتے ہو نا کہ وہ میری سہیلی کی بیٹی ہے مگر۔''

''مما! اب وضاحت و تفصیل کی ضرورت بھی کیا ہے۔ پلیز مما آپ خوش ہیں، بس مجھے کچھ نہیں جاننا۔'' وہ اُٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

مما کی سنجیدگی اسے اندر ہی اندر دہلا بھی گئی تھی۔ اس لیے اپنا دکھ بھلا کر وہ انہیں خوش رہنے

کی تلقین کر رہا تھا۔

''ضرورت ہے نا بیٹا! کل کو تمہیں کسی اور سے کچھ معلوم ہو اور تم سمیعہ سے بدگمان ہو جاؤ، میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گی۔ میں نے تمہیں بتایا ہے نا کہ میں سمیعہ کو اپنی بہو نہیں بیٹی کی حیثیت سے دیکھتی ہوں، اس لیے اس کا کوئی بھی دکھ میں برداشت نہیں کر سکوں گی۔ دنیا کچھ بھی کہے مجھے کوئی پروا نہیں میں تو صرف تمہارے ذہن و دل کو اس کی طرف سے صاف شفاف دیکھنا چاہوں گی۔'' مما کے ازحد سنجیدہ لب و لہجے پر وہ ٹھٹھک گیا۔

''سمیعہ کی ماں میری سہیلی فرغانہ نے کچھ اچھی زندگی نہیں گزاری تھی۔ ماں باپ کی بے وقت موت کے بعد اس کا وجود اپنے سگے بھائی اور بھابھی پر بوجھ بن گیا تھا۔ جس سے پیچھا چھڑانے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ تم شاید اندازہ نہ کر سکو کہ متوسط طبقے کے لوگ معاشی بدحالی کی وجہ سے آپس میں سازشوں اور گھریلو سیاست کا شکار رہتے ہیں۔ فرغانہ کی بھابھی نے نہ جانے کس جذبے کے تحت اپنی نند کے لیے ایک ایسے شخص کا پرپوزل پیش کیا تھا جو کسی بھی لحاظ سے اس کے قابل نہیں تھا۔ وہ انسان انتہائی ذلیل اور گھٹیا ثابت ہوا۔ شادی کے بعد ابتدائی دنوں میں ہی فرغانہ پر اس کے رنگ ڈھنگ واضح ہو گئے تھے۔ وہ پولیس کو جانے کس کس جرم میں مطلوب تھا شادی کے چند ہفتے بعد ہی پولیس نے اسے رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا تھا۔ اسے آٹھ نو سال کی طویل سزا ہوئی تھی۔ فرغانہ نے یہ عرصہ جس کسمپرسی میں گزارا اس سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔

نہ تو اس کے بھائی نے اسے سہارا دیا اور نہ ہی کسی عزیز رشتہ دار نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا۔ رہائی کے بعد اس کے شوہر نے زبردستی اس سے رجوع کیا۔ وہ ایک مجبور و لاچار مشرقی بیوی معاشرتی قانون کے ہاتھوں بے بس عورت تھی۔ اگر ایسا نہ کرتی اس کے اپنے ہی بدنامی و رسوائیوں کے پتھروں سے اسے سنگسار کر دیتے۔ شوہر کو سدھارنے کے اس نے بہت جتن کیے۔ اپنا آپ مار کر اسے سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کی مگر وہ خبیث انسان اس کے کمائے ہوئے پیسوں پر عیش کرنے کے باوجود اسے چٹکیوں میں اڑا دیتا تھا۔ کہتے ہیں نا..... کہ چور چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں۔'' مما مسلسل بول رہی تھیں اور وہ منہ اٹھائے انہیں سن رہا تھا۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''وہ شخص اتنی سزا کاٹ کر آنے کے باوجود سدھرا نہیں تھا۔ اس کے کئی ایک دشمن تھے جو

اسے گلی گلی ڈھونڈتے پھرتے تھے، پھر سنا تھا وہ کسی چکر میں ملک ہی چھوڑ کر بھاگ نکلا، اسے نہ اپنی چند ماہ کی بچی کی پروا تھی اور نہ ہی مجبور بیوی کی وہ آج تک روپوش ہے، کبھی پلٹ کر خبر نہیں لی۔ فرغانہ ان ہی دکھوں، غموں سے تڑپتی ہوئی خود کو روگ لگا بیٹھی تھی، جیسے تیسے بیٹی کی پرورش کرتی رہی تھی اور جب اس کی ہمت جواب دے گئی تو پھر سے بھائی کے دروازے پر آپڑی۔ تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان کے رویے کیسے ہوں گے۔ ان ہی کے رویوں سے جہاں وہ موت سے قریب تر ہو رہی تھی وہاں بیٹی کا وجود اس کے مستقبل کا خوف اسے آسانی سے مرنے بھی نہیں دے رہا تھا۔ تمہارے۔ پاپا کی ڈیتھ کی وجہ سے کتنا عرصہ میں اس سے بے خبر رہی تھی اور جب اس نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں مجھے بلایا تو میں نے اس کی آنکھوں میں ایک ہی التجا دیکھی تھی۔ وہ بڑی آس سے میری طرف دیکھتی تھی۔ میں اس کی امید توڑ نہ سکی۔

اسی لیے مجھ سے اچانک یہ فیصلہ ہو گیا اور میں نے فرغانہ کو بھی امید کی ڈوری تھما دی کہ سمیعہ کو میں اپنی بہو بناؤں گی۔

یہ سب باتیں میں تم سے اس لیے کر رہی ہوں کہ کہیں کل کو سمیعہ کا باپ اس کا دعوے دار بن کر آ جائے یا پھر تم اس کے باپ کے ماضی سے آگاہ ہو کر جذبات میں کوئی قدم اٹھا لو۔ اس لیے تمہیں پہلے ہی تمام حقائق کا علم ہونا چاہیے۔ تم اس کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے صرف اتنا سوچنا کہ وہ تمہاری مما کا انتخاب ہے اور ماں کبھی نہیں چاہے گی کہ وہ اپنے بچوں کے لیے غلط انتخاب کرے یا کوئی غلط فیصلہ کرے، تم وعدہ کرو کبھی اس کے یا باپ کے کسی فعل پر اس سے باز پرس نہیں کرو گے۔ بلکہ اس کے دل سے تمام خدشے، خوف باہر نکالو گے، اپنے باپ کی حقیقت سے وہ اچھی طرح آگاہ ہے۔ تم وعدہ کرو اس کو خوش رکھو گے۔'' مما آبدیدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں اور وہ کشمکش کا شکار تھا۔

مما اپنی سہیلی کے دکھوں پر آنسو بہا رہی تھیں اور اس کا دل اپنے دکھوں پر دکھ تو یہ سب سن کر اسے بھی ہوا تھا۔ یہ دل اگر بیچ میں نہ آیا ہوتا تو وہ فوراً تجدید عہد کر لیتا مگر دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ سمیعہ کے وجود سے اسے کوئی دلچسپی لگاؤ پیدا نہ ہو سکا تھا۔

''مما! آپ کبھی سوچ سکتی ہیں کہ میں کبھی کسی کی دل آزاری کروں گا، جو کچھ گزر گیا ہے۔ آپ اسے دہرا کر دکھی مت ہوں۔ آپ نہیں جانتیں، آپ کے دکھ، آپ کے آنسو مجھے کس قدر تکلیف پہنچاتے ہیں۔'' وہ ان کے ہاتھوں پر جھکا تو انہوں نے بھی اس کا سر تھپتھپایا۔

''میں بالکل مطمئن ہوں، بس ایک بوجھ تھا جو تم سے کہہ کر ہلکا ہو گیا ہے، اب مجھے کوئی فکر نہیں انجوائے یور سیلف، یہ دن پھر کبھی نہیں آئیں گے۔'' مما کی آنکھوں میں چمکتے جگنو دیکھ کر وہ بس سر ہلا کر رہ گیا۔

وہ دوہری کیفیت کا شکار ہو رہا تھا۔ ایک طرف مما کی امیدیں، ان کے وعدے، ان کے ارادے تھے تو دوسری طرف اس کا اپنا دل تھا، خواہشیں تھیں جذبے تھے۔

وہ اپنے ذہن و دل میں سمیعہ کے لیے ایک فیصد بھی گنجائش نہیں نکال پایا تھا۔ اس کے نزدیک اس کی خوشیوں کی قاتل صرف سمیعہ تھی جس کے لیے مما نے اس کی خوشی کا خیال بھی نہیں رکھا تھا، حتیٰ کہ اس کی ذات کو بھی پس پشت ڈال دیا تھا۔

☆☆☆

مما نے شادی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، بڑی دھوم دھام سے پورے اعزاز کے ساتھ سمیعہ کو دلہن بنا کر ''حسن لاج'' میں لائی تھیں۔ گھر کا کونا کونا جگمگا رہا تھا۔ بڑی مدت بعد ''حسن لاج'' میں کوئی خوشی اتری تھی اور ایک طویل عرصے بعد زمین حسن خان کو حقیقی طور پر خوش دیکھا گیا تھا۔

نوید حسن خان بھی اندر سے بجھا بجھا ہونے کے باوجود مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجائے سب کے درمیان موجود تھا۔ سب کی بے حد تعریفوں کے باوجود اس کے دل میں اپنی دلہن کو دیکھنے کی ذرا بھی خواہش نہیں جاگی تھی۔

تمام خیالات جھٹک کر اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور بہت آہستگی سے اندر داخل ہو گیا۔ اسے اپنا کمرا ہی اجنبی اجنبی لگ رہا تھا۔ سب کچھ نیا نیا تھا۔ ڈریسنگ روم کا رخ کرتے ہوئے غیر ارادی طور پر اس کی بیڈ پر نظر پڑی تو اس نے شکر کا سانس لیا۔

سمیعہ بے حد تھکی ہوئی تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے تو اسے آرام کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں آ سکا تھا۔ اس کی مامی جہاں اس سے جان چھڑانے کے لیے ہر وقت باتیں سنایا کرتی تھیں۔ اب اس کی شادی ہونے پر بھی واویلا مچائے ہوئے تھیں۔ اسے ایک منٹ بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا تھا۔ مگر یہاں اس کی جس قسم کی آؤ بھگت ہوئی تھی اس سے وہ خاصی مطمئن ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر قبل پھپھو مدحت اسے نئے سرے سے سجانے سنوارنے کے بعد ایزی ہو کر بیٹھنے کا کہہ کر گئی تھیں بلکہ خود ہی اس کے پیچھے گول تکیہ لگا کر اسے نیم دراز ہو کر ذرا ٹانگیں سیدھی کرنے کو کہا تھا، ان کے سامنے تو وہ

جھجکی رہی تھی مگر پھر ان کے جاتے ہی تھکن غالب آ گئی تھی۔ بند پلکوں کے پیچھے خوش آئند خیالات اس گدگدا رہے تھے۔ اپنی خوش نصیبی پر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسی دھن میں نہ جانے کب وہ نیند کی آغوش میں سما گئی۔

چند قدم بڑھا کر وہ بیڈ کے قریب آیا، چاندنی کے نور میں نہایا ہوا معصوم حسن اس کی نظروں کے سامنے تھا، زرتار عروسی جوڑے میں لپٹا وجود عجیب بہار دکھا رہا تھا۔ اس کے احساس میں عجیب سی بے چینی گھل گئی۔ مما کی باتیں کانوں میں گونجنے لگیں جو سمیعہ کے ماضی سے وابستہ تھیں۔ مما کا وعدہ بھی یاد آیا مگر وہ کیا کرتا اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا جہاں ابھی تک سارا علوی کے جلوے روشن تھے۔ اگر وہ سارا کے خیال کو دل سے نکال کر دیکھتا تو وہ سارا سے کہیں بڑھ کر حسین تھی۔ ضمیر کے احتجاج کے باوجود اس نے بنا کسی پیش قدمی کے اپنے ڈریسنگ روم کا رخ کیا۔ سلک کے گولڈن براؤن شلوار سوٹ میں وہ خود بھی مردانہ وجاہتوں کا مکمل پیکر لگ رہا تھا۔

مما نے اسے رونمائی کے لیے کچھ خریدنے کی تاکید کی تھی مگر کچھ ضد اور کچھ بیزاری میں وہ کچھ بھی خرید نہیں سکا تھا۔ اب خیال آتے ہی کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ سب کو مطمئن رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا۔ کچھ عرصے پہلے اس نے سارا سے اظہار کے لیے ایک زبردست سا لاکٹ بنوایا تھا۔ لاکٹ پر این ایس بنا ہوا تھا۔ وہ اپنی محبت کو پہلا تحفہ پیش کرنا چاہتا تھا مگر حالات نے مہلت نہیں دی تھی اب اسے دل پر جبر کر کے وہی تحفہ سمیعہ کی نذر کرنا تھا۔ اپنی وارڈ روب کی سیف سے اس نے لاکٹ کی ڈبیا نکالی اور کمرے میں آ گیا۔

وہ بے سدھ پڑی تھی، حالانکہ غیر آرام دہ حالت میں لیٹی ہوئی تھی پھر بھی چہرے پر اطمینان بکھرا ہوا تھا۔ اس نے جھک کر اس کے پہلو میں لاکٹ کیس رکھ دیا اور پھر بیڈ کے دوسری طرف آ گیا۔ فاصلے بڑھانے کے لیے اس نے اپنا تکیہ اٹھایا اور پھر بیڈ کے دائیں طرف خاصے فاصلے پر پڑے صوفے پر جا کر لیٹ گیا۔ نیند تو آنکھوں سے کوسوں دور تھی پھر بھی اس نے آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کی، کمرے میں پھیلی غیر مانوس مگر دلآویز مہک بار بار آ کر جیسے اسے چھیڑ رہی تھی مگر اسے اپنے دل و نظر دونوں پر اختیار تھا۔

نیند میں سمیعہ کو اپنی گردن اور سر میں کھنچاؤ کا احساس ہوا تھا۔ قریباً ساڑھے تین بجے اس کی آنکھ کھلی، پہلے تو اسے یاد ہی نہ آیا کہ کہاں ہے۔ جیسے ہی احساس ہوا، جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ نوید سفید لباس میں ملبوس آنکھوں پر ایک بازو رکھے ٹانگیں سمیٹے صوفے پر لیٹا نظر آیا۔ شرمندگی کے بھرپور

احساس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بیڈ سے اترنے کے لیے اس نے ہاتھ ٹکا کر آگے کو کھ
چاہا تو اس کے ہاتھ سے کوئی چیز ٹکرائی، جسے اس نے پکڑ کر سامنے کیا پھر لاکٹ کیس کھول
دیکھا۔ این ایس کا لاکٹ اس کے دل میں کئی ان کہے احساس جگا گیا۔ ایک ساتھ اس پر شرمندگی
خجالت اور خود پر غصہ طاری ہوا۔

''یقیناً مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے ہوں گے۔ میرے بارے میں کیا سوچا ہوگا، کتنی نیند کی
کچی ہوں ذرا سا انتظار بھی نہ کر سکی۔ مجھ سے ناراض بھی ہوں شاید۔ اب کیا ہوگا۔ میری وجہ سے
کیسے ان ایزی ہو کر سوئے ہوئے ہیں۔'' وہ بڑبڑائی کمرے میں مکمل سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

وہ بہت آہستگی سے بیڈ سے اتری پھر بھی لباس کی سرسراہٹ، زیورات کی چھنک، چوڑیوں
کی کھنک نے مل کر ماحول کو جیسے جگانے کی کوشش کی وہ سہج سہج چلتی صوفے کے قریب آئی۔ شرم
کے مارے دیکھنے کی نظر اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، پھر بھی چاہ رہی تھی کہ کسی طرح نوید کو جگا
دے، اسے آرام دہ جگہ پر سونے کے لیے کہے۔ نوید سے شرم و جھجک ہونے کے باوجود بڑی
اپنائیت و محبت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ سوچ کر وہ سوئچ بورڈ کی طرف آئی۔ پھر ایک ایک بٹن
چیک کرنے کے بعد آخر وہ لائٹ جلانے میں کامیاب ہو گئی، پل میں کمرہ جگمگا اٹھا۔ اس نے ایک
دم مڑ کر پیچھے دیکھا۔ نوید نے بمشکل خود کو سونے پر آمادہ کیا تھا، ابھی وہ کچی نیند میں ہی تھا کہ اس
کے لاشعور میں چکا چوند روشنی کا احساس جاگا تو وہ کسمسا کر بیدار ہوا۔

جیسے ہی ذہن بیدار ہوا، ایک دم جھٹکا کھا کر اٹھ بیٹھا۔ سمیعہ اس کے اٹھنے پر وہیں جھجک کر
کھڑی ہو گئی تھی فطری شرم و حیا کی وجہ سے ایک قدم اٹھانا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ نوید نے گردن کو خم
دے کر اسے کھڑا دیکھا تو اندر تک تلخی بھر گئی اور پھر خود بخود لہجے میں بھی اتر آئی۔

''کیا بات ہے؟ لائٹ آف کرو، مجھے نیند آ رہی ہے۔'' بڑا عجیب روکھا سا انداز تھا۔ نہ تو
اپنائیت تھی اور نہ ہی اجنبیت، پھر بھی سمیعہ اسے اس لہجے کے لیے حق بجانب سمجھ رہی تھی، کیونکہ
اس کے خیال میں اس سے سنگین غلطی سرزد ہو چکی تھی جو شاید کبھی کسی دلہن نے نہ کی تھی یعنی اپنے
دولہا کو انتظار کی کوفت میں مبتلا کیا تھا۔ وہ فی الحال تو کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی پھر بھی
صوفے کے قریب آ کر اپنے حنائی ہاتھ میں پکڑے لاکٹ کیس کو اس کے سامنے کیا۔

''یہ وہاں بیڈ پر پڑا تھا۔'' مترنم آواز نے ماحول میں جلترنگ بجایا۔ نوید نے سر اٹھا کر اوپر
نگاہ کی، وہ پلکیں گرائے اپنی بات کہہ کر لب بھینچے کھڑی تھیں، پھر بھی لبوں کی لرزش واضح ہو رہی

تھی۔ وہ شاید اپنے قریب کھڑے ہونے پر نروس ہو رہی تھی۔ نوید نے اپنی نظروں کا زاویہ بدلا۔

''تمہارے لیے ہی ہے پہن لو، کل پوچھے جانے والے بہت سے سوالات سے بچ جاؤ گی۔'' سپاٹ لہجے میں کہتا وہ محتاط انداز میں کھڑا ہوا تو وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔ بکھرے بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے نوید نے سوچا۔

''سارا اگر میری زندگی میں نہ آئی ہوتی تو میں مما کی منتخب کی ہوئی لڑکی کو دل و جان سے قبول کرتا مگر اب بہت مشکل ہے، شاید اب زندگی کمپرومائز کے سہارے ہی گزرے گی جو مجھے سمیعہ کے ساتھ کرنا ہوگا، اس بیڈ روم سے باہر کی دنیا اس کے بغیر جینے بھی نہیں دے گی۔'' اس نے اندر کی آواز کو جیسے تھپکی دے کر سلانے کی کوشش کی۔

''لائٹ آف کر دو اور اس بیڈ کے علاوہ کہیں بھی سو جاؤ۔'' سمیعہ نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا مگر وہ بیڈ پر جا کر لیٹ چکا تھا۔

معاملے کی سنگینی کا اب احساس ہو رہا تھا۔ ایک ذرا سا اس کا سونا یہ رنگ اختیار کرے گا اس کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے ذہن میں کئی ''مگر کیوں؟'' چکراتے پھر رہے تھے مگر اس کے پاس احتجاج کی قوت نہیں تھی۔

بچپن سے اب تک بنا احتجاج کے زندگی گزاری تھی۔ جتنا اور جیسا بھی ملا، اپنا نصیب اور باپ کا بویا ہوا پھل سمجھ کر قبول کیا تھا۔ نوید کی اس وقت کی ناراضی کو بھی اپنا نصیب اور اپنی غلطی سمجھ کر خاموش ہو گئی تھی۔ اس کے سوا وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ ماحول اور معاشرے نے اسے جو تربیت دی تھی اس کے نتیجے میں اسے چپ ہی رہنا تھا۔ کیونکہ یہی ایک مشرقی لڑکی اور باوفا بیوی کا شعار ہے۔

اس نے واپس مڑ کر لائٹ بند کی۔ ماحول میں پھر سے نیلا غبار پھیل گیا۔ وہ اندازے سے چلتی ہوئی ڈریسنگ روم میں داخل ہو گئی۔

''اگر ان کی ناراضی کے بارے میں کسی کو علم ہو گیا تو سب میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔ یا اللہ میری عزت رکھنا، میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے جان بوجھ کر انہیں ناراض نہیں کیا۔ مما اور سب کے سامنے میرا بھرم رکھنا۔'' اس نے تہہ دل سے دعا مانگی۔

اسی دم مسجدوں سے بلند ہوتی روح پرور آوازوں اور پیغام کو سن کر اس کے اندر طمانیت اترتی چلی گئی۔ اس نے وہیں ڈریسنگ روم میں نماز فجر ادا کی، ادائیگی نماز کے بعد اسے بڑا سکون

اور آرام ملا تھا۔ ذہن و دل مثبت انداز میں سوچنے لگے تھے۔ اسے خوش گمانی ہو گئی تھی کہ نوید کا غصہ وقتی ہو گا۔ وہ صبح نارمل ہو جائے گا۔ پھر اس نے لاکٹ کیس میں سے لاکٹ نکال کر پہنا۔ لاکٹ کی بناوٹ اسے مزید مطمئن کر گئی۔ بہت سے سوالوں سے بچنے کے لیے واقعی اس کا پہننا بہت ضروری تھا۔ ورنہ اس کی یہ شدید خواہش تھی کہ یہ تحفہ نوید اسے اپنی بھرپور چاہت کے اظہار کے ساتھ پیش کرتا۔

صبح سات بجے کے قریب مما نے ان لوگوں کو جگایا اور نوید کو اٹھانے کا کہا دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی کارنر ٹیبل پر پڑا سلور ٹائم پیس اس کی توجہ کھینچ لے گیا۔ آگے بڑھ کر اس نے ٹائم پیس اٹھایا۔ الارم سیٹ کیا اور لے جا کر بیڈ سائیڈ پر رکھ دیا۔ خود جا کر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

چند لمحوں میں ہی الارم بج اٹھا۔ نوید بیزار ہو کر کسمسایا۔ الارم کی آواز خاصی ناگوار لگی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے ٹائم پیس ٹٹولنے کی کوشش کی تبھی فاصلے سے آتی آواز اسے مزید بے مزا کر گئی۔

''مما نے کہا ہے، اٹھ جائیں۔'' اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

اس نے سمیعہ کی طرف ایک نگاہ غلط بھی نہ اٹھائی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کی حرکات و سکنات دیکھ رہی تھی۔

نوید بھی پوری طرح بیدار ہو چکا تھا، سمیعہ کی موجودگی سے کئی احساسات بیدار ہو گئے تھے۔ سب سے پہلا احساس تو مما سے سامنے کا تھا۔ مما اور سب کے سامنے بہترین اداکاری کا مظاہرہ کرنا تھا اور اس کے لیے سمیعہ کا بھی برابر کا شریک ہونا بے حد ضروری تھا۔ اس نے نیم دراز ہوتے ہوئے سمیعہ کو دیکھا۔ رات کی نسبت صبح کے اجالے میں وہ بے حد معصوم، بھولی بھالی لگ رہی تھی۔ اس کے دیکھنے پر نروس ہوئی جا رہی تھی۔ لرزتے قدموں سے وہ دوبارہ صوفے کی طرف پلٹ گئی۔ اس کے ساتھ نوید کی نظریں بھی گئی تھیں۔

''میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔'' جواب میں وہ صرف ذرا سا سر اٹھا سکی تھی۔

''مجھے اپنی زندگی میں اپنی مما سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ میں ان کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ میرا یہ سب کہنے کا مطلب ہے کہ اگر تمہیں یہاں رہنا ہے تو انہیں خوش رکھنا ہو گا ورنہ پھر۔'' وہ جو مصلحت سے بول رہا تھا ایک دم سے تلخ ہو گیا۔

''یہاں اس بیڈ روم میں جو کچھ بھی ہوا یا ہوگا اس کے بارے میں مما یا کسی اور کو بتانے کی کوشش بھی کی تو اس کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔ انڈر اسٹینڈ۔'' وہ فوراً اٹھ کر باتھ روم میں جا گھسا اور وہ حیران و پریشان اس کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ شادی کے پہلے دن کسی کا اپنی بیوی سے اس قسم کا لہجہ و رویہ ہو سکتا ہے۔ ذرا سی بات بتنگڑ کیسے بنتی ہے یہ اسے آج علم ہوا تھا۔

اپنی دانست میں وہ اپنے کیے کی سزا بھگت رہی تھی جبکہ اس کو کیا خبر تھی کہ وہ ایسی غلطی کی سزا بھگت رہی ہے جو اس سے سرزد ہوئی ہی نہیں تھی۔

دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ مدحت پھپھو کے ساتھ جنید کو دیکھ کر شرم کے ساتھ ہنسی بھی آئی۔ شادی سے پہلے بھی جا جا کر اسے تنگ کرتا رہا تھا۔ اب بھی اسے اپنی شامت نظر آ رہی تھی۔

''السلام وعلیکم!'' اس نے شرگیں مسکان کے ساتھ کہہ کر راستہ چھوڑا۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہو، خوش رہو۔ باقی ٹپیکل دعائیں پھپھو دیں گی۔ مجھے نہیں آتیں۔'' وہ پھپھو سے پہلے اندر بڑھ گیا کیونکہ ہاتھ میں چائے کی ٹرے پکڑ رکھی تھی۔ جبکہ پھپھو دروازے پر ہی اسے لپٹائے پیار و دعاؤں سے نواز رہی تھیں اور جنید کے بارے میں بتا رہی تھیں۔

''صبح سے اٹھ کر سب کو تنگ کیا ہوا ہے کہ فوراً چلیں۔ یہ بہت شیطان ہے اسے قابو میں رکھنا۔'' وہ سنٹرل ٹیبل پر ٹرے رکھ کر سیدھا ہوا اور پھر اپنے فطری لب و لہجے میں بولا۔

''پھپھو! آپ بھابھی کو الٹا مشورہ کیوں دے رہی ہیں قابو تو انہیں بھائی کو کرنا ہوگا۔''

''اچھا..... اچھا اب زیادہ باتیں نہ بناؤ، سمیعہ کو دیکھ لیا ہے نا۔ اب فوراً نکلو شاباش۔'' پھپھو نے مصنوعی ڈانٹ پلائی مگر وہ کہاں رعب میں آنے والا تھا۔ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ پھر پلیٹ سے بسکٹ اٹھا کر دانتوں میں دبایا۔

''سمیعہ ناشتے کے بعد وارڈ روب کے پہلے ہینگر میں جو ریڈش براؤن سوٹ ہے وہ پہن لینا، نوید کہاں ہے؟''

''میں یہاں ہوں۔'' وہ تولیے سے بال رگڑتا باتھ روم سے برآمد ہوا۔

''السلام وعلیکم! مجھے اتنی صبح صبح جگا دیا ہے، جانتی ہیں کتنا لیٹ سویا ہوں میں، جنید تم کیسے اتنی جلدی اٹھ گئے؟'' نوید کو جنید کے جلد اٹھنے پر حیرت تھی۔

''مجھے نیند ہی کب ٹھیک طرح آئی تھی، مما نے بھی رات کو ڈانٹ دیا تھا، او مائی گاڈ۔'' وہ

ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''ویٹ اے منٹ بھابھی! آپ کا گفٹ تو میں بھول ہی گیا، بس ابھی آتا ہوں۔ میرے آنے سے پہلے چائے مت پئیں۔'' وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ پھپھو ہنس دیں۔

''اچھا بچو! میں چلتی ہوں نیچے کچھ کام ہے۔ تم چائے پیو پھر تیار ہو جاؤ اور نوید! تم ناشتے کے بعد مجھ سے ملنا۔'' پھپھو کے آخری جملے پر وہ ٹھٹک گیا تھا چونک کر ان کی طرف دیکھا مگر وہ سمیعہ کی طرف متوجہ تھیں۔ ان کے بائیں ہاتھ میں سمیعہ کے گلے میں جھولتا لاکٹ تھا اور وہ معنی خیزی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ سمیعہ کی اس کی طرف پیٹھ تھی اسی لیے وہ اس کے تاثرات نہیں دیکھ سکا تھا۔ البتہ لاکٹ اس کے گلے میں دیکھ کر قدرے مطمئن ہوا تھا۔

''ناشتے کے بعد ملنے کی کوئی شرط ہے، ابھی مل لیجیے میں حاضر ہوں۔'' لہجے کو نارمل بنا کر چہرے کو بھی نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

''ناشتے کے بعد کی شرط اس لیے ہے کہ میری باتیں تمہیں خالی پیٹ ہضم نہیں ہوں گی۔'' وہ ناشتہ سرو کرنے لگی۔ نوید پھپھو کی بات پر الجھا ہوا تھا اس لیے خاموشی سے اس کے حرکت کرتے حنائیہ ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ سمیعہ نے لرزتے ہاتھوں سے بسکٹ کی پلیٹ اس کی طرف بڑھا دی۔ پھر ٹرے سے کپ اٹھا کر سیدھے کرنے لگی۔

☆☆☆

ان کے ولیمے کی تقریب میں سمیعہ کے ماموں کی فیملی کے علاوہ چند ایک دور نزدیک کے رشتے داروں نے شرکت کی تھی اور سمیعہ کی سج دھج دیکھ کر وہ حیران تھے۔ کچھ کی نظروں میں رشک تھا اور کچھ میں حسد۔

سمیعہ جو ماموں کے گھر میں سہمی ہوئی چڑیا کی طرح رہتی تھی اب مختلف انداز میں سب سے مل رہی تھی۔ اس میں ایک دن میں اعتماد آ گیا تھا۔

سمیعہ کے کہنے پر نوید بھی اپنے سسرالی عزیزوں سے ملنے ان کی نشستوں کی طرف گیا تھا۔ سمیعہ تیار ہو کر ہال پہنچی تو سب سے پہلے اس پر نوید کی ہی نظر پڑی وہ ٹھٹھک گیا۔ ایک مکمل مجسمہ حسن سمیعہ کے روپ میں کھڑا تھا۔ رات تو غصے اور جھنجھلاہٹ میں اس کی خوبصورتی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ صبح سے بھی نظر بھر کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ اب اٹھتی چکا چوند روشنیوں میں سیدھی نظر پڑی تھی اور اس کے ضمیر نے اسے اندر ہی اندر جرم کا احساس دلایا تھا۔ ''نوید حسن! تم بہت بڑا

ظلم کر رہے ہو۔''

اندر کی آواز پر گھبرا کر اس نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ سمیعہ پھپھو کا ہاتھ تھامے کسی بات پر مسکرا رہی تھی اسے دیکھ کر سر جھکا کر مسکراہٹ ضبط کرنے لگی۔ اسے دیکھ کر پھپھو نے بھی شکر کا سانس لیا۔

''لو بھئی سنبھالو اپنی دلہن، اچھی طرح دیکھ لو جیسی لے کر گئی تھی ویسی ہی لے آئی ہوں، اگر کوئی کمی رہ گئی ہے تو خود پوری کر لینا۔'' پھپھو نے شرارت سے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ نوید کے ہاتھ میں دے دیا۔ لمحہ بھر کو تو دونوں کو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا کیا ہوا ہے۔ سمیعہ کے ٹھنڈے یخ ہاتھ میں لرزش نوید بھی محسوس کر رہا تھا۔

جنید جانے کدھر سے آ نکلا تھا۔ نوید کے کندھے سے جھانکتا ہوا شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

''پھپھو! آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں، بھابھی کو آپ ایسی تو نہیں لے کر گئی تھیں۔ خاصی سادگی سے گئی تھیں اور اب دیکھیں۔ کاسمیٹکس کا اشتہار بن کر آئی ہیں۔''

''جنید بدتمیز ٹھہر جاؤ۔'' پھپھو اس کی طرف بڑھیں تو وہ غائب ہو گیا۔ نوید کو بھی موقع مل گیا تھا وہ سمیعہ کا ہاتھ چھوڑ کر اس کے ماموں سے ملنے لگا۔ مما سمیعہ کو اسٹیج کی طرف لے گئیں۔

☆☆☆

ولیمے کی تقریب کے اختتام پر وہ سوچ رہی تھی کہ نوید سے اپنے رویے کی معافی مانگ لے گی، حالانکہ وہ جان بوجھ کر نہیں سوئی تھی پھر بھی اسے لگتا تھا، نوید اس کی اسی کوتاہی پر ناراض ہے۔ کیونکہ سب کے سامنے اس نے نوید کو ہنستے مسکراتے دیکھا تھا۔ براہ راست نہ سہی کسی بھی حوالے سے اسے بھی باتوں میں شامل کرتا رہا تھا۔ اس لیے اسے حوصلہ ہوا تھا کہ اب یقیناً وہ اپنی ناراضی بھلا دے گا۔ اپنے کمرے میں آنے کے بعد سے وہ نوید کو مخاطب کرنے کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ وہ کپڑے تبدیل کر کے آئی تو نوید سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے روم فریج پر رکھے دودھ کے گلاس کو اٹھایا اور نوید کی طرف بڑھی۔

''دودھ لے لیجیے۔'' کوشش کے باوجود متوجہ کرتے ہوئے آواز لڑکھڑا گئی۔ نوید نے سیدھے ہو کر میگزین ایک طرف رکھا اور اس کے حنائی ہاتھوں سے گلاس پکڑ لیا۔ ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کے چہرے پر کچھ کہنے کی کشمکش بہت واضح تھی۔ نوید نے خالی گلاس بڑھایا تو وہ کہنے لگی۔

''آ..... آپ سو رہے ہیں۔'' کہنا کچھ اور چاہتی تھی۔ جواب میں اس نے بہت ناگواری و

خشمگیں نظروں سے گھورا۔ پھر پوچھا۔

''کیوں؟'' موڈ اس کے سوال پر آف ہو گیا تھا، وہ لرزتے قدموں سے چلتی قریب پڑی چیئر پر ٹک گئی۔ ہاتھوں میں گلاس تھا جو اس کے ہاتھوں کی اضطراری کیفیت کو واضح کر رہا تھا۔

''میں اپنی پرسوں رات کی غلطی پر شرمندہ ہوں۔'' اس کے الفاظ نوید کو چونکا گئے۔ اس نے ذرا سا ترچھا رخ کر کے اسے دیکھا وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

''پرسوں کی غلطی۔'' وہ سوچنے لگا۔ ''پرسوں رات سمیعہ نے کیا غلطی کی تھی۔'' مگر اس کی کوئی بات بھی قابل گرفت نہیں تھی بلکہ وہ خود اس سے غلط رویہ روا رکھے ہوئے تھا۔ اس کی طویل خاموشی پر سمیعہ نے پھر سے بات دہرائی بلکہ تفصیل سے معذرت کی۔

''میں پرسوں آپ کا انتظار کیے بنا سو گئی تھی شاید آپ اس لیے ناراض ہیں، میں شعوری طور پر ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر گزشتہ دنوں کی بے آرامی اور اس دن کی شدید تھکن نیند کی صورت میں حاوی ہو گئی، آپ کا ناراض ہونا بھی درست ہے میں نے آپ کو بے حد مایوس کیا ہو گا مگر پلیز آپ مجھے اس غلطی کے لیے معاف کر دیں۔'' اس نے بڑی مشکل سے اپنی بات پوری کی، نوید پھر بھی خاموش تھا۔ البتہ سوچیں دماغ میں چلی آ رہی تھیں۔

''اوہ تو یہ سمجھتی ہے، میں اس کے ذرا سے سونے پر اس کے ساتھ مس بی ہیو کر رہا ہوں۔ اب کیا کہوں جب یہ معافی مانگ چکی ہے۔'' دماغ نے اسے الجھایا مگر دل کوئی بات سننے پر تیار نہیں تھا ہٹ دھرمی سے احتجاج کیا۔

''کچھ بھی سمجھتی رہے، میں اپنا رویہ نہیں بدل سکتا۔ میں جب مائل ہی نہیں ہوں تو بے کار کی معذرتیں کیا معنی رکھتی ہیں۔ میں اسے وہ حق نہیں دے سکتا جو سارا حاصل کر چکی ہے۔''

سمیعہ کی آواز نے اسے خیالات سے باہر نکالا۔ ''کیا میری غلطی اتنی بڑی ہے کہ آپ کو معافی کے لیے سوچنا پڑتا ہے۔'' وہ بے حد جھنجھلا ہوا تھا نہایت ترشی سے بولا۔

''اگر تم کو اس گھر میں میرے ساتھ رہنا ہے تو آج اچھی طرح سن لو، مجھ سے کچھ بھی پوچھنے، کہنے کی ضرورت نہیں ہے، تمہاری خاموشی میں ہی تمہاری بھلائی ہے ورنہ۔''

''مگر میں آپ سے سوری کر چکی ہوں، میری غلطی اتنی بڑی تو نہیں ہے کہ آپ مجھے اس قسم کی سزا دیں۔ وہ تو ایک فطری عمل تھا۔'' اب وہ بنا ہچکچاہٹ کے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''میں نے کہا ہے نا۔ مجھ سے کچھ بھی پوچھنے، کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے کام سے کام

رکھو اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ اپنے اور میرے معاملات کسی اور تک پہنچانے کی صورت میں تم خود ذمہ دار ہوگی، جاؤ سو جاؤ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ عذاب نہ بنو میرے لیے۔'' اس کا رویہ اور لہجہ نہایت ہتک آمیز تھا۔ وہ حیرت سے اسے تکتی روہانسی ہو کر وہاں سے اٹھی اور پھر ضبط کرتی ہوئی باتھ روم میں جا گھسی۔

اس کی مامی نے اس کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ اس کی توہین کا کوئی لمحہ ضائع نہ جانے دیا تھا، پھر بھی وہ اتنی دلبرداشتہ نہیں ہوئی تھی جیسی آج اپنے شوہر کے رویے سے ہوئی تھی۔ اسے اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ ذرا بھی احتجاج کے لیے زبان کھولنے کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اس نے اپنے آپ سے خاموشی کا عہد کیا اور اس کے تصور سے مخاطب ہوئی۔

''نوید! آپ جیسا چاہتے ہیں، میں ویسا ہی کروں گی۔ اس گھر کے علاوہ اب میری کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔'' دوپٹے سے چہرا رگڑتے ہوئے وہ کمرے میں آئی تو نوید گہری نیند میں تھا۔ وہ اس کے قریب سے تکیہ اٹھا کر نیچے قالین پر رکھ کر نیم دراز ہو گئی۔

اسے بار بار یہی خیال آ رہا تھا کہ نوید اس سے متنفر کیوں ہے، وہ سوچنے سمجھنے سے قاصر تھی۔

اگلے دن ہی اس نے مما کو کہہ کر معمولات میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ان کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اس نے ایک نہیں سنی تھی۔ نوید کے لئے چائے بھی خود بنائی تھی اور اس کے لیے لے کر بھی خود گئی تھی پہلے روز کی طرح نوید کو جگانے کے لیے اس نے ٹائم پیس کے الارم کا سہارا لیا تھا اور پھر یہی اس کا معمول بن گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وقت وہ مما اور جنید عبید کے ساتھ گزارتی تھی، ضروری کام کے علاوہ صرف رات کو سونے کے لیے اپنے کمرے میں جاتی تھی۔ اس رات کے بعد اس نے پھر کبھی نوید کو براہ راست مخاطب نہیں کیا تھا۔ نوید کو اپنی ہر چیز وقت پر تیار ملتی تھی۔ طلب سے پہلے شے سامنے ہوتی تھی۔

مما اس سے بے حد خوش تھیں، اس کے حسن سلوک اور خدمت گزاری کی وہ گرویدہ ہو گئی تھیں، آتے جاتے اس پر نثار ہوتیں۔ البتہ مما کو اس کی خاموشی اکثر کھٹکتی تھی۔ خاص طور پر نوید کے گھر آتے ہی اس کا اِدھر اُدھر کاموں میں مصروف ہونا کئی بار تعجب میں مبتلا کر دیتا تھا۔ نوید کے رویے میں بھی انہوں نے کوئی بے تابی نہیں دیکھی تھی جو شادی کے ابتدائی دنوں کا خاصہ ہوتی ہے۔

مما انہیں کئی بار کہیں باہر جانے کا کہہ چکی تھیں۔ جسے دونوں ہی مختلف بہانوں سے ٹال رہے

تھے۔ نوید کی آفس کی مصروفیات معمول سے زیادہ بڑھ گئی تھیں یہ اور بات انہیں نوید نے جان بوجھ کر بڑھا لیا تھا اور سمیعہ مما کو ایک دن کے لیے بھی اکیلے چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔

مما کے بار بار کے اصرار پر آخر نوید نے سب کے ساتھ جانے پر رضامندی دے دی اور شمالی علاقہ جات کی طرف جانے کا پروگرام سب کے سامنے رکھا۔ مما اور عبید حیران رہ گئے جبکہ جنید کی خوشی دیدنی تھی۔

''آئی ایم سوری بیٹا! میں تو نہیں جا سکوں گی۔'' مما نے فوراً معذرت پیش کی۔

''مگر کیوں مما!''

''بیٹا یہ تم دونوں کا وقت ہے گھومو پھرو، میں وہاں کیا کروں گی، میری طبیعت کا بھی کیا بھروسہ تم لوگوں کو غیر جگہ پر پریشانی ہوگی۔'' مما نے مکمل وضاحت دی۔

''مما! یہ پروگرام میں نے آپ کی خوشی اور اصرار پر بنایا ہے، آپ نہیں جانا چاہتیں تو ٹھیک ہے، ہم بھی نہیں جا رہے، میں خود بہت بزی ہوں۔'' نوید نے کچھ جتاتی نظروں سے سمیعہ کو دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ سمیعہ کو اس نظروں نے جیسے گنگ کر دیا۔ نرمین خان بھی بیٹے کی ناراضی پر گڑبڑا گئیں۔

''نوید! یہ بے کار کی ضد ہے۔ تم دونوں پہلے بھی کہیں اکیلے نہیں جاتے ہو۔ اب بھی یہ بچوں والی ضد، آخر بات کیا ہے، شادی کے بعد شوہر بیوی اکیلے ہی جاتے ہیں اور تم۔'' مما نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ گڑبڑا گیا۔ پھر فوراً ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''بات کچھ نہیں ہے مما! یہ آپ کی بہو کی شرط ہے۔ یہ آپ کے بغیر کہیں نہیں جائے گی، اب آپ دونوں ڈسائیڈ کر لیں۔'' اس نے سارا بوجھ سمیعہ کے کندھوں پر ڈال دیا۔

''مما! آپ کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگے گا۔ میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔'' سمیعہ نے ان سے دلی لگاؤ کی وجہ سے پورے خلوص و محبت سے ان کا ہاتھ تھام کر کہا تو وہ اس کا ہاتھ تھپتھپا کر سرزنش کرنے لگیں۔

''سمیعہ مجھے اپنی سمجھ دار بیٹی سے ایسی بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔ مجھے یقین ہے تم میری بات مانو گی۔ بیٹا تمہارے پاس ایک دوسرے کو سمجھنے کا، ساتھ وقت گزارنے کا یہ بہترین موقع ہے۔ تمہیں کیسے نہیں اچھا لگے گا، نوید ہر پل تمہارے ساتھ ہوگا۔'' ان کے لہجے میں کچھ ایسی محبت تھی کہ کوشش کے باوجود دونوں کچھ نہ کہہ سکے، البتہ سمیعہ اندر ہی اندر نادم ہو رہی تھی جبکہ نوید اس

کے ساتھ اکیلے جانے پر پیچ وتاب کھا رہا تھا مگر ماں کی محبت کے سامنے مجبور تھا۔

''ارے اتنی رات ہوگئی، چلو بھئی سب سونے جاؤ، اچھا بیٹا گڈ نائٹ اب میں بھی سوؤں گی۔'' وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

سمیعہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کھڑکی میں کھڑا سگریٹ پی رہا تھا، اس کی آہٹ پاتے ہی لاپروائی سے ادھ جلا سگریٹ فضا میں اچھال دیا اور اپنے بیڈ کے قریب آ گیا۔ پھر بلا تمہید دوٹوک انداز میں بولا۔ ''مما، عبید، جنید کوئی بھی ساتھ ہوتا تو مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا مگر اب امپاسبل ہے، تمہیں خود کسی بھی طرح یہ پروگرام کینسل کروانا ہوگا۔''

''جی..... میں کس طرح..... مما تو کچھ بھی سننے کو تیار نہیں ہیں۔'' وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

''آئی ڈونٹ نو، یہ تمہارا ہیڈک ہے، ورنہ میں مما کی خوشی کی خاطر تمہیں لے تو جاؤں گا مگر وہاں میں تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا؟ اس بھول میں مت رہنا۔'' اس کی سنگدلی پر وہ آنسو بھی نہ بہا سکی بس سر ہلا کر رہ گئی۔

''ٹھیک ہے میں مما سے بات کروں گی۔ بلکہ ان سے کہوں گی کہ میں جانا نہیں چاہتی ہوں۔ وہ آپ کو مجبور نہ کریں۔'' کچھ غم کچھ غصہ تھا وہ تیزی سے کہہ کر باتھ روم میں چلی گئی۔ آنسو بے اختیار ہی بند توڑ کر بہہ نکلے۔

''کتنے بے درد و بے حس ہیں آپ نوید! یہ سب الزام میرے سر پر رکھ کر خود بری الذمہ ہونا چاہتے ہیں، کم از کم مجھے میرا جرم تو بتائیں پھر سزا دیں۔'' پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

نوید کے ناروا سلوک کے باوجود دل میں اس کی محبت ایک رتی بھی کم نہ ہوئی تھی۔ بے خواب آنکھوں سے رات کاٹی تھی۔

☆☆☆

سمیعہ کی صبح جب آنکھ کھلی تو سر بے حد بوجھل ہو رہا تھا، طبیعت مکدر ہو رہی تھی۔ بمشکل اٹھ کر وہ نیچے آئی اور اپنے معمول کے کاموں میں جت گئی۔ مما کو ان کے کمرے میں چائے دینے گئی تو اس کا تپا تپا چہرہ دیکھ کر فکرمند ہوگئیں پھر اس کا ہاتھ تھام کر کچھ محسوس کر کے تشویش سے بولیں۔

''سومی! تمہیں تو ٹمپریچر ہے اور تم کام میں لگی ہو۔''

''مما! آپ پریشان نہ ہوں۔ ابھی چائے کے ساتھ ٹیبلیٹ لوں گی تو ٹمپریچر اتر جائے گا آپ چائے پئیں۔ ہلکے سے ٹمپریچر سے پریشان ہوگئی ہیں۔''

''ہلکا سا اچھا خاصا تیز ٹمپریچر ہے تمہیں۔ ٹھہرو میں چیک کرتی ہوں، یہیں میرے بیڈ پر لیٹ جاؤ۔'' انہوں نے زبردستی پکڑ کر اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

''مما! مما! مجھے اوپر چائے لے کر جانا ہے اور جنید کو بھی جگانا ہے۔'' اس نے جلدی سے اٹھانے کے لیے کہا تھا۔

''ہو جائے گا سب، تم چپ کر کے لیٹ جاؤ، بے آرامی کرو گی تو زیادہ بیمار پڑ جاؤ گی پھر تم دونوں کا پروگرام بھی خراب ہوگا، میں جیسے کہتی ہوں ویسے کرو، آرام سے لیٹی رہو۔''

''مما جان میں۔'' وہ اس کی بات سنے بنا ہی کمرے سے باہر چلی گئیں اور وہ بے بسی سے اپنے بوجھل ہوتے سر اور دل کو لیے مما کے بیڈ پر دراز ہوگئی۔ بخار کی شدت کی وجہ سے اس پر غنودگی طاری ہوگئی۔ نوید کی بے اعتنائیاں سہہ سہہ کر وہ تھک گئی تھی۔ نوید کی نفرت کی آگ اس کا دل جلانے کے بعد اب اس کا وجود بھی سلگانے لگی تھی۔

''مما! بھابھی رات تو ٹھیک تھیں۔'' جنید کی تیز بلند آواز پر وہ غنودگی سے چونکی۔ ''مگر اب ٹھیک نہیں ہے، تم جاؤ اور نوید کو چائے دے کر آؤ۔''

''کہیں یہ نہ ہو، بھائی مجھے دیکھتے ہی بدمزا ہو کر چائے سمیت کپ مجھ پر اچھال دیں۔'' جنید بھی اپنے نام کا ایک تھا۔

''بہت بکواس کرتے ہو تم، رہنے دو میں خود جاتی ہوں۔''

''نہ..... نہ میں جا رہا ہوں۔''

جنید نے دھڑ سے دروازہ کھولا اور اپنے طوفانی انداز میں بھائی، بھائی پکارتا اس کے کمرے میں داخل ہوا تو نوید ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سمیعہ کی آمد کا تو پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ جنید دندناتا داخل ہوا تھا نوید نے خاصی ناراضی سے پوچھا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' نیند سے بوجھل آنکھوں کی وجہ سے جنید کے ہاتھ میں چائے کی پیالی نہیں دیکھ سکا تھا۔

''مجھے کیا کرنا ہے، چائے دینے آیا ہوں چائے پی لیں۔''

وہ ایک دم چونک اٹھا۔ ''چائے تم چائے کیوں لائے ہو، وہ سمیعہ کہاں ہے؟''

''میں مما سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ مجھے دیکھتے ہی بھائی بے مزا ہو جائیں گے مگر۔''

''میں نے کیا پوچھا ہے، سمیعہ کہاں ہے؟'' اسے اپنی کیفیت کا خود اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

''بھابھی کو ٹمپریچر ہے۔ مما کے روم میں ہیں۔ خود دیکھ لیں۔'' وہ کمرے سے نکل گیا تو عجیب سے احساسات نے نوید کو گھیر لیا۔ آخر سمیعہ کے خیال کو ذہن سے جھٹک کر اس نے چائے کا کپ اٹھالیا۔

وہ اپنے معمول کے مطابق تیار ہو کر نیچے آیا تو مما نے اسے خفگی سے دیکھا۔

''نوید! تمہیں ذرا احساس نہیں۔ وہ نجانے کب سے بخار میں پھنک رہی ہے، تم نے پوچھا تک نہیں تم ایسے کیئر لیس تو نہیں تھے۔'' مما کی ڈانٹ پر وہ گڑبڑا گیا۔

''آپ کی بہو رات تو ٹھیک ٹھاک تھی۔''

''رات اور صبح کے درمیان بہت سے گھنٹے ہوتے ہیں اور تمہیں تو جنید بتا کر بھی آیا تھا، اب آ رہے ہو۔''

''میں تو سمجھا تھا جنید مذاق کر رہا ہے، اب اس کی عادت ایسی ہے تو میں کیسے یقین کرتا۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کی۔ ''اور میں سچ کہہ رہا ہوں، مجھے سمیعہ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے ڈائننگ ٹیبل کے پاس پہنچ کر اپنے لیے کرسی باہر کھینچی، جس پر مما نے اسے عجیب نظروں سے دیکھنے کے ساتھ کہا بھی۔

''تم اسے جا کر دیکھو گے نہیں؟''

''پہلے ناشتہ تو کر لوں پھر دیکھ لیتا ہوں جا کر، ہائی دی وے مما! میرے جا کر دیکھنے سے کیا ٹمپریچر ختم ہو جائے گا۔'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں قدرے لاپروائی سے کہا، جس پر وہ جھنجھلا اٹھیں۔

''نوید! کبھی کبھی تم بالکل بچہ بن جاتے ہو۔ تم سے بات کرنا فضول ہے۔ بس میں نے کہہ دیا ہے آفس جانے سے پہلے اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ۔ اسے جلد ٹھیک ہونا چاہیے ورنہ تمہارا پروگرام خراب ہوگا۔''

''مما پروگرام تو خراب ہو گیا مگر آپ فکر نہ کریں وہ ٹھیک ہو جائے گی تو میں پھر پروگرام بنا لوں گا۔'' اس نے سلائس پر مکھن لگاتے ہوئے انہیں تسلی دی۔ عبید کو آتے دیکھ کر بولا۔

''عابی یار! میرا ایک کام کر دو۔''

''جی بھائی!'' وہ سعادت مندی سے کہتا سامنے آ بیٹھا۔

''یار! تم اپنی بھابھی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا، مجھے آفس جلدی پہنچنا ہے۔ ایک پارٹی سے

ڈیلنگ ہے۔'' اس نے عذر تراشا جس پر مما کو بالکل یقین نہیں آیا۔

''آخر تمہاری مصروفیات کب ختم ہوں گی، ہمیں تمہاری ضرورت ہے، سب سے زیادہ تمہاری بیوی کو، دو گھڑی بیٹھ کر بات ہی نہیں کرتے ہو۔''

''عنقریب آپ کی ساری شکایتیں دور کر دوں گا، ابھی تو سوری۔ عالی تم ضرور لے جانا ورنہ مما ناراض ہو جائیں گی۔'' وہ مسکراتا ہوا اپنا کپ لے کر کھڑا ہو گیا۔ ''ایک نظر مما کی بہو کو بھی دیکھ لوں، شاید میرے دیکھنے سے ٹمپریچر اتر جائے۔''

مما اسے اپنے کمرے کی طرف جاتا دیکھتی رہ گئیں۔ وہ جب مما کے کمرے میں داخل ہوا تو سمیعہ نیم بے ہوشی کے عالم لیٹی تھی۔ آہٹ پر اس نے کروٹ لی تو نوید کی موجودگی کا احساس ہوا۔ زبردستی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ اس کا پتا پتا سلگتا چہرا نوید کے سامنے تھا۔ لمحہ بھر کو اپنے رویوں کا ملال ہوا مگر اگلے ہی لمحے وہ سب جھٹک چکا تھا۔ اس نے اپنے پیچھے مڑ کر کسی کے نہ ہونے کا یقین کیا اور پھر بیڈ کے قریب آ گیا۔

''میں نے بیمار پڑنے کے لیے تو نہیں کہا تھا، مما پریشان ہو رہی ہیں اور ان کی وجہ سے مجھے بھی پریشان ہونا پڑ رہا ہے ویسے تمہاری بیماری کا بہانہ بھی اچھا ہے، کم از کم مما اب کچھ چند دنوں تک کہیں جانے کے لیے فورس نہیں کریں گی۔'' اس کے لہجے کی کاٹ پر سمیعہ کی تمام حسیں بیدار ہو گئیں۔ آنکھیں بھی فوراً کھل گئیں۔

اپنی بے بسی اور کم وقعتی پر آنسو لڑھک کر گالوں پر پھسل گئے۔ اسے اپنے آنسوؤں پر بھی غصہ آ رہا تھا تبھی زبان قابو سے باہر ہو گئی۔

''آپ دونوں صورتوں میں مجھ پر الزام رکھنے کے مجاز ہیں مگر میں.....'' اس نے نوید کے ضبط سے سرخ چہرے کو دیکھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی اور کمبل چہرے پر کھینچ لیا۔ وہ کچھ لمحے کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اسے سمیعہ کا ذرا سا بولنا بھی کھل رہا تھا، جوابی انداز میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ جنید سمیعہ کو دروازے سے پکارتا اندر داخل ہوا۔

''بھابھو بھابھو پلیز آپ عابی کو بتائیں، وہ کہتا ہے کہ میری وجہ سے بیمار پڑی ہیں، کیا یہ ٹھیک ہے۔'' جنید نے اس کے چہرے سے کمبل ہٹایا تو وہ کسمسا کر رہ گئی، چہرہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا، فوراً بازو آنکھوں پر رکھا۔

''جنید۔'' نوید نے ٹوک کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''بھائی! آپ آئی ایم سوری۔'' بھائی کے چہرے پر ناگوار احساس دیکھ کر اسے خجالت ہوئی۔
سمیعہ نے بھی جلد سے دوبارہ کمبل چہرے پر کھینچا۔ جنید کے پلٹنے سے پہلے ہی نوید ہاتھ میں پکڑا کپ میز پر پٹخ کر باہر نکل گیا۔ اندر آتی مما کو بھی اس کے تیور اچھے نہیں لگے، وہ بھی اندر آ کر حیران ہو کر پوچھ رہی تھیں۔

''نوید کو کیا ہوا ہے؟''

''ان پر بھابھی کے ٹمپریچر کا اثر ہوا ہے، ان کا اچھا بھلا ہنی مون کا پروگرام بھی تو خراب ہوا ہے۔'' جنید کے بے ساختہ لہجے پر وہ بھی مسکرا دیں، جبکہ سمیعہ کڑھ کر رہ گئی۔

وہ اپنے معمول کے مطابق رات گئے گھر میں داخل ہوا تو مما کو اپنے انتظار میں جاگتا پا کر اسے ایک دم سمیعہ کی بیماری یاد آئی۔ وہ تو بالکل فراموش کر چکا تھا، اسے اب مما کو مطمئن کرنے کے لیے سو بہانے تراشنے تھے۔

''آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں مما۔''

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے، تمہیں معلوم نہیں ہے، سمیعہ بیمار ہے۔ اس کے بیمار ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے مجھے پھر سے گھر کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا ورنہ میں تو سب کی طرف سے بے فکر ہو چکی تھی۔ کسی کا پتہ ہی نہیں تھا کہ کون کب آتا ہے اور کب.....'' انہوں نے نہایت سرد اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا جس پر وہ گڑبڑا کر بولا۔

''سمیعہ کا ٹمپریچر نہیں اترا؟ میں تو سمجھا تھا ہلکا سا ٹمپریچر ہوگا، ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تھا عابی۔'' اسے اپنے لہجے میں مصنوعی پریشانی بھرنے میں خاصی دقت محسوس ہوئی۔

''آپ شاید میرے دیر سے آنے پر ناراض ہیں۔ رئیلی سارا دن بہت بزی رہا ہوں۔ کوشش کے باوجود فون نہیں کر سکا، آج لیٹ آنے کے بارے میں میں نے رات ہی سمیعہ کو بتا دیا تھا چہ.....اسے تو ٹمپریچر ہے، آپ کو بتا ہی نہیں سکی ہوگی، کیسی ہے اب وہ۔'' اس کے لہجے کی بے چینی پر مما قدرے مطمئن ہوئیں۔

''بہت تیز ٹمپریچر ہے۔ کسی طرح کم ہی نہیں ہو رہا۔ عبید شام کو ڈاکٹر گھر لے کر آیا تھا۔ ڈاکٹر نے انجیکشن لگا دیا ہے، جنید ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہا ہے نوید بیٹا! تم اس کی کیئر کیا کرو، اسے تمہاری توجہ کی بھی ضرورت ہے، کام تو ساری زندگی ہوتے ہی رہتے ہیں، میں اسے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی، وہ مجھے تم سب سے پیاری ہوگئی ہے۔'' آخر میں وہ پسیج گئیں اور اپنی آنکھیں بھگو

لیں۔ وہ ماں کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ تڑپ کر بولا۔

''افوہ مما! کچھ نہیں ہوتا اسے بس وقتی بخار ہے۔ ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گی، آپ پریشان نہ ہوں، چلیں سوئیں چل کر۔'' وہ زبردستی انہیں ان کے بیڈروم میں لے گیا۔

''تم نے کھانا کھایا؟'' ان کی ممتا جاگ اٹھی۔

''جی کھا لیا تھا، آپ اب آرام کریں، آپ نے اپنی میڈیسن لی تھیں۔''

''ہاں عابی نے کچھ دیر پہلے کھلائی تھیں، جاؤ تم بھی آرام کرو۔''

ان کے کمرے سے نکلتے ہی اس پر کوفت سوار ہوگئی۔ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو جنید کو روم فریج سے برف نکالتے ہوئے دیکھا۔ اس نے بھی مڑ کر دیکھا۔ نوید کی نظریں سیدھی اپنے بیڈ پر لیٹی بے خبر پڑی سمیعہ پر گئیں جس کا چہرہ بخار کی حدت سے تپ رہا تھا۔ جنید کے قریب آنے پر وہ سنبھل گیا۔

''بھابھو کا ٹمپریچر تو کم ہی نہیں ہو رہا۔ برف کے پانی کی پٹیاں رکھی ہیں، تب کہیں جا کر آدھ پوائنٹ کم ہوا ہے۔ بھابھو تو ویسے ہی بے ہوش ہیں۔'' جنید اپنی فطرت کے مطابق شروع ہو گیا۔ البتہ آج اس کا لہجہ سنجیدہ اور آواز دھیمی تھی۔

نوید کو اس کی فکرمندی پر بے اختیار پیار آیا، ہولے سے اس کا گال تھپکا۔ ''جاؤ جا کر سو جاؤ، صبح تمہیں یونیورسٹی جانا ہوگا۔''

''ہر تین گھنٹے بعد بھابھی کو میڈیسن دینی ہے اور جب تک ٹمپریچر کنٹرول نہیں ہوتا یہ برف والی پٹیاں بھی رکھنی ہیں۔'' جنید نے دوا کے بارے میں تفصیل فراہم کی اور چلا گیا۔

جاتے ہوئے جنید برف والا باؤل اسے تھما گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی جھنجھلاتے ہوئے اس نے باؤل سینٹرل ٹیبل پر پٹخا۔ پھر ٹائی گلے سے اتاری اور بٹن کھولتے ہوئے گہری سانس کھینچی۔

اسے سمیعہ کی بیماری کا ذرا بھی احساس نہیں تھا بلکہ اب بھی وہ اپنے بارے میں سوچ رہا تھا کہ رات کیسے بسر کرے گا، غیر آرام دہ حالت میں سونا اس کے لیے بہت دشوار تھا۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑا سوچوں میں غرق تھا، تب ہی سمیعہ کی کراہ پر وہ چونک اٹھا۔ غیر ارادی طور پر نگاہ اس پر ٹھہر گئی۔ وہ ایک کراہ کے بعد پھر سے غنودگی میں چلی گئی تھی۔ اس کا چہرہ زردی مائل ہو رہا تھا۔ تکلیف اس کے چہرے سے نمایاں تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں جذبہ ہمدردی بیدار ہوا، اگلے ہی لمحے وہ اپنے خیالات جھٹک رہا تھا اور خود غرضی سے سوچ رہا تھا۔

''اچھا ہے، کچھ دن بیمار رہے ورنہ پھر مما کا اصرار شروع ہو جائے گا۔''

فارغ ہو کر اس نے کارپٹ پر ہی سونے کا ارادہ کیا کیونکہ صوفے پر سونے کا شادی کی پہلی رات ہی بڑا تلخ و تکلیف دہ تجربہ ہو چکا تھا۔ اس کی دراز قامت صوفے میں سما نہیں سکی تھی۔ اس نے بڑی بے حسی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کے برابر سے تکیہ اٹھا کر نیچے لیٹ گیا تھا یہ سوچے بغیر کہ سمیعہ کو ایک تیماردار کی اشد ضرورت ہے۔ وہ اس کی پروا کیے بغیر سونے کی کوشش کرنے لگا مگر جگہ کی تبدیلی کی وجہ سے نیند بھی نہیں آ رہی تھی، اسی لیے وہ مزید کبیدہ خاطر ہو رہا تھا۔ سمیعہ ساری رات کراہتی رہی تھی۔ نوید بھی کروٹیں بدلنے کے باوجود اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

بڑے دنوں بعد اس نے کچن میں جھانکا تھا۔ مما نے اس کے ساتھ سب ہی کو پھیکے پرہیزی کھانے کھلا کھلا کر بدمزہ کر دیا تھا، سو آج موقع ملتے ہی بلکہ اپنی صحت یابی کو برملا جتاتے ہوئے کچن میں گھس آئی تھی اور جنید کے فرمائشی من پسند کھانے بنا رہی تھی۔ وہ بھی ساتھ ہی مصروف تھا۔ مٹن کڑاہی کے لیے تو اس نے ڈھیر ساری سبز مرچیں بھی خود کاٹ کر دی تھیں اور اسے بار بار ہدایات دے رہا تھا کہ پورے مسالوں کے ساتھ بنائے۔

''جنید ڈانٹ پڑے گی مما سے بھی اور ان سے بھی، کیوں مجھے دوبارہ بستر پر پہنچانا چاہتے ہو۔'' اس نے مرچیں دیکھ کر احتجاجاً کہا۔

''اتنے دن ہو گئے ہیں بیماروں والا کھانے کھاتے ہوئے بیلنس ہو جائے گا۔'' اس نے سلاد کے لیے پیاز کاٹتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

''کچھ کہا تو تمہیں آگے کروں گی۔''

''ڈونٹ وری، اتنا اچھا لنچ کھانے کے لیے میں سارا الزام اپنے سر لے لوں گا۔''

''اچھا بابا! اب یہ سلاد کا پیچھا چھوڑو، فریج میں رکھ دو اور یہ گجریلے والے بادل بھی ذرا فریزر میں لگا دو۔ لنچ تک ٹھنڈے ہو جائیں گے۔'' دوپہر کو دونوں نے مل کر میز سجائے عبید اور نوید اکٹھے کہیں گئے ہوئے تھے۔ واپس آ کر عبید اتنا اہتمام دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ ''آج کوئی لنچ پر انوائٹ ہے کیا؟''

''جی نہیں..... آج ہم خود دعوت اڑائیں گے اور یہ بھائی کدھر رہ گئے رئیلی بھوک سے برا حال ہے، صبح سے کام کر کر کے تھک گیا ہوں، مما مما! جلدی آئیں۔'' وہ اپنی کرسی پر پھیل کر بیٹھ

گیا۔

''جنید فریج سے سلاد تو نکال کر لاؤ۔'' سمیعہ ہاٹ پاٹ درمیان میں رکھ کر پلٹ گئی۔

''عبید یار! تھوڑے ہاتھ پاؤں تم بھی ہلا لیا کرو، کل کو کام آئے گا۔ فریج میں سلاد ہے، لے آنا ذرا۔'' عبید نے پاس آ کر اسے دھپ لگائی۔

''بہت بدتمیز ہو، بھائی آ رہے ہیں ورنہ تمہیں ہاتھ پاؤں ہلا کر اچھی طرح دکھاتا۔'' عبید فریج سے سلاد نکال لایا۔ مما نے آتے ہی میز پر طائرانہ نظر ڈالی پھر اسے پیار سے ڈانٹا۔

''سومی! تمہیں منع کیا تھا نا صبح سے کچن میں گھسی ہو، کچھ اپنا ہوش ہے، پھر بیمار پڑ گئیں تو۔''

''اب میں ٹھیک ہوں مما اور میں نے یہ اکیلی نے سب کچھ نہیں بنایا، جنید بھی میرے ساتھ لگا رہا ہے۔''

نوید نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا، خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ سمیعہ ہر لمحے اس کی تنقید سننے کی منتظر رہی مگر وہ خاموشی سے کھانے میں مصروف رہا اور کچھ الجھا ہوا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ جنید اور عابی کی مسلسل نوک جھونک پر آخر وہ اپنی خاموشی توڑنے پر مجبور ہو گیا۔

''یار! تم سے خاموشی سے کھانا نہیں کھایا جاتا۔'' لہجہ کوفت و جھنجھلاہٹ سے بھرا ہوا تھا، جنید جو بڑے مزے میں تھا اس کے ٹوکنے پر بے مزہ ہو گیا۔ مما نے اس کے لہجے پر غور کر کے اس پر توجہ دی۔

''نوید کیا بات ہے بیٹا تم کچھ پریشان ہو۔'' اچانک پوچھے جانے پر وہ گڑبڑا گیا۔

''نہ..... نہیں مما! سب ٹھیک ہے۔'' اب کیا بتاتا کہ اس کی پریشانی کا سبب سامنے بیٹھی تھی جو اپنی صحت یابی کا اس طرح اعلان کر کے اسے پریشان کیے دے رہی تھی، وہ جانتا تھا، مما نے سرے سے انہیں کہیں باہر جانے کا مشورہ دیں گی اور وہ ایک بار پھر اس کے کمرے میں ڈیرہ جما لے گی۔

وہ نئے سرے سے سارا سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ اس سے صرف ملنے پر آمادہ ہوئی تھی۔ ابھی اپنے ارادوں کا نہیں بتایا تھا حالانکہ اس نے سارا کو بھرپور یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ وہ آج بھی صرف اس کے لیے سوچتا ہے۔ اس نے اپنی محبت و قربت کا ایک لمحہ بھی اپنی ماں کی پسند سے لائی ہوئی اپنی بیوی کو نہیں دیا تھا۔ اس نے بھی کہا تھا، کہ وہ آزمائے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرے گی اور سب سے بڑی آزمائش یہ تھی کہ آج سارا ضمام کے گھر ہونے والی

پارٹی میں سمیعہ سے ملنا چاہتی تھی۔ نوید نے آج تک اسے خود سے کہیں چلنے کے لیے نہیں کہا تھا اب کشمکش کا شکار تھا کہ کہے تو کیسے کہے۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں وہ کسی خوش فہمی کا شکار نہ ہو جائے۔ بھائی کے گڑبڑانے پر جنید نے معنی خیزی سے دیکھا۔

''سب ٹھیک ہے کا مطلب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوتا ہے بھائی۔'' جنید کی زبان اندر نہیں رہ سکتی تھی اور نہ ہی اسے کسی کا لحاظ ہوتا تھا۔

اس سے پہلے کہ جنید مزید گوہر افشانی کرتا فون کی بیل نے اپنی پکار شروع کر دی کوئی بھی اٹھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ سمیعہ کو ہی اٹھنا پڑا۔ وہ فوراً ہی کارڈلیس لیے آ گئی۔ ضمام نے فون کیا تھا اس نے نوید کو ریسیور پکڑایا۔ ''آپ کا فون ہے۔'' وہ دوبارہ اپنی کرسی کی طرف بڑھ گئی۔ اب ڈائننگ روم میں صرف نوید کی آواز گونج رہی تھی۔ اس کے چہرے سے اب جھنجھلاہٹ غائب ہو چکی تھی۔

''ہیلو ہاں یار! رئیلی مجھے یاد تھا..... میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ میں رائٹ ٹائم پہنچ جاؤں گا۔'' ضمام نے نجانے کیا کہا تھا وہ ہولے سے ہنسا۔

''او کے یار! پہنچ جائیں گے۔'' سمیعہ نے پلکیں اٹھا کر اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا، وہ بھی متوجہ ہوا تو وہ فوراً نظریں چرا کر رہ گئی۔

ضمام نے فون کر کے اس کی مشکل آسان کر دی تھی، اس نے مما سے بھی بات کی تھی اور اپنے گھر ہونے والی پارٹی میں سب کو انوائٹ بھی کیا۔ اپنی طرف سے انہوں نے معذرت کر لی تھی۔ سمیعہ سے انہوں نے بعد میں کہا۔

''سومی! تم دونوں کو ضمام نے آج شام اپنے گھر انوائٹ کیا ہے، تم شام کو تیار ہو جانا۔''

سمیعہ نوید کے سابقہ رویوں کو مدنظر رکھ کر اس کے منع کرنے سے پہلے ہی فوراً بولی۔

''مما! میری تو طبیعت ابھی بالکل ٹھیک نہیں ہوئی، میں جا کر کیا کروں گی، یہ اکیلے چلے جائیں گے۔'' نظریں جھکا کر اس نے اپنا انکار اور جواز پیش کیا۔ وہ آج اسے لے جانے پر راضی تھا اس کے انکار پر قدرے برہمی سے بولا۔

''صبح سے تو آپ اپنی صحت یابی کا اعلان کرتی پھر رہی ہیں، بلکہ جشن منایا جا رہا تھا، اب میرے ساتھ جاتے ہوئے طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' مما کو اس کے لہجے میں انکار کی وجہ سے برہمی و ناراضی کا احساس ہوا جبکہ سمیعہ اس کے طنز کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ جنید بھی اس کے انکار پر

حیران تھا۔

''سومی! اب اپنی طبیعت ٹھیک کرو، تمہیں گھر میں بند ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں۔ بس سستی ختم کرو، شام کو تیار رہنا۔'' مما نے پیار سے ڈانٹا تو جنید نے بھی حصہ لیا۔

''تو اور کیا تمہاری وجہ سے میں بھی کتنے دنوں سے کہیں نہیں گیا۔''

''تم آج بھی کہیں نہیں جاؤ گے۔'' مما نے جنید کو اس کی مداخلت پر ڈانٹا۔

مما نے بات ہی ختم کر دی، اس کے پاس مزید انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ پھر نوید نے بھی کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ سو اسے شام کو مجبوراً تیار ہونا پڑا تھا۔ وہ بہت بے دلی سے تیار ہوئی تھی۔ فیروزی اور کاپر براؤن کمبینیشن کے شلوار سوٹ پر بہت ہلکا سا کامدانی کا کام بنا ہوا تھا۔ میک اپ بھی برائے نام کیا تھا۔ جیولری میں بھی فیروزے کا چھوٹا سا سیٹ پہنا تھا۔ پھر بھی اسے فکر کھائے جا رہی تھی کہ نوید اس کے اس اہتمام پر بھی ضرور تنقید کرے گا۔ مما نے تو سرے سے اس کی تیاری کو پسند ہی نہیں کیا تھا۔ اسے کتنے بھاری جوڑے گنوا دیئے تھے۔

بیماری کے باوجود اس کے حسن کا چاند ماند نہیں پڑا تھا۔ نوید نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے سرسری سی نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی تھی اور مطمئن ہو گیا تھا۔

''سارا کو مطمئن کرنے کے لیے سمیعہ کا بجھا بجھا چہرہ ہی کافی ہوگا۔'' اس نے دل میں سوچا۔

سمیعہ بہت ڈری سہمی سی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اس کی سماعتیں نوید کی ہتک آمیز آواز سننے کی منتظر تھیں مگر وہ خلاف توقع بنا کوئی نشتر چلائے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کی خاموشی سے سمیعہ کو الجھن ہو رہی تھی۔

ضمام کے گھر کے باہر گاڑیوں کی قطاریں لگی تھیں، اچھا خاصا رش لگا ہوا تھا۔ اسے اتنے بڑے فنکشن کا اندازہ نہیں تھا اور نہ ہی وہ جانتی تھی کہ یہ پارٹی کس سلسلے میں دی گئی ہے۔

گاڑی سے اتر کر بھی نوید نے سمیعہ کو ہمراہ لے جانا گوارا نہیں کیا تھا۔ وہ اس کی تقلید میں سر جھکائے پیچھے خاصے فاصلے پر چل رہی تھی۔ استقبالیہ پر ضمام نے ہی نوید کو ٹوکا۔

''یار! بھابھی کو تو ساتھ لے کر چلو۔'' سمیعہ نے فاصلے سے بھی اس کی سرد نگاہوں کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ مجبوراً کھڑا ہوا تھا، نگاہیں اِدھر اُدھر کسی کی متلاشی تھیں۔

وسیع و عریض لان میں بیٹھنے کا انتظام تھا، نوید کے جو دوست اسے جانتے تھے وہ اور ان کی بیویاں آ آ کر مل رہے تھے وہ خود بھی جن کو جانتی تھی ان سے حال چال پوچھ رہی تھی۔ نوید اسے

وہاں ایک طرف بٹھا کر خود غائب ہو گیا تھا، سب سے ملنے کے بعد وہ ایک طرف کونے میں اکیلی بیٹھی جوس کا گلاس ہاتھ میں پکڑے حد درجہ کوفت کا شکار تھی۔

وہ اپنی سوچوں میں گھری بیٹھی تھی کہ ضمام کی بیوی نے اسے چونکا دیا۔

''ارے تم یہاں اکیلی بیٹھی ہو، نوید بھائی کہاں ہیں۔'' فارینہ سے اس کی کچھ بے تکلفی تھی، فارینہ نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑا کر نوید کو ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی مگر وہ اسے فی الوقت نظر نہیں آیا۔

''وہ یہیں کہیں ہوں گے۔'' اس نے مسکرا کر ہاتھ بڑھایا۔

''یہاں سے اٹھو اور ہمارے پاس چل کر بیٹھو، سب ہی تمہیں پوچھ رہے تھے، افوہ حیران مت ہو، میرے گھر والوں سے تمہارا غائبانہ تعارف ہے، نوید بھائی کو تو سب ہی جانتے ہیں اسی لیے تمہیں دیکھنے کے لیے پرشوق ہو رہے ہیں۔''

فارینہ اسے تقریباً کھینچتی ہوئی اس حصے میں لے گئی جہاں اس کی فیملی کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سمیعہ نے دور سے نوید کو کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھا دیکھ لیا تھا۔ اسے بڑا عجیب لگا تھا۔ فارینہ سب سے اس کا تعارف کراتی آخر اسے نوید کی طرف لے گئی۔ نوید سمارا کے ساتھ بیٹھا کسی بات پر ہنس رہا تھا۔ سمیعہ نے پہلی بار اسے اتنے دلکش انداز میں ہنستے دیکھا تھا۔ وہ نظر ٹکا کر دیکھ بھی نہ سکی، کیونکہ نوید نے اسے دیکھتے ہی لب بھینچ لیے تھے۔

''نوید بھائی آج یہاں؟ سمیعہ بے چاری وہاں بالکل اکیلی بیٹھی تھی، کم از کم آپ اسے ہمارے پاس ہی چھوڑ جاتے۔'' فارینہ نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا مگر اس کے لہجے میں ایسی بات ضرور تھی جس نے نوید کے ساتھ سمیعہ کو بھی چونکا دیا تھا۔

سمیعہ کا نام سنتے ہی سمارا نے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ سمارا کی عجیب نظروں سے وہ بوکھلا اٹھی۔ اس کا نروس ہو جانا ہی نوید کے رویوں کو بیان کرنے کے لیے کافی تھا۔ اگر اسے اپنے شوہر کا ذرا سا بھی اعتماد حاصل ہوا ہوتا تو اپنے اندر اترتی سمارا کی نظریں اسے چھید نہ ڈالتیں۔ سمارا کی نظروں میں بڑا تمسخر تھا اور پھر اس کا لہجہ بھی ویسا ہی ہو گیا۔

''نوید اچھا تو ہے تمہاری ماما کی پسند۔'' اس نے کرسی سے اٹھ کر سامنے آ کر ناقدانہ جائزہ لیا۔ فارینہ اسے وہاں چھوڑ کر کسی کے پکارنے پر چلی گئی تھی۔ اس کی ٹیبل پر کوئی اور موجود نہیں تھا۔

''آئی ایم ویری فرینکلی اسپیکنگ نوید! تمہاری مما نے تمہارے لیے لائف پارٹنر سلیکٹ کرتے ہوئے لگتا ہے تمہاری پرسنالٹی کو ڈس اون کر دیا ہے، پہلی نظر میں ہی پتہ چلتا ہے کہ ہائی

سوسائٹی کے مینرز کی اے بی سی بھی اسے نہیں آتی ہوگی۔'' سمیعہ کو سخت توہین کا احساس ہو رہا تھا۔

اس نے تپتے ہوئے چہرے کے ساتھ نظر اٹھا کر نوید کو دیکھا جو اپنے سابقہ رویہ چہرے پر سجائے بیٹھا تھا پھر اس نے سمارا کو دیکھا جو سرخ رنگ کی ساڑھی میں تھی۔ جس کا شوخ و بھڑکیلا بغیر آستین کا بلاؤز اور کھلا گلا اس کی نسوانیت چھپانے میں ناکام تھا۔ فیشن کے مطابق ہیئر اسٹائل بنائے گہرے میک اپ میں وہ اپنے حسن کی نمائش لگائے کھڑی تھی۔

سمارا کے بھرے طرز استحقاق تخاطب نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ یہی وہ ہستی ہے جس کے لیے نوید نے اسے قابل اعتنا نہیں سمجھا تھا۔ وہ اپنی اندرونی کیفیات کی وجہ سے خود پر قابو نہ پا سکی۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا اس نے قریبی کرسی کا سہارا لینا چاہا۔

''نوید! سنبھالو اسے ورنہ تماشہ بن جاؤ گے۔'' سمارا کی خود پسندی حد سے آگے بڑھ چکی تھی۔ ''مجھے دیکھ کر تو تم جیسے نہیں سنبھل پاتے، یہ تو پھر۔'' اس نے تمسخرانہ قہقہہ لگایا۔ نوید اس صورت حال پر گڑبڑا گیا۔

سمیعہ کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔ اس کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ اگر وہ کرسی کا سہارا نہ لیتی تو ضرور گر جاتی۔ نوید اردگرد کا خیال کر کے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ نوید کو قریب آتے دیکھ کر سمیعہ نے لمحے کے ہزارویں حصے میں خود کو سنبھالا اور اسی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ضمام کچھ فاصلے پر کھڑا کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔ سمیعہ کی حالت دیکھ کر فوراً قریب آ گیا۔

''بھابھی! کیا بات ہے، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' ضمام نے ایک تیز نگاہ سمارا پر پھینکی مگر وہ کھڑی لاپروائی سے مسکراتی رہی۔ سمیعہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میری طبیعت یہاں آنے سے پہلے ہی ٹھیک نہیں تھی، اب مزید بگڑ گئی ہے، میں گھر جانا چاہتی ہوں۔'' اس سے نظر اٹھا کر بات نہ کی گئی۔ آنسو اس کی آنکھوں میں ساکت جھیل کی مانند تھے، سمارا اور نوید کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ نوید کو ایک گونا سکون بھی حاصل ہو گیا تھا کہ سمیعہ کی ایسی حالت و رویہ سمارا کو ضرور یقین دلا دے گا۔ فارینہ نے آتے ہوئے صرف اس کا گھر جانے والا جملہ سنا تھا تب ہی آ کر مداخلت کی۔

''سمیعہ! ابھی تو آئی ہو تم، بس فنکشن شروع ہونے والا ہے۔''

''فاری! بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تم انہیں اپنے بیڈ روم میں لے جاؤ۔ اب نوید پارٹی چھوڑ کر تو جا نہیں سکے گا۔ اس کے خاص دوست ناراض ہو جائیں گے۔'' ضمام کا لہجہ اور

آنکھیں نوید کو تپا گئیں۔ وہ غصے میں دانت بھینچے سمیعہ کے قریب آ گیا۔ سارا کے لب مسکراہٹ سے مزید پھیل گئے۔

''اگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو میرے ساتھ آنے کی ضرورت کیا تھی۔ صرف میرا تماشہ بنوانے کے لیے۔'' بھینچے ہوئے لبوں میں دبی آواز کے باوجود اس کا غصہ اس کے ہر انداز سے چھلک رہا تھا۔

''میں کچھ نہیں چاہتی، صرف گھر جانا چاہتی ہوں۔'' آج دوسری بار وہ اس کے سامنے اتنا بول رہی تھی۔ آنکھیں ضبط گریہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''نوید! تم اپنی بیوی کے آنسو پونچھ لو تو مجھے میرے دوستوں میں آ کر ملنا۔ میں یہاں مزید کھڑی رہ کر بور نہیں ہو سکتی۔'' وہ اٹھلا کر بل کھا کر وہاں سے چلتی بنی۔ فارینہ حیران رہ گئی اور اسی حیرت میں اس نے ضمام کو مخاطب کیا۔

''وہاٹ از دس ضمام! یہ سارا اور نوید بھائی سمیعہ بھابھی کیا بات ہے آخر۔'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی سب کچھ سمجھ رہی تھی۔

''مجھے خود نہیں علم، اور نہ ہی میں جانتی ہوں کیا بات ہے، پلیز مجھے اسی وقت گھر جانا ہے مما کے پاس۔'' اس سے ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ آج سر عام اس کا بھرم ٹوٹا تھا۔ اس کا بکھر جانا لازمی امر تھا۔ سارا کا حق جتانے والا لہجہ اس کے دل پر کئی زخم لگا گیا تھا۔ اسے تو آج تک نوید نے بیوی ہونے کے باوجود مخاطب کرنے کا حق نہیں دیا تھا۔

''ٹیک اٹ ایزی سمیعہ! دیکھو اور لوگ بھی متوجہ ہو رہے ہیں۔'' فارینہ نے اس کے کندھوں کو تھام کر اسے حوصلہ دینا چاہا۔ نوید پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں تھا۔ فارینہ نے اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ ''تم یہاں سے اٹھو اور میرے ساتھ آؤ۔''

''مجھے گھر جانا ہے۔'' اس کی سوئی ضدی بچے کی طرح گھر پر اٹک گئی تھی۔

''اس طرح جاؤ گی تو آنٹی پریشان ہو جائیں گی، آؤ تھوڑی دیر ریلیکس کر لو، پھر میں ضمام سے کہتی ہوں، وہ تمہیں چھوڑ آئیں گے۔'' وہ اسے زبردستی اپنے رہائشی حصے میں لے آئی، بیڈ پر بٹھا کر اسے پانی کا گلاس بھر کر دیا۔ جسے تھامتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''سمیعہ آخر یہ سب کیا ہے؟ آئی کانٹ بلیو اٹ، تم جیسی خوبصورت بیوی کے ہوتے ہوئے نوید بھائی سارا میں انٹرسٹڈ ہو گئے کیسے؟'' فارینہ نے بے یقینی سے پوچھا۔ وہ بھی ذرا چپ ہو گئی

تھی۔

''بھابھی! ایسا شاید میرے آنے سے پہلے ہی ہے، میں تو آج تک ان کے رویوں کو اپنی غلطی ہی سمجھتی رہی، مجھے بھی آج ابھی خبر ہوئی کہ وہ میرے ساتھ۔'' وہ بات مکمل نہ کر سکی اور دوبارہ رو پڑی۔

''سمیعہ! پلیز اس طرح رونے سے کیا ہوگا، چپ ہو جاؤ، اچھا دیکھو سامنے باتھ روم ہے، فریش ہو جاؤ، میں ضمام سے کہتی ہوں، تمہیں چھوڑ آئیں۔'' تب ہی دروازے پر دستک دے کر نوید اور ضمام آ گئے۔ اس کے بھیگے چہرے پر دونوں کی نگاہ پڑی، ضمام کو احساس تھا کہ سمیعہ اس صورت حال سے کس قدر ہرٹ ہوئی ہوگی۔ سارا اس کی کزن تھی اس وجہ سے بھی اسے شرمندگی تھی۔

''اٹھو گھر چلو۔'' نوید کے تحکم بھرے لہجے میں کئی طوفان چھپے تھے۔ پھر وہ فارینہ سے مخاطب ہوا۔ ''سوری بھابھی! میری وجہ سے آپ کی پارٹی خراب ہوئی، اب گھر کی یاد نہیں ستا رہی۔'' سمیعہ کو بیٹھے دیکھ کر اس نے پھر برسائے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے بھی فارینہ سے معذرت کی۔

فارینہ نے اسے گلے لگا کر پیار سے تسلی دی۔ فارینہ نوید کے تیور دیکھ رہی تھی۔ اس لیے جاتے جاتے اسے مخاطب کیا۔

''نوید بھائی! ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھایئے گا۔ ایسا نہ ہو آپ ہیرے کے دھوکے میں پتھر خرید لائیں۔'' فارینہ نے اتنی بڑی بات اس کے رویے کو دیکھ کر کہی تھی۔

ضمام کی کزن سارا اسے کبھی پسند نہیں رہی تھی، اس کی شو آف نیچر، مردوں کو رجھانے والی ادائیں اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں۔ ابھی پچھلے دنوں تک تو اپنے باپ کے دوست کے بیٹے کے ساتھ ہر جگہ نظر آ رہی تھی، آج نوید کے ساتھ اس کا حق جتانے والا انداز دیکھ کر فارینہ کو نہ صرف دکھ ہو رہا تھا بلکہ غصہ بھی آ رہا تھا۔

وہ آنسو پونچھتی نوید کے ساتھ پچھلی طرف سے گاڑی میں آ بیٹھی۔ جس انداز میں اس نے اپنی گاڑی وہاں سے نکالی تھی۔ اس سے حالات کی سنگینی کا احساس ہو رہا تھا۔ سمیعہ ایک دم سہم گئی تھی۔ وہاں تو پھر بھی وہ گھر جانے کی بات پر ڈٹ گئی تھی مگر اب وہ محسوس کر رہی تھی کہ اپنے اندر اٹھتے ابال غصے و توہین کے احساس کے باوجود وہ اس کے سامنے ایک لفظ بھی کہہ نہیں سکے گی بس

وہ اپنے آنسو کا بے دریغ استعمال کر رہی تھی۔

''تم سمجھتی ہو تمہارے مگر مچھ کے آنسو مجھ پر اثر کریں گے تو یہ تمہاری بھول ہے، اب تک میں تمہیں مما کی وجہ سے برداشت کر رہا ہوں مگر اب۔'' اس نے بہت تیزی سے موڑ کاٹا تھا۔ گاڑی کے ٹائرز زبردست طریقے سے چرچرائے سمیعہ کا سر اس کے کندھے سے لگا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

نوید کا ہتک آمیز رویہ آئندہ پیش آنے والے حالات کا پیش خیمہ تھا۔ مما کو وہ کسی بات کا احساس نہیں ہونے دیتی تھی لیکن آج اس کی حالت اور نوید کا رویہ سب کو باخبر کر سکتا تھا۔ اپنی ذات کو پس پشت ڈال کر اس نے صرف مما کے بارے میں سوچا۔ انہیں کسی بھی صدمے سے بچانے کے لیے وہ خود کو اس کے قدموں میں بھی جھکانے کے لیے تیار تھی۔

''میرا کیا قصور ہے اگر۔'' اس نے بہت کچھ کہنا چاہا مگر وہ غرا کر بولا۔

''میں تمہاری آواز بھی سننا نہیں چاہتا انڈر اسٹینڈ۔'' وہ بہت رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ چند منٹوں میں ہی گاڑی گھر کے اندر کھڑی تھی۔ وہ کسی کا سامنا کرنے کے قابل نہیں تھی جبکہ اوپر تک جانے کے لیے اسے لاؤنج سے گزرنا پڑتا۔

لاؤنج میں مما کو دیکھ کر اس کی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ اس کے چہرے پر اس کے آنسوؤں سے اس کی بدنصیبی رقم تھی۔ اس نے پھر بھی خود کو سنبھالا۔

''تم لوگ اتنی جلدی آ گئے ہو اور.....''

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے مما! میں چینج کر کے آتی ہوں۔'' وہ رندھی آواز سے کہہ کر تقریباً بھاگتی ہوئی اوپر بھاگ گئی۔

''سومی! سوم بیٹا! بات سنو، کیا ہوا ہے۔'' وہ آوازیں دیتی رہ گئیں۔ نوید پورے طیش میں اندر آیا تھا مگر مما کو دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گیا۔ مما کی صورت دیکھتے ہی اس کے دل میں اپنی بے بسی کا احساس جاگ اٹھا کہ ان کی موجودگی میں وہ اپنے دل کی بھڑاس بھی نہیں نکال سکتا تھا۔ الٹے قدموں واپس مڑا اور پھر تیزی سے نکلتا چلا گیا۔ مما اسے آوازیں دیتی پیچھے لپکیں مگر وہ پورچ سے گاڑی لے اڑا تھا۔ سمیعہ کی حالت اور نوید کا غصے سے لال چہرہ دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا۔

وہ فوراً اوپر گئیں وہ صوفے پر بیٹھی اپنے گھٹنوں میں چہرہ چھپائے بے تحاشا اٹھنے والی سسکیوں کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اسے اس طرح روتے دیکھ کر مما پریشان ہو گئیں۔

اسے ان کے آنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ ان کے پکارنے پر ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔

''سمیعہ! سمیعہ کیا بات ہے۔ کیوں رو رہی ہو اتنا۔'' اس سے ضبط کرنا مشکل ہو گیا تو ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''م..... میں نے کہا تھا ناں مجھے نہ بھیجیں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' کافی دیر رونے کے بعد ان کے دوبارہ استفسار پر اس نے سنبھل کر بات کی۔

''تو نوید..... وہ اتنے غصے میں کیوں تھا۔'' مما کے دل میں خدشے سر ابھارنے لگے۔

''میں نے گھر آنے کے لیے ضد کی تھی۔ انہیں پارٹی چھوڑ کر آنا پڑا، اسی لیے وہ ناراض ہو گئے ہیں۔'' وہ بروقت سنبھل گئی تھی ورنہ ایک طوفان اٹھ جاتا۔

''مگر مما اس کی بات سے مطمئن نہیں ہوئی تھیں۔ بہت سنجیدگی سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ نوید کو اس قدر غصے میں انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انہیں اس بات کا بھی یقین نہیں تھا کہ گھر آنے کی ضد پر وہ اس قدر طیش میں آ سکتا ہے کہ اس کی آنکھوں میں لہو اتر آئے، پھر بھی انہوں نے اسے سنبھالا۔

''اس قدر رونے کی کیا بات ہے۔ وقتی غصہ ہو گا، میں اسے سمجھاؤں گی، تم چینج کر کے آرام کرو، بلکہ سونے سے پہلے اپنی میڈیسن ضرور لے لینا۔''

مما نیچے جانے لگیں تو اس نے بے اختیار میں انہیں پکارا۔

''مما..... مما میں آج آپ کے کمرے میں سو جاؤں۔''

مما اس کے سوال پر حیران ہوئیں۔

''کیا بات ہے سومی! نوید نے کچھ کہا ہے؟ اگر تم دونوں میں کوئی بات ہوئی ہے تو مجھے بتاؤ میں اسے سمجھاؤں گی۔''

''نہ..... نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے مما! مجھے بس ان کی ناراضی سے ڈر لگ رہا تھا کہ کوئی بات نہیں ہے۔'' اسے فوراً ہی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا نادانی میں وہ مما پر سب عیاں کرنے چلی تھی۔

مما اسے آرام کرنے کی تاکید کر کے عبید کے ساتھ چلی گئیں اور وہ ایک بار پھر آنے والے وقت کے ڈر سے سہم گئی۔ نوید کے آتے ہی وہ نئے امتحان سے دوچار ہونے والی تھی۔

مما نیچے آ کر بھی سمیعہ کے لیے متفکر ہو رہی تھیں۔ عبید انہیں سمجھا رہا تھا کہ بھائی کا غصہ وقتی

ہوگا پھر بھی نہ جانے کیوں ان کے تصور سے نوید کا غصے سے لال چہرہ نہیں جا رہا تھا انہیں عجیب سے وہم وخیال ستا رہے تھے۔

☆☆☆

نوید وہاں سے غصے میں نکل کر کافی دیر تک سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا تھا۔ اس کا غصہ کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا۔ ضمام کی پارٹی میں اسے جو شرمندگی اٹھانی پڑی تھی اسی کا احساس اسے سلگائے دے رہا تھا۔ اگر گھر میں داخل ہوتے ہی مما کا سامنا نہ ہو جاتا تو وہ فیصلہ کن مرحلے سے گزر جاتا، وہ اب بھی اپنے ارادوں پر قائم تھا۔ سمیعہ کو اب وہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ سارا نے اس کی حوصلہ افزائی کر دی تھی جو اس کے ارادوں کو قائم رکھنے میں مددگار تھی۔ وہ ساری رات سڑکوں پر خوار ہوتا رہا۔

مما ساری رات پریشانی میں جاگتی رہیں اور سمیعہ اس کے آنے کے دھڑکے سے۔ صبح چار بجے تک وہ نہیں آیا تو سمیعہ بھی پریشان ہو کر نیچے آ گئی۔ مما کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی مگر وہ اس وقت مما کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس کی بری حالت تھی۔ سارا جسم انگارہ بنا ہوا تھا وہ شال لپیٹ کر خاموشی سے باہر کی طرف چل دی۔ باہر اچھی خاصی خنکی تھی، وہ کپکپا کر رہ گئی۔ پورچ کی سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ نوید کی گاڑی کی آواز آئی۔

گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں ہی اس نے سمیعہ کو سیڑھیوں پر بیٹھا دیکھ لیا تھا۔ غصہ ایک بار پھر اس کی رگوں میں ابلنے لگا۔ وہ گاڑی بند کر کے سیدھا اس کے پاس آیا۔ وہ جو گھٹنوں پر سر دیئے نیم غنودگی میں تھی گاڑی رکنے کی آواز پر چونک کر سیدھی ہو گئی۔ بلیک شال سر سے ڈھلک چکی تھی اس وقت وہ سیاہ سوٹ میں کوئی بے قرار روح لگ رہی تھی۔ اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر ہراساں ہو کر کھڑی ہو گئی۔

''تم..... تم ابھی تک موجود ہو یہاں.....'' اسے ہاتھ سے پرے دھکیلنے کی کوشش کی۔ ''کیا چاہتی ہو آخر تم، کیوں آئی ہو میرے راستے میں۔ میں نے کہا تھا ناں، میں تمہاری منحوس صورت نہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' باوجود کوشش کے وہ اپنی آواز پر کنٹرول نہیں کر پا رہا تھا۔ دانت بھینچ کر بولنے کے باوجود آواز قدرے اونچی تھی۔ سمیعہ کا سارا دھیان مما کی طرف اور ان کے کمرے میں جلتی لائٹ کی طرف تھا۔

''پلیز مما جاگ.....'' وہ آہستہ آواز میں گڑگڑائی۔

''مما کا ہی خیال ہے جو تم یہاں نظر آ رہی ہو ورنہ میں تمہیں ایک سیکنڈ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔'' اس نے مٹھیاں بھینچ کر غصہ دبایا۔ اس کے بازوؤں میں بے چینی بھری جا رہی تھی۔

''رات ضمام کے گھر پر تم نے جو ڈرامہ کیا ہے، اس کے بعد بھی تم، تم سمجھتی ہو، میں تم سے کچھ ''اچھا'' کروں گا، مما کا خیال کروں گا۔ اب تک مجھے مما کا ہی خیال تھا جو سارا کی جگہ تم میری زندگی برباد کرنے چلی آئی ہو ورنہ کوئی اور مجھے اپنے ارادوں سے روک نہیں سکتا تھا، تم اچھی طرح سن لو۔ میں اب بھی اپنے ارادوں پر قائم ہوں انڈر اسٹینڈ۔'' اس نے ایک بار پھر اس کا بازو پکڑ کر اپنے سامنے سے ہٹایا۔ وہ لڑکھڑا گئی، گرتے گرتے بچی، بے اختیار ہی اس کی سسکی گونجی، وہ جاتے جاتے مڑا۔

''اینڈ لسن ٹو می، اگر تم یہاں رہنا چاہتی ہو تو آئندہ میرے سامنے مت آنا ورنہ.....'' اس کے بھنچے لبوں سے ادا ہوئے لفظوں میں شیر کی سی غراہٹ تھی۔ آہستہ بولنے کے باوجود اس کی آواز ماحول میں پھیل رہی تھی۔ وہ سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اندر بڑھا تو سامنے مما کھڑی تھیں۔ وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

ان کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب تھے۔ وہ ایک ساتھ دکھ حیرانی و پریشانی، غصے و اضطراب، عدم اعتماد جیسی کیفیات سے گزر رہی تھیں۔ مما کے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ کر اس کی اپنی حالت بدل گئی۔ مما اس وقت جاگ رہی ہوں گی یہ تو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ ابھی اس نے سمیعہ کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ بس غصے و بے بسی میں بل کھا رہا تھا۔ مما کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ سب کچھ سن چکی ہیں۔ وہ بمشکل بول پائی تھیں۔

''نوید! تم نے مجھے بہت دھوکے میں رکھا، ایک بدنصیب لڑکی کی بدنصیبیاں بڑھانے میں شاید میں تمہاری شریک کار ہوں۔'' مما کی لرزتی آواز سمیعہ کے حواسوں پر بجلی بن کر گری۔ ابھی تک وہ مما کی موجودگی سے بے خبر تھی۔ تقریباً دوڑ کر اس نے سیڑھیاں عبور کیں اور ان سے جا لپٹی۔ اپنی آواز کو قدرے نارمل کیا۔

''مما! مما! آپ جاگ رہی ہیں؟ اندر چلیں باہر بہت سردی ہے۔'' وہ انہیں کچھ دیر پہلے حاوی ہونے والی کیفیت سے نکالنا چاہ رہی تھی۔ نوید پتھر بنا کھڑا تھا۔

''مجھے سردی نے کیا کہنا ہے سوی! مجھے تو پچھتاوے مار ڈالیں گے۔ سوی بیٹا! مجھے معاف کر

دینا۔'' وہ ہولے ہولے لرزنے لگی تھیں، ان کی لرزش پر سمیعہ کی جان نکل گئی۔

''مما! ایسا کیوں کہہ رہی ہیں، کوئی بات نہیں ہے، آپ اندر چلیں پلیز۔'' اس نے زبردستی انہیں اندر بڑھنے پر مجبور کیا۔

مما کا شکستہ لہجہ اس کے اندر خطرے کی گھنٹیاں بجانے لگا۔ وہ لپک کر ان کے پیچھے گیا۔ سمیعہ انہیں تکیوں کے سہارے بیٹھنے میں مدد دے رہی تھی۔ بھرپور روشنی میں مما کا شکستہ چہرہ صاف نظر آرہا تھا۔ وہ ان کے قریب جا بیٹھا۔ ان کا ہاتھ تھام کر مصلحتاً بولا۔

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں مما! آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے، میں نے تو بس غصے میں بس مما۔'' انہوں نے بڑے دکھ سے دیکھا۔

ان کی آنکھیں صاف بتا رہی تھیں کہ وہ اس کے جھوٹ پر یقین نہیں کر رہی ہیں۔

''نوید میں کل تک غلط سمجھتی تھی مگر آج، آج مجھ پر سب واضح ہو گیا۔ کاش تم مجھے پہلے بتا دیتے تو سمیعہ کی زندگی تو برباد نہ ہوتی۔ غلطی میری ہے میں نے ہی جلد بازی سے کام لیا۔'' ان کی سانسیں ناہموار ہو رہی تھیں۔ سمیعہ ان کی میڈیسن لے کر قریب آ گئی۔

''مما! آپ یہ لیں اور سو جائیں۔ زیادہ نہ بولیں آپ کی طبیعت بگڑ جائے گی۔'' اس نے زبردستی پانی ان کے لبوں سے لگایا مگر انہوں نے پیچھے ہٹا دیا۔

''مما! ٹیبلٹ لیں نا پلیز۔'' وہ ملتجی لہجے میں مما سے مخاطب ہوا۔

''دیکھو..... تم نے اس کی زندگی بگاڑ دی اور وہ تمہاری ماں کی طبیعت بگڑتے نہیں دیکھ سکتی۔ نوید! میں تمہاری خوشیوں میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ بس سمیعہ کو میرے بعد اتنا حق ضرور دینا کہ یہ آسانی سے زندگی گزار سکے۔'' وہ ان کے پہلو سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''مما! ایسی بات مت کریں۔'' ان کے پسینے سے تر بتر چہرے پر حزن و ملال کے ساتھ مردنی بھی چھانے لگی۔

''سومی! میری بیٹی ہو، نوید اپنی پسند کہیں بھی رکھ سکتا ہے، تم یہیں رہنا، اپنے بھائیوں کے پاس۔'' قدرت ان سے نہ جانے کیا کہلوانا چاہ رہی تھی۔ سمیعہ نے اپنی ماں کو مرتے دیکھا تھا اب وہ مزید ایسی کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''پلیز ڈاکٹر کو بلائیں۔ انہیں ہاسپٹل لے چلیں۔'' مما کا ہاتھ اپنے دل پر تھا نوید کو جیسے کسی نے سوتے سے جگا دیا۔

وہ فوراً فون کی طرف لپکا۔ کئی دفعہ ڈائل گھمایا۔ جلد بازی میں اسے نمبر بھی یاد نہیں آ رہا تھا پھر گھبرا کر مما کی طرف مڑا۔ وہ اب بھی کراہ رہی تھیں ان کی نیم وا آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ وہ مما کو اتنی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''مما! مما!'' اس نے بند گلے کے ساتھ پکارا پھر گھبرا کر ان کی دھڑکن سننے لگا۔ جو خاصی مدھم سنائی دے رہی تھی۔ اس نے بے اختیار میں عبید کو بلند آواز میں پکارا۔

''عابی عبید!'' سمیعہ فوراً باہر بھاگی کچھ دیر بعد ہی جنید اور عبید اس کے ساتھ بوکھلائے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ مما کے لبوں پر جنید کا نام تھا۔ چاروں ان کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔

''عابی! سومی کا خیال رکھ.....'' ان کی اکھڑتی سانسوں نے انہیں بات نہ پوری کرنے دی۔

''ڈونٹ وری مما آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔ آ..... آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔'' بہت مضبوط قوت ارادی والے عبید سے بھی برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا اس کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں پھر اس نے فوراً انہیں بانہوں میں اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ سب نے اس کی تقلید کی، چند منٹوں کی بات تھی کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ نوید بڑی سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ سمیعہ اور جنید پیچھے بیٹھے مما کو سنبھال رہے تھے۔ انہیں فوراً ابتدائی طبی امداد دے کر سی یو میں بھیج دیا گیا تھا۔

جنید اور سمیعہ دونوں ہی بے قابو ہو رہے تھے۔ سمیعہ کو تو دنیا ہی اندھیر نظر آ رہی تھی۔ ایک مما ہی تو تھیں جن کے سہارے وہ اتنی تلخ زندگی کو بھی ہنس کر گزار رہی تھی۔ کڑکتی دھوپ میں مسلسل سفر کرتے ہوئے وہ چند لمحے ان کی ممتا کو چھاؤں میں آ کر گزار لیتی تھی، اب اسے محسوس ہو رہا تھا کہ باقی زندگی جھلستے ہوئے گزرے گی۔

نوید نے آتے ہی پھپھو کو بھی فون کر دیا تھا۔ عبید باہر آیا تو وہ بھی موجود تھیں۔ سب ہی کشمکش میں تھے۔ سوائے نوید کے سب ہی اپنے دکھ کا اظہار کر رہے تھے وہی چپ چاپ گم صم کھڑا اپنے ضبط کا امتحان لے رہا تھا۔ مما کو اس کی ذات سے دکھ پہنچا تھا اسی لیے اس کے اندر ملال ہی ملال تھا۔

وہ بنا کچھ سنے ہی اپنی سانسیں پوری کر چکی تھیں، ان کی زندگی میں ایک طوفان آیا تھا جو ان کا سب کچھ اڑا کر لے گیا تھا۔ سمیعہ کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ کون کس کو سنبھالتا، سب کا ہی دکھ بڑا تھا، سب خون کے آنسو بہا رہے تھے۔ بہت وقت سے بیٹوں نے مما کو سپرد خاک کیا تھا۔

☆☆☆

وقت بڑے سے بڑے زخم پر مرہم رکھتا گزر جاتا ہے، زندگی کی گاڑی کبھی نہیں رکتی، صرف موت ہی ایک انسان کو زندگی سے دور لے جاتی ہے، باقی سب کو غم و اندوہ کے باوجود اپنی احتیاجات پوری کرنا ہوتی ہیں۔ ان کی زندگی میں مما کے جانے سے بہت بڑا خلا پیدا ہو چکا تھا مگر پھر بھی نظام زندگی کو چلانا تھا، ہنس کر نہ سہی رو کر سہی۔ آہستہ آہستہ زندگی اپنے معمول پر آ رہی تھی۔

سمیعہ بھی پہلے کی طرح ایک بار پھر گھر کی ذمہ داریوں میں جت گئی تھی، سب کا دھیان رکھنا، سب کی ضروریات دیکھنا اسی طرح جاری ہو گیا تھا۔

اب اس کا زیادہ وقت مما کے کمرے میں ہی گزرتا تھا بلکہ رات کو بھی مما کے کمرے میں ہی سوتی تھی۔ نوید سے بہت کم سامنا ہوتا تھا۔ اس روز کے بعد نوید سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ دونوں کے درمیان خاموشی کی چادر تن گئی تھی۔

مما کے چہلم پر اپنے پرائے سب جمع تھے۔ سب ہی اس کے معترف تھے اس نے جس طرح گھر کو سمیٹا تھا، جس طرح اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا تھا، دیوروں کو سنبھالا تھا اور اب تک ذمہ داریاں نبھا رہی تھی سب کی داد و تحسین جائز تھی۔

ماموں ممانی بھی اس کے غم میں شریک ہونے آئے تھے۔ چلتے وقت از راہ مروت انہوں نے گھر آنے کے لیے کہا تھا، جواب میں اس نے کچھ دن بعد آنے چند دن رہنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت سب ہی کی موجودگی میں ممانی نے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ پھپھو مدحت بھی چاہتی تھیں کہ خواہ چند دن کے لیے ہی سہی اسے اس ماحول سے نکلنا چاہیے۔ لگتا تھا وہ اندر ہی اندر جل رہی ہے، کڑھ رہی ہے، ضبط کر رہی ہے، وہ اپنے گھر بھی آنے کا کہہ کر گئی تھیں۔ اس کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ اگلے دن ہی اس نے کچن میں گھس کر نہ جانے کیا کیا بنا کر فریز کیا۔ جنید حیران ہو کر پوچھ رہا تھا۔

''بھابھو! اتنا زیادہ کیوں فریز کر رہی ہیں، کیا آپ زیادہ دنوں کے لیے رہنے جا رہی ہیں۔''

وہ کچن کے دروازے میں کھڑا تھا۔

''ہاں شاید.....'' اس نے سنک کے آگے کھڑے ہو کر ہاتھ دھوتے ہوئے آنسو بھی صاف کیے۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' وہ چونک کر بولا۔

''میرا مطلب ہے کہ اگر مامی جی نے اصرار کیا تو رکنا پڑے گا نا۔ شادی کے بعد میں وہاں

کب گئی ہوں۔'' اس نے بمشکل اپنے آنسو اندر اتارے۔

''ہم یہاں آپ کے بغیر کیسے رہیں گے اتنے دن، بس میں نے کہہ دیا ہے آپ وہاں ایک دن سے زیادہ نہیں رہیں گی۔'' وہ بچوں کی طرح روہانسا ہو رہا تھا۔ اس کی نم آنکھیں دیکھ کر سمیعہ زبردستی ہنسی۔

''بالکل پاگل ہو، اتنے بڑے ہو گئے ہو اور بالکل بچوں والا رویہ ہے تمہارا، بس چند دن کی تو بات ہے۔ پھر خود ہی سنبھل جاؤ گے۔'' اس کے گال پر پیار سے چپت لگاتے ہوئے باقی جملہ دل میں کہا۔ مما کے بعد زیادہ ہی لاڈ دکھانے لگا تھا۔

''اچھا..... تم عبید کو بلاؤ میں کھانا لگا رہی ہوں۔'' وہ برتن اٹھا کر ڈائننگ روم میں گھس گئی۔ پیچھے پیچھے جنید تھا۔

''بھائی بھی آ چکے ہیں، انہیں نہیں بلانا کیا؟''

''میں نے کب منع کیا ہے، تم بلا لاؤ۔'' وہ بنا کسی تاثر کے میز پر برتن رکھنے لگی۔ جنید دونوں کو بلانے چلا گیا۔ کھانے کے دوران ہی جنید نے اس کے ارادوں کے بارے میں بتایا۔

''کیا واقعی بھابھو؟'' عبید نے بے یقینی سے پوچھا۔

''مامی جی نے اصرار کیا تو کچھ دن رکنا پڑے گا ناں۔'' اس نے پھر وہی جواب دیا۔

''مگر میں نے بھی کہہ دیا ہے، میں پرسوں لینے آ جاؤں گا۔'' ان میں صرف نوید ہی تھا جو خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف تھا۔

''مجھے صبح چھوڑ کے تو آؤ، پرسوں کی پرسوں دیکھی جائے گی۔''

☆☆☆

نوید صبح جب آفس کے لیے نکلا تھا تو سمیعہ موجود تھی، واپس آیا تو وہ کہیں نہیں تھی البتہ اس کا عکس ہر شے میں موجود تھا، عبید اور جنید بھی گھر پر موجود نہیں تھے اس نے ڈوپلیکیٹ چابی سے لاک کھولا تھا۔ آج فریش ہونے کے بعد چائے بھی اس کے کمرے میں نہیں آئی تھی۔ اپنی طلب کے لیے اسے خود کچن تک آنا پڑا۔ جب سے باہر سے آیا تھا اسے اپنے کام کرنے کی عادت ہی نہیں رہی تھی۔ ہر چیز بنا طلب کیے مل جاتی تھی، ہر کام وقت پر ہوا ہوتا تھا۔ اپنی بنائی چائے اس سے پینی دشوار ہو رہی تھی۔ اب پچھتا رہا تھا کہ جلدی گھر کیوں آ گیا۔

مما کی وفات کے بعد اس نے جلدی گھر آنے کی روٹین بنا لی تھی۔ آج تو اس نے بہت پہلے

آفس چھوڑ دیا تھا۔ سارا بڑے عرصے بعد اس کے آفس آئی تھی۔ وا سے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ مما کی موت کے صدمے نے اسے اپنی ذات سے غافل کر دیا تھا آج سارا کو دیکھ کر وہ غفلت سے جاگ گیا تھا، دل میں کسک ابھرنے لگی تھی۔ سارا پچھلے ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں اس سے نہیں ملی تھی، حتیٰ کہ اس کی مما کے موت کی خبر سن کر بھی اس کے غم میں شریک ہونے نہیں آئی تھی۔ وہ اس سے کچھ بدگمان ہو گیا تھا۔ مما کی آخری باتیں اس کے کانوں میں گونجتی رہتی تھیں۔ وہ زبردستی اسے آفس سے اٹھا لائی تھی، ایک ریسٹورنٹ میں آمنے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے صرف اتنا کہا۔

''تمہاری مما کی ڈیتھ کا معلوم ہوا تھا۔ مجھے افسوس ہے۔'' بڑا مختصر اور رسمی سا اظہار تھا۔ نوید بے حد سنجیدہ اور خاموش بیٹھا تھا۔

''تمہاری وائف نے اس روز کیا تماشا لگایا تھا۔ اسے سوسائٹی میں موو کرنے کے ایٹی کیٹس ہی نہیں معلوم ویری ال مینرڈ وومین۔'' اس نے نخوت سے اپنی ناک چڑھائی۔

''انسان بیمار ہو، پریشان ہو تو ایسا ہی بی ہیو کرتا ہے۔'' نوید کو خود یقین نہیں تھا کہ یہ سب اس نے کہا ہے۔ ''تم اس دن اسے لانے اس سے ملنے کی شرط نہ رکھتیں تو میں اسے کبھی اپنے ساتھ نہ لاتا اور نہ ہی وہ ہنگامہ کھڑا ہوتا جس نے مما کی جان لے لی۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو، میری وجہ سے تمہاری مما کی ڈیتھ ہوئی ہے۔'' وہ ایک دم بھڑک اٹھی۔

''تم بات کو غلط رنگ مت دو۔ مجھے صرف اتنا بتا دو، اب تم نے کیا سوچا ہے۔'' اس نے تحمل سے پوچھا۔

''مجھے اب کیا سوچنا ہے، تم اپنی زندگی کے بارے میں بہت پہلے فیصلہ کر چکے تھے، اب میں نے اپنے بارے میں ڈسائیڈ کر لیا ہے۔'' اس نے مکاری سے ہنستے ہوئے اپنے ہاتھ میں پڑی چمکتی انگوٹھی پر نگاہیں مرکوز کر دیں۔

''تمہیں ضمام نے نہیں بتایا؟ افوہ تمہارے ہرٹ ہونے کے خیال سے نہیں بتایا ہوگا، مگر میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھوں گی۔ اس سنڈے کو میں شادی کر رہی ہوں۔'' نوید کو لگا اس نے غلط سنا ہے، اس کی سماعتیں اسے دھوکا دے رہی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ غصے میں لال پیلا ہو کر چلاتا مگر وہ خود حیران تھا اور اسی حیرت میں سارا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

سارا کی طلب اسے کھینچا کرتی تھی، آج اسے دسترس سے نکلتا دیکھنے کے باوجود کوئی تبدیلی

رونما نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی حیران کن خاموشی سے اکتا کر وہ بولی۔

''تمہیں دکھ تو ہو رہا ہوگا مگر میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی تھی کہ مجھے سیکنڈ ہینڈ چیزیں پسند نہیں ہیں۔ صرف تمہاری دیوانگی دیکھ کر اب تک تمہیں ٹائم دیتی رہی ہوں ورنہ۔'' نوید کو اس کی باتوں نے جھٹکا دیا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے تک وہ اس پر ایسی نثار تھی اس کے علاوہ کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا، وہ خود بھی تو اسے راغب کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی اور اب کہہ رہی تھی تمہاری دیوانگی دیکھ کر۔ ہاں شاید میں دیوانہ ہی تھا جو خود کو پہچان نہ سکا۔ اس نے سوچا اس کی آنکھوں میں خالی پن تھا۔

''تم پوچھو گے نہیں وہ خوش نصیب کون ہے۔'' سارا نے بڑی بے باکی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ نوید کچھ سنبھل گیا تھا۔

''مگر تمہاری تو مجھ سے کمٹ منٹ تھی کہ یہ ثابت ہونے کے بعد سمیعہ کا میری زندگی میں ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ تم مجھ سے شادی کرو گی۔'' نوید نے اپنے آخری جذبے کو بھی آزمانا چاہا تھا کہ شاید ابھی بھی اس کے دل میں کوئی ہلچل پیدا ہو۔

''کمٹمنٹ ہاہاہا۔'' اس نے بے باکی سے قہقہہ لگایا پھر ماحول کا خیال کر کے اپنی ہنسی دبا کر بولی۔

''کیسی کمٹمنٹ..... میں تو ٹائم پاسنگ کر رہی تھی تمہارے ساتھ، جن دنوں تم نے مجھ سے اظہار کیا تھا۔ ان ہی دنوں میں مجھ سے فصیح نے بھی اپنے دل کی بات کہی تھی۔ اس کے ساتھ پرابلم یہ تھی کہ وہ پہلے سے اپنی کسی کزن سے انگیج تھا، اپنے پیرنٹس کو منانے کے لیے اسے بہت وقت چاہیے تھا۔ تمہارے ساتھ بھی یہی پرابلم تھی، وہ میری خاطر اسٹینڈ لے رہا تھا اور تم مجھے اسٹینڈ لینے کے لیے کہہ رہے تھے، جو بہت مشکل تھا۔

میرے لیے تم اپنی ایک ماں کو راضی نہیں کر سکے تھے، اب تک اپنی بیوی کو نہیں چھوڑ سکے، میں تمہارے پیچھے کیسے آ سکتی تھی۔ فصیح میرے لیے اپنی ماں کیا اپنا سب کچھ چھوڑ کر آ گیا ہے، صرف میرے لیے۔ نہ بھی آتا تو میں چھوڑنے پر مجبور کر دیتی۔ میں میں اپنی زندگی میں کسی قسم کی انٹرفیرنس برداشت نہیں کرتی اور پھر یہ مدران لاء اور اس قسم کے رشتے انٹرفیئر کرتے رہتے ہیں۔ ویل تم آ رہے ہو سنڈے کو ہولی ڈے ان میں ریسپشن ہے۔'' آج وہ نوید کو ایک آنکھ نہیں بھا رہی

تھی۔اس کی اداؤں میں دل ربائی کے بجائے چھچھورپن جھلک رہا تھا۔

اسے اپنے آپ سے بھی نفرت محسوس ہو رہی تھی کہ اس عورت کی چاہت میں اس نے اپنی ماں کے فیصلے سے انحراف کیا تھا، انہیں دھوکا دیا تھا۔ یہ عورت تو چاہت کے قابل ہی نہ تھی، اسے خود بھی حیرت تھی کہ وہ کیسے اس ساحرہ کے سحر میں گرفتار ہو گیا تھا۔

وہ غصے سے اٹھ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔ کافی دیر سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا رہا تھا۔ اسے زبردست ٹھوکر لگی تھی، سنبھلتے سنبھلتے چوٹ بھی کھا بیٹھا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بیدار ہوئی تھیں تو اس نے خود کو ٹٹولا تھا، اسے کوئی دکھ، کوئی پچھتاوا محسوس نہیں ہو رہا تھا بلکہ عجیب سا اطمینان اندر اتر گیا تھا۔

''شکر ہے، میں نے تمہیں اپنا نہیں لیا ورنہ ساری زندگی پچھتاتا۔'' آخری بار سمارا کے تصور سے مخاطب ہوا تھا پھر سر جھٹک کر جیسے اسے ساری زندگی کے لیے دور پھینک دیا تھا۔ اس نے ابھی سمیعہ کے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔

اس کے قدم خود بخود مما کی قبر کی طرف اٹھ گئے تھے، بہت دیر تک وہ وہاں بیٹھ کر ہلکا پھلکا ہو گیا تھا لیکن گھر میں آتے ہی اسے پریشانی اٹھانی پڑی تھی۔

☆☆☆

جنید کو کل شام ہی مامی جی نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ سمیعہ ابھی چند دن رکے گی۔ ایسا انہوں نے سمیعہ کے ایماء پر کہا تھا پھر سمیعہ کی حیثیت بھی بدل گئی تھی اور ماموں کی محبت نے بھی ذرا سی کروٹ لی تھی وہ بھی چند دن بھانجی کے ساتھ گزارنا چاہتے تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ سمیعہ کچھ اور ہی چاہتی ہے۔ صبح یونیورسٹی جانے کے بجائے جنید ان کی طرف آ گیا تھا۔

وہ صرف اس کی بھابھی ہی نہیں تھی، بہن بھی تھی، دوست اور غم گسار بھی تھی اور اب تو مما کے بعد اس میں مما کی جھلک بھی نظر آتی تھی۔ مامی اسے دیکھتے ہی پکاریں۔

''لو ادھر تمہارا دل نہیں لگتا، ادھر وہ بے چین، میں تو پہلے ہی تمہارے ماموں سے کہہ رہی تھی کہ وہ یہاں کہاں رہے گی کہاں ہمارا غریب خانہ اور کہاں اس کا محل۔'' مامی کی طنز بھری باتیں سن کر وہ فوراً کمرے سے برآمدے میں آئی صحن میں جنید کو کھڑے دیکھا تو حیرت کے ساتھ الجھن بھی ہوئی۔

''السلام وعلیکم۔'' جنید کی مسکراہٹ پورے چہرے پر روشن تھی۔

''تم اس وقت یونیورسٹی نہیں گئے۔''

''بس میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کیا تم گھر جانے کے لیے تیار ہوئی ہو۔'' اسے چادر میں لپٹا کھڑا دیکھ کر اس نے پوچھا، اس سے پہلے کہ سمیعہ جواب دیتی برآمدے میں بیٹھی سبزی بناتی مامی نے طنز کیا۔

''ہاں..... صبح سے جانے ہی کی تیاری ہو رہی ہے۔'' جنید کو ان کی باتوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی، وہ خوشی سے آگے بڑھا۔

''رئیلی بھابھو! آپ کا سامان کہاں ہے۔'' اس کا جواب سنے بنا ہی اس کمرے میں گھس گیا جس سے سمیعہ نکلی تھی۔ اگلے لمحے ہی وہ اس کا چھوٹا سا بیگ اٹھا لایا۔ وہ گڑبڑا گئی۔

''تم..... تمہیں یونیورسٹی جانا ہوگا، میں چلی جاؤں گی خود ہی۔''

''میں لے چلتا ہوں نا گھر، کہاں ٹیکسی، رکشہ کے لیے خوار ہوں گی اور پھر میرا ویسے بھی یونیورسٹی جانے کا موڈ نہیں ہے۔ اچھا، جی خدا حافظ۔'' وہ اس کا سامان اٹھا کر صحن سے پرے دروازہ پار کر گیا اور وہ الجھی کھڑی رہ گئی۔

''اے اب کھڑی کیوں ہو، جانا نہیں تھا تو تیاری کس بات کی تھی، ویسے سچ سچ بتاؤ، میاں سے تو ان بن نہیں ہو گئی۔ مجھے تو کل ہی سے کھٹک رہی ہو نہ ہاتھوں میں کچھ نہ کانوں میں، ہمارے ہاں بیاہی لڑکی ایسے تو نہیں آتیں جیسے تم۔'' مامی کی نظروں کے ساتھ ساتھ باتیں بھی آر پار ہو رہی تھیں۔ وہ فوراً گڑبڑا کر بولی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے مامی جی! اچھا میں چلتی ہوں۔'' وہ پھر رکی نہیں تیزی سے وہاں سے نکل آئی۔ مامی کی نخوت بھری۔ ''اونہہ۔'' پیچھے تک آئی تھی۔ جنید اپنی بائیک اسٹارٹ کیے کھڑا تھا وہ خاموشی سے اس کے پیچھے جا کر بیٹھ گئی۔

اس کے ذہن میں سوچوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ وہ جتنا ان لوگوں کو بے خبر رکھنا چاہتی تھی اتنا ہی یہ سامنے آ رہے تھے۔ جنید کی بائیک مین روڈ پر آئی تو اس نے اپنی خاموشی توڑی۔ جنید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے متوجہ کیا۔

''جنید! مجھے گھر نہیں جانا، پلیز مجھے سٹیشن چھوڑ آؤ۔'' جنید نے سنتے ہی بائیک جھٹکے سے روک دی۔

''کہ..... کیا کہا؟'' اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

جو تم نے سنا ہے سمعیہ نے اپنی بات نہیں دہرائی، رکی ہوئی بائیک سے اتر کر کھڑی ہوگئی۔

جنید کا رنگ بھی متغیر ہوگیا تھا۔ وہ ٹریفک کا خیال کر کے سڑک کے کنارے بائیک گھسیٹ کر لے گیا۔ مجبوراً سمیعہ کو بھی اس کے پیچھے جانا پڑا۔

''گھر کیوں نہیں جانا بھابھو! اور اسٹیشن سے کہاں جائیں گی۔'' اس کی نظر سمیعہ کے رنگ ڑے ہوئے چہرے پر پڑی، لگتا تھا وہ بڑی اذیت میں ہے۔

''میں اپنی ایک دوست کے پاس جارہی ہوں، میں کل ہی چلی جاتی مگر ماموں کے گھر سے ں کا ایڈریس لینا تھا۔'' سمیعہ نے ذرا سنبھل کر کہا۔

''مگر کیوں بھابھو کیوں؟ ہمیں بتائے بغیر، آخر کیا وجہ ہے۔''

''میں تمہیں وجہ نہیں بتا سکتی، پلیز تم مجھے بتاؤ، تم مجھے چھوڑو گے یا میں خود چلی جاؤں گی۔''

''آپ جانتی ہیں، آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' جنید کو پہلی بار اس کا لہجہ سخت و سپاٹ لگا۔

''کچھ بتاؤ تو سہی، آخر بات کیا ہوئی ہے، کیا ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے۔''

''نہیں..... مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔'' اس کی آواز کے ساتھ آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ سڑک نازک صورت حال پیدا ہورہی تھی، جنید نے اردگرد دیکھا پھر بولا۔

''اچھا بیٹھو..... بیٹھو پلیز۔''

''تم مجھے اسٹیشن چھوڑ آؤ گے؟''

''ایسے کیسے چھوڑ آؤں تمہیں، کوئی وجہ بھی تو ہو، آخر تم ہماری ذمہ داری ہو بھابھو! ہمارے ھائی کی بیوی۔'' اس کی بات سن کر اس کا ضبط ٹوٹ گیا اس کی بات کاٹ کر چلا کر بولی۔

''نہیں ہوں میں تمہارے بھائی کی بیوی، مت کہو مجھے بھابھو، مما کے ساتھ سب رشتے ختم وگئے ہیں۔'' پھر ایک دم اسے جیسے ہوش آیا، سڑک کا خیال کر کے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی آواز کے ساتھ اپنی چیخوں کو بھی روکا۔

''یہ..... آپ کیا کہہ رہی ہیں بھابھو۔'' اردگرد لوگ جمع ہونے لگے تو سمیعہ ہراساں ہوگئی۔ نید نے زبردستی بازو سے پکڑ کر اسے سیٹ پر بٹھایا، لوگوں کے کچھ کہنے، پوچھنے سے پہلے وہاں سے یک نکال لے گیا۔ جنید کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

''جنید! میں گھر نہیں جاؤں گی۔'' اس کے لہجے کے ہٹیلے پن نے اسے بہت کچھ سوچنے پر بور کردیا تھا۔ جنید نے اس کے احتجاج کے باوجود بہت تیز رفتاری سے بائیک چلائی اور سیدھا

پھپھو کے گھر لے آیا۔ پھر اسے بازو سے پکڑ کر تقریباً کھینچتا ہوا اندر لے گیا۔

پھپھو مدحت بچوں کو سکول بھیج کر انکل شہریار کے آفس جانے کے بعد لاؤنج میں بیٹھی چائے پینے کے ساتھ اخبار بھی پڑھ رہی تھیں، آہٹ پر نظروں کے سامنے سے اخبار ہٹایا اور پھر ایک دم اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جنید روتی ہوئی سمیعہ کو کھینچتا لا رہا تھا۔

''ارے..... رے کیا ہوا ہے۔ جنید یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

''بدتمیزی میں نہیں یہ کر رہی ہیں، ہمیں چھوڑ کر جارہی ہیں۔ کہتی ہیں مما کے ساتھ سب رشتے ختم ہوگئے۔'' جنید خود بھی روہانسا ہورہا تھا صوفے پر تقریباً گر سا گیا اور سر کو ہاتھوں میں تھام لیا۔

''میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں، مما کے بعد میرا وہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔'' سمیعہ نے سر اٹھا کر پھپھو کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر کرب واذیت کے سائے لہرا رہے تھے۔

''پاگل ہوگئی ہو۔ تم ہماری بہو ہو۔ نوید کی بیوی ہو، ان بچوں کی بھابھی ہو، کیسے کوئی جواز نہیں ہے۔'' قریب آکر اسے کندھوں سے پکڑ کر صوفے پر دھکیلا۔

''کسی نے کچھ کہا ہے۔ نوید سے جھگڑا ہوگیا ہے کیا؟'' پھپھو اسے حیرت و استعجاب سے دیکھ رہی تھیں۔

''ایسا تعلق ہی کیا تھا کہ جھگڑا ہوتا۔'' اس نے سوں سوں کر کے اپنی ناک پونچھی۔ جنید نے چونک کر دیکھا، اس کے جملے میں بہت سے معنی تھے۔

''خدا کے لیے مجھے ساری بات بتاؤ، آخر گھر چھوڑنے پر کیوں تلی بیٹھی ہو۔ بھابھی جان اپنے گھر کی خوشی بنا کے لائی تھیں۔ ان بچوں کو تمہارے حوالے کر کے گئی ہیں۔ تم اپنے گھر کو ویران کر کے کہاں جارہی ہو؟''

''آپ مجھ سے پوچھنے کے بجائے اپنے بھتیجے سے پوچھیں، مجھ پر تو پہلے دن سے ہی زبان بندی کا حکم لاگو ہے۔'' وہ سسکیاں روک کر بولی۔

پھپھو بہت کچھ سمجھ گئیں۔ ''اس کا مطلب ہے نوید نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا، اُف میرے خدا۔'' وہ سوچ کر رہ گئیں، ساتھ ساتھ اسے تھپتھپا بھی رہی تھیں۔ جنید کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔ جنید پانی لایا تو وہ صرف دو گھونٹ پی سکی۔

''کتنی بری بات ہے، اتنا روتے ہیں کیا؟ بھابھی جان کو کتنی تکلیف ہورہی ہوگی۔ تمہاری

آنکھ میں تو وہ ایک آنسو بھی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔تم..... تمہیں وہ اپنی بہو ہی نہیں بیٹی بھی سمجھتی تھیں، عابی اور جینی نے تمہیں بھابھی سے زیادہ اپنی بہن سمجھا ہے، انہوں نے تمہارے ساتھ اپنے دکھ سکھ بانٹے ہیں اور تم اپنے بھائیوں سے دور جانا چاہتی ہو۔''

''میں کیا کروں پھپھو جان! میں مجبور ہوں، آپ کو کیا خبر میں نے کس اذیت میں یہ عرصہ گزارا ہے۔اپنا ایک ایک زخم مما کی خاطر بھلایا ہے مگر جب مما ہی نہیں ہیں تو اب میرے حوصلے ٹوٹ گئے ہیں۔میری برداشت جواب دے گئی ہے میں وہاں کیسے رہ سکتی ہوں جبکہ وہاں کسی اور کو آنا ہے۔''اس نے اپنی سسکی روکی۔

''کس کو آنا ہے۔کیا مطلب ہے آپ کا؟''جنید قدرے برہم ہوا۔

''مجھ سے شادی سے پہلے ہی وہ کسی اور کو پسند کرتے تھے اور اسے اپنانا چاہتے ہیں، پھر میں..... میں وہاں کیسے رہ سکتی ہوں۔''اس کی سسکیاں بے قابو ہوگئیں۔

پھپھو اور جنید حیران ہو رہے تھے۔اس نے شادی کے بعد کا آٹھ نو ماہ کا یہ عرصہ کس قدر اذیت میں مگر خاموشی اور صبر و تحمل سے گزارا تھا، اس نے کسی کو احساس تک نہیں ہونے دیا تھا، کیسے ماسک پر ماسک چڑھائے سب کی نظروں میں دھول جھونکتی رہی تھی اور نوید کس خوبصورتی سے پوز کرتا رہا تھا۔جنید کا دل چاہ رہا تھا ان دونوں کو بہترین ایکٹنگ پر شاباشی دے۔

دونوں نے تو کبھی کسی کو گمان بھی نہیں ہونے دیا تھا کہ دونوں میں کوئی معمولی سی رنجش بھی ہے۔پھپھو نے بے اختیار ہی اسے خود سے لپٹا لیا۔

''پاگل لڑکی! سب کچھ اکیلی ہی سہتی رہی، کم از کم مجھے ہی بتا دیتا تھا۔میں اس کو سیدھا کر کے رکھ دیتی، اس نے شادی کو مذاق سمجھا ہے یا کھیل۔ایک لڑکی کی زندگی میں اندھیرے بھر کر کسی دوسری سے اپنے گھر کو روشن کیسے کر سکتا ہے۔شکر ہے کہ آج بھابھی جان نہیں ہیں ورنہ ان کا صدمے سے کیا حال ہوتا وہ تو ایک منٹ بھی برداشت نہ کر پاتیں۔''پھپھو بھی برانگیختہ ہو رہی تھیں۔

''اب آپ پھپھو خود بتائیں، میں وہاں کیسے رہ سکتی ہوں۔پلیز اب تو جانے دیں ٹرین چھوٹ جائے گی۔''اس کی نظر وال کلاک پر پڑی تو اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

''کیا جانے..... جانے کی رٹ لگا رکھی ہے، یہ تمہارا گھر نہیں ہے؟''پھپھو نے ڈپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ قریب بٹھایا۔

''تم نے سکون کے ساتھ سوچا ہے کہ تم کیا قدم اٹھانے جا رہی ہو۔ایک لڑکی کو تو گھر سے باہر قدم نکالنے کے بارے میں سوچنا بھی گناہ ہے، مرد ساری عمر بھی غلط راستوں پر چلتا رہے تب بھی اس پر کوئی الزام نہیں اور عورت کا بھولے سے اٹھا ایک قدم بھی اس پر جینا حرام کر دیتا ہے۔ٹھیک ہے ہم مانتے ہیں نوید نے تمہارے ساتھ بہت غلط رویے روا رکھے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم اس طرح گھر بار چھوڑ کر چلی جاؤ۔''وہ ان کے ڈانٹنے پر ایک بار پھر رونا شروع ہوگئی تھی۔اس نے بڑی شاکی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

''آخر آپ لوگ مجھے روکنے پر بضد کیوں ہیں جبکہ تمہارے بھائی میرے جانے پر بہت خوش ہوں گے بلکہ وہ تو شکر ادا کر رہے ہوں گے۔''وہ پھر سے بضد ہوگئی۔

''سوری اب یہیں رہے گی اور تم اچھی طرح سن لو اس کی یہاں موجودگی کا کسی کو علم نہیں ہونا چاہیے، نوید کو اچھی طرح سبق سکھانے کے بعد ہی میں اس سے کوئی بات کروں گی۔''پھپھو نے دونوں کی طرف جوس کے گلاس بڑھائے وہ کچن میں ہی پلاننگ کر کے آئی تھیں۔ان کے ذہن نے بڑی تیزی سے کام کیا تھا۔

''پھپھو جان! جب میں یہاں رہوں گی تو کسی کو کیسے علم نہیں ہوگا سب ہی کا تو آنا جانا ہے۔''

''وہ ایسے نہیں ہوگا میری جان کہ تم یہاں شہریار کے کزن کی بیٹی بن کر رہو گی اور نوید کے سامنے نہیں آؤ گی بس تمہیں اتنا کرنا ہوگا اور جنید ابھی تم نے عابی کو بھی کچھ نہیں بتانا، اپنے بچوں کو تو میں سمجھا لوں گی۔''جنید نے توصیفی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''پھپھو آپ کو تو سٹوری رائٹر ہونا چاہیے، کیا ڈرامہ کری ایٹ کر رہی ہیں آپ.....''اس نے چھیڑا۔

''ڈرامے کے بچے ہماری بچی کی زندگی کا معاملہ ہے اور تمہیں ڈرامہ نظر آ رہا ہے۔''

''پھپھو! مجھے اب کیا کرنا ہوگا۔''اس نے جوس کی چسکی لی جس پر سمیعہ نے اسے گھور کر دیکھا۔اسے یہ عادت پسند نہیں تھی، وہ فوراً معذرت کرنے لگا۔''سوسوری بھابو! بس بے دھیانی میں ہوگیا۔پھپھو بتائیں ناں میرا کیا رول ہوگا اس ڈرامے میں۔''

''کوئی رول نہیں، بس خاموش تماشائی بنے رہو ورنہ تمہاری کھنچائی بھی کر دوں گی۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے، آخر مجھے بھی تو بھائی سے تھوڑا سا بدلہ لینا ہے۔''

''تمہاری اس سے کیا دشمنی نکل آئی۔'' پھپھو نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہماری بھابھو کو انہوں نے کتنا تنگ کیا ہے، یہ بات کم ہے کیا۔ خیر آپ فکر نہ کریں، میں اپنی گنجائش خود نکال لوں گا، بھابھو کو لانے کی فرمائش ہی ان کے لیے کافی ہوگی۔'' وہ تصور میں نوید کو دیکھ کر مزا لے کر ہنسا۔ سمیعہ ہنوز خاموش بیٹھی تھی، پھپھو محسوس کر کے ایک بار پھر سمجھانے لگیں۔

''سومی! بس ہمیں ایک موقع دو، پھر تم جیسے کہو گی ویسا ہی کریں گے، ہمیں اس سے بات تو کر لینے دو۔''

''پہلے ہی ان کی نظروں میں عزت نہیں ہے، اب آپ کچھ کہیں گی تو پھر زبردستی والی بات ہو گی، آپ انہیں ان کی خوشی پوری کرنے دیں ان کی خوشی کی خاطر تو میں وہاں سے نکلی ہوں، آپ رہنے دیں میں ایسے ہی ٹھیک ہوں، میں ایسے تعلق کا کیا کروں گی پھپھو! جس میں زبردستی شامل ہو، ذہن و دل آمادہ نہیں ہوں۔''

''پاگل لڑکی! میں کیوں زبردستی کروں گی۔ دیکھنا وہ خود تمہیں ڈھونڈتا پھرے گا۔ رہی خوشی کی بات تو وہ جو کرنے جا رہا ہے اس سے وہ خوش نہیں رہ سکتا، بس اب تم کچھ نہیں کہو گی، چلو..... اٹھو آرام کرو چل کر حالت دیکھو اپنی۔''

''اور آپ بالکل فکر نہیں کیجیے گا میں بھی تقریباً یہیں رہوں گا۔''

''تمہاری یہاں کوئی ضرورت نہیں، تم رفو چکر ہو جاؤ۔'' پھپھو نے ڈانٹا۔

''پھپھو..... پھپھو! میں یہاں نہیں آؤں گا تو بھابھو بھی یہاں نہیں رہیں گی۔'' اس نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا تو پہلے قریب بیٹھی سمیعہ نے دھپ رسید کی اور ساتھ ہی پھپھو نے اس پر کشن اچھالا۔

☆☆☆

سمیعہ کی عدم موجودگی نے نوید کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ سمیعہ کا وجود ان کے گھر کے لیے ناگزیر ہے، وہ سب کو غیر محسوس طریقے سے اپنا عادی بنا گئی تھی۔ آج ہی وہ نہیں تھی تو صبح وہ لیٹ آفس گیا تھا۔

ٹائم پیس کے مخصوص الارم کی آواز نے نہ اسے جگایا تھا اور نہ ہی بھاپ اڑاتی چائے اس کو بنانے ملی تھی۔ ویسے بھی اسے رات جنید کے کمرے میں گزارنا پڑی تھی۔ پھر اپنے کمرے میں جا کر افراتفری میں تیار ہوا تھا۔ ناشتہ بھی عبید کے اناڑی ہاتھوں نے تیار کیا تھا۔ فرائی انڈہ آدھا جلا

تھا آدھا کچا۔ جسے اس نے زہر مار کیا تھا۔ جنید کو کافی کچھ بنانا آتا تھا مگر اس نے احتجاجاً کچن میں جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

صبح کا آغاز اچھا نہیں ہوا تھا تو سارا دن بھی بے کار گزرا تھا۔ آفس سے اٹھ کر سیدھا گھر آیا تھا۔ عبید پہلے سے کچن میں موجود تھا، کچن سے کھڑ پٹر کی آواز آ رہی تھی وہ بھی پہلے وہیں آیا۔

''کیا ہو رہا ہے یار؟''

''چائے بنا رہا ہوں، آفس سے تھکا ہوا آیا تھا تو بالکل دھیان میں نہیں تھا کہ بھابھی نہیں ہیں، ہمیں بہت بگاڑ دیا ہے انہوں نے جنید رات صحیح رو رہا تھا اسے اپنے عیش خطرے میں نظر آ رہے ہیں۔ شاید اسی لیے وہ ابھی تک گھر نہیں آیا۔'' عبید سادگی سے باتیں کرتا سنک کی طرف گیا، کپ میں پانی لے کر چولہے پر پڑی کیتلی میں مزید اضافہ کیا۔

''آپ شاور لے کر فریش ہو جائیں، میں کچھ دیر آرام کروں گا۔''

''یہ شکر ہے، بھابھو بہت کچھ بنا گئی ہیں ورنہ ہمیں بازار کا رخ کرنا پڑتا۔ آئی تھنک ان کا پہلے سے زیادہ دن رہنے کا پروگرام تھا۔''

''یار! ابھی دوسرا دن تو ہوا ہے اسے گئے ہوئے۔'' وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا، اوپر آیا تو کمرہ صبح کی پھیلائی بے ترتیبی کا شکار تھا۔

''کیا ایسا پہلے کبھی ہوا تھا۔'' کوئی اندر سے پکارا۔ وہ بکھرے سامان کو جنجل ہو کر سمیٹنے لگا۔ اپنی الماری روب سے سرمئی رنگ کا شلوار سوٹ نکالا۔ شاور لے کر وہ کافی فریش ہو گیا تھا۔ تولیے سے بال رگڑتا باہر آیا تو عابی سائیڈ ٹیبل پر چائے رکھ کر جا رہا تھا۔ تولیہ ایک طرف بیڈ پر پھینک کر انگلیوں سے بال بکھیرتا وہ بیڈ پر ہی آ بیٹھا۔ ہاتھ بڑھا کر چائے کا کپ اٹھایا، چائے پی کر جیسے ہی اس نے اپنی ٹانگیں اوپر اٹھائیں اور تکیہ اٹھا کر کمر کے پیچھے لگانا چاہا تو اسے کچھ کھنکھاہٹ محسوس ہوئی، چوڑیوں کی کھنک پر وہ چونکا، سمیعہ کی چوڑیاں پھسل کر اِدھر اُدھر بکھر گئیں۔ سمیعہ جاتے ہوئے تکیے کے نیچے اپنی چوڑیاں، اس کی دی ہوئی لاکٹ چین اور انگوٹھی رکھ گئی تھی، جو وہ ہر وقت پہنے رہتی تھی ساتھ ہی مہر بند سفید رنگ کا لفافہ تھا۔ نوید نے حیرت سے سراسیمہ حالت میں لفافے اور چیزوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سمیعہ یہ سب کیوں چھوڑ گئی تھی۔ کمر کے پیچھے تکیہ لگا کر اس نے ٹیک لگائی۔ اس کی جیولری کو ایک طرف رکھ کر بے چینی سے لفافہ پھاڑا۔ باہر کچھ بھی نہیں لکھا

ہوا تھا اندر سے بھی جو کاغذ برآمد ہوا اس پر بھی بنا کسی تخاطب کے تحریر درج تھی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا، آپ کو کیا کہہ کر مخاطب کروں، مجھے کبھی اس کا نہ حق ملا ہے اور نہ اجازت، آپ کی زندگی میں داخل ہونے یا نہ ہونے کا مجھے کوئی اختیار نہیں تھا، یہ آپ کی مما اور میری ماں کا مشترکہ فیصلہ تھا، اگر مجھے ذرا بھی علم ہوتا تو میں آپ کی زندگی میں زہر گھولنے کبھی نہ آتی۔ مگر افسوس مجھے بہت دیر میں خبر ہوئی۔ میں تو آپ کے رویوں کو اپنی ہی اس رات کی کوتاہی کا سبب سمجھتی رہی یہ تحریر آپ جب پڑھیں گے تو میں آپ کی دنیا سے بہت دور جا چکی ہوں گی۔ عبید اور جنید سے مصلحتاً یہ بات چھپائی ہے، میں آپ کو کسی غلط فہمی میں نہیں رکھنا چاہتی۔ میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے جا رہی ہوں۔ ماموں کے گھر جانے کا تو بہانہ ہے، وہاں سے اگلی صبح چلی جاؤں گی۔ کہاں؟ یہ بتانا فضول ہے۔ ماموں اور مامی جی کو بھی کسی بات کا علم نہیں ہے۔ امید ہے وہاں جا کر انہیں کسی قسم کا احساس نہیں ہونے دیں گے اور جنید یا عبید کو بھی وہاں جانے سے روکیں گے۔ میرے جانے کے بعد آپ اپنی خوشی اپنے گھر لا سکتے ہیں۔ میں بہت پہلے چلی جاتی مگر مما کے چہلم کا انتظار تھا۔ میں آپ کے گھر سے کچھ نہیں لے کر جا رہی آپ اچھی طرح چیک کر لیجیے گا۔ آپ کی کی ہوئی عنایت اور مما کے دیئے انمول تحفے تک میں آپ کے تکیے کے نیچے رکھ کر جا رہی ہوں، آپ کی محبت کے کام آئیں گے اب آپ کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، آپ اپنے ارادے پورے کر سکتے ہیں بس ایک عنایت اور کیجیے گا کہ مما کا باندھا ہوا یہ بے نام سا بندھن اگر ممکن ہو تو بندھا رہنے دیں۔ اس سے کوئی فرق تو نہیں پڑے گا مگر شاید مما کی روح کو کچھ قرار مل جائے، میں دعا کروں گی کہ آپ کو آپ کی خوشیاں مل جائیں۔''

سمیعہ

اس کی تحریر بے ربط ہونے کے باوجود اپنے اندر بہت ربط رکھتی تھی۔ اس کی ذہنی کشمکش اور دلی کیفیت کا آئینہ تھی۔ نوید نے عجیب سے غم و غصے کی کیفیت میں کاغذ کے پرزے کو اپنی مٹھی میں بھینچا۔ وہ بھی دوہری کیفیت کا شکار تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی رگوں میں ابلتے خون کی وجہ سمیعہ کا چلے جانا ہے یا بنا بتائے جانا ہے۔ کتنے آرام اور خاموشی سے وہ یہاں سے نکل گئی تھی اور اسے گمان بھی نہیں ہوا تھا۔

وہ اضطراب کی حالت میں اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ کھڑکی کھول کر لمبی سانس کھینچ کر اپنے غصے اور بے بسی کو کنٹرول کیا۔ مٹھی میں دبا کاغذ ایک بار پھر پڑھا۔ کسی کسی لفظ پر چھینٹے سے

پڑے تھے۔ یہ چھینٹے یقیناً اس کے آنسو تھے۔

آج ہی وہ مما کی قبر پر تجدید عہد کر کے آیا تھا۔

آج ہی اس نے اپنے دل کو سمجھایا تھا کہ وہ مما کی خواہش کے مطابق سمیعہ کے ساتھ خوشگوار زندگی کا آغاز کرے گا۔

آج ہی اس نے سوچا تھا کہ اپنے گزشتہ رویوں کی تلافی کرے گا، اپنی زندگی سے سارا کی پرچھائیاں تک مٹا دے گا۔ آج ہی اسے ادراک ہوا تھا کہ سمیعہ غیر محسوس طریقے سے اس کی زندگی اس کے معمولات میں اس طرح شامل ہو چکی ہے کہ اس کے بغیر مزید آگے جانا محال ہے۔

اور آج ہی اسے خبر ہوئی تھی کہ وہ اس سے دور جا چکی ہے۔

اس کی جھنجھلاہٹ و بے بسی یقینی تھی۔ سمیعہ اس سے بدگمان ہو کر گئی تھی۔ اس کی طرف سے اسے زخم ہی زخم ملے تھے جن پر اس نے کبھی تسلی کا ایک پھاہا تک نہ رکھا تھا۔

''کہاں جائے گی وہ۔'' اس خیال کے آتے ہی وہ بے چین ہو کر نیچے آ گیا۔

''جنید آ گیا ہے۔''

''نہیں بھائی۔''

''وہ آتا ہے تو اسے اوپر بھیجو۔'' اس کا ذہن بہت پریشان ہو رہا تھا۔

اگر سمیعہ کہیں چلی گئی تھی تو اس کے ساتھ کیا کچھ ہو سکتا ہے، یہ سوچ کر ہی اسے کچھ ہونے لگا، ہر روز اخبار میں کیسی کیسی خبریں چھپتی تھیں۔ اس نے سوچا کہ شاید جنید ملنے گیا ہو۔ جنید سے ہی ٹھیک طرح پتہ چل سکتا تھا کہ سمیعہ وہاں ہے یا نہیں۔ ابھی وہ پھپھو کے گھر فون کرنا ہی چاہتا تھا کہ تب ہی ہلکی سی دستک دے کر جنید گھسا چلا آیا۔

''السلام وعلیکم بھائی! آپ نے مجھے بلایا ہے؟ عابی کہہ رہا تھا آپ میرے لیے پریشان ہو رہے ہیں۔''

''کہاں ہو سارے دن سے، میں نے رات بھی سمجھایا تھا کہ مجھے تمہارا بلاوجہ گھر سے باہر رہنا پسند نہیں۔'' وہ خواہ مخواہ اس پر غصہ نکالنے لگا۔

''بتایا تو تھا میں نے کہ میں پھپھو کی طرف رہوں گا عابی نے مجھے فون کر کے وہیں سے بلایا ہے۔'' جنید نے اس کے غصے کا اثر لیے بغیر نارمل لہجے میں کہا۔

''آخر کب تک رہو گے وہاں۔'' جنید نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا کہ آیا وہ سمیعہ

کے جانے سے مضطرب ہے یا نہیں مگر فی الحال اس کے چہرے پر غصہ اور جھنجھلاہٹ تھی۔

''بھابھو آ جائیں گی تو آ جاؤں گا، ان کے بغیر مجھے یہاں اچھا نہیں لگتا بھائی۔''

''اس کا مطلب ہے اگر وہ نہیں آئے گی تو تم بھی یہاں نہیں رہو گے۔''

''کیوں نہیں آئیں گی وہ۔'' جنید نے حیرت سے دیکھا۔ ''بھائی کہیں ایسا تو نہیں ہے آپ سے ان کی کوئی ناراضی ہو یا آپ نے انہیں ناراضی میں جانے کا کہا ہو۔''

''شٹ اپ جنید! اینڈ گیٹ آؤٹ فرام ہیر۔'' وہ اس کی دکھتی رگ کو چھیڑنے چلا تھا۔

''تو لے آئیں نا جا کر بھابھو کو۔'' وہ ڈھیٹ بنا بیٹھا رہا۔

''تم خود لے آؤ جا کر اور پلیز اپنے کمرے میں جاؤ مجھے آرام کر دو۔'' وہ اس کے ڈھیٹ پن پر کوفت و الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔

''وہ میرے ساتھ کہاں آئیں گی، صبح میں یونیورسٹی جانے سے پہلے گیا تھا، اپنے ساتھ آنے کے لیے بہت کہا مگر وہ کہیں اور جانے کو تیار تھیں مجھے ٹال دیا کہ کچھ دن بعد آؤں گی۔'' وہ یہی کچھ تو جاننا چاہ رہا تھا۔

''تمہارے سامنے گئی تھی وہ۔'' وہ بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''جی ہاں..... گھر کے دروازے کے آگے رکشہ کھڑا تھا۔ وہ بیٹھنے لگی تھیں تبھی میں پہنچا تھا۔''

''تم نے پوچھا نہیں کہاں جا رہی ہے۔'' نوید نے ہلکا سا گردن کو خم دے کر جنید کو دیکھا۔

''اس میں پوچھنے کی کیا بات تھی، جا رہی ہوں گی اپنی کسی سہیلی سے ملنے یا پھر بازار۔'' جنید ہنوز لاپروائی سے بیٹھا بول رہا تھا۔

''کیا ضرورت تھی کہیں جانے کی۔'' نوید کے چہرے پر بے حد ناگواری تھی۔

''آپ کو پسند نہیں ہے ان کا کہیں جانا۔'' جنید نے اسے جانچا۔

''پلیز جنید! اب تم جاؤ، مجھے ڈسٹرب مت کرو، میں آرام کرنا چاہتا ہوں، تم عابی سے کہہ دینا، میں کھانا نہیں کھاؤں گا، بھوک لگے گی تو خود لے لوں گا۔'' نوید نے بیزاری سے اسے ٹالا۔

''دیکھا..... آپ کو بھی بھابھو کے بغیر بھوک نہیں لگتی، کیوں خود پر ظلم کر رہے ہیں، پلیز اب نہیں تو کل ہی جا کر انہیں لے آئیں ورنہ آج رات تو میں یہاں ٹھہر جاتا ہوں مگر کل سے پھپھو کے گھر رہوں گا، ویسے بھی آج کل انکل مہروز کے کزن کی بیٹی گاؤں سے آئی ہوئی ہے۔ ویری نائس گرل وہاں میرا ٹائم اچھا گزر جائے گا۔'' جنید نے مسکراتے ہوئے اس کا دل جلایا۔

جنید کی باتوں سے سمیعہ کے خط میں لکھی باتوں کی تصدیق ہو گئی تھی۔ وہ اپنے لکھے کے مطابق واقعی وہاں سے جا چکی تھی۔ کہاں؟ یہی اس کے لیے پریشان کن بات تھی۔ وہ اس کی غیر موجودگی کے سلسلے میں کس کس کو جواب دے گا۔ وہ تو اس کے کسی تعلق دار، کسی عزیز رشتہ دار، اس کی سہیلی کو نہیں جانتا تھا۔ ویسے بھی وہ جتنا عرصہ یہاں رہی تھی اس نے کبھی نہیں سنا تھا کہ سمیعہ کہیں کسی سے ملنے گئی ہو یا کوئی سہیلی اس سے ملنے آئی ہو۔ ماموں، مامی بھی دو تین دفعہ سے زیادہ نہیں آئے تھے۔ اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا۔

درد سے پھٹتے سر کو اس نے ہاتھوں میں تھاما۔ اپنی ایک ایک زیادتی نظروں میں گھوم گئی۔ اس نے کس کس طرح اس کی تذلیل نہیں کی تھی، قدم قدم پر رلایا تھا، بے جرم بے حساب سزائیں دی تھیں۔ اس کا ضمیر اسے جتنے کچوکے لگاتا کم تھا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ کس کو جھٹلاتا، اس کا ضمیر گواہ تھا۔ پچھتاووں کے احساس نے اسے بے دم کر دیا۔

''ایک بار آ جاؤ، میں اپنے رویوں کی تلافی کر دوں گا، مجھے ایک بار موقع تو دیا ہوتا۔'' اندر کہیں سے پکار اٹھی تھی مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

صبح دم کہیں اس کی آنکھ لگی۔ دوپہر کے قریب جب اس کی آنکھ کھلی تو اپنے اتنا سونے پر حیران ہو رہا تھا۔ کسی نے بھی اسے نہیں جگایا تھا۔ گھر میں سناٹا گونج رہا تھا۔ چائے کی طلب نے اسے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ اٹھ کر بیٹھنے پر اسے اپنا سر بوجھل محسوس ہوا۔ فوراً اس نے ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ کچھ دیر میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بھی کام کرنے لگیں۔ رات اس نے کمرہ لاک کر دیا تھا۔ فون کا پلگ بھی نکال دیا تھا۔ غصے و جھنجھلاہٹ میں وہ سب سے کٹ کر رہ گیا تھا۔ اسی لیے اسے کوئی بیدار نہیں کر سکا۔

فریش ہو کر اسے اپنے آفس کا خیال آیا، پلگ لگا کر اس نے اپنے آفس فون کر کے طبیعت کی خرابی کا بتایا۔ آج وہ خود کو وہاں جانے کے قابل نہیں سمجھ رہا تھا۔ خود پر قابو پاتا ہوا وہ نیچے کچن میں آ گیا۔ وہاں عبید نوٹ لکھ کر رکھ گیا تھا۔ ''بھائی! جنید نے بتایا تھا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے آپ کو ڈسٹرب نہیں کیا۔ آج ریسٹ کریں، ناشتہ بنا دیا ہے۔ پسند نہ آئے تو بھابھی کی بنائی چیزیں فریج سے نکال کر استعمال کریں۔'' اتنے لمبے نوٹ پر وہ مسکرا دیا۔

''آملیٹ فرائی پین میں موجود تھا۔ تھرماس میں چائے بھی تھی جو اپنا ذائقہ کھو چکی تھی۔

''اب میں ایسی بدمزہ سزا کا بھی مستحق نہیں ہوں۔'' اپنے آپ کو سناتے ہوئے وہ فریج کی

طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

سمیعہ کو گئے ہوئے ہفتہ ہو گیا تھا۔ جنید احتجاجی طور پر پھپھو کے گھر پر ہی ڈیرہ لگائے ہوئے تھا۔ گھر پر آتا بھی تو۔ ''بھابھی کو لینے چلیں۔'' کی رٹ لگاتا۔ اس کی غیر موجودگی نوید کو مزید کاٹنوں پر گھسیٹ رہی تھی۔ آخر وہ اسے کہاں ڈھونڈنے جاتا۔ اپنی بے بسی پر اسے خود پر ہی غصہ آیا رہتا تھا۔

وہ بیزار رہنے لگا تھا۔ کھانے پینے کی روٹین بھی خراب ہو گئی تھی۔ گھر کی حالت بھی ابتری کا شکار تھی، خاص طور پر اس کا بیڈروم بے ترتیب ہو چکا تھا۔ جنید گھر آتا نہیں تھا۔ عبید کے پاس وقت نہیں تھا جو گھر کی طرف توجہ دیتا یا پھر ملازمہ سے کام کرواتا۔ وہ آتی بھی ہو گی تو گھر بند دیکھ کر چلی جاتی ہو گی۔ جنید دو دن سے فون بھی نہیں کر رہا تھا اس لیے وہ آفس سے سیدھا پھپھو کے گھر آ گیا۔ جنید اور سلمان لان میں ہی بیڈمنٹن کھیل رہے تھے۔

نوید کی گاڑی دیکھتے ہی سلمان اندر بھاگا۔ جنید بھی پہلے اندر ہی جانے لگا تھا پھر کچھ سوچ کر آہستہ آہستہ اس کے قریب آ گیا۔

''السلام وعلیکم بھائی! کیا حال ہے، بھابھو آ گئی ہیں؟'' اس نے گاڑی کے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔

''پھپھو کہاں ہیں؟'' نوید نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

''بھائی! بھائی! کہاں منہ اٹھائے چلے جا رہے ہیں، اندر پردہ ہے۔'' وہ دوڑ کر نوید کے آگے کھڑا ہوا۔

''جنید یہ کیا بدتمیزی ہے۔''

''کوئی بدتمیزی نہیں ہے بس آپ کو انفارم کر رہا ہوں۔ انکل کی جو بھتیجی آئی ہوئی ہے وہ پرواہ کرتی ہے لہٰذا پہلے آپ کی آمد کی اطلاع اندر پہنچائی جائے گی پھر آپ اندر جا سکیں گے۔''

''کیا؟ اطلاع کون دینے جائے گا۔'' نوید اس کی باتوں سے حیران ہو رہا تھا۔

''میں سر۔''

''تمہارے سامنے بے پردہ ہو جاتی ہیں وہ۔'' نوید نے بے ساختہ ہی پوچھا۔

''میرے سامنے آنے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ویسے بھی میں بے ضرر سا بندہ ہوں مجھ سے انہیں کوئی خطرہ نہیں، البتہ آپ سے۔''

''کیا فضول بکواس کر رہے ہو جنید! پیچھے ہٹو، میں آج پھپھو سے تمہاری شکایت کرنے آیا ہوں۔'' جنید کو سامنے سے ہٹا کر وہ دروازے سے اندر گھس گیا۔ جنید بھی پیچھے تھا۔ پھپھو کچن سے نکل کر ٹی وی لاؤنج میں جا رہی تھیں اسے دیکھتے ہی ٹھٹھک گئیں۔

''السلام وعلیکم۔''

''ارے تم، اتنے دنوں بعد رستہ کیسے بھول پڑے، سوی بھی آئی ہے۔'' انہوں نے اس کے کندھوں کے اوپر سے پیچھے جھانکا، جہاں جنید موجود تھا۔ وہ اسے لے کر لاؤنج میں آ گئیں بیٹھنے کے بعد پھر سمیعہ کے بارے میں پوچھا۔ اس کے جواب دینے سے پہلے جنید نے اپنی زبان کی کھجلی مٹائی۔

''بھابھو آئی ہوتیں تو بھائی آپ کو اس حلیے میں نظر آتے، لگتا ہے ان کی جدائی میں شیو نہ کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ ہائے بھابھو! تم خود ہی کیوں نہیں آ جاتی ہو۔'' جنید نے بہت بلند آواز میں دہائی دی، جس پر نوید خفگی کا اظہار کرنے لگا۔

''دیکھ رہی ہیں آپ پھپھو! اس کی حرکتیں، میں نے اسے جانے کے لیے نہیں کہا تھا۔ اب اس کی مرضی ہے جب بھی آئے۔''

جھنجھلاہٹ و بے بسی کا احساس اس پر غالب آ گیا۔ پھپھو نے حیران نظروں سے دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا اس کی مرضی ہو گی تو آئے گی؟ تم دونوں کا کوئی جھگڑا ہوا تھا یا وہ ناراضی سے گئی ہے۔'' پھپھو کے اگلوانے والے انداز پر وہ سنبھل گیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ مجھے پلیز اچھی سی چائے پلوائیں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں اچھی چائے پیے ہوئے۔'' اس نے بات پلٹنا چاہی۔

''لے آؤ نا۔ اچھی چائے بنانے والی کو عبید اور جنید بھی پریشان ہیں آخر وہ مزید کتنے دن رہے گی، بہت ہو گئی ماموں مامی سے محبت، مجھے سمیعہ سے اس غیر ذمہ داری کی امید نہیں تھی، جا کر ہی بیٹھ گئی ہے۔ گھر کی کوئی خیر خبر ہی نہیں لی اور تم بھی ایسے بیٹھے ہو جیسے اس کی تمہاری زندگی میں کوئی اہمیت و ضرورت ہی نہیں ہے۔ جاتے کیوں نہیں ہو اسے لینے، میں آج کل مصروف نہ ہوتی تو خود جا کر اس کی اچھی طرح خبر لیتی۔'' پھپھو نے دل کی بھڑاس نکالی۔ اصل میں تو وہ نوید پر غصہ

اتارنا چاہتی تھی۔ مگر ابھی اپنی خواش پوری نہیں کر سکتی تھیں۔

''پھپھو! آپ بھی جنید کی طرح سوچنے لگیں، پلیز پہلے چائے تو پلائیں۔ پھر اس ٹاپک پر بات کرتے ہیں۔'' وہ زچ ہو گیا۔

''جنید! جاؤ میا سے کہو، چائے بھجوا دے اور پلیز اسے تنگ مت کرنا۔'' پھپھو کے لہجے میں ہنوز خفگی کا تاثر تھا۔ جنید منہ بناتا اٹھ گیا۔

''میں سمیعہ کو اچھی طرح جانتی ہوں اس کی نیچر تو ایسی نہیں ہے۔ شادی کے بعد وہ وہاں جا کر ایک دن بھی نہیں رہی، اب بھابھی جان کی وفات کے بعد فوراً ہی وہاں چل دی۔ سچ سچ بتاؤ تم دونوں میں تو کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ جو وہ اتنے دن سے یہاں سے بے خبر ہے اور تم بھی لاپروا بنے بیٹھے ہو آخر کیا معاملہ ہے، وہ نہیں آ رہی یا پھر تم نہیں لینے جاتے ہو، اگر کوئی ایسی بات ہے تو مجھے بتاؤ میں خود تمہارے ساتھ چلتی ہوں اسے لینے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے پھپھو! آپ کو وہم ہو رہا ہے۔'' اس نے نظریں چرائیں اور دوبارہ میگزین پر نگاہ جمالی۔

''؟ کوئی بات نہیں ہے تو پھر بھی تمہیں اس سے ملنے تو جانا چاہیے تھا۔ اسے لینے جانا چاہیے تھا۔ اچھا ایسا کرو تم کل آفس سے سیدھے ادھر آ جاؤ پھر ہم اکٹھے چلیں گے، ٹھیک ہے۔'' انہوں نے اسے جانچا۔

''کل؟ اوہ کل تو پھپھو میری امپورٹنٹ میٹنگ ہے، آئی ایم سوری، میں کل نہیں آ سکوں گا۔ پرسوں میں آنے سے پہلے فون کر دوں گا۔ یہ آپ نے چائے بنانے کے لیے کسی کو کہا تھا۔ آپ خود جائیں، دیکھیں چائے کے بجائے پائے تو نہیں بن رہے۔'' اس نے بروقت بہانہ بنایا اور ماحول کو سازگار بنانے کی کوشش کی۔

''جنید پتہ نہیں کچن تک پہنچا بھی ہے یا نہیں، میں جا کے دیکھتی ہوں۔'' وہ بہ عجلت اٹھیں اور کچن میں آ گئیں جہاں جنید اور سمیعہ الجھ رہے تھے۔ ان کے دیکھتے ہی سمیعہ ان کی طرف بڑھی۔

''پھپھو! آپ نے انہیں کیوں بلایا ہے۔ میں..... میں نہیں جاؤں گی آپ نے وعدہ کیا تھا کہ۔'' آنسوؤں کا گولا اس کے گلے میں اٹک گیا۔

''سومی! کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو، میں نے اسے نہیں بلایا ہے، وہ خود جنید کے لیے آیا ہے، یہ بھی تو یہاں آ کر بیٹھ گیا ہے۔ تمہاری تو مجبوری ہے مگر یہ گدھا۔ جنید تم چائے لے کر آ

جانا، کہیں وہ ادھر ہی نہ آ نکلے۔'' پھپھو سمجھا کر چلی گئیں۔

جنید اس روز اس کے ساتھ اس کے اصرار پر گھر آ تو گیا تھا مگر اب اٹھتے بیٹھتے اس پر احسان جتایا کرتا۔ اسے ہر وقت پھپھو کے گھر کی یاد ستایا کرتی۔ انکل شہروز کی بھانجی کے گن گائے جاتے۔ ''بھابھو کو لینے چلتے ہیں۔'' کی گردان ہر وقت جاری رہتی۔ نوید کو اس کے سامنے روز کوئی نہ کوئی بہانہ بنانا پڑتا۔ اس کے نخرے سہنے پڑتے۔ منتوں سے کھلانا پلانا پڑتا۔

ایک روز تو نوید جھنجھلا اٹھا۔ روز روز کی اذیت سے تنگ آ گیا تھا۔

''بھائی! آج چلیں بھابھی کو لینے، عابی بھی فارغ ہے اور میں بھی پلیز کچھ ہم پر اور اس گھر پر رحم کریں۔'' جنید نے بظاہر اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا مگر نوید کو اس کی بات اندر تک زخمی کر گئی۔

''مگر میں ابھی فارغ نہیں ہوں۔'' نوید نے سرد مہری سے کہا۔

''تو ہم دونوں چلے جائیں، اجازت ہے۔'' جنید نے ریموٹ سے ٹی وی کا چینل بدلتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' عبید نے ٹی وی سے نظر ہٹا کر اسے حیرت سے دیکھا۔

''بھائی ایسا تو نہیں کہ آپ نے انہیں یہاں سے نکالا ہے، اسی لیے وہ یہاں نہیں آنا چاہتیں۔'' نوید نے اس کی بات غور سے نہیں سنی تھی ورنہ ضرور اسے اندازہ ہوتا کہ جنید بھی ان کے معاملے سے آگاہ ہے، جوش و غصے میں بولا۔

''نہ آئے، مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔'' عبید دونوں کو ہونق بنا دیکھ رہا تھا۔ بات کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آ رہی تھی، وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

''بھائی ریلی..... آپ نے بھابھو کو یہاں سے جانے پر مجبور کیا تھا، مگر کیوں؟''

''یہ کیوں نہیں جا کر اسی سے پوچھو کہ میں نے اسے نکالا تھا یا وہ خود اپنی مرضی سے گئی ہے۔'' وہ ایک دم سر پکڑ کر صوفے پر دھم سے بیٹھ گیا۔

''وہ وہاں نہیں ہیں، ہم کس سے جا کر پوچھیں۔''

جنید کا اکھڑ لہجہ برداشت سے باہر تھا۔ مگر وہ برداشت کرنے پر مجبور تھا، کوئی اور ہوتا تو باہر اٹھا کر پھینک دیتا۔

''کیا بھابھی اپنے ماموں کے گھر نہیں.....؟'' عبید پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

''نہیں..... وہ وہاں سے اگلے دن ہی چلی گئی تھیں اور مجھے یقین ہے اس کی خبر بھائی کو ضرور ہوگی ورنہ یہ اس قدر اطمینان سے نہ بیٹھے ہوتے، اب بتاؤ عابی ہم انہیں کہاں ڈھونڈیں گے، اگر وہ نہ ملیں تو مما کی روح کس قدر بے چین ہوگی اور مجھے سوچ کر ہی کچھ ہو رہا ہے بھابھو کہاں گئی ہوں گی؟''

''جنید ٹھیک کہہ رہا ہے بھائی! کیا بھابھو آپ کو انفارم کر کے گئی ہیں۔'' عبید نے پوری سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''عابی پلیز لیو دس ٹاپک، میں پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہوں۔'' اس نے جھنجھلاہٹ میں گود میں رکھا کشن اٹھا کر دور پھینکا۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' عبید پر چڑھ دوڑا۔

''مجھے کب خبر تھی۔ میں تو.....'' عابی نے اس کی بات پوری نہیں سنی اس کے ذہن میں بہت سے جھماکے ہوئے۔

''اوہ مائی گاڈ! کتنی بڑی غلطی ہوئی ہے مجھ سے۔ حالانکہ مما نے مجھے بھابھو کا خیال رکھنے کے لیے کہا تھا۔ اسی لیے شاید وہ اپنی ڈیتھ سے پہلے بھابھو کے لیے فکرمند اور پریشان تھیں۔'' وہ گہرے تاسف میں ڈوب گیا تھا۔

''بھائی! وہ وہاں سے جا چکی ہیں۔ کہاں اس کا پتہ آپ کو خود لگانا ہوگا اور اچھی طرح سن لیں، انہیں ہر قیمت پر یہاں ہونا چاہیے، چاہے آپ کا دل چاہے یا نہ چاہے کم از کم میں کسی اور کو بھابھو کی جگہ پر نہیں دیکھ سکتا۔'' جنید دندناتا ہوا باہر نکل گیا۔

نوید بے بسی کے احساس سے چور ایک بار پھر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کا ضمیر مسلسل اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

رہ رہ کر جنید کی باتیں اس کا لہجہ کانوں میں گونج رہا تھا۔ جنید کی باتیں جہاں اسے کچوکے لگا گئی تھیں وہیں اس کے ذہن پر پڑے پردوں کو بھی ہٹا گئی تھیں۔ وہ ایک دم جھٹکے سے اٹھا، سامنے میز پر پڑی چابی اٹھائی اور پھر پوری آواز کے ساتھ عابی کو پکارا۔

''عابی!'' وہ فوراً بھاگا آیا۔

''جی بھائی!'' وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ ''میں پھپھو کی طرف جا رہا ہوں، تم چل رہے ہو۔''

''مگر..... پھپھو تو ادھر آ رہی ہیں، میں نے فون کیا ہے کہ.....''

''لیکن میں ادھر ہی جا رہا ہوں، کم آن۔'' وہ اب سے کچھ دیر پہلے والے نوید سے مختلف نظر آ رہا تھا اس کے چہرے پر بڑا اطمینان تھا۔ عبید اس کے پیچھے لپکا۔ کچھ دیر بعد وہ پھپھو کے روبرو تھے۔ اس نے جاتے ہی جنید کے بارے میں پوچھا۔

''جنید کہاں ہے پھپھو؟''

''وہ تو نہیں آیا۔'' پھپھو ان کی آمد پر حیران تھیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو عابی نے فون کر کے جلد از جلد آنے کے لیے کہا تھا، اب یہ یہاں موجود تھے۔

''اور سمیعہ کہاں ہے! اسے بلائیں۔'' نوید کا لہجہ پُر یقین تھا۔

''سمیعہ یہاں کہاں، تمہیں پتا ہوگا، آ گئی ہے وہ؟'' پھپھو بوکھلا گئیں پھر سنبھل کر بولیں۔

''پلیز پھپھو! آپ..... میں جان گیا ہوں وہ یہاں ہے۔''

''یہاں! سومی یہاں کس کے ساتھ آئی ہے، جنید تو صبح سے آیا ہی نہیں اور تم دونوں بھی سامنے ہی آ رہے ہو۔''

''میں جانتا ہوں میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے بلکہ ناقابل معافی غلطیاں کی ہیں، پلیز پھپھو! مجھے اپنی غلطیوں کی تلافی کا موقع دیں۔'' وہ نہایت ندامت سے کہہ رہا تھا اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ عابی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم اب تک مجھ سے جھوٹ بولتے رہے، اب کس بات کی تلافی کرنا چاہتے ہو۔ کیا وہ دن، وہ وقت وہ احساسات واپس لا سکتے ہو تم..... تم نے زندگی کو کھیل سمجھ رکھا ہے کہ جب چاہو گے اپنی مطلب کی گیم کھیل لو گے۔'' پھپھو مدحت اتنے دن کا لاوا آج باہر نکالنا چاہتی تھیں۔

''پھپھو! میں مان تو رہا ہوں کہ میں نے بہت غلط رویہ اپنائے رکھا ہے، لیکن اب کسی کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔'' الجھا ہوا پریشان حلیہ، ندامت سے چور لہجہ اس نوید کا تو نہیں تھا جو اپنی ذات کے سوا سب بھلا چکا تھا تو کوئی نیا ہی نوید تھا۔

جنید ابھی ابھی آیا تھا اور آتے ہی اس نے سمیعہ کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا تھا۔ وہ لرزتی کانپتی اس کے ساتھ لاؤنج سے باہر کھڑی تھی۔ وہ زبردستی اسے اندر دھکیل رہا تھا کہ ''بھابو جو کہنا ہے..... روبرو جا کر کہیں'' مگر وہ ایک قدم اٹھانے کی سکت بھی نہیں رکھتی تھی اندر پھپھو کی ڈانٹ ڈپٹ جاری تھی۔

''آخر تم نے شکایت کا موقع دیا ہی کیوں؟ سب کچھ تم پر واضح تھا بھابھی جان نے اپنی شدید خواہش سے بھی تمہیں آگاہ کر دیا تھا، اس کے باوجود تم نے اس سے اتنا برا سلوک کیا، اسے اپنے رویوں سے اس قدر مجبور کر دیا کہ وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔ وہ گھر جو اس کی آخری پناہ گاہ تھی جہاں وہ ساری زندگی گزارنے گئی تھی وہاں تم نے اسے چار دن بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا، کس کی خاطر؟ آخر کون ہے وہ جس نے تمہیں رشتوں کی پہچان بھلا دی۔ میں بھی تو دیکھوں اس اعلیٰ وارفع ہستی کو جس نے تمہیں پاگل بنا دیا اور تم اپنوں کے دکھ کا احساس ہی گنوا بیٹھے ہو۔ تمہیں معلوم ہے، تمہاری بے اعتنائیوں نے سومی کو انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ تو اپنے ماموں کا گھر بھی چھوڑ کر جا رہی تھی۔ وہ تو بھلا ہو جنید کا جس نے اسے نادانی سے بچا لیا ورنہ کیا منہ دکھاتے تم سب کو۔''

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ اتنے دن تنہا پریشان رہا تھا، جنید نے کیا زبردست ایکٹنگ کی تھی اور پھپھو بھی کیسے انجان بن کر ملی تھیں۔ پھپھو کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی ذرا سانس لینے کو رکی تھیں۔

''اتنے دن تم نے خاموشی سے کاٹ لیے نہ اپنی عزت و ناموس کا خیال رکھا اور نہ ہی ہماری محبتوں کا احساس کیا۔ ذرا بھی کوشش کی تم نے اسے ڈھونڈنے کی اب ذرا سی بھنک پڑ گئی ہے تو دوڑے آئے ہو حق جتانے کے لیے۔ میں تمہیں صاف بتا دوں سومی اب وہاں نہیں جانا چاہتی اور جائے بھی کیوں؟ جب تمہارا ہی اس سے کوئی تعلق، کوئی لگاؤ نہیں ہے تو کیا وہ وہاں محض تمہاری نوکرانی بن کر جائے جو وقت بے وقت تمہاری ضرورتوں کے لیے تمہارے آگے پیچھے پھرتی رہے اور بس، ویسے تم نے بتایا نہیں کون ہے وہ جس کے لیے تمہیں اپنی ماں کا خیال نہیں رہا تھا اور نہ ہی تم نے مذہب و معاشرتی قانون کا پاس کیا۔''

''پھپھو..... پھپھو! اب ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ اسے بلائیں ایک بار پوچھیں تو کیا میں نے اسے گھر چھوڑنے کے لیے کہا تھا۔''

''اس سے کیا پوچھوں؟ مجھے علم ہے تم نے زبان سے نہیں اپنے رویوں سے مجبور کیا تھا۔ خود اس سے بات کر لو۔'' پھپھو کا غصہ آخر نرمی میں تبدیل ہو گیا۔ انہوں نے سمیعہ کو آواز دی تو جنید زبردستی اسے بازو سے کھینچتا ہوا اندر لے آیا۔

نوید نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ زرد رو لرزتی کانپتی روتی ہوئی اندر کھنچی چلی آ رہی تھی۔ پھپھو نے

بڑھ کر اسے اپنے قریب بٹھایا۔ اس کا سرد ہاتھ پھپھو کے ہاتھ میں تھا ان کی ذرا سی حوصلہ افزائی پر وہ پگھل کر آنسوؤں کی صورت بہنے لگی تھی۔

''پھپھو آپ!'' اس کے آنسو شکوہ کناں تھے۔

وہ مما کی زندگی والی سمیعہ تو نہیں تھی جو ہر بات، ہر غم ہنس کر سہہ جایا کرتی تھی، اب تو یہ کوئی اور ہی سمیعہ تھی، زرد، بیمار و لاغر سی۔

''بھابھی! ہم آپ کو چلنے کے لیے مجبور نہیں کریں گے، بھائی نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا شاید اس کے جواب میں آپ کا کیا فیصلہ ہی بہتر ہو۔'' عابی پوری سنجیدگی سے اپنی بات کر رہا تھا۔

''عابی! تم..... تم تصور بھی نہیں کر سکتے میں کن کن اذیتوں سے گزری ہوں مما کی محبت کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں بہت پہلے کوئی انتہائی قدم اٹھا چکی ہوتی، میں نے وہاں بہت بے وقعت ہو کر وقت گزارا ہے، صرف مما کی خاطر ان کی محبتوں کی چھاؤں میں مجھے سگی حقیقتوں کا احساس نہیں ہوتا تھا، اب تو وہ بھی نہیں ہیں پھر میں.....'' وہ پھپھو کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

نوید خاموش بیٹھا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کن الفاظ میں سمیعہ سے معذرت کر کے واپسی کے لیے مجبور کرے۔ پھپھو نے جنید کو اشارہ کیا کہ سمیعہ کو چپ کرائے۔

''اچھا بھابھو! اب بات سنو، تمہیں بھائی کے ساتھ اپنے سسرال جانے پر اعتراض ہے نا تو ٹھیک ہے مت جاؤ مگر اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنے گھر جانے پر تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے نا، بھائی کے ساتھ چاہے صلح مت کرنا، کم از کم میں مجبور نہیں کروں گا۔'' نوید نے بے ساختہ ہی اپنے پہلو سے کشن اٹھا کر جنید کو مارا۔

''بھائی! یہ فاؤل ہے۔ آپ کو اگر کچھ کہنا ہے، بھابھی کو منانا ہے تو سامنے آئیں، مجھ غریب کو نشانہ نہ بنائیں۔''

''سومی بیٹا! ایک موقع دے دو، آئندہ کوئی شکایت ہوگی تو بیٹا مان لو، نا سمجھی میں گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ نوید اپنے سابقہ رویوں پر شرمندہ ہے۔ یہ خود تم سے معذرت کرے گا، اب یہ تمہارے ظرف کی بات ہے کہ تم درگزر کر دو یا پھر۔'' پھپھو بہت دھیمے لہجے میں اسے پیار سے تھپتھپاتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔

''پلیز بھابھی! پہلی اور آخری غلطی سمجھ کر معاف کر دیں ہماری خاطر۔'' عبید نے کہا تو اس

نے خود کو سنبھالتے ہوئے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے آپ لوگوں کی خاطر میں مزید بہت سہہ سکتی ہوں۔'' وہ تیزی سے اٹھی اور جنید کو پیچھے ہٹاتی باہر نکل گئی۔ نوید متعجب سا اسے جاتا دیکھتا رہا۔

''اب تم بھی کچھ کہو گے یا ہم ہی تمہاری وکالت کرتے رہیں گے۔ اگر غلطیاں کی ہیں تو خمیازہ بھی بھگتو، اگر واقعی تم اپنے رویوں کی تلافی کرنا چاہتے ہو تو بیوی کو مناؤ۔ آخر اس نے بھی تو تمہاری زیادتیاں سہی ہیں۔'' پھپھو نے نوید کو ایک بار پھر لتاڑا، وہ چونک کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا، اس کی بے ساختہ حرکت پر جنید بے اختیار ہنس پڑا۔

''آیئے بھائی! آپ کو بھابھو کی پناہ گاہ تک چھوڑ آؤں، آپ خود تو پہنچنے سے رہے۔'' وہ ہاتھ جھاڑتا لاؤنج سے باہر گیا۔ نوید اس کے پیچھے تھا۔ کمروں کی قطار میں آخری کمرہ سمیعہ کا تھا۔ جنید اشارے سے کمرہ دکھا کر وکٹری کا نشان بناتا وہاں سے مڑ گیا۔

نوید کشمکش کا شکار تھا، پھر نجانے کیا سوچ کر وہ بنا دستک دیئے اندر داخل ہوا۔ سمیعہ بھی اسی لمحے باتھ روم سے منہ دھو کر نکلی تھی، دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونک گئی پھر باتھ روم کی طرف پلٹنے لگی۔

''سمیعہ!'' نوید کے لہجے میں پہلی بار کسی اپنائیت کا شائبہ تھا وہ رخ موڑے ہوئے ہی کھڑی ہو گئی۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا تم سامنے آ کر میری بات سن لو۔'' وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے مقابل آ گئی۔

''ساری باتیں ختم ہو گئی ہیں۔''

''پلیز سومی!'' نوید بے اختیار ہی اسے بے تکلفی سے ٹوک اٹھا۔

''مجھے اپنے رویوں کا اعتراف ہے، مجھے تلافی کا موقع تو دو، جو کچھ ہوا ہے اگر تم اسے نظر انداز کر دو تو ہم نئے سرے سے ایک اچھی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔ پرانی باتوں کو بے حقیقی خواب سمجھ کر بھلا دو۔''

''کیا یہ سب اتنا آسان ہے، بھول جانا، بھلا دینا۔'' آنسوؤں کا گولا ایک بار پھر اس کے حلق میں اٹک گیا۔ آج پہلی بار نوید کو اس کی کیفیات و احساسات و جذبات کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ چند قدم آگے بڑھ کر وہ اس کے مقابل آ گیا۔

''ہاں..... مجھے احساس ہے کہ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ میں واقعی بھول گیا تھا کہ میں نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے، میرے سلوک کے نتیجے میں تو تمہیں مجھ سے شدید نفرت ہو چکی ہو گی۔'' نوید نے سر جھکائے بہت ندامت سے کہا۔

سمیعہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ یہ وہ نوید تو نہیں تھا جس نے پل پل تڑپایا تھا، لمحہ لمحہ اذیتیں بخشی تھیں، یہ تو کوئی اور ہی نوید تھا، ندامتوں سے جھکا اپنی مردانگی کا زخم بھلائے اپنے رویوں کا اعتراف کرتا ہوا۔ بے شک وہ حالات کی وجہ سے انتہائی قدم اٹھا چکی تھی اس کے باوجود نوید کی محبت دل سے نکال نہیں پائی تھی۔ اس کے اعتراف پر اس کے اندر ہلچل مچ گئی تھی۔

''میں نے پہلے بھی کبھی آپ کی کوئی بات رد نہیں کی اور اب بھی آپ کی خواہشات کا احترام کروں گی۔ اب یہ آپ کے اختیار میں ہے کہ.....'' نوید کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا ایک دم اسے جھنجھوڑ ڈالا اسے بات بھی مکمل نہ کرنے دی۔

''رئیلی! تم نے مجھے معاف کر دیا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو، لبوں پر اقرار بھری مسکراہٹ تھی۔ اس اپنائیت بھری قربت کے لیے وہ کس قدر ترسی تھی۔

''تھینک یو تھینک یو ویری مچ سومی! تم نے مجھے مما کی روح کے آگے سرخرو کر دیا ہے ورنہ میں تو انہیں یاد کرنے کے بھی قابل نہیں تھا۔ آئی لو یو سمیعہ پلیز بلیومی رئیلی آئی لو یو۔''

''تمہیں تمہاری ساری خوشیاں، تمام حقوق اپنے گھر پر منتظر ملیں گے، میں نے تمہیں کھو کر جان لیا ہے کہ تمہارے بنا جینا بہت مشکل ہے سنو..... تم پچھلی ساری باتیں دل سے نکال دینا۔ میرا ماضی میرے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میرا اب سب کچھ تم ہی ہو۔ آج میں خدا کو گواہ بنا کر تمہارا ہاتھ کبھی نہ چھوڑنے کے لیے تھام رہا ہوں۔ آؤ تمہارا گھر تمہارا منتظر ہے۔''

نوید اس کا ہاتھ تھام کر اسے باہر لے آیا۔ سب ہی دروازے سے باہر کھڑے تھے۔ جنید نے انہیں دیکھتے ہی بلند آواز میں نعرہ لگایا۔

''ہرے.....'' سمیعہ جھینپ کر پھپھو سے جا لپٹی تھی۔

''او کے پھپھو! ہم جا رہے ہیں۔'' نوید کا لہجہ و انداز دیکھ کر پھپھو کی آنکھیں بھی احساس تشکر سے جھلملانے لگی تھیں۔

''نوید! آج کے بعد مجھے تمہاری کوئی شکایت نہ ملے۔ بس یہ سمجھو کہ سمیعہ آج سے میری بیٹی ہے اور تم اسے میرے گھر سے رخصت کرا کے لے جا رہے ہو، اتنا یاد رکھنا، میں اسے واپس بھی لا

سکتی ہوں۔''

''ایسی نوبت نہیں آئے گی پھپھو! آپ کل ہی آ کر دیکھ لینا۔'' نوید نے بہت مان اور اعتماد سے کہا۔ سمیعہ نے بھی اسے تشکر بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''بالکل پھپھو! آپ کل ضرور آیئے گا پھر ہم مل کر بھائی سے ایک دعوت ولیمہ کھائیں گے۔'' جنید بہت گرمجوش ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

''اس تپتی دوپہر میں بھی کسی کو چین نہیں ہے نہ جانے بجیا نے کس قدر دوستیاں کر رکھی ہیں جب دیکھو کوئی نہ کوئی آ رہا ہے۔''

کال بیل کی آواز پر وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی اور پھر جھنجھلا کر گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ چلنے کا دھیما پن اس کی جھنجھلاہٹ کو واضح کر رہا تھا۔ اس کی بیزاری صحیح تو تھی جب سے وہ آئی تھی اس نے وقت بے وقت مہمانوں کا سلسلہ ہی بندھا دیکھا تھا۔ آنے والا نہ وقت دیکھتا تھا اور نہ موسم۔

اس کی جھنجھلاہٹ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے سوا اس وقت کوئی جاگ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ بھی اپنی بجیا کی ساڑھی پر صبح سے پینٹ کرنے میں مشغول تھی اب آخری ٹچ دینے کا مرحلہ آیا تھا تو اسے گیٹ تک جانا پڑ گیا تھا ورنہ تو وہ جس دن سے بجیا کے گھر لاہور آئی تھی اسے گیٹ تک دوبارہ جانے کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔ آج اسے زحمت کرنا پڑی تھی بھی تو کس وقت۔

اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ چوکیدار آج چھٹی پر تھا آنے والا بھی ہارن پر ہاتھ رکھ کر جیسے بھول گیا تھا۔ جس پر اس کا غصہ عروج پر پہنچ چکا تھا۔ شدید کوفت اور مجبوری کے عالم میں اس نے گیٹ کھول کر واپسی کی راہ لی۔ پولیس جیپ کی جھلک دیکھ کر ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ زحمت اس کے بہنوئی بازل فیض کے لیے ہے۔ آنے والے کو دیکھے بنا ہی وہ تیزی سے پورچ کی سیڑھیاں چڑھ کر غائب ہو گئی تھی۔ آنے والا اس پذیرائی پر حیران سا وہیں کھڑا رہ گیا۔ آج تک اس گھر میں اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں ہوا تھا اس لیے وہ اپنے سراپے پر حیرت سے نظر ڈالتے ہوئے خود سے ہی پوچھ رہا تھا۔

''یار کیا میں نظر انداز کیے جانے کے قابل ہوں۔'' اپنی حالت سے تو اسے ایسا محسوس نہیں ہوا تھا کہ اسے کوئی دیکھتے ہی سرپٹ اندر بھاگ جاتا۔ وہ حیرانگی سے اِدھر اُدھر دیکھتا اندر کی طرف بڑھ رہا تھا جبکہ آنچل اندر جا کر کسی کو اطلاع دیئے بغیر اپنا ادھورا کام مکمل کرنے لگ گئی۔

دراصل اسے یہ سب اچھا نہیں لگتا تھا۔ بجیا کے گھر کا ماحول اس کی توقع اور تربیت کے برعکس تھا۔ یہاں ہر کسی کی آمد کو اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ جسے دیکھو منہ اٹھائے چلا آتا تھا۔ نہ تکلف، نہ احساس رواداری، ہر وقت ہلہ گلہ، قہقہے، مکس گیدرنگ اس نے اپنے ہاں یہ سب کہاں دیکھا تھا۔

''اف کتنا شوق تھا مجھے بجیا کے گھر آنے کا کیسے کیسے جتن کر کے بی بی جان کو یہاں آنے کے لیے منایا تھا، لیکن یہاں آ کر تو سارا مزا ہی کرکرا ہو گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ بی بی ٹھیک کہتی ہیں بجیا کے سسرال میں تو ہر وقت لڑکے ہی لڑکے بھرے رہتے ہیں سب کو آنے جانے کی آزادی ہے اور ہم پابند۔ کسی کو اس بات سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔''

آنچل اپنا کام کرتے ہوئے مسلسل سوچوں اور پچھتاوں میں گھری ہوئی تھی۔ اسے یہاں آئے ہوئے پندرہ سولہ دن ہو رہے تھے اور اس نے ان پندرہ دنوں میں جتنے لوگوں کو دیکھا تھا شاید ہی اپنی پندرہ سولہ سالہ زندگی میں دیکھا ہو۔ ان کے گھر کا ماحول قدامت پرست تھا۔ اپنی زندگی کے سولہ سال اس نے انتہائی محتاط انداز میں گزارے تھے ہر بات، ہر معاملے میں ایک حد مقرر تھی جوان کی ماں یعنی بی بی جان نے مقرر کر رکھی تھی۔ اس حد سے تجاوز کرنے کا مطلب تھا کہ ان کا عتاب سہا جاتا اور اتنا حوصلہ اس میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے بچپن میں بی بی جان کو بڑی تینوں بہنوں پر برستے گرجتے ہوئے دیکھا تھا اس لیے اس نے خود کو بہت پہلے ہی بی بی جان کے مقرر کردہ حصار میں قید کر لیا تھا۔ ساری پابندیاں خود بخود لاگو کر لی تھیں خود پر یہی وجہ تھی کہ بی بی کو اسے کبھی ٹوکنا نہیں پڑا تھا۔

فرسٹ ایئر کے ایگزام دے کر بجیا کے بے انتہا اصرار اور بلاوے پر لاہور تو آ گئی تھی مگر یہاں اس کا دل نہیں لگا تھا۔ کئی بار اسے پچھتاوا ہوا تھا کہ آخر وہ بی بی سے ضد کر کے آئی ہی کیوں تھی۔ روزانہ وہ واپس جانے کا اعلان کرتی لیکن کوئی نہ کوئی رکاوٹ ڈال دیتا۔ مگر آج وہ پھر مصمم ارادہ باندھ رہی تھی۔

''بس کل میں ہر صورت واپس جاؤں گی۔'' کلاتھ پینٹ کی ٹیوبز بند کرتے ہوئے اس نے اپنا سامان سمیٹا اور پنکھے کے نیچے آ کھڑی ہوئی۔ پسینے سے سارا بدن بھیگ رہا تھا۔ دوپٹے کو بھی ساتھ ساتھ لہرا کر وہ پسینہ خشک کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تبھی اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اس نے جلدی سے دوپٹہ پھیلا کر سر پر اوڑھ لیا۔ بازل فیض اندر آتے ہی تشکر سے بولے۔

''شکر ہے گڑیا تم تو جاگ رہی ہو۔''

''کوئی کام ہے بھائی؟'' اس نے تھکن کے باوجود سعادتمندی سے پوچھا۔

''ہاں..... کام تو ہے دراصل میرا ایک بہت ہی پیارا دوست آیا ہے اور اسے بھوک لگی ہے۔ تمہاری نازک بجیا تو اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہیں گڑیا تم ہی پلیز اس کے کھانے پینے کا انتظام کر دو کسی اور کو اٹھانا تو اس وقت مسئلہ ہو جائے گا اس لیے.....''

''کہاں کھانا لگاؤں؟'' آنچل نے اندر ہی اندر چڑتے ہوئے پوچھا۔

بازل بھائی اپنے ہر دوست کی تعریف میں اسی طرح رطب اللسان رہتے تھے۔ تعریف کرنا ضروری تھا سیدھی طرح کھانے کا کہہ دیتے۔ اپنی سوچوں کا وہ اظہار نہیں کر سکتی تھی۔

''ڈائننگ روم میں لگانے کا تکلف مت کرنا ہم سٹنگ روم میں بیٹھے ہیں وہیں لے آؤ اور سنو گڑیا زیادہ دیر نہیں لگانا جو کچھ بھی ہے لے آؤ، وہ بے صبرا انسان کچن میں بھی حملہ کر سکتا ہے۔'' انہوں نے جاتے جاتے شفقت سے اس کا سر تھپتھپا کر اسے جلد آنے کا کہا تو وہ فوراً کچن کی طرف چل دی۔ بھوک تو اسے بھی لگی تھی دوپہر کو سب کے ساتھ اس نے کھانا نہیں کھایا تھا کیونکہ وہ ساڑھی مکمل کر کے ہی کمرے سے باہر آنا چاہتی تھی۔ مگر اب اس نے خود کھانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا البتہ مہمان کے لیے فریج اور فریزر کھنگال رہی تھی۔

شامی کباب اور چکن کباب تو ہر وقت فریج میں بنے رہتے تھے۔ اس نے آٹھ دس کباب تلنے کے لیے نکالے۔ دوپہر میں بریانی پکی تھی اور قورمہ جسے اس نے دوبارہ گرم کیا۔ چار روٹیاں بھی پکا کر ہاٹ پاٹ میں بند کیں۔ ٹرالی میں سارے لوازمات سلیقے سے رکھے۔ فریزر سے ٹھنڈا پانی اور کوک کی دو بوتلیں بھی ٹرالی میں رکھنے کے بعد اپنی تسلی کے لیے نگاہ دوڑائی پھر سلاد کی پلیٹ فریج سے نکال کر اسے سب سے اوپر چاولوں کی ڈش کے ساتھ رکھ کر وہ سٹنگ روم کے دروازے تک آئی۔ ابھی وہ پردہ اٹھا کر اندر جانے کا قصد کر ہی رہی تھی کہ کوئی اس سے پہلے ہی تیز تیز بولتا ہوا باہر آ گیا۔

''ناز بھابھی آج تو آپ نے واقعی میرے صبر کو آزمانے کی ٹھان رکھی ہے۔'' آنے والے کی بے ساختہ آمد پر آنچل ایک دم بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ آنے والا بھی کچھ خفیف سا ہو گیا۔ نازک کے بجائے کسی اور کو دیکھ کر اسے بھی اپنی بے تکلفی پر ذرا خفت ہوئی تھی۔

''او سوری میں سمجھتا تھا کہ نازک بھابھی ہیں سوری اگین پلیز۔'' وہ راستہ چھوڑ کر ہٹ گیا۔ بازل فیض بھی آ گئے تھے۔

''گڑیا اب آ بھی جاؤ یا وہیں کھڑے کھڑے اس کے صبر کو مزید آزماؤ گی شکر کرو کہ اسے تمہارا لحاظ آ گیا ورنہ یہ تو یہیں کھڑے ہو کر شروع ہو جاتا۔'' آنے والا بازل فیض کو گھورنے لگا تھا۔

آنچل بازل بھائی کی آمد پر قدرے سنبھل گئی تھی مگر اس کی ٹانگوں میں لرزہ طاری تھا۔ نظریں جھکا کر وہ ٹرالی لے کر اندر داخل ہوئی تھی۔ اور اس کے پیچھے وہ اجنبی جس کی نگاہیں وہ اپنی پشت پر گڑی محسوس کر رہی تھی۔ ٹرالی صوفے کے قریب پہنچا کر وہ جانے کو مڑی تو بازل نے اسے آواز دے کر روکا۔

''گڑیا تم نے کھانا کھا لیا؟''

''نہیں کھا لوں گی۔'' اس سے جھوٹ نہ بولا گیا اور اجنبی اسے پرشوق نظروں سے دیکھ رہا تھا جس پر وہ مزید نروس ہو رہی تھی۔

''کب کھاؤ گی آؤ یہیں کھا لو آخر بیٹا تم تکلف کیوں کرتی ہو یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔'' بازل بھائی کی اسی شفقت کی تو وہ اسیر تھی۔ ورنہ بڑی دونوں بہنوں کے شوہروں سے تو سلام دعا سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ انہوں نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے اسے آنے کا اشارہ بھی کیا۔

''نہیں بھائی مجھے ابھی بھوک نہیں ہے۔'' آنچل نے جلدی کہا مبادا وہ اسے گھسیٹ کر ہی نہ بٹھا لیں ان سے بعید بھی نہیں تھا۔

''تم معارج کی وجہ سے تکلف کر رہی ہو۔ ارے یہ اپنے ہی گھر کا بندہ ہے چلو آؤ کھانا کھاؤ۔'' ان کے پیار پر آج اسے کوفت ہو رہی تھی بھلا وہ جانتے نہیں تھے اسے وہ کسی اجنبی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کی ہمت کہاں سے لاتی۔

''بازل بھائی مجھے سچ مچ بھوک نہیں ہے بھوک لگے گی تو کھا لوں گی۔'' اس نے معصومیت سے پہلی بار نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھا لیکن اگلے ہی لمحے نگاہیں جھکا لیں کیونکہ معارج اسامہ اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا پھر ایسا کرو تم نازک کو جگا دو۔'' بازل فیض نے اس کی پس و پیش کو محسوس کر کے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر معارج کو کھانے کی طرف متوجہ کیا وہ بھی دل میں چھپے سوالوں کو پس پشت ڈال کر اپنے پیٹ کا خیال کر کے کھانا کھانے میں مشغول ہو گیا۔

☆☆☆

''بجیا..... ناز بجیا جلدی سے اٹھیں باز بھائی بلا رہے ہیں۔'' آنچل نے تقریباً جھنجھوڑتے ہوئے نازک کو جگایا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ بھرے بھرے جسم کی گندمی رنگت والی بجیا نے آنکھیں مسلتے ہوئے پوچھا۔

''کیا بات ہے کیوں شور مچا رہی ہو؟''

''بجیا وہ بازل بھائی کے کوئی دوست آئے ہیں وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔'' بازل کے کسی دوست کا سنتے ہی نازک فوراً بستر چھوڑ کر کھڑی ہوگئی۔ بازل کے دوستوں کا استقبال تو بہر حال اسے کرنا پڑتا تھا۔ نازک کی سوچیں (کون آیا ہوگا) کے گرد تھیں آخر اس نے آنچل سے پوچھا۔

''کون آیا ہے گڑیا؟'' نازک نے لباس کی سلوٹیں ہاتھ سے دور کرتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے کیا معلوم؟ میں کیا جانتی ہوں ان کے دوستوں کو؟'' وہ بوکھلا اٹھی۔ اس اجنبی کی پرشوق بے باک نگاہیں اس کے تصور میں آگئیں۔

''نہیں معلوم تو اس طرح پریشان کیوں ہو رہی ہو۔'' نازک اس کے کندھے کو دبا کر باتھ روم میں گھس گئی۔ آنچل وہیں کھڑی رہ گئی۔

اس کے حوالوں پر ناگواریت سی چھا گئی تھی۔ معارج کی نظریں اس کے دل میں عجیب سے احساسات بیدار کر گئی تھیں جنہیں وہ کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔ نازک واپس آئی تو وہ اسی طرح کھڑی تھی۔ نازک پہلے تو اسے گم صم کھڑا دیکھ کر متعجب ہوئی پھر پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئی۔

''تم صبح سے اتنی مصروف ہو، جاؤ اپنے کمرے میں جا کر آرام کر لو پھر رات دیر تک کوئی سونے نہیں دے گا اور تمہیں شکایت ہوگی۔''

نازک اسے اس کے کمرے کے آگے تک چھوڑ کر گئی۔ وہ بھی تمام خیالات جھٹک کر اپنے بستر پر دراز ہوگئی کیونکہ یہاں رات دو بجے تک محفل جمتی تھی یہ ان کا تو معمول تھا مگر اسے مجبوراً ان کے معمول پر عمل کرنا پڑتا تھا۔ وہ خود تو ان لوگوں کے کسی مشغلے میں حصہ نہیں لیتی تھی مگر نازک بجیا کے ساتھ بیٹھے رہنے پر مجبور کر دی جاتی تھی۔

نازک کی سسرال میں لڑکے ہی لڑکے تھے۔ بازل فیض سب سے بڑے تھے ان سے چھوٹی بہن کی شادی ہو چکی تھی اور پھر چار بھائی تھے جو زیر تعلیم تھے۔ ان کے دوست احباب، کزنز لڑکے لڑکیاں آتے رہتے تھے۔ ویک اینڈ پر تو کسی تقریب کا سا سماں یہاں دیکھنے کو ملتا تھا۔ شاید اسی لیے بی بی جان اسے یہاں بھیجنے کے حق میں نہیں تھیں ان کا خیال تھا جوان جہان لڑکوں بالوں میں ان کی معصوم کم سن بیٹی بھٹک نہ جائے انہیں زمانے اور وقت کا بھروسہ نہیں تھا۔

☆☆☆

''وہ آئے ہمارے گھر میں خدا کی قدرت۔'' نازک نے اندر آتے ہی سامنے معارج اسامہ کو دیکھ کر بے اختیار مصرع پڑھا۔

معارج اسامہ بازل کا جگری دوست تھا۔ معارج کی کچھ عرصہ پہلے ہی اسلام آباد میں بطور

اے۔ ایس۔ پی تقرری ہوئی تھی۔ اس کا اتنی جلدی یہاں آنا غیر متوقع تھا اس لیے نازک اسے دیکھ کر حیران تھی اور پھر جیسے ہی اس کی نظر ٹرالی پر پڑی تو اسے آنچل کی پریشانی کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔ معارج بھی اس کی آمد پر بے ساختہ کھڑا ہو کر کورنش بجا لایا۔

''بھابھی صاحبہ آپ کو میری آمد پر حیرت ہو رہی ہے اور مجھے آپ کے گھر میں نئے مہمان کو دیکھ کر، ویسے اچھی تبدیلی ہے۔'' وہ اپنے مخصوص بے تکلف انداز میں دل کی بات کہہ گیا۔ نازک اس کی بات سن کر پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی۔

''مہمان..... کہاں ہے مہمان؟ بازل کوئی اور بھی آیا ہے؟''

''اپنی گڑیا کی بات کر رہا ہے۔'' بازل فیض نے نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے نازک کی معلومات میں جیسے اضافہ کیا۔ نازک سمجھ تو پہلے ہی گئی تھی پھر معارج کی مسکراہٹ کچھ سمجھا رہی تھی اس لیے ذرا سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آنچل! مہمان نہیں ہے وہ میری چھوٹی بہن ہے۔''

''یعنی کہ میری سسٹر ان لاء۔'' بازل نے درمیان میں لقمہ دیا جس پر معارج کو مزید شہ ملی۔

''سیدھی طرح کہو سالی آدھے گھر والی۔''

''پلیز معارج بھائی اس قسم کی مثال ہمارے ہاں پسند نہیں کی جاتی۔'' نازک کی تربیت بھی آخر اسی ماحول میں ہوئی تھی اس لیے اسے معارج کا مذاق اچھا نہیں لگا تھا اور فوراً ہی اسے ٹوک دیا کہ کہیں وہ پھر حد سے نہ بڑھ جائے۔

''بازل آپ نے اس سے کام کے لیے کیوں کہا مجھے جگا لیا ہوتا وہ پہلے ہی تھکی ہوئی تھی۔'' نازک نے اپنے شوہر سے بھی سنجیدہ انداز میں بات کی۔

''میں نے تمہیں جگانے کی کوشش کی تھی اور پھر اس بے صبرے انسان سے صبر بھی کب ہو رہا تھا تم فکر نہ کرو گڑیا میرے لیے کام کر کے تھکی نہیں ہوگی۔'' بازل نے صفائی پیش کرتے ہوئے برادرانہ استحقاق کا اظہار بھی کیا جس پر نازک مطمئن انداز میں مسکراتے ہوئے بازل کے ساتھ بیٹھ گئی۔ معارج بھی اپنے انداز میں معذرت پیش کرنے کے ساتھ اپنے دل کی بات سچائی سے کہنے لگا۔

''سوری بھابھی میری وجہ سے واقعی انہیں کافی تکلیف اٹھانا پڑی ہوگی ایک بات میں کہوں آپ برا نہ مانئے گا آپ سے زیادہ آپ کی سسٹر کے ہاتھ میں ذائقہ اور قرینہ ہے۔ رئیلی اتنے کم وقت میں جس طرح انہوں نے میری بھوک مٹانے کا مکمل انتظام کیا ہے کوئی چاک و چوبند ویٹر بھی نہیں کر سکتا تھا۔'' معارج کی بات پر نازک ہنس دی۔ بہن کی تعریف اس کے نزدیک اس کی اس

کے میکے کی تعریف تھی۔لڑکیاں تو میکے کی تعریف پر ویسے ہی کھل جاتی ہیں پھر خود ہی وہ بتانے لگی۔

''سب سے چھوٹی ہے ناں اس لیے سب کی ساری خصوصیات اس میں اکٹھی ہوگئی ہیں۔ پھر اسے خود بھی سب کچھ سیکھنے کا جنون سوار رہتا ہے۔صبح سے وہ میرے لیے ساڑھی پینٹ کر رہی تھی اس لیے مجھے اس کی تھکن کا خیال تھا۔''

''ابھی تو ہم تمہیں گڑیا کے ہاتھ کی چائے اور کافی بھی پلوائیں گے پھر تمہیں کسی اور کے ہاتھ کی چائے کافی اچھی نہیں لگے گی۔'' بازل بھی شروع ہو گئے۔معارج تو پہلے ہی کم سن دوشیزہ کی ہراساں آنکھوں میں خود کو کھویا ہوا محسوس کر رہا تھا۔زیر لب گنگنایا۔

''دیکھیں گے ان کے ہنر و کمال آہستہ آہستہ۔'' نازک نے معارج کی مسکراہٹ میں نیا پن سا محسوس کیا تھا اس لیے وہ کچھ چونک گئی تھی۔پھر اسی کیفیت میں اس سے پوچھ بیٹھی۔

''معارج بھائی اتنی جلدی یہاں کا چکر کیسے لگ گیا کوئی اور بات تو نہیں ہے۔''

''نئے آنے والوں کی خوشبو پہنچ گئی تھی سو ان کے ہاتھوں کی لذتیں محسوس کرنے آ پہنچے۔'' معارج کی گفتگو کا انداز ہمیشہ سے ایسا ہی تھا مگر نازک کو آج عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔اس لیے قدرے تنبیہی لہجے میں کہا۔

''معارج بھائی آپ آنچل کو جانتے نہیں ہیں اس لیے پلیز اس کے متعلق آپ کوئی ریمارکس نہیں دیں گے وہ اس قسم کی باتوں کو پسند نہیں کرتی بڑی مشکل سے میں نے اسے روکا ہوا ہے کہیں ایسا نہ ہو وہ پھر جانے کی ضد کرنے لگے۔''

''او کے..... او کے ناراض کیوں ہوتی ہیں بتاتا ہوں۔'' نازک کے سنجیدہ موڈ پر معارج بھی سنبھل کر بتانے لگا۔

''میری کزن کی شادی ہے اسی لیے سب یہاں آئے ہوئے ہیں میں بھی فرصت پاتے ہی آ گیا ہوں اتنا سفر طے کر کے سیدھا آپ کے در پر حاضری دینے آیا تھا اور آپ ہیں کہ..... چھوڑیئے میں آپ سے بات نہیں کرتا۔'' معارج نے بچوں کی طرح ٹھنک کر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تو نازک بے اختیار ہنس دی۔

''معارج بھائی آپ بھی بس..... بازل آپ کا یہ جگری یار گرمی سے کچھ زیادہ ہی چکرا گیا ہے میرا خیال ہے میں کچھ ٹھنڈا لے آؤں۔'' نازک نے اٹھتے ہوئے کہا اور ٹرالی کھسکا کر باہر لے گئی۔

☆☆☆

رات کے کھانے پر معارج اور بازل موجود نہیں تھے کیونکہ معارج کو چند دوستوں سے ملنا

تھا۔آنچل نے اس کی غیر موجودگی پر شکر ادا کیا۔ورنہ وہ اس کے سامنے بیٹھ کر کھانا نہ کھا سکتی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر بھائیوں نے محفل جمائی۔عادل جو سب سے چھوٹا تھا وہ ہمیشہ کوشش کرتا تھا کہ آنچل ان کی گیمز میں ان کا ساتھ دے۔اب بھی وہ اصرار کر رہا تھا کہ وہ کارڈ کھیلنے کے لیے اس کی پارٹنر بنے مگر وہ نہ مانی۔

''بازل بھائی آپ سب کے پارٹنر تو موجود ہیں پھر میرا دل چاہ رہا ہے اور نہ ہی میں کارڈ صحیح طرح کھیل سکتی ہوں۔'' اس کی بے بسی دیکھ کر نازک بھی اس کی حمایت کو آ پہنچی۔

''عادل گڑیا کو تنگ نہ کرو تمہیں معلوم تو ہے ہمارے گھر میں اور بی بی ماں کے گھر میں کافی فرق ہے جاؤ گڑیا تم جا کر آرام کرو۔'' آنچل نے تشکر سے بہن کو دیکھا۔نازک بہن کی فطرت سے واقف تھی یہاں آ کر اس نے ان لوگوں کا جو تھوڑا بہت ساتھ دیا تھا تو اپنی طبیعت پر جبر کر کے دیا تھا۔بہن کی اجازت پاتے ہی وہ سٹنگ روم سے نکل آئی۔

☆☆☆

گیارہ بج رہے تھے ابھی اس کا سونے کا ارادہ نہیں تھا اس لیے وہ لان میں ٹہلنے کے لیے نکل آئی تھی۔ابھی اسے ٹہلتے ہوئے کچھ دیر ہی گزری تھی جیپ پورچ میں آ کر رکی۔وہ واپس مڑنا چاہتی تھی کہ بازل بھائی فوراً اس کے قریب پہنچ گئے۔

''گڑیا تم یہاں کیا کر رہی ہو اکیلی؟''

''نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے یہاں آ گئی تھی۔'' آنچل نے گھبراتے ہوئے کہا۔

''یہ تو اچھا ہوا معارج آ جاؤ تمہیں گڑیا کے ہاتھ کی چائے پلوائیں۔'' انہوں نے معارج کو آواز دی جو اب تک اپنی جیپ میں بیٹھا شاید واپسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔بازل کی بات اور گڑیا کا نام سنتے ہی جیپ سے فوراً اتر آیا۔

آنچل کو گھبراہٹ ہونے لگی۔وہ بازل کو کوئی جواب تو نہیں دے سکتی تھی البتہ خاموشی سے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔بازل اور معارج اس کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔لونگ روم میں جانے سے پہلے معارج نے اس پر بھرپور نگاہ ڈالی آنچل کشمکش میں وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں چلی جائے یا پھر بہنوئی کی بات اور فرمائش پوری کرے۔معارج بھی اسے گم صم کھڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے آنکھوں کے رستے دل میں اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔اسے یہ معصوم مگر سنجیدہ سی لڑکی اپنے دل میں محسوس ہو رہی تھی۔وہ جیسے اس کی ایک ایک ادا کو ازبر کر رہا تھا اور یہ سب کرتے ہوئے اسے کوئی خیال نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کس کے گھر پر کھڑا ہے دل نے اچانک ہی اسے زیر کر کے بے بس کر دیا تھا۔

وہ اس کے گلابی ہونٹوں کی جنبش اور جھالرسی لرزتی پلکوں کی نوک پر اپنا دل محسوس کر رہا تھا۔ اس کے گلابی ملبوس کا گلابی دوپٹہ سر پر ہونے کے باوجود آنچل کے چہرے کے متغیر رنگوں کو چھپانے کے بجائے مزید عیاں کر رہا تھا جس پر اس کے اندر ہیجان برپا سا تھا۔ وہ اپنے ساڑھے پانچ فٹ قد کے باوجود اس کے مٹھی بھر دل میں پوری جزئیات کے ساتھ اس طرح سمائی تھی کہ وہ خود بھی ششدر رہ گیا تھا۔

آنچل خود اس کی نظروں سے بے پناہ خوفزدہ ہوگئی تھی اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر وہ ایک قدم بھی اٹھائے گی تو اس کا توازن بگڑ جائے گا اور وہ گر جائے گی۔ نازک کی آواز قریب سے سنائی دے رہی تھی۔ اس لیے وہ چونک کر اندر بڑھ گیا۔ آنچل بھی سست روی سے چلتی ہوئی کچن کی جانب آگئی اسے معارج کی آنکھوں کے رنگوں سے خوف آ رہا تھا۔ بجیا کے گھر میں پہلی بار اسے اس قسم کے حالات اور کیفیات سے دوچار ہونا پڑا تھا اسی لیے وہ نروس ہوئی جا رہی تھی۔

بیس منٹ بعد وہ دوبارہ کہلوائے جانے پر چائے بنانے میں مصروف ہوئی اور پھر چائے لے کر آئی۔ نازک، بازل اور معارج آپس میں باتوں میں مصروف تھے۔ آنچل کے وہاں آتے ہی معارج کی توجہ آنچل کی طرف مبذول ہوگئی۔ وہ باتوں میں مصروف ہونے کے باوجود کنکھیوں سے آنچل کو دیکھ رہا تھا اور اس کے گلابی مکھڑے پر اپنی نظروں سے گلال بکھیر رہا تھا۔ آنچل خاموشی سے چائے میں چینی ملاتے ہوئے اس کی نظروں کو اپنے وجود کے آر پار محسوس کر رہی تھی اور معارج کی باتیں بھی سن رہی تھی۔

''پھر اپنی بھابھی اور ان کے بچوں کو کب لا رہے ہو؟'' نازک اس سے پھر پوچھ رہی تھی۔

پہلے تو وہ معنی خیزی سے ہنسا پھر ذومعنی انداز میں بولا۔

''اب تو جلد ہی لاؤں گا۔'' آنچل اسے چائے پکڑانے آئی۔

''پھر بھی کچھ پتہ تو چلے دیکھو بتا کر لانا ورنہ.....'' نازک نے کہا تو سنجیدگی سے بولا۔

''پرسوں تک فنکشن ختم ہو جائے گا اس کے بعد انشاء اللہ آپ کے گھر پر دھاوا بولیں گے۔''

معارج نے جان بوجھ کر اس کی انگلیوں کو مس کیا تو چائے پلیٹ میں چھلک گئی۔ بازل نے لمحہ بھر کو اس کی جانب دیکھا وہ دوپہر سے معارج کی بے ساختگی نوٹ کر رہے تھے اور اب آنچل کی طرف اٹھتی اس کی نظریں انہیں بھی کھٹک گئی تھیں لیکن انہوں نے خاموشی میں ہی عافیت جانی۔ آنچل باقی لوگوں کو چائے سرو کر کے پلٹنے لگی تو نازک کی ساس انیسہ بیگم انہیں ڈانٹتی ہوئی آ گئیں۔

''تم لوگ خود تو رات گئے تک جاگنے کے عادی ہو اس بچی کو کیوں پریشان رکھتے ہو۔ اٹھو اور سب سونے جاؤ صبح سب کو جلدی مچی ہوتی ہے۔ نازک تم ہی کچھ خیال کر لیا کرو۔'' انیسہ بیگم

زیادہ تر اپنے کمرے میں بند عبادت میں مشغول رہا کرتی تھیں کبھی کبھی ہی بچوں کو فہمائش کرنے لونگ روم کے دروازے سے جھانک لیتی تھیں۔ اب بھی شاید انہوں نے معارج اسامہ کو نہیں دیکھا اسی لیے دروازے سے ہی پلٹ گئی تھیں۔ معارج بھی ان کی وارننگ پر جیسے کچھ یاد کر کے فوراً کھڑا ہو گیا۔

''بس یار میں بھی چلتا ہوں یہاں آنے کے شوق میں تم سے ملنے کی چاہ میں ابھی تک گھر والوں کو شکل نہیں دکھائی دیکھنا میرے لاڈلے میری کیا درگت بنائیں گے۔'' نازک دیوروں کے کھیل کی طرف بھی متوجہ تھی اس لیے معارج کی آنچل پر ٹکی نظریں نوٹ نہیں کر سکی تھی۔ نازک نے رسمی طور پر اسے رکنے کے لیے کہا۔

''کوئی فرق نہیں پڑتا جہاں سارا دن گزارا ہے وہاں ایک رات اور گزار لیں کل چلے جایئے گا۔''

''یہاں رہ کر ساری رات جاگنے کا پروگرام نہیں ہے میرا اوروں کی طرح میری نیند بھی اڑ جائے گی اور مجھے بھی پھر اِدھر اُدھر ٹہلنا پڑے گا۔'' معارج نے پھر آنچل کو دیکھتے ہوئے ذومعنی بات کہی۔ آنچل نے یک دم گھبرا کر اس کی جانب دیکھا۔ نظروں کا تصادم ہوا۔ آنچل کے دل میں پھر سے ہلچل سی مچ گئی۔ وہ فوراً ہی برتن ٹرے میں رکھ کر کھڑی ہوگئی۔

''بازل معارج اے۔ ایس۔ پی بن کر کچھ زیادہ ہی مغرور نہیں ہو گئے۔ شان دیکھیے ذرا کہاں تو یہاں ان کی آنکھ نہیں کھلتی تھی اور آج نیند نہیں آئے گی۔'' نازک اس کی بات پر ہنس کر چھیڑنے لگی۔

''ناز بھابھی آپ مجھ جیسے عاجز مسکین بندے کو مغرور کہہ کر میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں کم از کم گھر آئے مہمانوں کا خیال کر کے ہی تعریف کر دیں خواہ جھوٹی ہی سہی۔'' معارج نے بے اختیار شکوہ کناں ہو کر کہا۔

''آپ تو خود مجسم تعریف ہیں آپ کی تعریف میں تو لفظ بھی شرماتے ہیں جھوٹی تعریف کا سہارا کیوں لینا چاہتے ہیں۔'' عادل اپنی گیم ختم کر کے ان کی طرف آ گیا تھا اور اب اس کے کندھے پر جھکے کچھ شرارت آمیزی سے بولا تو پہلے تو معارج سر کو جنبش دے کر آداب بجا لایا پھر فوراً ہی اسے گھورنے لگا جس پر عادل نے فوراً ہی اپنا ایک کان پکڑ کر معافی مانگی۔

''اچھا جی اب اجازت، کل شام کو آؤں گا۔'' معارج نے ہاتھ بڑھا کر بازل سے مصافحہ کیا۔ معارج سب سے مل کر دوبارہ نازک کے قریب آ گئے۔

''بھابھی جی میرے لیے دعا کیجیے گا کہ رات ٹھیک طرح گزر جائے حالت تو میری یہیں

خراب ہونا شروع ہوگئی ہے۔'' معارج نے دعا لینے والے انداز میں اپنا سر نازک کے آگے جھکا دیا۔ نازک اس کی شرارت سمجھ رہی تھی۔ ایک چپت اس کے سر پر لگائی۔ برا سا منہ بناتا ہوا وہ سیدھا ہو کر بولا۔

''میں نے سر پر ہاتھ پھرانے کے لیے سر جھکایا تھا آپ دعا کے بجائے سر درد منتقل کر رہی ہیں۔''

''اچھا میری ایک چپت سے آپ کے سر میں درد ہو جائے گا اور آپ کی بے سروپا باتوں سے ہمارا جو حال ہوتا ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''اپنے خیال کا اظہار کروں گا تو آپ کو برا لگے گا اس لیے مجھے مت چھیڑیں۔'' پھر آنچل سے پوچھنے لگا۔

''آپ چائے کس طریقے سے بناتی ہیں پلیز مجھے بتا دیں میں کسی کو نہیں بتاؤں گا صرف اپنے تک محدود رکھوں گا۔'' آنچل اس کے مخاطب کرنے پر بوکھلا گئی۔ نازک نے بہن کی جھجک اور بوکھلاہٹ سمجھتے ہوئے معارج کو ٹوکا۔

''معارج آپ میری بہن کو ستا رہے ہیں دیکھیں یہ.....''

''میں..... ناحق الزام لگا رہی ہیں آپ ہم تو خود زمانے کے ستائے ہوئے ہیں کسی کو ستانے کی جرات کیسے کر سکتے ہیں۔ آپ کو لگ رہا ہے کہ میں آپ کو ستا رہا ہوں۔'' اس نے براہ راست آنچل کو دیکھا۔ وہ سخت نروس ہو رہی تھی۔ بازل بھی واپس آ کر پوچھ رہے تھے۔

''دیور بھابھی میں ابھی تک کیا باتیں چل رہی ہیں؟''

''بازل مجھے تو کوئی چکر نظر آ رہا ہے ایسا لگتا ہے اسے کچھ ہوا ہے کہیں گرمی نے اس کے دماغ پر تو اثر نہیں کیا جو یہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں آپ کو کچھ علم ہے؟'' نازک نے شکایتی انداز میں کہنے کے ساتھ شرارت بھی کی تو بازل بھی دوستانہ انداز میں کہنے لگے۔

''لگ تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی رہا ہے صاحب بہادر جب سے آئے ہیں کہیں کھوئے ہوئے ہیں۔ آخر بات کیا ہے معارج!'' بازل نے بھی اس سے پوچھا۔

''بیرسٹر صاحب اپنی بحث کسی کلائنٹ کے لیے سنبھال کر رکھو کوئی چکر وکر نہیں ہے فی الحال مجھے بخشو آج تو ویسے ہی خیریت نہیں۔'' اس کے بولنے کے انداز پر آنچل کے سوا سبھی ہنس دیے وہ فوراً ہی خدا حافظ کہتا باہر نکل گیا۔

''انداز فرار بتا رہا ہے کہ مجرم کو اپنا جرم قبول ہے ورنہ.....'' بازل نے غیر ارادی طور پر آنچل کو دیکھا تو وہ اپنے آپ میں چور بن گئی اور پھر جیسے ہی اسے موقع ملا وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

''سوری گڑیا میری ضروری اپائنمنٹ نہ ہوتی تو میں بھی تمہارے ساتھ ضرور چلتا۔ میں تم دونوں کو ڈراپ کر دوں گا۔ مارکیٹ سے ٹیکسی آسانی سے مل جائے گی۔'' بازل نے پیشگی آنچل سے معذرت کی۔ وہ واپسی کا ارادہ رکھتی تھی اس لیے جانے سے پہلے کچھ شاپنگ کرنا چاہتی تھی۔

''یا پھر کل کا پروگرام رکھ لو کل میں فارغ ہوں۔''

''پرسوں تو میں واپس جا رہی ہوں بی بی جان کا کئی بار فون آ چکا ہے ہم ابھی چلتے ہیں ٹھیک ہے واپسی پر ٹیکسی یا رکشہ پر آ جائیں گے کیوں بجیا۔'' اس نے نازک سے تائید چاہی وہ بھی تیار تھی۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی مگر واپس جانے کے بارے میں رات کو بات ہوگی۔'' نازک نے اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے آنچل کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ آنچل نے بھی فی الحال کوئی بات کرنا مناسب نہ سمجھا خاموشی سے پیچھے بیٹھ گئی۔

بازل کی گاڑی گیٹ سے باہر نکل رہی تھی اور مقابل سے معارج اسامہ کی جیپ اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس نے بازل کی گاڑی کے آگے اپنی جیپ روکی۔ پھر فوراً نیچے اترا اور پھر لپک کر بازل کی طرف کا دروازہ کھول کر اس کے کالر سے پکڑ کر باہر نکالا۔

''یار یہ کیا بدتمیزی ہے تم جانتے ہو اندر میری سالی اور گھر والی دونوں موجود ہے کیا سوچیں گی میری عزت کے بارے میں۔'' بازل نے مصنوعی غصے سے اسے جھاڑا تو اس نے جھنجھلا کر اس کا کالر چھوڑ دیا۔

''تمہاری یہ اچھی شرافت ہے مجھے شام کو انوائیٹ کر کے خود فرار ہو رہے تھے اچھا ہوا بروقت میں پہنچ گیا ورنہ میری کیا عزت رہ جاتی۔ لوگ سمجھتے ہیں میں آج پھر بن بلایا مہمان بن کر ٹپک پڑا ہوں۔'' نازک فرنٹ ڈور سے پہلے ہی نکل کر ان کی طرف آ رہی تھی۔ آتے ہی اسے شرارت سے چھیڑا۔

''ایک تو آپ شیطان کی طرح نازل ہوتے ہیں غالباً آج تو آپ کی کزن کی برات ہے۔'' نازک کی مسکراہٹ پر وہ قدرے منہ بنا کر چڑ کر بولا۔

''دیکھ لو میری یہ عزت ہو رہی ہے تمہارے گھر میں۔ اب تو آپ کہیں بھی نہیں جا سکتیں اور برائے مہربانی ان فرشتہ صفت ہستی کو بھی باہر آنے کی زحمت دیں جن کے لیے آپ نے مجھے شیطان کا لقب دیا ہے۔'' معارج کے لہجے میں تو سنجیدگی تھی البتہ اس کی آنکھیں کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔ بازل نے بڑے زور سے اس کی کمر پر دھپ رسید کی۔

''بدتمیز انسان کبھی کسی کا لحاظ بھی کرلیا کرو پولیس والوں کی ساری عادتیں اپناتے جارہے ہو تم دیور بھابھی آپس میں جو چاہے کہو مگر میری بہن کو اپنی باتوں اور مذاق کا حصہ نہ بناؤ۔'' بازل نے اسے بہت کچھ سمجھانے اور باور کرانے کی کوشش کی تھی مگر وہ لاپرواہی سے کندھے جھٹک رہا تھا۔ آنچل کو بھی اس کی بات بری لگی تھی وہ خود ہی نیچے اتر آئی اور پھر نازک کو مخاطب کر کے بولی۔

''کل چلیں گے بجیا!'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا تو معارج خوش ہوگیا۔

''آپ سے زیادہ آپ کی سسٹر سمجھدار ہیں۔ اب تو اندر چلیے کچھ چائے وائے ہی پلائیے۔ میں تو کھانا کھانے کی امید لے کر برات کی کولڈ ڈرنک چھوڑ کر آیا ہوں مگر آج تو لگتا ہے آپ کھانے کا پوچھیں گی نہیں چلیے چائے ہی سہی۔'' معارج کے بولنے کا ایک مخصوص انداز تھا جب بولنے میں آتا تو بولتا ہی چلا جاتا تھا۔

آنچل نے خائف نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بلیک پینٹ فان کلر کی شرٹ میں کافی وجیہہ لگ رہا تھا۔ اس پر اس کا سوا چھ فٹ قد اس کی شخصیت کی سحر انگیزی میں اضافے کا باعث تھا۔ اس کی بولتی آنکھیں اس کی شریر طبیعت کو عیاں کررہی تھیں۔ آنچل نے اس کے جائزے پر دل میں خود ہی ندامت محسوس کی اور پھر نظریں جھکالیں۔ بازل نے عجلت بھرے انداز میں سب کو مخاطب کیا۔

''مجھے تو دیر ہورہی ہے اب تم ہی اس کی خاطر مدارت کرو بلکہ اس اے۔ ایس۔ پی کے بچے کی سزا ہے کہ تمہیں شاپنگ کے لیے لے جائے۔'' بازل اسے حکم دے کر جلدی سے اپنی گاڑی نکال کر لے گیا۔

''بندہ سزا بھگتنے کو تیار ہے چلیے بیٹھیے میری شاہی سواری میں آیئے۔'' نازک کے ساتھ اس نے آنچل کو بھی مخاطب کیا۔

''بجیا میں کل جاؤں گی۔'' آنچل قطعیت سے کہہ کر تیزی سے اندر بڑھ گئی۔

''آپ نے میری بہن کو ناراض کردیا ہے پندرہ دنوں میں اس نے پہلی بار کہیں جانے کی فرمائش کی تھی مگر.....'' نازک نے بھی اپنی خفگی کا اظہار کیا۔ معارج اس کے ساتھ اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ جس مقصد کے لیے آیا تھا وہ تو حل ہوگیا تھا۔ آنچل کو دیکھنے کی چاہ میں وہ کزن کی برات مس کر آیا تھا۔ آنچل کو دیکھ تو لیا تھا مگر تشنگی مزید بڑھ گئی۔ اس کا کشمکش سے گلابی پڑتا چہرہ ہنوز اس کے تصور میں متحرک رہا تھا۔

''آپ اجازت دیں تو میں آپ کی سسٹر کو چٹکی بجاتے منالوں۔'' معارج کے لب مسلسل شرارت سے مسکرا رہے تھے۔

''معارج بھائی میں پہلے ہی آپ سے کہہ چکی ہوں گڑیا کے حوالے سے میں کسی قسم کا مذاق

برداشت نہیں کرسکتی آپ کو میرے میکے کے ماحول کا اندازہ نہیں ہے پھر آنچل خود بھی بہت حساس ہے۔ ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کرسکتی ہمارے ہاں کزنز بھائیوں یا ان کے دوستوں سے بات چیت کرنے کا تصور بھی نہیں ہے۔ میرے گھر بھی نجانے کس مشکلوں سے آئی ہے۔'' نازک سنجیدگی سے بتانے لگی۔ معارج سنجیدگی سے سننے کے باوجود اپنے بے فکرے انداز میں بولا۔

''اب مجھے الہام تو نہیں ہوتا کہ میں لوگوں کے بارے میں جان سکوں۔ آپ نے بھی پہلے کبھی اپنی فیملی کے بارے میں نہیں بتایا تھا میں تو آپ کے حوالے سے انہیں ٹریٹ کرنے کی کوشش کررہا تھا کیا وہ واقعی اتنی نازک مزاج ہیں جتنی آپ بتارہی ہیں حالانکہ نام کی نسبت سے تو آپ کو نازک مزاج ہونا چاہیے۔''

''آپ نہیں سدھریں گے معارج۔''

''آپ رہنمائی کرتی رہیں گی تو سدھر جاؤں گا۔ ویسے ایک بات بتائیں آپ کیا یہاں آکر چینج ہوئی ہیں پہلے آپ بھی اپنی سسٹر جیسی تھیں۔'' معارج نے پھر آنچل کو موضوع گفتگو بنایا تو نازک اس کی توجہ محسوس کیے بغیر اسے بتانے لگی۔

''نہیں..... آنچل ہم سب سے مختلف ہے۔ اس نے وقت سے پہلے اپنے ماحول میں کمپرومائز کرلیا تھا۔ میرے خیال میں تو اچھا کیا تھا اسی لیے سبھی اس پر توجہ دیتے ہیں۔ اس کی سنتے ہیں اس کی مانتے ہیں ہماری بی بی جان سب کی بات رد کرسکتی ہیں مگر آنچل کی نہیں کیونکہ اس نے کبھی کوئی ضد نہیں کی مگر کوئی بات ناگوار خاطر لگے تو پھر یہ ضد پر اڑ بھی جاتی ہے۔ اسی لیے تو میں نے اب چلنے پر اصرار نہیں کیا ورنہ وہ کل بھی نہ جاتی۔''

''شکل سے تو وہ اتنی ضدی یا غصیلی نہیں لگتیں جتنا آپ بتارہی ہیں میں کچھ گلٹی فیل کررہا ہوں کیا وہ میری معذرت قبول کرلیں گی؟'' معارج کسی نہ کسی بہانے آنچل کو بلانا چاہتا تھا۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں تھی وہ آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانے گی کیونکہ آپ اس کے لیے اجنبی اور غیر ہیں۔ آپ کوئی ٹینشن نہ لیں۔''

نازک نے اس کا دھیان آنچل سے ہٹانے کے لیے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا پھر چائے کا کہنے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بازل کے باقی بھائی بھی اس کی میزبانی کو آموجود ہوئے تھے۔ ان کی خوشگوار باتوں کے باوجود اسے کوئی کمی محسوس ہوتی رہی۔ ان کے ساتھ کیرم کے بعد کارڈ کھیلتے ہوئے بھی آنچل کی ایک جھلک دیکھنے کی تمنا بار بار دل میں مچلتی رہی۔ مگر آنچل نے دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔

مجبوراً آٹھ بجے وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ سب کے روکنے پر بھی نہیں رک رہا تھا۔

آس کو یاس میں بدلتے اس نے شدت سے محسوس کیا تھا۔ بہت عجیب کیفیت میں مبتلا ہو کر وہ یہاں سے جا رہا تھا۔ جیپ تک آتے ہوئے تک بے اختیار اس کی آنکھیں لان کی طرف اٹھی تھیں ملگجا سا اندھیرا ہونے کے باوجود اس نے دور سے ہی آنچل کو پہچان لیا تھا اور پھر واپس قدم موڑ کر آنچل کے راستے میں بے ساختگی سے آ کھڑا ہوا تھا۔ اپنی پچیس سالہ زندگی میں وہ کبھی ایسی بے اختیاری کا شکار نہیں ہوا تھا۔ اس کی شکست ایک سولہ سالہ لڑکی کے ہاتھوں ہو گی اس کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ زندگی کے اس پہلو کو اس نے کبھی سنجیدگی سے سوچا بھی نہیں تھا لیکن چوبیس گھنٹوں میں اس کی زندگی اور دل کے معاملات یکدم پلٹ گئے تھے۔

آنچل بازل کے دوست کو سامنے دیکھ کر یک دم بوکھلا اٹھی۔ وہ تو پہلے ہی اس کی وجہ سے بد حواس ہوئی جا رہی تھی اب اسے راستے میں دیکھ کر مزید بدحواس ہو گئی تھی۔

''ایکس کیوزمی مس آنچل!'' معارج نے اپنے اندر امڈتی شوخیوں پر قابو پا کر اسے کچھ سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

''جی..... آپ؟'' آنچل کی آواز اس کی بوکھلاہٹ کی ترجمان تھی۔ اس کی جھکی لرزتی پلکیں اس کی بدحواسی اور دھڑکنوں کا شور بیان کر رہی تھیں۔

''آنچل آپ نے میری باتوں کا برا منایا آئی ایم ویری سوری رئیلی میرا مقصد آپ کی دل آزاری کرنا نہیں تھا میرا انداز بھابھی سے ایسا ہی مذاق چلتا ہے پلیز۔''

''میں اب جاؤں؟'' آنچل نے معصومیت سے اس کی بات کاٹ کر کہا تو وہ جیسے اس کی ادا پر مر مٹا۔ اس کے ہونٹوں پر دلاویز مسکراہٹ بکھر گئی۔

''اگر میں کہوں نہیں تو؟'' معارج نے ''تو'' پر زور دے کر کہا تو وہ مزید گھبرا گئی۔

''جی..... وہ مجھے کچھ پیکنگ کرنی ہے۔''

''اوہ پھر تو یقیناً آپ میرا سکون قلب بھی پیک کریں گی۔ حفاظت سے رکھیے گا پلیز ٹوٹ گیا تو بہت نقصان ہو گا۔''

وہ ایسی ناسمجھ نہیں تھی کہ مرد کی آنکھوں کا مفہوم نہ سمجھ سکتی۔ بات صرف اتنی تھی کہ آج تک ایسی باتوں سے اس کا واسطہ نہیں پڑا تھا اس لیے اسے ڈپٹنے جھڑکنے کے بجائے خود ہی گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی جیسے کسی بچے سے پوچھ لیا گیا ہو کہ چاند کیوں نکلتا ہے اور اس کے پاس جواب دینے کے لیے نہ ذہنی استطاعت ہو اور نہ ہی ذخیرہ الفاظ۔

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' اپنے تئیں اسے ڈانٹا تھا مگر وہ اس کی بوکھلاہٹ سے جیسے حظ اٹھا رہا تھا۔

''سب کو میری باتیں اچھی لگتی ہیں آپ کو بھی اچھی لگی ہیں ناں۔'' اس کی پرسکون زندگی میں یہ نیا تلاطم برپا ہوا تھا۔ آنچل کا بھاگ جانے کو دل چاہ رہا تھا مگر اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ معارج کے لیے تو یہ موقع غنیمت تھا وہ اپنی پرشوق نگاہوں کے ذریعے اپنے دل کی تشنگی مٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے معارج کی اپنے وجود سے الجھی نگاہیں تکلیف دے رہی تھیں۔ اس لیے خفگی سے بولی۔

''مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں میں بجیا کو بلواتی ہوں آپ ان سے کہہ دیں جو کہنا چاہتے ہیں۔'' آنچل کے اس طرح کہنے پر وہ مزید دو قدم اس کی طرف بڑھا پھر بے اختیار بولا۔

''پلیز..... پلیز ایسا غضب مت کرنا بس میں جا رہا ہوں تمہیں بعد میں سمجھا لوں گا کہ کیا کہنا چاہتا ہوں۔'' معارج نے بے تکلفی سے کہا اور پھر وہیں سے مڑ کر چلا گیا۔

آنچل اس کی بے تکلفی پر مزید حیران رہ گئی۔ معارج نے جیپ تک پہنچ کر الوداعی مسکراہٹ بکھیر کر آنچل کو دیکھا۔ پھر اسے سلیوٹ مار کر جیپ میں بیٹھ کر ریورس گیئر میں ڈال کر اپنی جیپ باہر لے گیا۔ آنچل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کالج میں ایک سال گزارنے کے باوجود ابھی اسے زمانے کے تقاضوں کی خبر نہیں تھی۔ وہ فطرتاً بددل واقع ہوئی تھی بی جان نے اسے اچھائی برائی کے جو معیار دیئے تھے اسے آنچل نے کبھی پرکھا نہیں تھا۔ دل و ذہن سے اسے مان لیا تھا۔ بی بی جان کی تربیت میں یہ بات بھی شامل تھی کہ لڑکیوں کے لیے بھائی کے علاوہ کسی لڑکے یا مرد سے بے تکلف ہونا جائز نہیں ہے۔ سو یہی بات اس کے پلے سے بندھی ہوئی تھی۔

وہ کم سن اور نادان تو ضرور تھی مگر اسے معارج کی نظروں کا مفہوم سمجھ آنے لگا تھا اور اس کی باتوں کا مفہوم بھی دل میں کوئی سویا احساس بیدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی کوئی خوف بھی تھا جو اسے گھیر رہا تھا۔

☆☆☆

معارج اسامہ تین بھائی تھے اور اس کا نمبر سب سے آخر میں تھا۔ سب سے پہلے بڑے بھائی وہاج اسامہ تھے جو اس وقت خود بھی جوان بچوں کے باپ تھے۔ ان کے تین بچے محبّ، افشین، نوشین تھے۔

پھر دوسرے نمبر پر فرہاج اسامہ تھے۔ جو الگ گھر میں رہتے تھے۔ فرہاج کی پیدائش سے بارہ سال بعد معارج کی آمد ہوئی تھی جس وقت معارج کی پیدائش ہوئی اس کے دونوں بڑے بھائی جوانی کی طرف قدم بڑھا رہے تھے۔ ان کی والدہ فرزین اسامہ ان کی پیدائش کے بعد ایسی

بیمار پڑیں کہ معارج کی دیکھ بھال سے بھی گئیں۔ ان کی بیماری کی اصل وجہ تو ان کی بیوگی تھی۔ معارج کی پیدائش کے چند ماہ بعد ہی ان کے شوہر اسامہ زید انہیں داغ مفارقت دے گئے تھے۔

شوہر سے جدائی کا دکھ انہیں اندر ہی اندر ختم کر گیا تھا۔ بس اب وہ زندگی کو گھسیٹ رہی تھیں۔ معارج کی پرورش بھی صحیح طریقے سے نہیں ہو رہی تھی۔ سب کے مشوروں اور باتوں کا رخ وہاج کی شادی کی طرف جاتا تھا۔ ماں کی بے بسی کے آگے آخر وہاج اسامہ کو عمر کے اکیسویں برس ازدواج میں بندھنے کا اختیار اپنی ماں کو دینا پڑا۔ فرزین اسامہ اپنے گھر کی بہاروں کے لیے قراۃ العین کو منتخب کر کے لے آئی تھیں۔ انہیں اس مایوسی کے عالم میں ایک مونس و غمخوار کی اشد ضرورت تھی جو قراۃ العین کی صورت میں انہیں میسر آ گئی تھی۔ اس لیے وہ جلد ہی معارج کو ان کے حوالے کر کے رخت سفر باندھ کر چل پڑی تھیں۔

قراۃ العین نے ان کے مان اور اعتماد کا ہمیشہ بھرم رکھا تھا۔ انہیں معارج اپنی اولاد سے زیادہ عزیز تھا۔ اپنے بیٹے اور بیٹیوں سے زیادہ انہوں نے معارج کی تربیت اور پرورش کا خیال رکھا تھا۔ اس کی ہر بات ہر کام میں وہ اس کی حمایت کرتی تھیں۔ وہ اپنے بزنس کی طرف توجہ دینے کے بجائے نوکری میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔

بھائیوں کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ سی۔ ایس۔ ایس کا امتحان پاس کر کے پولیس ٹریننگ کے بعد اے۔ ایس۔ پی لگا تھا۔ قراۃ العین بھابھی قدم قدم پر اس کو سپورٹ کرتی رہی تھیں۔ وہ بھی انہیں ماں سے بڑھ کر عزت و احترام دیتا تھا۔ لیکن فطرتاً شوخ اور شرارتی تھا۔ اس کی شخصیت خاندان بھر میں اور دوستوں کے حلقے میں ہمیشہ ہر دلعزیز رہی تھی۔ اس کی زندگی میں کئی ایسے مواقع آئے جب وہ ایک سے بڑھ کر ایک حسینہ کو نظر کے ایک اشارے سے دام میں گرفتار کر سکتا تھا مگر وہ وقتی شغل کر کے لطف اندوز ہوتا رہا تھا۔ آج اپنا دل کسی کم سن حسینہ کے زیر دام میں آیا تھا جس نے ایک لمحے میں اس کا صبر و قرار لوٹ لیا تھا۔ جس کی ایک جھلک پر اسے اپنی زندگی کی بساط الٹی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

☆☆☆

''آپ چل رہی ہیں یا نہیں؟'' معارج نے بھابھی کو ٹال مٹول پر قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا ہے معارج رات ہی تو فنکشن ختم ہوا ہے پہلی تھکن ہی نہیں اتری اب پھر کسی کے گھر منہ اٹھا کر چل دو نا بابا ناں مجھ میں ہمت نہیں ہے۔''

''کسی کے گھر؟ وہ میرا بہت پیارا دوست ہے اس کے گھر میں مجھے بھائیوں جیسی اہمیت

حاصل ہے۔''

''تمہیں تو ہونی ہی ہم کس گنتی ہیں نہ تین میں نہ تیرہ میں۔'' بھابی نے اسے معنی خیزی سے چھیڑا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھیں کہ وہ بازل کے گھر لے جانے پر بضد کیوں ہے۔

''آپ نہیں چل رہیں؟ میں آخری بار پوچھ رہا ہوں یہاں کسی کے خلوص کی کوئی ویلیو ہی نہیں ہے بازل نے کتنے اصرار سے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی اور آپ.....''

وہ خفگی سے بولتا ذرا دور جا کر بیٹھ گیا۔ پہلے ان کے قدموں میں بیٹھا ہوا تھا۔ محبّ انشی، نوشی سے اس کی خفگی برداشت نہیں ہوئی وہ بھی اپنے چاچو کے حامی تھے۔

''پلیز مما چلیں ناں چاچو آپ کے انکار سے ناراض ہو رہے ہیں۔ چاچو ہمیں کس مقصد کے تحت لے جا رہے ہیں جا کر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے آخر اب چاچو کی شادی تو کرنی ہی ہے ناں۔ چاچو نے اور لڑکی پسند کر لی ہے تو اچھی بات نہیں ہے۔'' محبّ نے چاچو کی حمایت کرتے ہوئے اپنی مما کو راضی کرنا چاہا۔

''یہ کوئی تک ہے نہ لڑکی والوں کی طرف کوئی پیغام بھجوایا نہ ان کی کوئی خبر ہے اور چلو لڑکی دیکھنے مجھ سے یہ پاگل پن نہیں ہوتا۔'' بھابھی مصنوعی خفگی سے بولتے ہوئے دل میں مسکرائیں۔ وہ معارج کی بے چینی سے لطف اٹھا رہی تھیں۔ معارج پھر ان سے قریب آ بیٹھا اور لجاجت سے بولا۔

''افوہ بھابھی ہم انہیں ابھی بتائیں گے نہیں کہ کس مقصد کے لیے آئے ہیں ہم تو وہاں نازک بھابھی اور بازل سے ملنے جا رہے ہیں۔ وہ آپ کو وہاں نظر آئے گی تو آپ دیکھ لیجیے گا اتنی سی بات ہے ایسا تو ہوتا ہی ہے۔'' معارج نے بے صبری سے سارا پروگرام سمجھایا۔

''میں نے کہا ہے ناں مجھ سے یہ ڈراما نہیں ہوگا تم پہلے بازل کے سسرال کا ایڈریس وغیرہ معلوم کر لو پھر میں ان کے گھر پیغام بھجوا کر ہی جاؤں گی۔''

''دیکھیے بھابھی آپ میرے ساتھ بہت زیادہ کر رہی ہیں اگر میں خود ہی پہنچ گیا ناں اپنا پیغام لے کر تو آپ کی عزت پر ہی حرف آئے گا۔ ساری عمر کی نیکیاں مٹی میں مل جائیں گی پھر مجھ سے شکایت مت کیجیے گا۔'' معارج نے انہیں بلیک میل کرنا چاہا۔

''جوتیاں کھانے کا ارادہ ہے تمہارا کون دے گا چھڑے چھانٹ کو بیٹی لوگ بیٹی دینے سے پہلے گھر خاندان دیکھتے ہیں آج کل لڑکے کو پہلے کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے پھر اس کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا ہے تم کس خوش فہمی میں ہو۔ بازل کا دوست ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بیٹی اٹھا کر ہمارے ہاتھ پر رکھ دیں گے۔'' قراۃ العین بھابھی نے اس کی طبیعت اچھی طرح صاف کی وہ ایک

دم چمک اٹھا۔

''آپ..... بھابھی مام مجھ میں ہمارے گھر، خاندان میں کیا کمی ہے۔ میں آدھا کانا ہوں کہ وہ مجھے پرکھیں گے۔ ٹھیک ہے مت چلیں پھر مجھ سے کبھی شادی کے موضوع پر بات بھی مت کیجیے گا۔ اتنے دنوں سے کان پک گئے تھے سن سن کر لڑکی پسند کرلو، لڑکی پسند کرلو اور اب.....'' وہ بڑبڑاتا ہوا ان سے دور جا کر بیٹھ گیا اور پھر بے دلی سے میگزین اٹھایا۔

''ہاں تو اپنے خاندان کی لڑکیوں میں سے کہا تھا۔ ان میں تمہیں سو کیڑے نظر آتے ہیں اب نجانے کس حور پری کو پسند کر آئے ہو جو آپے سے ہی باہر ہو رہے ہو صبر سے کام لینا تو تمہیں آتا ہی نہیں لیکن تم ٹھہرے پولیس والے ڈنڈے کے زور پر فوراً ہاں کرواؤ گے۔'' عینی بھابھی کی طبیعت تھکن سے پہلے ہی مکدر تھی اب اس کی باتوں اور بے صبرے پن کے مظاہرے سے وہ مزید الجھ رہی تھیں۔

''نہیں تھی کوئی بھی میرے معیار کی لڑکی، زبردستی پسند کر لیتا اور آپ دیکھنے چلتیں تو آپ کو پتہ چلتا کہ حور پری ہے یا اپسرا۔ مگر آپ کو میری خوشی کا کیا خیال ہے ابھی یہاں خاندان کی لڑکی کا معاملہ ہوتا تو مٹھائی کے ٹوکروں سمیت پہنچی ہوتیں۔'' وہ لڑاکا عورتوں کے انداز میں ہاتھ لہرا کر بولا۔ افشی اور محب بے چارگی سے ماں اور چاچو کی بحث سن رہے تھے۔ انہیں یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں میز بانوں کو ان کی باتوں کی بھنک نہ پڑ جائے بھابی کے چچا کا گھر تھا ان کے بیٹے کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے آئے تھے۔ معارج پر آنکھ رکھے ہوئے تھے اس شادی میں بھی بہ اصرار اسی لیے بلایا گیا تھا تاکہ معارج کی نظر التفات کسی پر پڑ جائے لیکن معارج کی نظروں نے تو کہیں اور حسن کی بارگاہ میں سجدہ ادا کر دیا تھا۔ بھتیجے بھتیجیاں اپنے چاچو کی پسند پر بنا دیکھے ہی راضی تھے۔

''وہاں بھی ٹوکروں سمیت ہی جاؤں گی بے فکر رہو مگر ابھی نہیں جب موقع ہوگا تب۔''

''آپ موقع بنائیں گی تو موقع آئے گا ناں مما آپ نہیں جا رہی ہیں تو ہم چلے جاتے ہیں ہم ہی دیکھ لیتے ہیں چاچو نے کسے پسند کیا ہے؟'' محب نے آخر مصالحت کی راہ نکالی۔

اب بھی معارج خوش نہیں ہوا۔ اس کے منہ کا زاویہ ہنوز بگڑا ہوا تھا۔ وہ کسی روٹھے بچے کی طرح منہ پھلائے میگزین کے صفحے الٹ پلٹ کرنے میں مشغول تھا۔ دل میں جو تغیر رونما ہوا تھا وہ اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ اس کا بس چلتا تو آنچل کو فوراً سے پیشتر اپنے ہمراہ لے آتا۔ بھابھی کو لے جانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ آنچل کو دیکھ کر جلد از جلد مراحل طے کر لیں۔ آنچل کی محبت کی تیزی سے اس کے دل میں روح میں اتری تھی اس پر وہ خود حیران تو تھا۔ عینی بھابھی سے اس کی برداشت نہیں ہوئی فوراً ہی مشروط انداز میں حامی بھری۔

''اچھا..... اچھا اب ایسی بری شکل بھی نہ بناؤ میں چل رہی ہوں مگر کان کھول کر سن لو اگر لڑکی مجھے پسند نہیں آئی تو پھر تمہارے بولنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔''

''آپ چلیے تو رئیلی آپ رخصت کروائے بنا نہیں مانیں گی۔'' معارج خوشی سے اچھل پڑا اور پھر ان کا ہاتھ تھام کر انہیں چلنے کے لیے کھڑا کیا۔

''تمہاری طرح بے صبری نہیں ہوں میں ہر بات قاعدے قانون کے ساتھ طے پاتی ہے مگر تم تو دیوانے ہوئے جا رہے ہو۔''

عینی بھابھی زیادہ دیر تک خود پر خفگی کا خول نہ چڑھا سکیں۔ وہ چل رہی تھیں اس کے لیے یہی بہت تھا اس لیے اب ان کی کوئی بات اسے بری نہیں لگ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ان چاروں کے ساتھ الفیض میں تھا۔

☆☆☆

شام ڈھل رہی تھی ملگجا اندھیرا چاروں طرف سے بڑھ کر نیچے شفاف آسمان کو اپنی آغوش میں سمیٹ رہا تھا۔ سرمئی سوٹ میں ملبوس آنچل ایسے ماحول کا حصہ بنی مغرب کی نماز کے بعد لان میں ٹہلنے میں مشغول تھی۔ لان کے آخری سرے پر ہونے کے باوجود اس کی چھٹی حس نے اسے مطلع کیا تھا معارج کی جیپ پورچ میں رکی ہے۔ اس نے اپنی تیز ہوتی دھڑکن اور دھڑکتے دل کو سنبھالتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔ معارج کی جیپ سے تین وجود برآمد ہوئے ان کے بعد ایک نوجوان چھلانگ مار کر اترا سب سے آخر میں معارج اپنے مخصوص انداز میں اترا۔

آنچل کے قدم وہیں تھم گئے۔ وہ اس طلسمی شخصیت کے مالک انسان سے جتنا بچنا چاہتی تھی وہ اتنا ہی سامنے آ رہا تھا۔ اسی لیے وہ جلد از جلد واپس اپنے گھر جانا چاہتی تھی مگر بازل بھائی مان ہی نہیں رہے تھے۔ معارج متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا، آگے بڑھنے لگا۔ لان میں کافی دور آنچل کو کھڑے دیکھ کر جیسے اس کی من کی مراد بر آئی۔ کچھ جذبات لفظوں کا روپ دھارنے کے لیے یکدم بے قرار ہوا اٹھے تھے اسی لیے اس نے محب کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

''یار تم انہیں لے کر اندر بڑھو میں ایک منٹ میں آیا۔''

''کیوں؟ آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' محب نے ناسمجھی سے سوال کیے۔

''اُفوہ یار سمجھا کرو ناں۔'' معارج نے کوفت بھرے انداز میں اسے ڈانٹا۔ وہ ایسا موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

''نو چاچو آپ کے بنا تو بالکل نہیں جائیں گے نہ جانے یہاں کس انداز میں پذیرائی ہو۔'' محب نے شرارت سے کہا۔

''بکواس نہیں کرو۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید غصے کا اظہار کرتا نازک اندر سے باہر آتی ہوئی نظر آئی۔ دور سے ہی استقبالیہ مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ قریب آ کر گرمجوشی سے بولی۔

''السلام علیکم!'' نازک نے شادی کے بعد خود کو کافی حد تک سسرال کے رنگ میں رنگ لیا تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد تعارف کا سلسلہ چل نکلا۔

نازک سب کو لے کر اپنے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ افشی نوشی اور محبّ کو متجسس نگاہیں مطلوبہ ہستی کو ڈھونڈنے کے بعد چاچو کو سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھیں اور معارج مطمئن رہنے کے اشارے کر رہا تھا۔

''آپ بیٹھیں میں بازل کو آپ لوگوں کی آمد کا بتا دوں دراصل وہ اس وقت اپنی سٹڈی میں ہیں۔ معارج جب تک آپ میزبانی کے فرائض انجام دیجیے آخر آپ بھی تو ہمارے ہی گھر کے فرد ہیں۔'' نازک نے سادگی بھری اپنائیت سے کہا تو محبّ مصنوعی طور پر گلا کھنکھار کر چاچو کو دیکھنے لگا۔ جواباً معارج نے اسے گھور کر دیکھا۔

''اس وقت تو میں بھی مہمان ہی بن کر آیا ہوں آپ ہماری میزبانی اپنی قائم مقام کو سونپ دیں۔'' سب اس کی بات سن کر مسکرا دیئے نازک اس کا اشارہ تو سمجھ گئی تھی مگر اس کی بات میں چھپی معنی خیزی نہ سمجھ سکی تھی۔

''آنچل تو شاید اس وقت کچن میں مصروف ہوگی میں بس ایک منٹ میں آتی ہوں پلیز آپ مائنڈ مت کیجیے گا۔'' نازک نے معذرت پیش کی اور پھر وہاں سے نکل گئی۔

''چاچو...... چاچو مجھے تو کوئی چانس نظر نہیں آ رہے آپ کی ان کے دیدار کے۔'' محبّ اٹھ کر معارج کے پہلو میں آ بیٹھا اور بڑی فکرمندی سے بولا۔

ڈیئر پارٹنر دیدار کیے بنا ہم بھی نہیں جانے والے، بے دھیانی میں معارج بھی اونچی آواز میں بولا۔ اس کی بات سنتے ہوئے بازل اور نازک اندر داخل ہوئے۔

کسی کے دیدار کی حسرت ہو رہی ہے جناب کو؟ بازل نے سب سے علیک سلیک کے بعد معارج کی طرف بڑھتے ہوئے استفسار کیا تو معارج یکدم بوکھلا کر بولا۔

''تمہارے دیدار کی، تمہیں دیکھنے کے لیے میرے لاڈلے بے چین ہوئے جا رہے تھے [illegible]؟'' معارج نے شرارتی مسکراہٹ محبّ کی طرف اچھالی تو وہ بھی معنی خیزی سے ہنس [illegible]

[illegible] سے اپنی ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو رہی تھی۔ بھابھی اور نازک کے درمیان خواتین کی

من پسند باتیں اور موضوعات چھڑ گئے تھے۔ بازل محبّ اور معارج سے باتوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ افشی نوشی دونوں بور ہونے لگیں۔ کسی کو بھی ان کی بوریت کا خیال نہیں تھا۔ بہت انتظار کے بعد ان کا صبر آزماتے ہوئے کامنی سی آنچل لوازمات سے بھری ٹرالی دھکیلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ ان سب کی نگاہیں اسی جانب اٹھ گئیں اور کوئی تو کیا دیکھتا معارج کو ہی اپنی بے اختیاری پر اختیار نہیں تھا۔

آنچل بہت سنجیدگی سے سب کو باری باری کولڈ ڈرنک سرو کر رہی تھی۔ معارج کا نمبر سب سے آخر میں تھا۔ اس سے صبر نہیں ہوا تو آنچل کو شرارت سے دیکھتے ہوئے نازک کو مخاطب کیا۔

''بھابھی لگتا ہے میری باری نہیں آئے گی شاید یہ مجھے مہمان نہیں سمجھ رہی۔''

''بھائی صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے گڑیا ایسا کرو اس بے صبرے کو جگ ہی پکڑا دو ورنہ یہ یونہی شکوے کرتا رہے گا۔

بازل کے برجستہ جواب پر وہ منہ بنا کر رہ گیا آنچل نے کسی قسم کے تاثر کے بغیر اسے گلاس تھمایا۔ ہاتھوں کی لرزش سے معارج کی ہتھیلی پر مشروب چھلک گیا تھا۔ سوائے محبّ کے کوئی بھی اس طرف متوجہ نہیں تھا۔ معارج اس کی چادر کے کونے سے ہاتھ صاف کر کے بولا۔

''سوری میں رومال لانا بھول گیا تھا اور ٹشو کے لیے آپ کو زحمت کرنا پڑتی۔'' اس کی بات سنتے ہی آنچل تو پلٹ کر باہر چلی گئی جبکہ محبّ کو مصنوعی کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

''بازتم اپنی سسٹر ان لاء سے بہت زیادتی کر رہے ہو وہ تمہارے گھر پر مہمان بن کر آئی ہیں اور تم میاں بیوی نے انہیں اپنا کک ہی بنا لیا ہے شرم کرو کچھ۔'' بازل فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''میں اس سلسلے میں بری الذمہ ہوں۔ یہ دونوں بہنوں کا معاملہ ہے۔ خود گڑیا نے یہ ذمہ داری سنبھالی ہے تم کیوں اس کی فکر میں دبلے ہوئے جا رہے ہو پرسوں تو بڑے مزے سے سب کچھ کھا کر ڈکار مار رہے تھے۔'' بازل کی اور اس کی بے تکلفی بھی حد سے زیادہ تھی۔ پھر بازل کو اس کا انداز بھی مشکوک لگ رہا تھا۔ اسی لیے اس سے پوچھ رہے تھے۔

''کچھ نہیں میں تو ایسے ہی ایک بات محسوس کر کے کہہ رہا تھا بلکہ آئندہ یہاں مہمانوں کا مقام سوچ کر اپنی فکر ہونے لگی تھی۔'' معارج نے فوراً ہی بات بنائی۔

نازک بھی عینی بھابھی کے سامنے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''دراصل آنچل کو ہر کام کا خبط سوار رہتا ہے ہر نئی ڈش بنانے کی اسے جلدی ہوتی ہے۔ ہم بڑی تینوں بہنوں کو کچن کے نام سے ہی کچھ ہونے لگتا ہے اور یہ بڑے آرام سے تین تین گھنٹے کچن

میں گزار لیتی ہے۔ آج تو آپ لوگوں کی وجہ سے کچن میں موجود ہے پرسوں تو ویسے بھی گڑیا واپس گھر جا رہی ہے۔''

نازک کے منہ سے آنچل کی واپسی کی خبر سن کر معارج ٹھٹکا بار بار پہلو بدل بدل کر اس نے بھابھی کو متوجہ کیا۔ کئی بار کھانسا پھر جا کر عینی بھابھی اس کا اشارہ سمجھیں اور آنچل کے بارے میں گفتگو کرنے لگیں۔ بازل کا کوئی کلائنٹ آ گیا تھا اسی لیے وہ معذرت کر کے تھوڑی دیر کے لیے اٹھ گیا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو معارج اس کے یوں جانے پر لازمی بازل سے لڑ پڑتا۔ مگر اس وقت اسے صرف ذکر محبوب سننے کا شوق تھا۔ نازک اپنے گھر بی بی جان بھائی اور آنچل کے بارے میں تفصیل فراہم کر رہی تھی۔

آنچل کے بارے میں عینی بھابھی خود ہی کرید کرید کر پوچھ رہی تھیں۔ کیا کرتی ہے؟ کہاں پڑھا ہے؟ انگیجڈ ہے یا نہیں۔ شادی کا ارادہ کب تک ہے؟ معارج سکون سے بیٹھا ڈائننگ روم میں رکھی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ نو بجے کھانا لگنے کی اطلاع ملی تو سبھی ڈائننگ روم میں جمع ہو گئے۔ بازل کے سبھی بھائی بھی موجود تھے۔ البتہ نازک کے ساس سسر اپنے کمرے میں زیادہ وقت گزارتے تھے۔ ان کے کھانے پینے کے اوقات بھی مختلف تھے۔

آنچل اور نازک نے مل کر کھانے کی میز کو ترتیب دیا۔ سب ہی آنچل کے بنائے ہوئے کھانے کی تعریف کر رہے تھے۔ افشی نوشی تو ویسے بھی اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا چکی تھیں اور اب اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ معارج کھانے کے دوران بھی اپنی آنکھوں سے آنچل کے گرد حصار کھینچے ہوئے تھا۔ معارج کی نظریں بار بار آنچل کے جھکے سر پر آ ٹھہرتی تھیں۔ آنچل نے سارے وقت میں نظریں ہی نہیں اٹھائی تھیں۔

کھانے کے بعد نازک دوبارہ اپنے وسیع ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ افشی، نوشی اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ عینی بھابھی کو بھی آنچل بہت پسند آئی تھی۔ وہ اب براہ راست اپنا عندیہ بیان کر رہی تھیں۔ افشی اور نوشی اس پر چاچو کے حوالے سے انکشاف کرنا چاہتی تھیں تبھی ملازم لڑکے نے آ کر اسے اطلاع دی کہ اس کے گھر سے فون آیا ہے۔ آنچل کے جانے کے بعد عینی بھابھی نے واضح لفظوں میں آنچل کے لیے بات کی۔

''مسز بازل اگر ہم آنچل کو اپنی بیٹی بنانا چاہیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟'' نازک عینی بھابھی کی بات سن کر دل ہی دل میں حیران ہوئی آج ہی وہ آنچل سے مل رہی تھیں اور آج ہی اس کے لیے دست سوال دراز بھی کر رہی تھیں۔ نازک کو جواب دینے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ خاصے الجھے سے انداز میں جواب دینے لگیں۔

''میں اس معاملے میں کیا کہہ سکتی ہوں اس سلسلے میں تو بی بی جان ہی کچھ کہہ سکیں گی ویسے ابھی تو آنچل نے صرف فرسٹ ایئر ہی کلیئر کیا ہے ابھی اتنی جلدی ممکن تو نہیں ہے کہ بی بی جان اس بارے میں سوچیں۔'' نازک کی باتوں میں ناامیدی تھی۔

''ایسی بات تو نہ کریں میں تو ایک جھلک دیکھ کر ہی بہت کچھ سوچ بیٹھی ہوں۔ ابھی بے شک شادی کا ارادہ رکھتی ہوں منگنی پر تو آپ کی بی جان راضی ہو ہی جائیں گی۔''

''میں بی بی جان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی آپ کوشش کر لیں میں آپ کی فیور کر دوں گی بس اتنا ہی کر سکتی ہوں۔'' نازک کو خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح جواب دے۔

معارج بظاہر تو عادل وغیرہ کے ساتھ کارڈ کھیل رہا تھا مگر اس کی ساری توجہ آنچل پر تھی۔ آنچل کے وہاں سے جاتے ہی وہ بھی بے چین ہو گیا۔ اسے محفل کا رنگ ایک دم پھیکا لگنے لگا تھا۔ آنچل سے بات کرنے کی بے چینی سوار ہوتے ہی وہ اپنے کارڈ محبت کو پکڑا کر بولا۔

''ایکسکیوزمی برادر میں ابھی آتا ہوں تب تک یہ تمہارا پارٹنر ہے۔'' معارج نے محبت کو آنکھ دبا کر شرارت سے دیکھا اور پھر وہاں سے نکل آیا۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے وہ سیدھا کوریڈور میں آ گیا۔ اسے اندازہ تھا کہ آنچل یہیں فون سن رہی ہوگی۔ آنچل سٹول پر بیٹھی ریسیور کان سے لگائے باتوں میں مصروف تھی۔ دوسری طرف لائن پر اس کی بھابھی تھیں۔

''پرسوں انشاء اللہ روانہ ہو جاؤں گی بھابھی! بازل بھائی تو ابھی بھی نہیں آنے دے رہے۔'' معارج اس سے فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی سماعتیں آنچل کی آواز کی شیرینی محسوس کر رہی تھیں۔ وہ ابھی معارج کی موجودگی سے بے نیاز تھی۔

''نہیں..... نہیں بھابھی آپ سچ مانیں آپ کے بنا یہاں رہنے کا ذرا بھی مزا نہیں آیا۔ میں یہاں آ کر بہت زیادہ بور ہوئی ہوں ہاں پرسوں تک آ رہی ہوں۔'' وہ اس وقت بلا جھجک بول رہی تھی۔ معارج کو اس کی آواز کے علاوہ باتوں میں بھی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

''بھابھی آپ کے لیے ایک سرپرائز لے کر آ رہی ہوں..... اوں..... ہوں ابھی نہیں بتاؤں گی آؤں گی تو دکھاؤں گی۔'' اس بار وہ بے ساختہ ہنسی تو معارج کو اس کی ہنسی جلترنگ بجاتی محسوس ہوئی۔ اسے متوجہ کرنے کی خاطر معارج نے مصنوعی طور پر گلا صاف کیا۔ اس کی آواز سن کر آنچل فوراً بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ معارج اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے بے اختیار ہنس دیا۔ اس کی ہنسی فون پر دوسری طرف بھی سنی گئی تھی اس لیے شاید آنچل سے پوچھا گیا تھا اور وہ جھوٹی وضاحت دے رہی تھی۔

''وہ بھابھی! عادل بھائی بھی ہیں انہیں شاید فون کرنا ہے میں فون رکھ رہی ہوں خدا حافظ۔''

آنچل فوراً ریسیور کریڈل پر رکھ کر مڑی اور پھر تیزی سے وہاں سے نکلنا چاہتی تھی مگر معارج راستے میں اس طرح کھڑا تھا کہ اس کا نکلنا محال تھا۔

''راستہ چھوڑیں پلیز۔'' وہ اسے دیکھ کر بہت زیادہ گھبرا گئی تھی نجانے کیسا فسوں اردگرد پھیلا تھا کہ اسے اپنے حواسوں پر اختیار نہیں رہا تھا۔ معارج دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے اسے چھیڑنے والے انداز میں بولا۔

''آنکھیں تو آپ کی بہت بڑی ہیں لیکن لگتا ہے شناخت کرنا نہیں جانتی۔ آپ جانتی ہیں میں عادل نہیں ہوں۔'' معارج نے اس کا راستہ مزید روک کر ٹانگیں بھی پھیلائیں اور دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

''جی..... جی۔''

''آپ نے جھوٹ کیوں بولا فون پر یقیناً آپ کی بھابھی تھیں ہے ناں۔''

''جی.....'' وہ بمشکل بول پائی۔ ٹانگیں بالکل شل ہو رہی تھیں۔ نظریں اٹھا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی۔

''جھوٹ بولنے والا مجرم اور گنہگار ہوتا ہے اور آپ میری مجرم ہیں۔'' معارج نے شرارت بھری آنکھیں اس پر مرکوز کر کے کہا۔

''جی.....؟'' آنچل کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی۔

''عنقریب ہی آپ کا کیس کورٹ میں پیش کیا جائے گا میری تو یہی کوشش ہو گی کہ اپنے مجرم کو جلد از جلد عمر قید کی سزا دلوں۔''

''میں نے کوئی جرم نہیں کیا آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' آنچل کو یہ علم تو ہو ہی گیا تھا کہ وہ اے۔ ایس۔ پی ہے۔ مگر اس کی باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں کہ آخر وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے اس نے بھابھی سے مصلحتاً جلدی میں جھوٹ بولا تھا تو یہ کوئی ایسا جرم تو نہیں تھا کہ اسے سزا ملتی۔

اس کے معصوم دل میں ہزاروں وسوسے جاگ رہے تھے اور سب سے زیادہ خیال یہاں کسی کے آجانے کا تھا۔

''اکثر مجرم رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے باوجود ایسا ہی کہتے ہیں۔'' معارج نے اس بار ذرا سنجیدگی سے کہا۔

''آپ یقین کریں میں سچ کہہ رہی ہوں میں نے جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا میں یہی سمجھی تھی کہ عادل بھائی ہیں۔'' آنچل نے لرزتے لہجے میں بڑی معصومیت سے صفائی پیش کی۔ معارج نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے اسے مزید ڈرایا۔

''چلیے یقین کر لیا اور اس جرم سے آپ کو بری الذمہ بھی کر دیا مگر پھر بھی آپ میری مجرم ہیں۔''

''اب میں نے کیا کیا ہے؟'' آنچل نے حیرت سے لرزتی پلکوں کو اٹھایا تو دو براؤنش بلیک آنکھیں خود پر مرکوز پائیں۔ اس بار معارج سے اپنی ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گئی۔

''اس لیے کہ آپ میرے دل کی چور ہیں اور یہ جرم قابل معافی نہیں ہے آپ سزا کی مستحق ہیں۔'' آنچل کو ہنوز کسی کے آنے کا دھڑکا لگا تھا اس لیے معارج کی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ بس ایسے ہی اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ بڑی معصومیت سے روہانسی ہو کر بولی۔

''میں نے کچھ بھی نہیں کیا آپ ایسے ہی۔''

''جب پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ تم نے کیا کیا ہے اور سنو میرے خلاف بیان دینے کی صورت میں تم خود ذمہ دار ہو گی انڈر سٹینڈ۔''

معارج ڈانٹنے کے انداز میں بولتا تھوڑا آگے بڑھ کر دوپٹے کے کونے کو پکڑ کر اس کے بہتے آنسو صاف کرنے لگا۔ یہ سب میکانکی انداز میں ہوا کہ وہ کوئی احتجاج بھی نہ کر سکی۔ البتہ اس کے ماتھے پر ناگواری سے بل پڑ گئے تھے اور وہ ہراساں ہو کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میرا راستہ چھوڑیں۔'' آنسوؤں سے اس کی آواز گھٹ گئی تھی۔ معارج کو اس پر ترس آ گیا تو ایک طرف ہٹ گیا۔

معارج کے راستہ دینے پر وہ تیزی سے کوریڈور عبور کر گئی۔ معارج کی باتوں نے اسے بہت زیادہ الجھا دیا تھا۔

اگلے دن ہی ضد کر کے وہ پنڈی کے لیے روانہ ہو گئی۔ حالانکہ عینی بھابھی کا اس سے اگلے دن جانے کا ارادہ تھا اور انہوں نے اپنے ہمراہ لے جانے اور بحفاظت پہنچانے کی ذمہ داری بھی لی تھی۔ کیونکہ وہ لوگ بھی اسلام آباد میں مقیم تھے مگر آنچل نہیں مانی تھی۔ نازک اور بازل بھائی خود اسے ایک دن کی فراغت نکال کر چھوڑنے آئے تھے۔

پنڈی اپنے گھر آ کر بھی ایک نہ معلوم احساس اس کے اردگرد حصار کھینچے رہا تھا۔ دو سیاہی مائل براؤن آنکھیں ہر وقت اپنے آس پاس ہی معلوم ہوئیں۔ بہت مشکل سے اس نے خود کو سنبھال کر تمام خیالات جھٹکے اور اپنے معمولات میں لگ گئی رزلٹ کے آتے ہی وہ پھر سے کالج اور کتابوں میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

وہ جب لاہور سے ہو کر آئی تھی اس نے محسوس کیا تھا گھر میں کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ جسے

سب ہی اس سے چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کے لیے یہ ایسی بات نہیں تھی اور نہ ہی وہ متجسس تھی کیونکہ بی بی جان کے نزدیک ابھی وہ اہم معاملات جاننے کی اہل نہیں ہوئی تھی سو اسے بھی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

ایک روز عاصمہ نے خود ہی خوشی خوشی اسے اطلاع دی کہ اس کے لیے کوئی پرپوزل آیا ہوا ہے۔ جو زیرِ غور ہے۔ وہ تو سنتے ہی حیران رہ گئی۔ اس نے اپنی زندگی کے اس پہلو کے بارے میں تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ ابھی تو اسے اپنی عمر کے رموز سمجھ نہیں آرہے تھے۔ نئے پرانے احساسات اسے الجھنوں میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔

''ابھی..... کیوں بھابھی؟'' وہ رونے لگی۔ بھابھی عاصمہ اس کے رونے پر پیار سے اسے سمجھانے لگیں۔

''پاگل لڑکی رو کیوں رہی ہو ہر لڑکی کی زندگی میں جلد یا دیر سے یہ وقت تو ضرور آتا ہے اور پھر تم تو بڑی خوش نصیب ہو پہلا پرپوزل ہی ایسا زبردست آیا ہے کہ میرا بس چلتا تو فوراً ہاں کر دیتی مگر بی بی جان کو چھان بینے کرنے کی سوجھی ہے۔ ایسا اسمارٹ شاندار بندہ ہے اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے۔'' بھابھی نے محبت سے اسے دعا دیتے ہوئے چپ کرانے کی کوشش کی مگر وہ روتی رہی بھابھی نے بھی اس سے زیادہ اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس کے اردگرد نامعلوم احساس پھر سے بیدار ہو گیا تھا۔ سب سے زیادہ دکھ اسے اس بات کا تھا کہ ابھی تو اس کی تعلیم نامکمل تھی۔ بی بی جانؒ کو چاہیے تھا وہ فوراً انکار کر دیتیں مگر وہ چھان بین کرانے لگی تھیں۔ اسی بات نے اسے دل برداشتہ کر دیا تھا۔

ان دنوں میں نازک کے فون بھی متواتر آرہے تھے۔ نجانے وہ کیا مذاکرات کر رہی تھیں۔ ایک دن تو بازل اور نازک خود ہی چلے آئے۔ بازل کو اپنی بہت سی مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر دوست کی خاطر آنا پڑا۔ آنچل کو بالکل بھی خبر نہیں تھی کہ بجیا کس مقصد کے لیے آئی ہیں۔

''بی بی جان وہ بہت اچھا لڑکا ہے بازل بچپن سے جانتے ہیں۔ پھر برسرِ روزگار ہے آج کل اچھے رشتے ملنا کتنا محال ہے آپ تو جانتی ہیں۔'' نازک نے بی بی جان کو قائل کرنے کے لیے اپنی سی کوشش کی۔

''تمہارے خیال میں ابھی آنچل کو شادی کے بندھن میں باندھ دینا مناسب ہوگا؟'' بی بی جان نے بڑی سنجیدگی سے داماد کو مخاطب کیا۔

''بی بی جان ہماری گڑیا ماشاء اللہ سمجھدار ہے آج نہیں تو کل تو آپ کو رخصت کرنا ہی ہے اگر آج مناسب رشتہ ہے تو پھر ہمیں انتظار نہیں کرنا چاہیے آپ بسم اللہ کریں۔'' بازل پکے پکے

معارج کے حمایتی بن کے آئے تھے۔

''آنچل ابھی پڑھ رہی ہے تم سب جانتے ہو وہ آگے بھی پڑھنا چاہتی ہے میں اس کا یہ جائز حق تو نہیں چھین سکتی۔'' بی بی جان بھی وقت سے پہلے آئے اس رشتے سے کچھ پریشان ہو گئی تھیں۔

''بی بی جان ابھی وہ لوگ صرف منگنی کے لیے کہہ رہے ہیں آنچل اپنے شوق سے جتنا پڑھنا چاہتی ہے پڑھ لے ظاہر ہے ہم رخصتی تو اس کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد کریں گے۔ اس طرح سب کو معلوم بھی ہو جائے گا کہ آنچل کی نسبت طے ہے۔'' نازک نے بی بی جان کی فطرت کے مطابق بہت طریقے سے بات کی۔ بی بی جان بھی جیسے قائل سی ہو گئیں۔ اپنے رشتے داروں میں وہ آنچل کی شادی کرنا بھی نہیں چاہتی تھیں یہ بات تینوں بیٹیاں جانتی تھیں۔

''اچھا تم لوگوں کی یہی مرضی ہے تو ٹھیک ہے اپنی بہنوں کو بھی بلوا کر مشورہ کر لو بعد میں مجھے نہ کوئی کچھ کہے۔'' بی بی جان کے چہرے پر بڑی دیر بعد اطمینان بھری مسکراہٹ بکھری تھی۔ نازک نے فاتحانہ نظروں سے شوہر کو دیکھا تو وہ سرگوشی کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں ذرا اس بے صبرے کو خوشخبری سنا دوں۔'' نازک بھی اٹھ کر آنچل کے کمرے میں آ گئی جو ابھی ابھی سہیلی سے نوٹس لے کر لوٹی تھی۔

''گڑیا یہ تم نے کیا چکر چلایا ہے ایمان سے وہ تو ایک پل بھی صبر نہیں کر رہا۔''

''کون بجیا؟'' آنچل کا دل دھڑکا اور اس کے ہاتھ سے بال سنوارتے ہوئے سر پر ہی رہ گئے۔

'بھئی وہی تمہارا ہونے والا وہ.....'' نازک نے شرارت سے کہتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ کر چٹکی بھری تو وہ دوہری تکلیف میں روہانسی ہو گئی۔ ایک چٹکی کی تکلیف تھی اور دوسری بجیا کا الزام۔

''بجیا آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں میں نے کچھ نہیں کیا آپ یقین کریں۔'' اس نے بے اختیار آنسو بہاتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی تو نازک اس کے رونے پر ذرا سی سنجیدہ ہو گئی۔

''ارے یہ آنسو بہانے کا کون سا موقع ہے۔'' پھر نازک نے اسے گلے لگا کر تھپتھپایا۔

''بجیا پلیز مجھے ابھی پڑھنا ہے آپ بی بی جان سے کہیں کسی کا بھی پرپوزل قبول نہ کریں۔''

''کیوں نہ کریں بھئی جس کا پرپوزل آیا ہے وہ تو کچھ کر بیٹھے گا اور پھر ہم تمہیں ابھی رخصت نہیں کر رہے جب تعلیم مکمل کر لو گی پھر ہی رخصت کریں گے۔ یہ تو معارج کی بے چینی دیکھ کر بی بی جان کو ابھی منگنی کے لیے راضی کیا ہے۔'' معارج کا نام سن کر جیسے اسے کسی برقی رو نے چھو لیا

ہو۔ وہ فوراً ہی نازک کے گلے سے لگ ہو کر سراسیمگی سے پوچھنے لگی۔

''کون معارج؟'' اسے بہت سی باتیں یکدم یاد آنے لگیں۔

''تمہیں کسی نے نہیں بتایا؟ بھئی معارج بازل کا دوست لاہور ہی میں تو اس نے تمہیں دیکھا تھا اس نے پروپوزل بھجوایا ہے اس کی بھابھی دو دفعہ آ بھی چکی ہیں۔'' نازک ششدر تھی کہ گھر میں رہتے ہوئے بھی وہ ہر بات سے انجان تھی۔

آنچل معارج کا نام سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ اس کی عجیب و غریب باتوں کا مفہوم اب اس کی سمجھ میں آیا تھا۔ اس کی طلسمی شخصیت نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا وہ تو اس کی ایک بات سمجھ نہ سکی تھی اور گھر والے زندگی بھر اس کی باتیں سمجھنے کے لیے اس کے حوالے کرنے کے پروگرام بنا رہے تھے۔

گھر میں عجیب سی افراتفری مچ گئی تھی اس کی دونوں بڑی بہنیں جو اسی شہر میں مقیم تھیں وہ بھی بال بچوں سمیت آ پہنچی تھیں اور بہت زیادہ خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ اس نے نازک سے سنا تھا کہ وہ فوراً ہی منگنی کی رسم ادا کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں اور اگلے دن ہی رسم ادا کرنے آ بھی رہے ہیں۔ اس جلدی کی وجہ اس کی سمجھ میں تو نہیں آ رہی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن صبح ہونے کے باوجود وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ وہ سب سے جھجھک اور شرم محسوس کر رہی تھی۔ جب بھی کوئی کہتا کہ آنچل کو لاہور میں پسند کیا گیا ہے تو وہ چور سی بن جاتی تھی۔ یہ ساری صورت حال اس کے لیے بالکل انوکھی تھی اس کے دل میں نہ نرم و نازک احساسات بیدار ہوئے تھے اور نہ ہی آنکھوں میں وہ پہلے خوابوں نے بسیرا کیا تھا۔ نہ ہی جذبوں نے اپنا رنگ بدلا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی انہونی ہو رہی ہے۔ بولنے کی ہمت تو اس میں تھی نہیں اور بی بی جان کے سامنے لفظ احتجاج بلند کرنے کا مقصد تھا کہ ان کے برسوں سے دبے غصے اور عتاب کو دعوت دی جاتی۔ بی بی جان نے بھی سوچ سمجھ کر ہی اس کی منگنی کا فیصلہ کیا تھا۔

معارج کی تعریف داماد نے کی تھی اور داماد پر انہیں پورا بھروسہ تھا پھر دیکھنے میں بھی معارج انہیں کافی بھلا لگا تھا۔ آنچل کے لیے انہیں ایسے ہی پڑھے لکھے لڑکے کی تمنا تھی۔ اسی لیے بی بی جان مطمئن تھیں۔

معارج کے گھر والوں کو سہ پہر کے بعد بلایا گیا تھا۔ ان کی آمد سے پہلے ہی بی بی جان نے سارے انتظام کر لیے تھے۔ بی بی جان ان کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ اپنی طرف کے بھی خاص خاص رشتہ داروں کو انہوں نے بلا لیا تھا۔

سہ پہر کے بعد معارج کے تمام اہل خانہ اور چند ایک خواتین آئیں۔ آنچل کو ان کے لائے ہوئے سی گرین ملبوس اور پھولوں کے زیورات سے آراستہ کیا گیا تھا۔ نوشی اسے مکمل طور پر تیار دیکھ کر خوشی سے بے چین ہو گئی۔ آنچل نے پہلی بار میک اپ کیا تھا اس لیے اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ نوشی سے جب اپنی بے چینی برداشت نہ ہوئی تو وہ بھائی کے پاس آ گئی۔

''بھائی ذرا چل کر آنٹی کی تصویریں تو اتار لیں ریئلی آنٹی بہت بیوٹی فل لگ رہی ہیں۔ ویری ویری کیوٹ چاچو صحیح بے تاب تھے اگر وہ ساتھ ہوتے تو ضرور ساتھ ہی لے جاتے مگر افسوس وہ یہاں نہیں ہیں۔'' نوشی کی آنکھیں چاچو کی محبت میں چمک رہی تھیں اور ان کے نہ ہونے پر افسوس بھی تھا۔

محب نوشی کے ساتھ اس طرف آ گیا جہاں سب خواتین آنچل کو گھیرے ہوئے تھیں۔ محب کو بڑی مشکل سے تصویریں اتارنے کا موقع ملا۔ آنچل کو بار بار زاویہ بدلنے کو کہتا۔ مختلف پوز بنواتے ہوئے اس نے پولورائیڈ کیمرے سے اور دوسرے کیمرے سے تصویریں اتاریں۔ وہ جب بھی آنٹی کہہ کر مخاطب کرتا آنچل کی کزنز ہنسنے لگتیں۔ وہ آنچل کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہو رہی تھیں۔ انہیں بار بار محب کا آنٹی کہنا عجیب سا لگ رہا تھا جو اسے آنٹی کہہ رہے تھے وہ خود اس سے عمر میں بڑے تھے رسم ادا ہوتے ہوئے تو محب نے اسے زچ کر دیا۔

''آنٹی پلیز تھوڑا سا مسکرائیں، آنٹی مما کی طرف دیکھیں، آنٹی میری شکل بری تو نہیں ہے میری طرف بھی دیکھیں۔ آنٹی اپنا دوپٹہ تھوڑا سا پیچھے کریں۔'' اس کے رنگ برنگے جملے سن سن کر آنچل روہانسی ہو گئی تھی اس کا بس چلتا تو وہ فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں بھاگ جاتی۔ تصویروں کا کوٹہ پورا ہوتے ہی وہ فوراً ہی وہاں سے رفو چکر ہو کر قریبی ریسٹورنٹ میں پہنچا جہاں معارج دل بیتاب دیدۂ شوق لیے بیٹھا تھا۔ محب کو آتے دیکھ کر معارج نے فوراً سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا۔ محب خاموشی سے آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''کام ہوا؟'' معارج کے لہجے میں بڑی خوبصورت سی کھنک تھی۔

''کہاں چاچو انہوں نے تو ایک تصویر بھی نہیں اتارنے دی آپ کہاں پھنس گئے بہت بیک ورڈ لوگ ہیں۔'' محب نے معصوم سی شکل بنا کر کہا تو معارج فوراً ہی جوش میں میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''میرے ساتھ چلو دیکھتا ہوں کیسے نہیں اتارنے دیتے۔'' اس نے پھر اسی جوش، غصے میں اٹھتے ہوئے محب کا بازو پکڑ کر اٹھانا چاہا۔

''ارے چاچو آپ بیٹھ کر میری پوری بات تو سنیں اور یہ بھی یاد رکھیں کہ وہ آپ کی سسرال

ہے آپ کا پولیس اسٹیشن نہیں ہے۔'' محبّ چاچو کے غصے پر اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

''بتاؤ کیا بات ہے؟'' معارج کا موڈ یکدم آف ہو گیا تھا۔ تمام خوبصورت جذبات غصے کی تہہ تلے دب گئے تھے اس نے نیا سگریٹ سلگایا۔

''وہ سب تو مان گئے تھے لیکن.....'' محبّ نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کی اور اس کی بے چینی کو مزید ہوا دی۔

''لیکن کیا کچھ آگے بھی بکو۔'' معارج کا لہجہ کوفت سے مزین تھا۔

''لیکن چاچو وہ آنٹی ہی نہیں مانیں میں نے تو ان سے کہا بھی تھا کہ چاچو نے مجھے اسپیشلی بھیجا ہے لیکن انہوں نے تصویریں اتروانے سے انکار کر دیا کہتی ہیں شرع میں جائز نہیں ہے ایک بات بتاؤں آنٹی بہت کیوٹ لگ رہی تھیں۔''

''شادی ہو جانے دو پھر دیکھنا کیسے اس کا نخرہ نکالوں گا۔'' معارج کو واقعی شدید غصے نے گھیر لیا تھا۔ اس کا تو دل چاہا تھا ابھی جا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے جائے۔

''چاچو اس میں آنٹی کا بھی کیا قصور ہے ان کا ماحول ہی ایسا ہے یہ تو آپ کو پسند کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے تھا اور پھر آنٹی کو شرم بھی تو بہت آتی ہے آئی تھنک یہ اچھی خوبی ہوتی ہے۔ آپ کو ایسی ہی لائف پارٹنر کی ضرورت تھی نا۔'' اس بار محبّ چاچو کی کیفیت پر بے اختیار ہنس دیا۔

''تو بکواس کرنے سے باز نہیں آئے گا کبھی کچھ کہتے ہو اور کبھی کچھ۔'' معارج نے اسے بری طرح جھاڑ پلائی تو وہ مزید کھلکھلا دیا۔

''رئیلی چاچو آپ مجھے اس وقت رومیو کی کاپی لگ رہے ہیں۔''

''تم بکواس کرنے سے باز نہیں آؤ گے مجھے کوئی ضرورت نہیں بے وقوف سی لڑکی کے لیے رومیو بننے کی۔'' معارج نے سگریٹ مسلنے کے بعد پھر سے نیا سگریٹ سلگایا تو محبّ نے جھپٹ لیا۔

''بس کریں چاچو اسموکنگ صحت کے لیے ڈینجرس ہوتی ہے۔'' محبّ کی طرف اس نے گھور کر دیکھا مگر کہا کچھ نہیں۔

''اچھا بس آپ اب غصہ تھوکیے اور سنبھالیے اپنی بے وقوف سی لڑکی کو۔'' محبّ نے اٹھ کر ہنستے ہوئے اپنی جیبیں خالی کرنی شروع کیں۔

''خبیث شیطان کے چیلے تم میرے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔'' معارج کے چہرے پر بے ساختہ سی مسکراہٹ آئی اور پھر بڑی بے صبری سے ساری تصویریں سمیٹیں۔

''تمہیں تو گھر چل کر اچھی طرح نمٹوں گا فی الحال تو یہاں سے کھسکو اور واپس پہنچو بھابھی تمہاری غیر موجودگی سے پریشان ہوں گی۔'' معارج نے اسے جانے کو کہا مگر وہ ڈھیٹ بنا بیٹھا تھا۔

''جاؤ بھئی۔''

''واہ ایسے کیسے چلا جاؤں پہلے انعام نکالیے میں نے اتنی جدوجہد کی ہے اور ابھی تو میں نے دوسری فلمیں بھی ڈویلپ کروانی ہیں۔''

''تم نے مجھے جتنا تنگ کیا ہے ستایا ہے تمہیں جرمانہ پڑنا چاہیے۔'' معارج نے اسے میز پر پاؤں پھیلاتے دیکھ کر مصنوعی خفگی سے کہا۔

''سنو بچو میرے ساتھ بے ایمانی تمہیں مہنگی پڑے گی ٹھیک ہے آرام سے یہیں بیٹھو میں جا رہا ہوں اور بھائی صاحب کو فون کرتا ہوں کہ تم یہاں بیٹھے ہو۔'' معارج نے ساری تصویریں اپنی جیکٹ کی جیب میں ٹھونس کر مسکراتے ہوئے اسے ڈرانے کی کوشش کی مگر وہ بھی اس کا بھتیجا تھا۔

''چاچو بے ایمانی تو آپ کر رہے ہیں وعدہ کر کے پھر رہے ہیں مجھے اندازہ تھا آپ ایسا ہی کریں گے اس لیے میں نے اپنی آنٹی کی ایک زبردست پوز کی تصویر پہلے ہی بچا کر رکھی تھی۔'' محبّ نے جیب سے آخری تصویر نکال کر اس کی نظروں کے سامنے فضا میں لہرائی تو معارج اس کی چالاکی پر ہنس دیا۔ پھر اپنا والٹ نکال کر اس کے سامنے میز پر پھینکا۔

''ہو تم واقعی شیطان لو پکڑو نکال لو اپنی کمیشن اور دو تصویر۔'' پھر خود ہی آگے ہو کر اس کے ہاتھ سے تصویر جھپٹ لی۔

''چاچو آپ تو منگنی ہوتے ہی بدل گئے ہیں شادی کے بعد تو بالکل ہی بدل جائیں گے آ لینے دیں آنٹی کو آپ کے سارے ٹاپ سیکرٹ انہیں بتا دوں گا۔'' محبّ نے اس کے والٹ سے ہزار ہزار کے پانچ نوٹ کھینچتے ہوئے کہا۔

''ارے کیا میرا سارا والٹ خالی کرو گے اتنی کمیشن کی بات تو نہیں ہوئی تھی۔''

''زیادہ تو نہیں ہیں چاچو بمشکل دوستوں کے ساتھ ایک ڈنر ہی ہو گا۔ آخر وہ بھی تو مجھ سے ٹریٹ مانگیں گے آپ کی منگنی کی۔''

''اچھا اب اٹھو میں تو جا رہا ہوں تم بھائی صاحب کی کار لے کر آئے ہو اس لیے فوراً پہنچو ورنہ بری طرح مار کھاؤ گے چلو شاباش۔''

پارکنگ میں آ کر اس نے محبّ کو واپسی کے لیے ہدایات دیں اور خود واپس گھر آ گیا۔

☆☆☆

منگنی کے بعد بھی معارج کی بے چینی کم نہیں ہوئی تھی بلکہ دو چند ہو گئی تھی۔ تصویروں میں

آنچل کا مکمل حسن دیکھ کر اس کے جذب دل کی شدتیں مزید بڑھ گئی تھیں۔ جب بھی اس کی منگنی کے حوالے سے بات ہوئی تو وہ بے دھڑک کہہ دیتا۔

''اگر وہ لوگ منگنی کے بجائے شادی ہی کر دیتے تو کیا فرق پڑ جاتا، آخر شادی تو ہونی ہی ہے بھابھی مام آپ نے ہی ان سے نہیں کہا ورنہ وہ ضرور مان جاتے۔''

ایک دن تو بھابھی جان ہنسنے کے ساتھ برا بھی مان گئیں۔ اس کا لاابالی پن ابھی تک نہیں گیا تھا۔ وہ انہیں محبت کی طرح عزیز تھا اور اب تک وہ ان سے اپنے لاڈ بھی بچوں کی طرح اٹھواتا تھا۔ اب بھی کھانے کے بعد ان کے کمرے میں براجمان ان سے سر میں تیل کی مالش کروا رہا تھا اور آنچل کا ذکر نکلتے ہی اپنی شادی کے لیے خود ہی کڑھ رہا تھا۔

''راجو انہیں اپنی بیٹی بھاری تو نہیں ہے ابھی آنچل کی عمر ہی کیا ہے اور پھر اس کی تو تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی میں کیسے ایسی حماقت کر لیتی، شکر کرو بازل کی وجہ سے وہ لوگ ابھی منگنی کے لیے تیار ہو گئے تھے ورنہ نازک اور ان کی بی بی جان کے ارادے تو نہیں تھے۔

''خیر انکار کر دیتے تب بھی میں منوا ہی لیتا۔'' اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''آپ ایک بار زور دے کر کہیں تو میں نے اس کی پڑھائی کیا کرنی ہے میرے لیے وہ انڈر ایف۔اے ہی کافی ہے۔ کسی دفتر میں بٹھانے کے لیے تو شادی نہیں کروں گا۔'' عینی بھابھی پہلے تو اس کے اس طرح بولنے پر حیران ہوئیں پھر اس کے سر پر زور سے چپت لگائی۔

''معارج کچھ شرم کرو میں تمہاری بھابھی ماں ہوں کوئی سہیلی نہیں ہوں۔ فرہاج نے تو کبھی میرے سامنے شادی منگنی کے بارے میں بات بھی نہیں کی تھی تم نجانے کس پر گئے ہو کوئی سنے تو کیا کہے گا کہ میں نے ہی تمہاری تربیت صحیح نہیں کی۔'' عینی بھابھی کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو گئیں۔

''تمہیں کچھ یاد ہے پچھلے سال تمہاری بھتیجی کے لیے ایک پرپوزل آیا تھا اور تم کیسے آگ بگولہ ہو گئے تھے کہ ان کے گریجویشن سے پہلے ایسی بات سوچیں بھی نہیں اور اب اپنے لیے دوسروں کی بیٹی کا تمہیں خیال ہی نہیں ہے۔ تم اپنے معاملے میں خودغرض ہو رہے ہو میں تو خود بیٹیوں والی ہوں حق بات کہوں گی آنچل کی ابھی عمر ہی شادی والی نہیں ہے فرسٹ ایئر کی طالبہ کو بھلا شادی کی نزاکتوں کا کیا احساس ہوگا۔ اس کے قد کاٹھ پر مت جاؤ۔ یہ بھی تو سوچو اس میں تمہارے ساتھ چلنے کی شعوری صلاحیت اور آگہی بھی ہے یا نہیں۔ یہ سب باتیں تو عمر اور وقت کے ساتھ ہی اس میں پیدا ہوں گی۔ اپنی لاڈلی بھتیجیوں کو ہی دیکھ لو انٹرمیڈیٹ تھرڈ ایئر میں اور نوشی سیکنڈ ایئر میں آ گئی ہے۔ مگر عقل نام کی نہیں ہے دونوں کے پاس ہر بات پر اودھم مچا دیتی ہیں۔ میں اپنی بیٹیوں کو ابھی شادی، منگنی کے قابل نہیں سمجھتی تو آنچل تو ان سے چھوٹی ہے اب شرافت سے اپنے

کام پر دھیان دو زیادہ واویلا مچانے کی ضرورت نہیں سمجھ گئے۔'' بھابھی جان نے اسے اچھا خاصا لتاڑا۔ وہ ان کی ڈانٹ سن کر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

''ان ساری باتوں کا گن گن کر بدلہ لوں گا۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے بھابھی جان کے سامنے تو کبھی یہ ذکر نہیں کیا تھا البتہ خود دل ہی دل میں کڑھتا رہتا جلتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ اصل مسئلہ یہ تھا کہ باوجود خواہش کے وہ آنچل کو دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

وہ اپنے شوق کے ہاتھوں بے حد مجبور ہو رہا تھا۔ من کی تشنگی اس کی ایک جھلک اس کی دید کے ایک لمحے کی طالب تھی لیکن افسوس بے شمار رکاوٹیں اس کے راستے میں حائل تھیں۔ وہ اپنی ہوتے ہوئے بھی خود سے بہت دور محسوس ہوتی تھی۔ وہ اس سے بہت کچھ کہنے کو بے تاب تھا۔ دل کی تمام حسرتیں تین لفظوں میں آسانی سے سمٹ سکتی تھیں مگر تین لفظ کہنے کا اسے نہ موقع مل رہا تھا اور نہ ہی راستہ۔ فون پر اس سے کبھی رابطہ ہی نہ ہو سکا تھا۔ ایک جھلک دیکھنے کے لیے وہ پنڈی کے کئی چکر لگا چکا تھا۔ ایک دو بار اسے آنچل کے کالج کے باہر موقع ملا بھی مگر اگلے ہی لمحے اس کی ساری حسرتیں اس کے بھائی کی آمد پر بے موت مرنے پر مجبور ہو گئیں۔ اپنی بے بسی پر اکثر اس کا دل چاہتا کہ کسی کی پرواہ کیے بغیر آنچل کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے آئے مگر افسوس پھر وہی رسم دنیا۔ بھابھی بھی اس کی خاموشی محسوس کر رہی تھیں۔ وہ یہ سب دیکھتے ہوئے آخر ہار کر خود ہی شادی کا تقاضا لے کر اس کے سسرال بی بی جان کے پاس گئی تھیں مگر بی بی جان ابھی دو سال سے پہلے اس کی رخصتی کا ارادہ نہیں رکھتی تھیں۔ بھابھی جان نے سمجھاتے ہوئے بی بی جان کے ارادوں سے بھی آگاہ کیا تو وہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔

''اگر انہوں نے شادی نہیں کرنی تھی تو منگنی کیوں کی تھی۔ اس وقت جلدی کیوں مچا رکھی تھی۔'' اسے غصے میں احساس نہیں تھا کہ کیا کہہ رہا ہے۔

''جلدی انہیں نہیں تھی تمہیں تھی۔''

''میں نے گن پوائنٹ پر تو ہاں نہیں کروائی تھی وہ نہ بھی کر سکتے تھے اب فضول کی تاویلوں سے تو انکار ہی بہتر تھا۔'' معارج خود کو قصوروار مان نہیں سکتا تھا۔

''ٹھیک ہے قصور ان کا سہی اب کیا ہو سکتا ہے میں اب وقت سے پہلے انہیں کچھ نہیں کہوں گی تم ہی کچھ صبر کر لو یا پھر تم سے کچھ ہوتا ہے تو کر لو۔'' بھابھی جان کو بھی اس کا رویہ اچھا نہیں لگا سو برا مان کر بولیں وہ نجانے کس دھن میں تھا فوراً بولا۔

''مجھے اب کیا کرنا ہے بیٹھی رہے ساری زندگی اپنی ماں کے پاس میں کوئی مرا جا رہا ہوں۔ ان کی خیر خبر لینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کے بچپنے پر عینی بھابھی غصے کے باوجود ہنس

دیں۔ پھر انہوں نے بھی کبھی معارج کے سامنے آنچل اور اس کے گھر والوں کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے پاس بھی پہلے جیسی فرصتیں نہیں تھیں جو اپنی بے چینی دکھاتا سناتا۔ وہ گھر سے باہر زیادہ مصروف ہو گیا تھا۔ محبّ نے کئی بار اسے ایک جرنلسٹ شاہانہ قدیر کے ساتھ دیکھا تھا وہ بھی کئی بار اپنے چاچو کو سمجھا چکا تھا۔ اب بھی اس کے گھر میں گھستے ہی اس کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں آ گیا۔

''کوئی کام ہے؟'' کف کے بٹن کھولتے ہوئے مڑ کر محبّ سے پوچھا تو وہ سنجیدگی سے آگے بڑھ آیا۔

''چاچو اٹس ناٹ فیئر آپ کو یاد ہے آپ کی منگنی ہو چکی ہے۔''

''کیا ہوا ہے میری منگنی کا تمہیں خیال کیوں آیا؟''

''مجھے اس لیے خیال آیا ہے کیونکہ آپ کو خیال نہیں رہا آج آپ سارا دن کس کے ساتھ تھے؟''

''کیا تم میری جاسوسی کرتے رہتے ہو میڈیکل پڑھنے کا ارادہ ترک کر کے سی آئی ڈی کی طرف تو آنا نہیں چاہ رہے؟'' معارج نے اسے ٹالتے ہوئے چھیڑا مگر وہ بالکل سنجیدہ تھا۔ وہ معارج کے ساتھ کافی بے تکلف تھا اس لیے اب بھی بنا جھجکے بات کر رہا تھا۔

''شاہانہ قدیر کے ساتھ آپ کا کیا چکر ہے کیا آنٹی آنچل کی جگہ کسی اور کو دینا چاہ رہے ہیں؟''

''یار کیا بکواس کر رہے ہو شاہانہ قدیر ایک جرنلسٹ ہے اپنے تھیسز کے لیے اسے کچھ انفارمیشن چاہیے میں اگر اس کی ہیلپ کر رہا ہوں تو کیا فرق پڑ گیا ہے۔''

''میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ آخر آپ کی ڈیوٹیز میں فی میل جرنلسٹ کی ہیلپ کرنا اب ہی کیوں شامل ہوا ہے اب تو آپ کی من پسند خوبصورت سی منگیتر ہے کیا آپ کو ایسا نہیں لگتا ہے کہ کسی اور کو آپ آنٹی آنچل کا حق دے رہے ہیں۔ محبّ نے زچ ہو کر کہا۔

''تم میرا مسئلہ نہیں سمجھو گے اور تم میری جاسوسی کرنا چھوڑ کر اپنی اسٹڈی کی طرف توجہ دو۔'' معارج نے اسے پیار سے تھپتھپا کر سمجھاتے ہوئے کہا۔ تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا اور معارج ایک سرد سی آہ بھر کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

خیال یار سے پس و پیش کے لیے وہ حتیٰ الامکان مصروف رہتا تھا لیکن پھر بھی دیوانہ دل بیتاب ہو کر کوچہ یار تک جانے کے لیے مچلتا رہتا تھا۔

☆☆☆

آنچل کے انٹر کے امتحان ہو رہے تھے اس دوران وہ دو تین بار اس کے کالج ٹائم میں وہاں

کا چکر لگا آیا تھا۔ دور دور سے اس کا دیدار بھی کیا تھا۔ سفید چادر میں لپٹا اس کا حسن جہان سوز اسے مزید بے چین کر گیا تھا۔ دس گیارہ ماہ بعد اسے روبرو دیکھ کر معارج کا سارا غصہ ختم ہو گیا تھا۔ اس کی تصویروں میں چھپی شباہت کو تو ہر روز ہی آنکھوں کے آسمان سے دل کی زمین پر اتارتا تھا۔ مگر مجسم دیکھنے اور حقیقتاً چھونے کی کیف آگہیں عزت احساس کو اپنی جسم و جاں میں محسوس کرنا چاہتا تھا اور یہ موقع بھی اسے مل ہی گیا تھا۔

وہ چھٹی کے وقت سے کافی پہلے آ کر کھڑا ہو گیا۔ آج اس نے مصمم ارادہ کر رکھا تھا کہ آنچل سے مل کر ہی جائے گا۔ طویل انتظار کے بعد وہ دو تین لڑکیوں کے ساتھ باہر آتی دکھائی دی۔ اس نے تسلی کر لی تھی کہ آج اس کا بھائی نہیں آیا تھا۔ معارج کی جیپ دیکھ کر چوکیدار مودبانہ انداز میں اس کی طرف بڑھ آیا۔ معارج نے آنچل کی طرف اشارہ کر کے اسے بلانے کے لیے کہا۔

''وہ ابھی جو گیٹ سے سفید چادر والی آئی ہیں آپ انہیں بلا دیں۔''

معارج اپنی جیپ سے ٹیک لگا کر کھڑا آنچل کو متوجہ کرنے کے لیے مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ آنچل کے ساتھ صرف ایک لڑکی رہ گئی تھی وہ بھی کسی کے انتظار میں تھی یا اس نے اور آنچل نے اکٹھے ہی جانا تھا۔ چوکیدار نے جا کر اسے اطلاع دی تو آنچل بوکھلا کر اس کی طرف دیکھنے لگی جہاں معارج کھڑا تھا۔ اس کی طلسماتی شخصیت اور ساحرانہ مسکان کو دوسری لڑکی نے بھی دور سے ہی محسوس کر کے آنچل سے سرگوشی کی۔

''یہ آفیسر کون ہے؟ پہلی بار ہی ادھر نظر آ رہا ہے۔'' سہیلی کی شریر مسکراہٹ پر وہ مزید پزل ہو گئی تھی اور اس صورت حال میں اس سے ایک قدم اٹھانا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

معارج نے اسے وہیں جمے دیکھ کر ہارن دیا۔

''اب چلی بھی جاؤ بلایا ہی کیوں تھا اگر جانا نہیں تھا۔'' اس کی سہیلی نے اسے آگے کو دھکیلا تو وہ مری مری آواز میں صفائی دینے لگی۔

''میرے منگیتر ہیں یہ یہاں پتہ نہیں کیوں آئے ہیں؟'' وہ کشمکش میں تھی اس لیے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔

معارج قریب آ گیا اس کا قریب آنا مزید ہراساں کر گیا تھا۔

''آئی تھنک اب چلنا چاہیے گھر سے تو کوئی نہیں آئے گا۔'' معارج نے اسے تحکم سے کہا۔ وہ پہلی بار ہمت کر کے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بول پائی۔

''میں بس سے چلی جاؤں گی آج مجھے خود ہی جانا تھا بھائی نہیں آئیں گے۔''

''او کے بس سے جانا اگر میرے ساتھ جانے سے بہتر ہے تو چلی جاؤ۔'' معارج کو اس کا

انکار برا لگا۔ وہ غصے میں اپنی جیپ کی طرف پلٹ گیا۔

''کیوں خفا کر رہی ہو اتنے ڈیشنگ ہینڈسم بندے کو میرا تو منگیتر نہ بھی ہوتا تب بھی اس کی آفر پر چلی جاتی۔'' اس کی سہیلی نے اسے آگے دھکیلا تو پہلے تو وہ اپنی سہیلی کو گھور کر دیکھنے لگی پھر کسی روبوٹ کی طرح چلتی ہوئی جیپ تک آ گئی۔ معارج اندر بیٹھ چکا تھا۔ وہ بیگ اور فائل سنبھال کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ معارج نے جیپ سٹارٹ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

''بس سے کیوں نہیں گئیں؟''

''آپ خفا ہو جاتے۔'' وہ بے ساختہ کہہ گئی تو معارج اپنے معتبر ہونے پر کھلکھلا دیا وہ خود اپنے کہے پر پشیمان نظر آنے لگی۔

''میری خفگی کا اتنا خیال ہے مگر اظہار تو کبھی نہیں کیا اور پھر ابھی تک شادی کے لیے حامی بھی نہیں بھری تم نے۔'' معارج اس کی بے ساختگی اور بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوا تھا۔ اسے چھیڑنے کے سے انداز میں بولا تو پھر بے ساختہ جواب دے بیٹھی۔

''جی..... میں نے تو کچھ نہیں کہا تھا۔'' اس کی زبان بنا سوچے سمجھے پھسل رہی تھی اپنی بوکھلاہٹ پر وہ کسی طرح قابو نہ پا رہی تھی۔

''پھر کس نے کہا تھا؟'' معارج نے ذرا سا رخ پھیر کر اس کی جانب دیکھا تو وہ بولتے بولتے پھر جھجک گئی۔

''وہ بی بی..... آپ مجھ سے ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟''

''پھر کس سے کروں؟'' معارج نے پھر اس پر دلچسپی سے نگاہ ڈالی۔

''بی بی جان سے۔'' اس نے چادر کو سر پر مزید آگے کھینچا۔

''وہ میری منگیتر ہیں یا تم؟'' معارج کے سنجیدہ استفسار پر ہکا بکا رہ گئی۔ اس کا بے دھڑک بے تکلف انداز آنچل کو عجیب لگا۔ پھنسی پھنسی آواز میں احتجاجاً بولی۔

''آپ کو ایسی باتیں تو نہیں کرنی چاہیں وہ میری ماں ہیں اور آپ۔''

''میں بھی انہیں ماں ہی سمجھتا ہوں۔'' اس کے انداز پر قدرے حیرت سے دیکھ کر رہ گئی پھر زچ ہو کر بولی۔

''آپ مجھے جلدی سے گھر چھوڑ دیں ورنہ بی بی جان پریشان ہوں گی آج گھر پر کوئی ہے بھی نہیں۔''

''اور یہ تو اور بھی اچھی بات ہے پھر تو آرام سے گھر چلیں گے صبح سے تمہارے دیدار کے لیے بھوکا پیاسا بیٹھا ہوں۔'' معارج نے بھرپور نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے نیا احساس بھی دیا وہ

پھر سے بوکھلا اٹھی۔

''پلیز آپ مجھے پہلے گھر چھوڑ دیں بی بی جان تو اس بات پر ہی خفا ہوں گی کہ.....'' اس نے فائل کو کھرچتے ہوئے الجھن میں بحث ادھوری چھوڑ دی۔ معارج نے اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوئے سگریٹ سلگا کر گہرا کش لگایا۔

''وہ اس کی گہری نظروں کی تاب نہ لا سکی اور سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''ٹھیک ہے نہ سمجھاؤ مگر اب اترو تو۔'' آنچل کو اپنی بوکھلاہٹ میں احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ گھر کی طرف نہیں جا رہے۔ معارج ایک ریسٹورنٹ کے سامنے جیپ کھڑی کر کے اسے اترنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ آنچل نے پہلے ریسٹورنٹ کو دیکھا اور پھر معارج کی طرف۔ معارج کے لبوں پر روح سلب کر لینے والی طلسمی مسکراہٹ بکھری تھی۔

''کم آن یار بلیو میں کھانا کھاتے ہی تمہیں چھوڑ آؤں گا چلو آؤ۔'' معارج کی محبت کی شیرینی میں گھلی آواز اسے پگھلا گئی موٹے موٹے آبدار موتی اس کے گالوں پر پھسل آئے۔ وہ بی بی جان سے واقف تھی اسی لیے ہراساں ہو رہی تھی۔

''وہ آپ گھر چل کر بھی تو کھانا کھا سکتے ہیں۔''

''آج تک تو کسی نے گھر آنے کی دعوت نہیں دی کھانا کون کھلائے گا اور کیا وہاں تمہاری بی بی جان ساتھ بیٹھنے کا موقع دیں گی۔'' معارج نے پرشکوہ انداز میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تو اس کے آنسو دیکھ کر جھنجھلا کر بولا۔

''افوہ تم اتنا کیوں گھبرا رہی ہو ہم کوئی غیر اخلاقی کام تو نہیں کر رہے میرا حق ہے تم پر۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لنچ ڈنر کے لیے لے جا سکتا ہوں۔ تم نے کبھی کالج کی لڑکیوں کو دیکھا ہے وہ اپنے بوائے فرینڈ کو فنانسی بنا کر گھومتی پھرتی ہیں اور تم.....''

''میں ایسی نہیں ہوں۔'' وہ فوراً بولی وہ جن حقوق کی بات کر رہا تھا اس کے نزدیک اور بی بی جان کی تربیت کے مطابق وہ ان پر ابھی لاگو نہیں ہوئے تھے۔ اسے معارج کے خیالات سن کر حیرت ہو رہی تھی۔

''میں کب کہہ رہا ہوں تم ایسی ہو اگر میں سمجھتا کہ تم ایسی ہو تو میں تمہارا انتخاب نہ کرتا اچھا دیکھو میں تمہارے ساتھ گھر چلوں گا بی بی جان کو جواب بھی میں ہی دوں گا تم ڈرو نہیں۔'' معارج کو اس کی حالت پر رحم آ گیا تو اس نے محبت سے سمجھاتے ہوئے اسے رام کرنا چاہا۔

''مجھے اچھا نہیں لگ رہا بی بی بہت خفا ہوں گی۔''

''نہیں ہوں گی میں ہوں ناں تمہارے ساتھ یار ہماری شادی ہونے والی ہے ایک دن ہم

لنچ اکٹھے کرلیں گے تو اس میں کیا برائی ہے۔اس سے پہلے میں نے تم سے کوئی فرمائش کی ہے۔''

معارج اتر کر اس کی طرف اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔اپنے رومال سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے مکمل طور پر بے بس کر دیا۔معارج نے اس کی گود سے فائل اٹھا کر ڈیش بورڈ پر رکھ کر اس کا ہاتھ تھام کر اسے اتارا۔آنچل نے فوراً مزاحمتی انداز میں اپنا ہاتھ کھینچا اور پھر اس کے ساتھ مرے مرے قدم اٹھاتی آگے بڑھنے لگی۔

''میرے ساتھ چل رہی ہو تو تھوڑا ریلیکس فیل کرو ورنہ لوگ مشکوک ہوں گے کہ اے۔ایس۔پی کسی کالج کی دوشیزہ کو ٹریپ کر کے لایا ہے اور اس وقت تو تمہاری شکل بھی ایسی ہی ہو رہی ہے کہ فوراً یقین کر لیا جائے گا اور میری یہ وردی ایک منٹ میں اتر جائے گی۔'' معارج نے کچھ اس انداز سے کہا کہ وہ سر جھکا کر زیر لب مسکرا دی مگر معارج نے پھر بھی اس کی مسکراہٹ دیکھ لی اور پھر تشکر سے بولا۔

''تھینک یو راجکماری!'' اس بار اس کی مزاحمت کے باوجود معارج نے اس کا ہاتھ بے تکلفی سے تھاما اور پھر اسے تقریباً اپنے ساتھ کھینچتا ہوا اندر بڑھ گیا۔آنچل کو اس سے جتنی جھجک محسوس ہو رہی تھی وہ اتنا ہی بے تکلف ہوا جا رہا تھا۔وہ اس نے اپنے دل کی بے قراریاں بے دھڑک بیان کر رہا تھا۔اپنے رتجگوں کا احوال سنا رہا تھا۔

آنچل حیرت زدہ سی واردات محبت کا اثر دل پر سہہ رہی تھی۔وہ بھی اس کی سحر انگیزی کی اسیر ہو گئی تھی۔حد درجہ گھبراہٹ کے باوجود اسے معارج کی سنگت میں بیٹھنا تسکین آمیز لگا تھا۔کچھ لمحوں کے لیے تو وہ ہر خوف سے آزاد ہو گئی تھی گھر واپسی کا سفر شروع ہوتے اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کیا کر بیٹھی ہے۔ہنگامہ خیز نتیجے کا یقین بھی تھا۔اس کے گھر کی طرف جیپ موڑتے ہوئے محبت بھری حلاوت اور سحر انگیزی سے اسے مخاطب کیا۔

''سنو آنچل تمہارے ایگزام تو ختم ہو گئے ہیں تمہارے لیے اتنی ایجوکیشن کافی ہے اس بار بھابھی مام آئیں گی تو انکار نہیں ہونا چاہیے ورنہ.....'' اس کی ورنہ نے آنچل کے چڑیا جتنے دل کو پھڑ پھڑا کر رکھ دیا تھا۔

اس نے فوراً سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا مگر وہ سامنے دیکھنے میں محو تھا۔چند ساعتوں کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات پوری کی۔

''ورنہ تمہارا یہ عاشق راجکماری کچھ کر بیٹھے گا۔پھر بعد میں مت رونا۔'' آنچل اس کی اس بات کا کیا جواب دیتی اس کے پاس نہ تو اختیار تھا اور نہ ہی حق خاموشی سے اس نے سر جھکا لیا۔

''آئندہ مجھ سے ملو گی پھر ملنے کا کوئی چانس ہے۔'' بچھڑنے سے پہلے وہ پھر ملنے کی آس

لیے مواقع پیدا کرنا چاہ رہا تھا۔آنچل نے فوراً انکار کیا۔

''نہیں۔''

''کیوں؟'' معارج نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''میں اکیلی کہیں نہیں جاتی اور پھر بی بی جان کبھی بھی اجازت نہیں دیں گی آج بھی نجانے.....'' وہ اپنی سوچوں میں غلطاں ہو کر روہانسی ہو گئی۔معارج اپنی دھن میں تھا اس کی پوری بات نہیں سنی پھر بولا۔

''ویل ہم جلد ہی اپنے گھر میں ملیں گے ڈونٹ وری ویسے اگر تم آج بھی میرے ساتھ نہ آتیں تو رئیلی میں نے گھر جا کر خود کو شوٹ کر لینا تھا۔'' آخری بات اس نے آنچل کو چھیڑنے کے لیے شرارت سے کہی تو وہ روہانسی ہو کر فوراً بولی۔

''آپ ہر وقت ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں؟''

''کیسی باتیں؟'' معارج نے دلچسپی سے نگاہ ڈالی۔

''یہی کچھ کرنے کی مرنے کی، زندگی اس لیے تو نہیں ملی کہ.....'' دو آنسو اس کی آنکھوں میں جھلملانے لگے۔اگر وہ اس پر پورا حق رکھتا تو ان جھلملاتے آنسوؤں کو اپنی پلکوں پر سمیٹ لیتا۔مگر ابھی بہت سی حدیں درمیان میں حائل تھیں۔

''مجھے تو زندگی تم سے محبت کرنے کے لیے ہی ملی ہے۔تم اگر آج بھی میری زندگی میں مکمل میری بن کر آ جاؤ تو میں وعدہ کرتا ہوں پھر ایسی باتیں نہیں کروں گا نہ ہی سوچوں گا۔''

''ابھی کیسے.....ابھی تو.....'' وہ معصومیت سے بولتی ہوئی یکدم خاموش ہو گئی۔معارج نے بھی لمبی آہ بھرتے ہوئے حسرت سے کہا۔

''آہ ہاں ابھی تو اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔تم تک پہنچنے کے لیے مجھے آگ کا دریا عبور کرنا بھی منظور ہے مگر شرط یہ ہے میرے جلے جسم اور سلگتے دل پر مرہم رکھنے والا ہاتھ تمہارا ہو۔'' معارج جذب دل سے اپنی بات کہہ رہا تھا۔آنچل پھر سے گم صم اس کے سحر کے اثر میں چلی گئی تھی۔کچھ لمحوں بعد وہ آنچل کے گھر یعنی اپنے سسرال میں تھا۔

☆☆☆

آنچل کے دیر کرنے پر بی بی جان بے حد پریشان ہو رہی تھیں۔آج ہی اسے کالج سے خود آنے کو کہا تھا آج ہی وہ لیٹ ہو گئی تھی۔بیٹا بہو گھر پر نہ تھے جسے وہ پیچھے دوڑاتیں، خود ہی اندر باہر چکراتے ہوئے ہول رہی تھیں۔انہیں برے برے خیالات اور اندیشے گھیر رہے تھے۔

''کمبخت کو کتنا کہا تھا بہن کو چھوڑ کر پھر چلے جانا مگر اس پر تو جورو کی غلامی کرنا سوار تھی آنے

دو آج دونوں کی وہ خبر لوں گی کہ سسرال میکہ سبھی بھول جائے گا۔'' بی بی جان بہو بیٹے کے غائبانہ ہی لتے لے رہی تھیں۔ ان کا ایک قدم اپنے کمرے میں تو دوسرا دروازے پر ہر منٹ بعد وہ دروازے سے جھانک کر گلی کے سرے تک نگاہ دوڑاتیں اکا دکا آنے جانے والوں میں انہیں آنچل نظر نہ آتی تو وہ مزید پریشان ہو جاتیں۔ غضبناک موڈ کے ساتھ انہیں گرمی بھی بہت لگ رہی تھی۔

''یا اللہ خیر رکھنا میری بیٹی پرائی امانت ہے۔'' انہوں نے آسمان کی طرف التجائیہ انداز میں دیکھا۔ پھر آنچل کو ہی غائبانہ بہت کچھ سنانے لگیں۔

''کہا بھی تھا سیدھی گھر آنا بس میں بیٹھنے کی ہمت نہ ہو تو رکشہ پکڑ کر آجانا مگر بخت ماری کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کر رہی ہوگی کسی سہیلی کا انتظار آج آنے دو سب پڑھائی وڑھائی ختم اب نہیں سہے جاتے اس بڑھاپے میں دھڑکے، زمانہ خراب ہے کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میں کسی کو کیا منہ دکھاؤں گی۔'' غصے کے عالم میں انہوں نے پھر دروازے کا پٹ پھٹاک سے کھول کر گلی میں جھانکا تو آنچل کو جیپ سے برآمد ہوتے ہوئے دیکھ کر ششدر ہونے کے ساتھ غصے کی لپیٹ میں مزید آ گئیں۔ ان کے سارے جسم کی رگیں تن گئی تھیں خصوصاً ماتھے پر رگوں کے تناؤ سے کھنچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ آنچل ست روی سے چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ جیپ سے نکلتے ہوئے معارج کو دیکھ کر تو وہ نہ صرف ٹھٹھک گئیں بلکہ ان کی تیوری پر بل بھی پڑ گئے ماں کو دروازے میں کھڑی دیکھ کر آنچل کی جان ہی نکل گئی۔ پسینہ اس کے مساموں سے پھوٹ نکلا تھا۔

''کہاں سے آ رہی ہو اور کس کے ساتھ؟'' بی بی جان خود پر ضبط نہ رکھ سکیں اس کے دہلیز کے اندر قدم رکھتے ہی کڑے تیوروں سے پوچھا۔

امتحان کی گھڑی سر پر کھڑی تھی ماں کی فطرت سے واقف تھی۔ چپ رہنا بھی گناہ اور بولنا بھی جرم مگر اسے اپنی صفائی تو پیش کرنی تھی۔ اپنے معصومانہ انداز میں بولی۔

''سچ بی بی جان میں تو ان کے ساتھ نہیں آ رہی تھی۔ یہ خود مجھے زبردستی لے آئے آپ چاہے پوچھ لیں۔''

بی بی جان تو اس صورتحال پر ہی طیش کھا رہی تھیں کہ آنچل اپنے منگیتر کے ساتھ آئی ہے کہاں زبردستی کا عمل انہوں نے اپنے کسی داماد کو شادی سے پہلے اپنے گھر آنے کی اجازت نہیں دی تھی نہ ہی بیٹیوں کو سامنے کیا تھا۔ معارج کے گھر والوں کو بھی باور کرا دیا تھا کہ معارج ایسی کوئی خواہش شادی سے پہلے نہ کرے پھر بھی وہ بنا کسی کو اطلاع کیے اس طرف آ نکلا۔ ان کا غصہ بجا تھا۔ غصے سے بولیں۔

''میں نے تمہاری تربیت اس طرح تو نہیں کی تھی جو تم شادی سے پہلے منگیتر کے ساتھ سیر پر

نکلی رہو۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں بی بی جان وہ خود ہی.....'' وہ بولی تو وہ مزید درشتگی سے بولیں۔

''وہ تم سے زبردستی نکاح پڑھوا لیتا تو تم پڑھوا لیتیں۔''

ماں کی بات سن کر اس نے سٹپٹا کر پہلے دروازے کی طرف دیکھا جہاں معارج مسکراتے لبوں کے ساتھ کھڑا تھا اور پھر ماں کے غصے بھرے چہرے کو دیکھا وہ خجل سی ہو گئی۔ معارج کے سامنے بی بی جان کی ایسی باتوں نے اسے شرمندگی کے ساتھ رونے پر مجبور کر دیا۔ اس کے آنسو بے اختیار ہی جھر جھر بہنے لگے اور وہ بت بنی کھڑی رہ گئی۔

معارج کو بی بی جان کے اس قسم کے رویے اور ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ ہمت کر کے خود ہی قدم بڑھا کر آگے آ گیا۔ آنچل سے ملنے کی خوشی اور طمانیت بہرحال ابھی قائم تھی۔ اس لیے اس نے بھی ان کے رویے کو نظر انداز کر دیا۔

''السلام وعلیکم'' بہت سنجیدگی سے اس نے سلام عرض کیا تھا۔

''وعلیکم السلام'' بی بی جان رشتے کی نزاکت کا احساس کر کے بہت دقت سے خود کو جواب دینے کے لیے تیار کر سکیں۔ ان کی ساری خفگی اس وقت آنچل کے حصے میں آ رہی تھی۔ اسے گم صم کھڑا دیکھ کر بولیں۔

''مجسمہ بنی کیوں کھڑی ہو جاؤ اندر۔''

بی بی جان کے لفظوں میں گویا کرنٹ تھا وہ تیزی سے اندر بڑھ گئی اور پھر اپنے کمرے میں پہنچ کر ہی دم لیا۔ آنسو تو اتر سے بہتے چلے آ رہے تھے۔ بی بی جان معارج کو اپنے ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔

''میاں ہم میں رواج تو نہیں کہ داماد کو شادی سے پہلے اپنے گھر آنے دیں اب تم آ گئے ہو تو بیٹھو۔''

بی بی جان کا لٹھ مار انداز اسے بہت برا لگا تھا۔ اسے ان کا اس قدر روایتی ہونا بھی عجیب لگا تھا۔ پھر بھی وہ ان کے سامنے ٹک گیا۔

''تمہاری بھابھی کو تو میں نے سمجھا دیا تھا ہم ہیں شریف لوگ اپنی بیٹیوں کو غیر مردوں کے ساتھ پھرنے کی کھلی چھٹی نہیں دے سکتے۔ آج تو یہ غلطی معاف ہو جائے گی مگر آئندہ احتیاط رکھنا۔''

بی بی جان نے بمشکل خود پر قابو پا کر قدرے سرد لہجے میں اسے بہت کچھ باور کرایا۔ اس کے پاس کوئی بہانہ کوئی جواز نہ تھا بے تکے پن سے بولا۔ ان کے انداز پر کچھ گڑبڑا بھی گیا تھا۔

''دراصل میں تو آپ کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا راستے سے گزرتے ہوئے سٹاپ پر آنچل کو دیکھا تو لے آیا۔''

''میری خیریت معلوم کرنے؟ تمہاری بھاوج نے تمہیں بھیجا ہے۔'' بی بی جان کو مزید حیرت نے گھیرا۔

''جی..... جی بھابھی نے ہی بھیجا تھا بلکہ تاکید کی تھی کہ آپ کی خیریت معلوم کرلوں سنا تھا آپ شدید بیمار ہیں بلڈ پریشر شوٹ کر گیا ہے شاید۔'' معارج نے اپنی طرف سے بڑا خوبصورت بہانہ بنایا مگر بی بی جان ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

''قراۃ العین باولی تو نہیں ہوگئی مجھے بھلا کیا بیماری ہوگی کس نے کہا ہے کہ میں بیمار ہوں؟'' معارج کو کیا خبر تھی بی بی جان انکوائری پر اتر آئیں گی۔

''بھابھی جان تو آپ کی بیماری کرسن کر خود آنا چاہ رہی تھیں ان کا ارادہ شادی کی تاریخ لینے کا تھا۔ میں نے کہا پہلے میں آپ کی خیریت معلوم کرآؤں پھر آپ کوئی قدم اٹھایئے گا۔''

معارج اپنی طرف سے بی بی جان کو مطمئن کر رہا تھا یہ نہیں معلوم تھا کہ بے تکی باتیں کرتے ان کے خوابیدہ غضب کو جگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ بی بی جان تو اس کے منہ سے شادی کی تاریخ سن کر پیچ وتاب کھا کر رہ گئیں۔

''صاحبزادے ہم خاندان برادری والے لوگ ہیں کوئی اٹھائی گیرے نہیں ہیں کہ تمہارے کہنے سے بیٹی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے دیں گے کیسے لوگ ہو تم شریفوں کا وطیرہ یہ نہیں ہوتا کہ لڑکا ہی منہ اٹھا کے چلا آئے اور منہ پھاڑ کر اپنی شادی کی بات کرے تاریخ مانگے زندگی گزارنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔''

بی بی جان کا خاندانی غصہ کروٹ لے کر چنگھاڑ اٹھا تھا۔ انہوں نے پوری طرح اپنی بھڑاس نکالی۔ اس سے دوسری بار بی بی جان کا شرافت اور خاندان پر حملہ برداشت نہیں ہوا تھا۔ آج تک اس کا پالا مصلحتوں اور نزاکتوں سے نہیں پڑا تھا۔ اسی لیے برداشت جواب دے گئی تھی۔ بی بی جان کی باتیں پتھر بن کر اس پر برسی تھیں فوراً کھڑا ہو کر بلا جھجک بولا۔

''یہ تو آپ کو پہلے ہی انکوائری کرنا چاہیے تھی کہ آپ اپنی بیٹی کا رشتہ خاندان اور شریف لوگوں میں دے رہی ہیں یا نہیں ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔'' بی بی جان پہلے تو اسے سن کر ہکا بکا رہ گئیں پھر وہ بھی شدید غصے کے اثر میں آ کر بولیں۔

''ارے میاں جاؤ جاؤ میں تو اس گھڑی کو کوستی ہوں جس گھڑی تم جیسے بے لحاظ، بدتمیز کو بیٹی دینے کی حامی بھری نجانے کیسی تربیت کی گئی ہے تمہاری نہ ادب، نہ لحاظ اور تم کیا کہتے ہو ابھی دیر

نہیں ہوئی تو ٹھیک کہتے ہو میری بیٹی کے لیے آج بھی تم سے بہترین رشتے موجود ہیں ایک اشارہ کروں تو لائن لگ جائے۔''

بی بی جان کو اس کے بولنے سے صدمہ سا ہوا تھا اس لیے وہ بھی جوابی کارروائی زور وشور سے کر رہی تھیں۔ وہ اپنی شدید توہین محسوس کرتا ہوا باہر نکل آیا۔ آنچل دونوں کی باتیں دروازے سے کان لگائے سن رہی تھی اسے معارج کے باہر آنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ وہ بھی باہر آتے ہوئے آنچل سے بری طرح ٹکرایا کہ سنبھلنا مشکل ہوگیا۔ آنچل نے بمشکل منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی متوقع چیخ روکی۔ وہ اس پر غصے بھری نگاہ پھینک کر چنگاریاں اڑاتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ آنچل بھی ہوش میں آتے ہی اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ اسے معارج سے شدید محبت کا دعویٰ تو نہیں تھا لیکن نسبتی بندھن کے تحت وہ اس کی کشش میں بندھ چکی تھی۔ اس کا دل اس بندھن سے مطمئن تھا۔ اسے نظر انداز کرنا یا بھلانا اس کے لیے آسان نہیں ہوتا۔

بی بی جان نے غصے میں اس کی اچھی بھلی بے عزتی کر دی تھی۔ اسی لیے وہ اندیشوں میں گھر گئی تھی۔ معارج کے نکلتے ہی بی بی جان نے آنچل کے کمرے کا رخ کیا۔

''میری تربیت میں کہاں کمی رہ گئی تھی جو تو آج اس کے ساتھ بے دھڑک چلی آئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے وہ پہلے بھی تجھ سے ملتا رہا ہے۔'' بی بی جان نے اسے طنز وشک کی کاری چوٹ دی تو وہ تڑپ کر سیدھی ہوگئی۔

''نہیں..... نہیں بی بی جان آپ کی قسم وہ تو..... وہ تو آج ہی آئے تھے۔ اگر میں نہ آتی تو کالج کی لڑکیاں مجھ پر شک کرتیں اس سے پہلے تو بخدا میں نے انہیں وہاں دیکھا بھی نہیں آپ میرا یقین کریں بی بی جان میں سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ گڑگڑا کر رو دی تو بی بی جان تھوڑی نرم پڑ گئیں اور پھر خاموشی سے اس کے کمرے سے نکل گئیں۔

☆☆☆

معارج کو اپنی توہین کا بے حد احساس ہو رہا تھا۔ بی بی جان نے اسے کس بری طرح ذلیل کیا تھا اسے رہ رہ کر ان کی باتیں سارے راستے یاد آتی رہی تھیں۔ سلگتا ہوا گھر پہنچا اور پھر کسی سے بات کیے بنا اپنے کمرے میں گھس گیا۔ محب کو اپنے چاچو کے تیور کچھ اچھے نہیں لگ رہے تھے وہ فوراً اس کے پیچھے لپکا۔ محب کے علم میں یہ بات تھی کہ آج معارج آنچل کے کالج جائے گا۔ کسی ایمرجنسی کے خیال سے اس نے محب کو اپنا رازدار بنا لیا تھا۔ اس نے ابھی کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے تھے جب محب دستک دے کر اندر بڑھا چلا آیا۔

''چاچو کیا بات ہے کچھ اپ سیٹ لگ رہے ہیں حالانکہ کوچہ جاناں سے ہو کر آئے ہیں۔

دیدار بھی ہوا یا نہیں؟'' محب کی دوستانہ شرارت کافی الحال اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

''اچھا مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ میں نے اس سے ملنے جانا تھا۔'' معارج نے لاپرواہی سے جوتے اتارتے ہوئے زبردست اداکاری کا مظاہرہ کیا۔ محب حیران ہو کر اپنے چاچو کو دیکھنے لگا۔

''چاچو آپ ٹھیک تو ہیں مجھ سے جھوٹ بول رہے ہیں۔''

''وہ کوئی اتنی اہم ہستی نہیں ہے جس کے لیے جھوٹ بولا جائے۔ اس جیسی میری زندگی میں بہت ہیں۔'' وہ ترشی سے کہہ کر لباس بدلتے باتھ روم میں گھس گیا اور محب چاچو کے طرز گفتگو پر حیرت زدہ سا ہو کر سوچوں میں غرق ہو گیا۔

''اوہو لگتا ہے ضرور کوئی اہم بات ہوئی ہے ورنہ اس سے پہلے تو وہ اتنے خفا نہیں تھے کہیں آنٹی کے بھائی یا بی بی جان نے تو ان کو کچھ نہیں کہہ دیا۔'' معارج لباس بدل کر دوبارہ کمرے میں آیا تو محب بے یقینی سے بولا۔

''چاچو مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ وہاں جائیں اور آنٹی کو دیکھے بنا آ جائیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے؟ کہیں ان کی بی بی جان تو نہیں آ گئی تھیں لینے آپ کو ریڈ ہینڈ تو نہیں پکڑ لیا؟ میں نے تو آپ کو پہلے ہی کہا تھا کہ چاچو کیئر فل رہیے گا وہ اور ٹائپ کی خاتون ہیں مگر آپ.....''

''افوہ محب تمہارے پاس اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔'' معارج نے جھنجھلا کر اسے ڈپٹا پھر اگلے ہی لمحے اپنے رویے کی تلافی کرتا ہوا بولا۔

''کم ان اٹھو ذرا چائے پینے باہر چلتے ہیں اور سنو صرف تمہیں آفر کر رہا ہوں ان شیطانوں کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' معارج نے اپنی گاڑی کی چابی دراز سے نکالتے ہوئے اسے تنبیہ بھی کی تو وہ بھی بنا چوں چراں کے ساتھ ہو لیا۔ بعد میں بھی اس نے چاچو سے اگلوانے کی کوشش کی تھی مگر اتنی دیر میں انہوں نے خود کو پرسکون کر لیا تھا اور اسی لیے محب کو بھی آسانی سے ٹال دیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن ہی اسے اپنے آفس میں بازل کا فون آیا اس نے ابھی گھر میں کسی سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا بظاہر نارمل اور فریش نظر آنے کی کوشش کرتا رہا مگر اندر ہی اندر ایک خلش سی کسمساتی رہی تھی۔ بازل کے فون پر وہ مزید بے چین ہو گیا۔

''یار تمہیں ضرورت کیا تھی اس طرح وہاں پہنچنے کی۔'' بازل فیض کا انداز بھی سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔

''میرے دل نے چاہا تھا میں چلا گیا۔'' معارج نے اپنی فطری لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

''تو پھر مانتے رہو اپنے دل کی بات بی بی جان نے انکار کر دیا ہے انہیں تم سے اس قسم کی

توقع نہیں تھی۔''

''مثلاً کس قسم کی؟'' معارج نے چڑ کر پوچھا۔

''انہوں نے رات ہی اسپیشلی مجھے فون کیا ہے اور تمہاری بدتمیزی کی رپورٹ بھی دی ہے تم خود پر ذرا بھی کنٹرول نہیں رکھ سکے تھے ذرا سی خاموشی اختیار کر لیتے تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا کیونکہ اس رشتے کے سلسلے میں میرا اصرار زیادہ تھا اس لیے انہوں نے انکار کرنے کے لیے مجھے ہی کہا ہے اور مورد الزام بھی مجھے ہی ٹھہرایا ہے کہ میں نے جانتے بوجھتے اپنے دوست کو ان کے گھر کا راستہ دکھایا۔ وہ منگنی کا سارا سامان کسی کے ہاتھ بھیج دیں گی چاہو تو کسی کو بھیج کر منگوا لینا۔ اب اگر خود بھی چلے جاؤ گے تو کیا فرق پڑے گا۔ اب وہ تمہاری آمد کا برا نہیں مانیں گی۔''

بازل نے بھی جی بھر کے اپنی بھڑاس نکالی۔ بی بی جان نے انہیں بھی تو خوب سنائی تھیں۔ وہ جوان تھا جوشیلا تھا مگر بدتمیز ہرگز نہیں تھا، وقتی غصے اور بی بی جان کے رویے سے تھوڑا سا بیباک ہو گیا تھا لیکن بعد میں اپنے رویے پر شرمندگی بھی ہوئی تھی۔

''تم سمجھا نہیں سکتے تھے انہیں ایسی کیا قیامت آ گئی تھی آج کل یہ سب معیوب نہیں ہے اور پھر وہ جو بس سٹاپ پر کھڑی سینکڑوں لوگوں کی نگاہوں کی زد میں تھی یہ ٹھیک تھا میرے ساتھ چلی گئی تو اتنا ہنگامہ کر دیا۔'' معارج پھر سے جھنجھلا اٹھا۔

''پہلے ہی تمہیں آگاہ کر دیا تھا کہ شادی تک تمہارے وہاں جانے کے چانسز نہیں ہیں۔ بی بی جان روایتی سوچ رکھتی ہیں اور عمل بھی اسی طرح کرتی ہیں۔ میں نے خود نازک کو شادی کے روز ہی دیکھا تھا۔ تم تو میری وجہ سے بہت سے اعتراضات کے بغیر شرفیابی پا چکے تھے مگر پھر خود ہی اپنا مقام کھو دیا۔''

بازل فیض سخت افسوس کے عالم میں تھے لڑکی کی منگنی ٹوٹنے کے بعد کے نقصانات کا بھی اندازہ تھا اور دوست کی محبت کا احساس بھی تھا۔ انہیں معارج کی سچی محبت پر ایک رتی بھی شک نہیں تھا۔

''تمہارے اور میرے کیس میں زمین آسمان جتنا فرق ہے۔ تمہاری نازک بھابھی سے ارینج میرج ہوئی تھی۔ اس لیے تم انہیں شادی کے دن دیکھنے تک صبر کر سکتے تھے یہاں دل کی بات ہے میں تو ایک پل صبر نہیں کر سکتا تھا پھر بھی ان کی نام نہاد روایتوں کی خاطر اتنا عرصہ خود پر جبر کیا تھا خود پر جبر کرنے سے حاصل کیا ہوا۔ اچھا تھا اس وقت خود انگیجمنٹ رنگ پہنانے کی شرط رکھتا تو اسی وقت ان کی ذہنیت کا اندازہ ہو جاتا۔'' وہ پھر سے غصے میں سلگ اٹھا۔

''بس تمہاری یہی اکڑ تمہارا یہی رویہ تمہیں لے ڈوبا ہے۔ محبت کے حصول کے لیے اپنا آپ

مارنا پڑتا ہے مگر تم تو طرم خان بن گئے تھے وہ اگر تمہارے ساتھ چل ہی پڑی تھی تو گھر سے باہر ڈراپ کر دیتے مگر نہ جی بی بی جان کے حضور حاضری لگانی ضروری تھی۔ اب ساری زندگی بھگتنا۔''

''مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے نہ ہی میں کسی سے ڈرتا ہوں۔ انہوں نے رشتہ توڑنا ہے توڑ دیں میں مرا نہیں جا رہا ان کی بیٹی کے لیے رکھیں اسے سنبھال کر اپنے پاس۔'' معارج نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔

وہ سب سے کترا کر اپنے کمرے میں جانا چاہتا تھا مگر نوشی نے اسے راستے میں ہی گھیر لیا۔ اس کی بے تابی اس کے لہجے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

''آپ کو پتہ ہے چاچو آج آنٹی آنچل کے گھر سے فون آیا تھا انہوں نے منگنی توڑ دی ہے۔'' نوشی کے اداس چہرے پر معارج نے نگاہ ڈالی۔ وہ بھی اس کے دکھ پر دکھی تھی اس کا دل اس کی محبت سے معمور ہو گیا۔ لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے گلے سے اس کے بازو الگ کیے۔

''مجھے معلوم ہے۔''

''کیا؟ آپ کو دکھ نہیں ہوا چاچو۔'' افشی بھی قریب آ کر حیرت سے پوچھنے لگی۔

''کس بات کا دکھ؟'' اس کی اس درجہ لاپرواہی پر نوشی حیرت سے چیخ پڑی۔

''چاچو! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں لگتا ہے صدمے سے آپ کی فیلنگز فریز ہو گئی ہیں ہم تو بہت فیل کر رہے ہیں پلیز چاچو کچھ کریں نا اتنی پیاری آنٹی ہیں وہ اور اب آپ کی پسند بھی ہیں ہم تو آپ کی شادی کا پروگرام بنا رہے تھے اور۔''

''تو بناؤ کس نے روکا ہے۔'' معارج نے جس انداز میں کہا افشی مزید ششدر رہ گئی۔

''لیکن چاچو وہ آنٹی کے گھر سے تو انکار.....''

''اور لڑکیاں ختم ہو گئی ہیں کیا؟ تم دونوں کی اتنی ساری فرینڈز جو ہیں وہ کب کام آئیں گی۔'' معارج کے لبوں پر شریر مسکراہٹ بکھر گئی تو وہ منہ پھلا کر دور ہٹ گئی۔

''چاچو ہم آپ سے بالکل بات نہیں کرتے ہمیں کیا معلوم تھا آپ ہماری فرینڈز کی طرف کیوں جاتے ہیں اب ہم نے اپنی کسی فرینڈ کی آپ کو جھلک بھی نہیں دکھانی۔'' نوشی زیادہ لاڈلی تھی اسی لیے جھگڑ رہی تھی اور ساتھ روبھی رہی تھی معارج اس کے آنسو دیکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

''سوئیٹی یہ کیا؟ رئیلی میں تو مذاق کر رہا تھا چلو خاموش ہو جاؤ اور جو چاہے سزا دے لو۔'' معارج نے نوشی کو پیار سے تھپتھپایا تو وہ بولی۔

''ہمیں نہیں پتہ ہمیں وہی آنٹی چاہئیں اتنی پیاری کیوٹ سی ہیں آپ انہیں منائیں ورنہ ہم خود چلے جائیں گے۔''

''میں نے تو کچھ نہیں کیا انہوں نے انکار کر دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔'' وہ ان کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ محب بھی ان کے پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

''جب آپ زبردستی انہیں اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے تو اب کچھ کیوں نہیں کر سکتے۔'' محب کی خفگی پر معارج ہنس دیا۔

''یار یہ ٹاپ سیکرٹ تمہیں کس نے بتایا؟'' اس نے شرارت سے اپنی پیشانی کھجائی۔

''آپ کیا سمجھتے ہیں۔ آپ نہیں بتائیں گے تو ہمیں علم ہی نہیں ہو گا۔ چاچو جان یہ باتیں تو ہوا کے دوش پر خوشبو پھیلاتی پہنچ جاتی ہیں۔ نازک آنٹی کا فون مما کے پاس آیا تھا انہوں نے مما سے آپ کی شکایت کی ہے۔ اسی لیے اتنا ہنگامہ ہوا ہے وہ بہت زیادہ ناراض ہیں آپ سے۔'' وہ ابھی مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ معارج نے اشارے سے اسے خاموش کروایا۔

''تم سب تو آتے ہی میری کلاس لینے لگے ہو نہ کسی نے چائے پانی کا پوچھا ہے اور نہ ہی کھانے کا۔ چلو جاؤ دونوں جلدی سے میرے لیے چائے بھیجو اور فٹافٹ تیار ہو جاؤ آج آؤٹنگ کے لیے چلتے ہیں او کے۔'' معارج نے لڑکیوں کو ٹالتے ہوئے کہا۔

''چاچو آپ ہمیں ٹال رہے ہیں اور اچھا نہیں کر رہے۔'' نوشی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں چندا اس ٹاپک پر راستے میں باتیں کریں گے کوئی حل نکالیں گے او کے جاؤ جلدی تیار ہونا۔'' ان کے کمرے سے نکلنے پر معارج محب کی طرف لپکا۔

''ان دونوں کے سامنے یہ سب بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''میں نے تو بکواس کی ہے اور مما کو جو انہیں آپ کا سارا کارنامہ سنایا ہے وہ کیا ہے؟''

محب خفگی سے بولا تو معارج کو اپنا آپ خطرے میں محسوس ہوا۔ اسے اپنے لیے کم از کم ایک حامی کی ضرورت تو تھی ورنہ بھابھی جان بھی اس پر گولا باری کر دینے والی تھیں۔

''آج کیا سبھی نے مجھ سے ناراض ہونے کی قسم کھا رکھی ہے؟'' محب خاموش رہا۔

''دیکھو کل اچانک ادھر مجھ سے کچھ ایسی باتیں ہو گئیں جس کی وجہ سے یہ ہنگامہ رونما ہوا۔ میں نے دانستہ یہ سب نہیں کیا اب تم خود سوچو اس میں میرا قصور کتنا ہے۔ وہ بس کے انتظار میں کھڑی رہتی یہ ٹھیک تھا میں چھوڑنے چلا گیا تو ان کی آن کا مسئلہ بن گیا۔ وہ بی بی جان اس قدر

دقیانوسی ہیں، مائی گاڈ۔'' اسے کل کی باتوں کا تصور ہی پھر سے ہلا گیا۔

''آپ صرف چھوڑ کر آ جاتے تو بات اتنی نہ بڑھتی آپ تو گھر کے اندر پہنچ گئے اور خود ہی شادی کی ڈیٹ بھی فکس کرنے کی بات کی۔ ہنگامہ تو ہونا ہی تھا۔

''کہہ تو رہا ہوں غلطی سے بلکہ بدحواسی میں کچھ غلط سلط بول گیا تھا۔ اب بھگت بھی تو رہا ہوں۔'' اس نے جھنجھلا کر شرٹ کا گولہ بنا کر بیڈ پر پٹخا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ کچھ اور ہی کہہ رہے تھے کہ آپ کو کسی کی پرواہ نہیں ہے۔''

''یار اپنا بھرم بھی تو رکھنا ہے۔'' وہ مایوس ہو کر بیڈ پر ٹک گیا۔

''آپ ادھر بھرم رکھیے ادھر چاہے بی بی جان آنٹی کا بھرم نہ بنا رہی ہوں۔ میں تصور کر سکتا ہوں ان کا بہت برا حال ہوا ہوگا۔''

''وہ تو میرے سامنے بن گیا تھا۔'' محبت کی ہمدردی پر وہ پہلے ہنسا اور پھر ہنستے ہنستے بتایا۔

''رئیلی..... اور آپ چاچو آپ خاموشی سے دیکھتے رہے۔'' محبت نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔

''خاموش رہنے پر اتنا ہنگامہ ہو رہا ہے اگر کچھ کہہ دیتا تو کیا ہوتا۔'' اسی وقت ملازم لڑکا چائے لے آیا اور ساتھ میں بھابھی جان کا پیغام بھی پہنچا انہوں نے فوراً طلبی کی تھی۔

چائے پی کر وہ بھابھی جان کی عدالت میں حاضر ہوا۔ عینی بھابھی بھی معارج کو ہی مورد الزام ٹھہرا رہی تھیں اور اب ان کا بھی آخری فیصلہ تھا کہ اگر معارج کی شادی کسی لڑکی سے ہوگی تو آنچل سے ہوگی ورنہ کسی سے بھی نہیں ہوگی۔ وہ بھی تو یہی چاہتا تھا مگر اب کیا کر سکتا تھا ادھر سے انکار ہو چکا تھا اور اسے اپنی انا عزیز تھی فی الحال بھابھی کے سامنے چوں چرا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ البتہ انہیں کوشش کرنے سے منع نہیں کیا تھا۔

پھر بھابھی جان نے اپنی سی کوشش کی تھی تین بار بی بی جان کے پاس گئیں۔ منت سماجت کی معارج کی جگہ پر خود معافی مانگی۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ بھابھی نے زمانے کا خوف دلایا، منگنی ٹوٹنے کے بعد کے نقصانات بتائے۔ مگر انہیں کوئی بھی پرواہ نہ تھی وہ اپنے فیصلے پر قائم تھیں۔ انہیں معارج کی اپنے ساتھ بدتمیزی کا قلق تھا۔ انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ جس لڑکے کی نظر میں میری وقعت شادی سے پہلے نہیں تھی وہ بعد میں کیا ادب واحترام کرے گا۔ بی بی جان کو نہ ماننا تھا نہ مانیں۔

آنچل بظاہر خاموش تھی مگر اندرونی طور پر روز روز کی چخ چخ سے تنگ آ گئی تھی۔ ہر بار اسے نئے سرے سے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ بی بی جان بیٹا سرمد اور بہو سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے مگر وہ کسی کی نہ سننے کا مصمم ارادہ کر چکی تھیں۔

عینی بھابھی آخری کوشش کے طور پر نازک کو ساتھ لے آئی۔ لاڈلے دیور کی حالت زار ان سے بھی نہیں دیکھی جا رہی تھی۔ نازک کو ان کے ساتھ دیکھ کر بی بی جان مزید چڑ گئیں۔ ان کا پارہ آسمان پر چڑھ گیا۔ انہوں نے سختی وقطعیت سے بیٹی کو بھی آئندہ تعلقات کے لیے محدود کر دیا۔

''اگر تم ان کی سفارشی بن کر آئی ہو تو آئندہ مجھ سے تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں۔'' ان کا یہی رویہ یہی بات قراۃ العین بھابی کو آبدیدہ کرنے کے ساتھ دل برداشتہ بھی کر گئی۔ ان کے دیور نے ایسی بڑی غلطی نہیں کی تھی جس پر بی بی جان اتنا شدید ردعمل دکھا رہی تھیں۔ وہ بہت مایوس ہو کر لوٹی تھیں۔

اس کے باوجود سبھی نے آنچل کو چوری چوری فون کیے تھے سب سے زیادہ غمگین محبت تھا کیونکہ اپنے چاچو کا وہ راز دار بھی تھا۔ اس نے دو تین بار فون کر کے اپنے چاچو کی حالت زار کا احوال بھی آنچل کو سنایا تھا۔ آنچل کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس طرح ان سے بات کرے کیا جواب دے۔ بی بی جان کے چٹانوں جیسے اصولوں میں دراڑیں ڈالنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا وہ تو ان میں سے کسی کا فون سنتے ہوئے بھی بی بی جان کے خوف سے دہلتی رہتی تھیں۔ نازک البتہ اسے ہمت کرنے پر اکساتی رہتی تھی۔ اب بھی وہ اسے اس کے کمرے سے اٹھا کر بہانے سے لے گئی تھی کہ اس کی کسی سہیلی کا فون ہے۔ مگر ریسیور اٹھانے کے بعد اسے پتہ چلا کہ دوسری طرف لائن پر محبت تھا۔ رسمی گفتگو کے بعد وہ پھر اصل موضوع پر آ گیا۔

''آنٹی جی آپ نے کچھ نہ کیا تو چاچو کچھ نہ کچھ ضرور کر لیں گے۔''

''میں..... میں کیا کر سکتی ہوں جو کرنا ہے بی بی جان کو کرنا ہے۔''

''تو آپ کی بی بی جان بھی تو درست نہیں کر رہیں ان کے فیصلے سے کسی کی جان کو خطرہ ہے وہ کچھ بھی کر لیں گے میں آپ کو بتا رہا ہوں۔'' محبت کے غمزدہ لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا جس نے آنچل کو لرزہ دیا تھا وہ فوراً بولی۔

''آپ سمجھائیں ناں ایسا کرنا عقلمندی تو نہیں ہے ضروری تو نہیں کہ ہر بندھن ملنے کے لیے بندھتے ہوں کچھ رشتے کچھ لوگ اور چیزیں وقتی طور پر مل جانے کے بعد کھو جانے کے لیے بھی

ہوتے ہیں۔'' آنچل نے ٹھہرے ٹھہرے انداز میں کہا۔

''تو آنٹی آپ ہی انہیں سمجھا دیں وہ یہیں ہیں۔'' محب نے جواباً کہا تو اس کا سارا حوصلہ اور ہمت جواب دے گئے۔

''اُف کس طرح بات کروں گی۔'' وہ خود سے مخاطب تھی کچھ لمحوں کے توقف کے بعد اسے طلسمی آواز ایئر پیس میں ابھری۔ جس نے سارے حواس چھین لیے۔ وہ شاید ایکسٹینشن سے پہلے ہی اس کی باتیں سن چکا تھا۔

''تم مجھے کچھ سمجھانا چاہتی ہو شاید۔'' معارج کی آواز خاصی بھاری ہو رہی تھی۔

''نہیں.....نہیں تو۔''

''اس کا مطلب ہے میں جو کرنے جا رہا ہوں درست ہے نا۔'' آنچل جو محبت سے پر اعتماد گفتگو کر رہی تھی اس کی آواز سنتے ہی پزل ہو گئی۔

''شاید۔''

''تو تم چاہتی ہو کہ میں بھی ناکام عاشقوں کی طرح ڈھیروں سلیپنگ پلز کھا کر سو جاؤں تمہارے نام کے ساتھ اپنے نام کی ایک نئی داستان چھوڑ جاؤں میں ایسا کر بھی جاؤں تو یاد رکھو سکون تمہیں بھی نہیں ملے گا۔ میرے دکھ میرے کرب آئندہ تمہیں محسوس ہوں گے۔ میں محبت کے معاملے میں بہت پوزیٹو ہوں اگر اس دنیا میں میری حیات باقی لکھی ہے تو تمہارے نام کے ساتھ اپنے نام کے مٹنے کے بعد کسی اور کا نام لکھنے سے پہلے کھرچ ڈالوں گا تم بتا دینا اپنی بی بی جان کو مجھے ٹھکرا کر کسی اور کو تمہارا ہاتھ پکڑانا انہیں بہت مہنگا پڑے گا۔''

اس وقت وہ جذبات کی رو میں بہہ کر جنونی ہو رہا تھا۔ آنچل کو اس کے لفظوں نے کسی انہونی کا احساس دیا تھا پھر بھی وہ خود کو سنبھال کر بولی۔

''آپ خود سوچیں میں بی بی جان سے یہ سب کہنے کی جرأت کیسے کر سکتی ہوں وہ میری ماں ہیں میری بزرگ ہیں میرے اچھے برے کو مجھ سے زیادہ بہتر سمجھتی ہیں۔ میں اتنے بزرگوں پر کوئی الزام رکھ کر ان کی توہین نہیں کر سکتی۔ آپ مجھ سے ایسی توقع مت رکھیں۔ اے۔ ایس۔ پی معارج اسامہ۔'' آنچل نے نجانے کس طرح اتنی جرأت کر لی تھی حالانکہ دل تو چیخ چیخ کر اس کے جذبات پر تڑپ رہا تھا لیکن اس نے خود کو جھٹلا کر اپنی ہی تردید کر دی تھی۔

اسی لمحے بی بی جان اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی تھیں۔ معارج کا نام سنتے ہی اس کے

سے ریسیور جھپٹ کر کریڈل پر پٹخ دیا۔ آنچل بھونچکا سی ماں کو دیکھتی رہ گئی۔

''تو یہ تھی تمہاری دوست۔'' بی بی جان دھاڑیں۔

''وہ مجھے کیا خبر تھی کہ۔'' سچ بولنے سے پہلے ہی گولا سا حلق میں اٹک گیا آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

''بس خاموش خبردار جو ایک لفظ بھی منہ سے نکالا۔'' بی بی جان پھر سے شدید غصے کی لپیٹ میں تھیں۔

''بی بی جان یہ سچ نہیں۔'' وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر انہوں نے اسے بولنے ہی نہیں دیا۔

آنچل کو بے بنیاد الزامات سن کر غصہ بھی آ رہا تھا اور کوفت بھی ہو رہی تھی۔ اس کے بعد بھی بی بی جان نے سارا دن وقفے وقفے سے اس کی جان کھائی رکھی۔ انہیں چپ کرانے کی بہو اور نازک نے بہت کوشش کی مگر وہ کسی طرح آنچل کو اس جرم سے بری کرنے کو تیار نہ تھیں۔

آنچل کا کمرے سے نکلنا ہی محال ہو گیا تھا۔ رات تک وہ بھوکی پیاسی اپنے کمرے میں بند رہی۔ رات کے کھانے پر نازک اور بھابھی اسے بلانے آئیں تو اس نے سختی سے انکار کر دیا۔

''نہیں بجیا میں نہیں جاؤں گی صبح سے بی بی جان اتنا کچھ کہہ چکی ہیں کہ اب مجھے اپنی ذات ہی مجرم لگنے لگی ہے۔ میں ان کا سامنا نہیں کر سکتی۔''

''گڑیا تم کیوں خود کو مجرم سمجھ رہی ہو اس طرح چھپ کر بیٹھنے سے تو ان کی غلط فہمی مزید بڑھے گی تم موقع دیکھ کر اپنی صفائی پیش کرو۔ آخر انہیں یقین آ ہی جائے گا۔'' نازک نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کیسی صفائی اور یقین بی بی جان میری ہر بات جھوٹ ہی سمجھیں گی وہ سمجھتی ہیں میں نے انہیں فون کیا تھا حالانکہ مجھ کو علم بھی نہیں تھا کہ کس کا فون ہے آپ ہی نے مجھ سے جھوٹ بولا اور مجھے نئی مصیبت میں پھنسوا دیا۔'' آنچل صبح سے بھری بیٹھی تھی اپنی بھڑاس روتے ہوئے نکال رہی تھی۔

''آپ بتائیں بجیا بی بی جان ایسا کیوں کر رہی ہیں۔ جب انہوں نے انکار کر دیا ہے تو پھر کس بات کی فکر ہے وہ زبردستی تو کرنے سے رہے گھر بیٹھے منہ میں تو نہیں ڈال رہے میں کوئی حور پری تو نہیں ہوں کہ میرے لیے دنیا ہی تیاگ دی جائے گی آخر ان میں برائی کیا تھی۔ صرف چھوٹی

سی غلطی ہی تھی نا کہ وہ مجھے کالج سے لے آئے۔اس غلطی کو معاف بھی تو کیا جا سکتا تھا۔"

اولاد کتنی بھی فرمانبردار ہو ایک حد کے بعد اس کی فرمانبرداری بھی ختم ہو جاتی ہے۔اس سے محبت و اعتماد کا بار بار اظہار ہی فرمانبرداری پر مجبور کرتا ہے ورنہ دوسری صورت میں اس کی سوچیں، عمل حتیٰ کہ زبان بھی نافرمانی کی طرف بڑھنے لگتی ہیں۔آنچل کا حوصلہ تھا وہ کتنے عرصے سے بی بی جان کی ناجائز باتیں برداشت کرتی آ رہی تھی۔آج فون والے واقعے کے بعد بی بی جان کے رد عمل نے اس کی برداشت کو بھی آزما لیا تھا۔اس کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا تھا اور وہ دل میں دبی باتیں آخر نکال ہی بیٹھی تھی۔

بی بی جان اس کے بھوکے رہنے پر تھوڑا سا نرم پڑ گئیں تھیں اپنے غصے کی شدت کا انہیں احساس ہو گیا تھا۔بحیثیت ماں وہ اسے بھوکا نہیں دیکھ سکی تھیں۔وہ اسے بلانے خود اس کے کمرے میں آ کر رہی تھیں مگر اندر سے آنچل کی باتوں کے ساتھ رونے اور شور مچانے پر وہ دروازے سے باہر ہی ٹھٹھک کر رک گئیں اور پھر اس سے مزید بدگمان ہو کر غصے سے واپس اپنے کمرے میں لوٹ آئیں۔پھر انہوں نے بہت جلدی میں ایک فیصلہ کیا۔

☆☆☆

رات کے بارہ بجے تھے وہ ابھی چند لمحے پہلے اپنی ڈیوٹی بھگتا کر لوٹا تھا کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ گرنے کے سے انداز میں اپنے بستر پر لیٹ گیا تھا نہ لباس بدلا تھا نہ کھانا کھایا تھا۔آنچل سے صبح گفتگو کرنے کے بعد وہ مایوسی کا شکار ہو گیا تھا آنچل کے بنا جینے کا تصور ہی اس کے لیے اذیت ناک تھا وہ اس سے پہلے کئی لڑکیوں سے مل چکا تھا ہر کوئی اسے اپنی راہ میں پلکیں بچھانے ملی تھی لیکن دل صرف آنچل کی طرف ہی مائل ہوا تھا۔دل و نگاہ میں صرف اس کی صورت سمائی تھی اور اب اسی نے عجیب سے انداز میں بات کر کے اسے اپنی ہی نظروں میں ذلیل کر دیا تھا۔

اس کے رویے سے اسے بہت شاک لگا تھا۔وہ تو آنچل کو ایک بے ضرر سی لڑکی سمجھتا تھا جسے گم صم رہنے کی عادت تھی اور گویا اسی عادت نے اس کی شخصیت کو مسحور بنا رکھا تھا۔اسے کئی بار گمان ہوا تھا کہ آنچل ہنر گویائی سے محروم ہے مگر آج اس کے گمان اس کے بھرم ٹوٹ گئے تھے۔وہ آج ایسا بولی تھی کہ لفظوں کا کھلاڑی خود ہی شرمندہ ہو گیا تھا اور مسلسل اس کی بے مروتی پر کڑھ رہا تھا۔

"کیا تھا جو تم آج بھی کچھ نہ کہتیں بولی تھیں تو میرا ساتھ دیتیں میرا دل رکھنے کے لیے دو حرف تسلی کے ہی بول دیتیں کم از کم مجھے دل بہلانے اور سکون سے جینے کا آسرا تو مل جاتا۔مگر شاید تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے کیا تم میرے بنا آسانی سے جی لو گی۔میں تمہارے بنا مر تو نہیں جاؤں گا مگر جینے میں مشکل ضرور ہو گی۔کوئی کمی سی رہ جائے گی۔اس سودائی دل میں ایک کرب مسلسل ایک کسک عمر بھر کسمساتی رہے گی۔برا ہوا اس دل کا جس نے تم جیسی مغرور حسینہ کو پسند کیا دل میں بسایا اور اپنا سب کچھ سمجھ لیا۔تمہارا کیا گیا؟ تباہ تو میں ہو رہا ہوں مگر یاد رکھو۔"

معارج خود سے باتیں کرتے کرتے سائیڈ ٹیبل سے آنچل کی مسکراتی ہوئی تصویر اٹھا کر اسے مخاطب کر رہا تھا۔دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔دل کی مچلتی حسرتوں سے تنگ آ کر اس نے طیش میں اس کی تصویر اٹھا کر سامنے دیوار پر پھینکنا چاہا اسی لمحے فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔معارج نے تصویر تکیے پر پٹخ کر چیختی بیل سے جھنجھلا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.....اے۔ایس۔پی معارج اسامہ اسپیکنگ۔" معارج نے ریسیور اٹھاتے ہی اپنے مخصوص انداز میں اپنا تعارف کروایا۔

"مجھ پر اپنے عہدے کا رعب جمانے کی ضرورت نہیں اپنی بھابھی کو بلاؤ۔" دوسری طرف لائن پر بی بی جان تھیں وہ آخری فیصلے پر پہنچ کر اس وقت فون کر رہی تھیں۔

"جی.....آپ کون بول رہی ہیں؟" معارج انجان تھا۔

"میں نے کہا نا بس اپنی بھابھی کو بلوا دو میں اب تم کو تو بتانے سے رہی۔" بی بی کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا اور معارج کو اس بات پر حیرت کہ یہ کون ہیں جو اسے جانتی ضرور ہیں مگر بے مروتی برت رہی ہیں۔

"خاتون اس وقت میں انہیں کیسے جگاؤں ان کا کمرہ نیچے والے پورشن میں ہے کوئی پیغام ہے تو مجھ کو دے دیں میں صبح انہیں دے دوں گا۔" معارج احترام سے مخاطب ہوا۔

بی بی جان کی طرف تو اس کا وہم و گمان بھی نہیں جا سکا تھا۔

"جو کچھ بھی ہے تم بس جلدی سے قرۃ العین کو بلوا دو۔" معارج کو اپنی سماعت پر دھوکا ہوا۔اب بھابھی کا نام لینے کے انداز پر وہ انہیں پہچان سکا تھا۔بی بی جان کا اس وقت فون کرنا اسے اچنبھے میں ڈال گیا تھا۔وہ انہیں انتظار کرنے کا کہہ کر عینی بھابھی کے پاس آ گیا۔اوپر آنے سے پہلے انہوں نے اسے کھانے کا پوچھا تھا اسی لیے اب بے دھڑک ان کے دروازے پر دستک دے

دی تھی۔ اگلے ہی لمحے عینی بھابھی قدرے حیران پریشان دوپٹہ درست کرتیں دروازے سے نمودار ہوئیں اور معارج کو دروازے سے باہر کھڑا دیکھ کر تشویش سے بولیں۔

''خیریت راجو کیا بات ہے؟'' وہ جب بہت لاڈ میں ہوتی تھیں تو اسے راجو ہی کہتی تھیں۔

''پنڈی سے فون ہے سن لیں۔''

''کس کا فون ہے اس وقت؟'' انہیں اپنی سماعت پر اعتبار نہیں آیا تھا اسی لیے حیرانی سے پوچھ رہی تھیں اور ساتھ بھی چل رہی تھیں۔

''کس کا ہوسکتا ہے پنڈی میں کون رہتا ہے؟'' وہ مڑ کر پوچھنے لگا۔

''آنچل کا۔''

''نہیں ان کی بی بی جان کا ہے آپ ہی سے کوئی بات کرنا چاہتی ہیں۔''

''خدا خیر کرے اس وقت کیا اہم معاملہ طے کرنا پڑ گیا انہیں دن بھی تو نکلنا تھا۔'' بھابھی جان کی حیرانگی ہنوز قائم تھی کوریڈور میں آکر انہوں نے ریسیور اٹھالیا۔

''میں جاؤں بھابھی جان!'' معارج نے اوپر جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

''ارے نہیں ٹھہرو نجانے کیا بات ہے۔'' انہوں نے پہلے اسے روکا اور پھر ریسیور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے بی بی جان کی سپاٹ آواز ٹکرائی۔ رسمی علیک سلیک کے بعد بی بی جان نے گویا دھماکہ کردیا۔

''تمہیں اپنے دیور کا گھر بسانے کا شوق ہے تو آکر آنچل کو لے جاؤ اب وہ تمہاری امانت ہے اور غور سے سن لو اپنی امانت کو کل تک لے جاؤ ورنہ اس کے بعد کبھی نہیں۔'' بی بی جان کی آواز بے تاثر تھی۔ بھابھی جان کو تجدید تعلق پر جتنی خوشی ہو رہی تھی ان کے اس الٹی میٹم پر اتنی ہی حیرانگی کہاں تو شادی نہیں کر رہی تھیں منگنی توڑ ڈالی تھی اور کہاں کل تک رخصتی کے آرڈر دے دیئے تھے۔ وہ حیرانگی سے استفسار کرنے لگیں۔

''لیکن بی بی جان آپ تو..... یہ فیصلہ۔''

''ایسی نافرمان اولاد کے لیے میرے گھر میں جگہ نہیں وہ تمہارے دیور کے ساتھ ہی اچھی لگے گی۔'' بی بی جان کا لہجہ شاکی تھا انہوں نے پھر یاد دہانی کروائی۔

''بس تمہارے پاس کل کا ہی دن ہے اس کے بعد میرے فیصلے میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی۔ چاہے وہ ساری عمر کنواری بیٹھی رہے۔'' انہوں نے اٹل انداز میں کہہ کر فون بند کردیا۔ بھابھی جان

سراسیمہ سی کھڑی رہ گئیں۔ معارج کے متوجہ کرنے پر انہوں نے ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔

''وہاٹ..... رئیلی..... اونو۔'' اس کی حیرت خوشی میں ڈوبی چیخ نے جیسے در و دیوار کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''مائی گاڈ وہ مانی کیسے اب کیا کرنا ہے بھابھی جان!''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''جو آپ کی خوشی ہو مگر.....'' وہ کسی سوچ میں تھا۔

''میری نہیں اپنی خوشی کی بات کرو کل چلنا ہے یا آنچل کو ہمیشہ کے لیے کھونے کا حوصلہ رکھتے ہو۔'' عینی بھائی نے اسے آزمایا۔

''میری خوشی کا آپ کو پتہ ہے مگر بھابھی بی بی جان کا اس طرح اچانک فیصلہ بدلنا مجھے حیرت زدہ کر رہا ہے۔ ابھی صبح ہی تو.....'' بھابھی نے اسے بات پوری نہ کرنے دی۔

''راجو تمہاری خوشی مجھے عزیز ہے اور آنچل کو اس گھر میں لانے کا خواب تم نے ہی ہمیں دکھایا تھا۔ اب اس خواب کی تعبیر کا وقت آگیا ہے تو ساری باتیں بھلا کر آگے بڑھنا ہے نجانے انہوں نے یہ فیصلہ کیسے کیا ہے کیا خبر آنچل ہی نے انہیں مجبور۔'' وہ کہتی کہتی رک گئیں اور معارج یہ بات سوچ کر ہی مسرور ہوا تھا کہ ہوسکتا ہے یہ ٹکر آنچل نے ہی لی ہو۔ اس کی دھمکیوں نے اسے بی بی جان کے سامنے بولنے پر اکسایا ہو وہ شاداں فرحاں ہو رہا تھا۔

''بھابھی مام اتنے کم وقت میں کیسے کیسے انوائیٹ کریں گے اور شادی کے انتظامات کیسے ہوں گے میں نے ایسی ایمرجنسی کی شادی کے بارے میں تو کبھی نہیں سوچا تھا۔''

''بھئی اب سوچ لو نا ہر کام میں تو افراتفری مچاتے ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے شادی بھی جلدی میں ہونا قرار دی ہے تم سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو جا کر بچیوں اور محب کو جگاؤ میں تہنیت کو (دیورانی) جگاتی ہوں شکر ہے رات وہاج تہنیت اور بچے ادھر ہی رک گئے ورنہ آدھی رات کو انہیں بھی یہاں آنے کے لیے سارا قصہ سنانا پڑتا۔'' وہ کہتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر تہنیت کو جگانے چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد ہی سارا گھر جاگ گیا تھا۔ ایک افراتفری مچی تھی سارا گھر خوشی بھرے قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔ دونوں بھائی بھی چھوٹے بھائی کی خوشی میں دوستوں کی طرح شریک ہوگئے۔

شکر تھا عینی بھابھی نے لڑکیوں کی ضد پر پچھلے دنوں آنچل کے لیے کچھ کپڑے خریدے تھے

جواب کام آنے تھے۔ دو چار بھاری سوٹ ریڈی میڈ لینے کا فیصلہ ہوا تھا۔ زیورات بھی فی الحال بنے بنائے صبح ہی لینے تھے محب افشی، نوشی تینوں نے فل والیوم میں سی ڈی پلیئر ڈھونڈ ڈھانڈ کر شادی بیاہ کے گیت لگائے تھے۔ محب فریج سے مٹھائی لا کر سب کا منہ میٹھا کرانے کے ساتھ چاچو کو چھیڑ بھی رہا تھا۔ افشی نوشی اپنی ابٹن کریم لے کر معارج کے پیچھے پیچھے تھیں اور وہ کبھی عینی بھابی اور کبھی ہنی بھابھی کی بیک میں پناہ لیتا ان سے بچتا چھپتا پھر رہا تھا۔ بھابھی سے ان کی شکایت کر رہا تھا۔

''بہت شوق تھا ناں شادی کا اب بھگتو بچو۔'' ہنی بھابھی نے بھی اسے چھیڑا۔ نوشی نے موقع غنیمت جان کر اس کے منہ پر اپنی ابٹن کریم تھوپی افشی نے اس کے سر پر تیل کی شیشی الٹ دی۔ ان کے پاس بطور رسم یہی کچھ تھا اور وہ چیخ رہا تھا۔

''یار یہ سب کچھ لڑکیوں کے لیے ضروری ہوتا ہے مجھے تو بخش دو۔''

''آنٹی کا حصہ بھی آپ کو ہی ملے گا کیونکہ ہم ان تک تو جا نہیں سکتے ویسے چاچو آپ بہت لکی ہیں۔'' نوشی قریب آ کر بیٹھ گئی۔ تو اس نے بھرپور مسکراہٹ اور تفاخر سے سب کی طرف دیکھا۔ اس کے لیے واقعی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ آنچل کو کھو جانے کے اذیت ناک کرب و عذاب کے بعد پھر سے اس کی زندگی میں بہار بن کر آ رہی تھی۔

☆☆☆

بی بی جان نے آدھی رات کو زبردست دھماکہ کیا تھا۔ جس کے شور سے لمحہ بھر کو تو سبھی ساکت رہ گئے۔ پھر سنبھلے تو حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ مغرب تک تو بی بی جان معارج کا نام سننے کی روادار نہیں تھیں اور اب کل آنچل کو اس کے نکاح میں دینے کا مصمم ارادہ کر چکی تھیں۔ نازک نے بہت ہمت کر کے ان سے وجہ دریافت کی تھی دل ہی دل میں خدشہ تھا کہ بی بی جان کا غصہ اس پر نہ ابل پڑے کیوں معارج سے راہ رسم اسی کی وجہ سے ہوئی تھی لیکن بی بی جان نے سرد لہجے میں صرف اتنا کہا۔

''جس اولاد کو ماں کے فیصلے پر بھروسہ نہ رہے اسے اس کے زعم پر چھوڑ دینا بہتر ہے۔ پھر وہ جانے اور اس کا نصیب۔''

ان کے انداز سے سمجھ لینا ہی کافی تھا کہ بی بی جان آنچل اور اس کی گفتگو سن چکی ہیں۔ بی بی جان کے تاثرات سرد تھے۔ اس کے باوجود نازک خوش تھی۔ کہ بی بی جان نے خواہ ناراضگی میں ہی

سہی اپنے غلط فیصلے کو صحیح کر دیا تھا۔ غصے اور جذبات میں وہ منگنی توڑنے کے بعد نہ صرف اپنے لیے بلکہ آنچل کے لیے بھی مشکلات پیدا کر رہی تھیں۔ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا تھا مگر سب کے نزدیک یہی بہتر فیصلہ تھا۔ آنچل کی منگنی کے ختم ہونے کا ابھی کسی کو علم نہیں تھا اس پر ایمرجنسی کی شادی کے تو کئی جواز گھڑے جا سکتے تھے۔ سو نازک مطمئن ہو کر اپنی بہنوں کو اطلاع دینے کے ساتھ جلد آنے کی وارننگ بھی دے رہی تھی۔

بازل کو بھی صبح تک پہنچ جانے کا آرڈر دیا گیا۔ بہنوں کے آتے ہی اس نے بی بی جان سے پوچھ کر انتظامات شروع کر دیئے۔ بی بی جان کا جمع کیا ہوا زیور کپڑا سبھی راتوں رات صندوقوں، الماریوں سے برآمد کیا گیا۔ جہیز کے نام پر البتہ انہوں نے آنچل کے لیے سامان وغیرہ اکٹھا نہیں کیا تھا۔ مگر اب اس اچانک غیر متوقع صورت حال پر سب کی متفقہ رائے تھی کہ آنچل کو جہیز کی صورت میں رقم بطور چیک دے دی جائے بعد میں اپنی پسند سے خریدتی رہے گی۔ سبھی گھن چکر بنے ہوئے تھے۔

آنچل آدھی رات کو سب کی آمد اور ہنگامہ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ ابھی اسے کسی نے بی بی جان کے فیصلے کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ وقت ہی اتنا کم تھا کہ سبھی اسی پریشانی میں تھے کہ کل دوپہر تک کس طرح انتظام ہو پائے گا۔ سب کا خیال تھا کہ کم از کم ایک ہفتے کا وقت تو بی بی جان رکھتیں مگر نہ انہوں نے کسی کی سنی تھی اور نہ بولنے کی گنجائش چھوڑی تھی نازک کو ہی بڑی دیر بعد خیال آیا کہ آنچل کو تو کسی نے کچھ بتایا نہیں وہ تو ویسے بھی صبح سے کمرے میں بند تھی۔

''مبارک ہو گڑیا! بی بی جان نے کل تمہاری رخصتی طے کر دی ہے۔'' نازک نے بہت خوشی سے اطلاع دی مگر آنچل کو تو جیسے کسی برقی رو نے چھو دیا ہو۔ وہ حیرت سے چیخی۔

''کیا کہہ رہی ہیں بجیا آپ کس کے ساتھ۔''

''کس کے ساتھ؟ ارے اپنے اس ہیرو کے ساتھ شکر ہے بی بی جان نے خود ہی فیصلہ بدل لیا ورنہ وہ تو نجانے کیا کر بیٹھتا۔''

''میں..... میں یہ شادی نہیں کروں گی بجیا!'' آنچل کی آواز بھرا گئی۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ بی بی جان کی ناراضگی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

''گڑیا پاگل تو نہیں ہو گئی ہو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ۔''

''نہیں بجیا مجھے ایسی خوشی نہیں چاہیے جو بی بی جان کو مجھ سے ناراض کر دے۔ نہیں بجیا میں

یہ شادی ہرگز نہیں کروں گی پلیز آپ مجھے بی بی جان کے پاس لے چلیں میں ان سے معافی مانگ لوں گی وہ اس طرح مجھے خود سے جدا نہ کریں۔'' نازک سے لپٹ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''ارے گڑیا یہ تو پاگل پن ہے۔ بی بی جان بنا سوچے سمجھے غصے میں ایک غلط فیصلہ کر رہی تھیں انہیں ابھی تو نتائج کی پرواہ نہیں تھی لیکن بعد میں پچھتاوا ہوتا۔ ہم تو شکر کر رہے ہیں۔ غصے میں ہی سہی ان سے درست فیصلہ ہو گیا ہے اور وہ بعد کی پریشانیوں سے بچ گئی ہیں ورنہ منگنی ٹوٹنے کے اسباب پر یقین ہی کون کرتا سبھی تمہیں کوئی نہ کوئی الزام دیتے۔'' نازک نے محبت سے اسے تھپکا۔ پھر سمجھاتے ہوئے بولی۔

''جو ہو رہا ہے ناں ہونے دو ذرا سوچو مائیں کب اپنی اولاد سے ناراض رہ سکتی ہیں۔ سب وقتی ابال ہے جو تمہاری شادی ہوتے ہی اتر جائے گا۔ معارج یقیناً ان کا دل جیت لے گا وہ اچھا انسان ہے تھوڑا سا لاپرواہ اور ضدی ہے اور وہ بھی صرف تمہارے معاملے میں ورنہ وہ بہترین انسان ہے بی بی جان نجانے کیوں اس سے اتنی بدظن ہیں خیر تم فکر نہ کرو وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔ بس چپ کر جاؤ رو ؤ نہیں۔'' نازک نے ہلکا سا ڈانٹا۔

''بی بی جان مجھ سے بات بھی نہیں کر رہیں۔''

''کر لیں گی ان کا غصہ تو اب تھوڑے وقت سے ہی اترے گا بس تم نے اب نہیں رونا۔''

''آنچل یہ کیا بھئی تم تو رو رہی ہو۔'' بھابی فون سیٹ اس کے کمرے میں لیے چلی آ رہی تھیں اسے روتے دیکھ کر ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے دل میں شکر کیا ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھا تھا۔

''تمہارے دولہا صاحب کا فون ہے اس سے تو چند گھنٹے انتظار نہیں ہو رہا۔'' انہوں نے چھیڑتے ہوئے آہستہ سے اطلاع دی۔ مگر وہ روتے روتے چیخ اٹھی۔

''مجھے کسی سے بات نہیں کرنی۔''

''اب تو ساری عمر انہی سے بات کرنی ہے گڑیا۔'' انہوں نے شرارت سے کہتے ہوئے نازک سے اشارتاً پوچھا کہ کیا کریں۔ نازک بھی اس کے فون کاٹ کر قدرے پریشان ہوئی۔ صبح کی تھوڑی دور تھی سیاہ اندھیرا سرمئی تو ہو ہی چکا تھا۔

''اسے اس وقت کیا کام پڑ گیا بالکل بھی چین نہیں ہے اچھا لائیں میں بات کرتی ہوں۔'' نازک نے ریسیور لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو بھابی نے کہا۔

''پوچھ رہا تھا کہ آنچل آج کیسا ویڈنگ ڈریس پہننا پسند کرے گی میں نے کہا کہ خود ہی پوچھ

لو۔''

''بھابی آپ منع کر دیں مجھ کو کچھ بھی نہیں چاہیے۔'' آنسوؤں سے اس کی آواز گھٹ گئی تھی۔

نازک نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر سیٹ اپنے قریب کر کے ریسیور کان سے لگایا۔ آنچل کے کانوں میں ناچاہتے ہوئے بھی نازک کی باتیں اتر رہی تھیں۔

''اے۔ ایس۔ پی صاحب صبر حوصلہ سے کام لیں اپنے کارناموں کی رفتار ذرا آہستہ رکھیے کہیں اس تیزی میں زیادہ آگے نہ نکل جائیں۔'' نازک نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

''وہ سزا تو اب عمر بھر کے لیے ہے۔'' نازک دھڑا دھڑ جوابی کارروائی کر رہی تھی۔

''جی نہیں اس کی کوئی خاص پسند نہیں ہے جو تمہیں پسند ہو لے آنا..... وہ نہیں سنے گی تمہاری کوئی بات..... کہا تو ہے جو تمہیں پسند ہو لے آؤ دلہن تو تمہاری ہی بنے گی اب چاہے چولی گھاگرا لے آؤ یا پھر کرسچن اسٹائل وائٹ ویڈنگ ڈریس پہلے کون سا پوچھ کر سب کچھ کیا ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' نازک اب شکایتی انداز میں کہہ رہی تھی۔

''ہم نے اپنی چھوٹی بہن کے بارے میں کیا کچھ نہیں سوچا تھا لیکن تم نے حد کر دی آخر کیا ضرورت تھی بار بار یہاں فون کرنے کی کچھ عرصہ صبر کر لیتے تو ہم معاملات سلجھا ہی دیتے۔ ہاں..... بس اب تم سے یہی توقع ہے کہ تم ہماری گڑیا کو ہمیشہ خوش رکھو گے زیادہ مکھن نہ لگاؤ اور شرافت سے فون بند کر دو۔ آرام کا وقت اب کہاں ہے اتنے تھوڑے وقت میں کیا کچھ کرنا ہے ابھی بازل بھی دیکھو کب تک آتے ہیں۔ ہاں..... ہاں بس وقت پر پہنچ جانا ورنہ بی بی جان یہ نہ ہو کسی اور کے ساتھ رخصت کر دیں۔ اچھا..... اچھا زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

نازک نے ہنستے ہوئے ریسیور واپس رکھا۔ بھابی پہلے ہی واپس چلی گئی تھیں۔ نازک پھر سے اس کا ذہن صاف کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''دیکھو وہاں جا کر ایسا رویہ نہیں رکھنا۔ سسرال میں بہت سوچ سمجھ کر صبر و تحمل سے رہنا پڑتا ہے۔ معارج بہت اچھا انسان ہے مگر کچھ عجیب سا بندہ بھی ہے صاف بات کرتا ہے اور سنتا بھی ہے اداسی خاموشی پر ہی بدگمان ہو جاتا ہے۔ تم یہ ضدنخرہ ملال رنج سب یہیں بھول کر جانا۔ جو ہونا تھا ہو گیا ہے جو ہونا ہے ہو گا ہی بی بی جان ایک نہ ایک دن تو تمہیں رخصت کرتیں بہتر ہے تم ابھی ان کے وقتی غصے کو دل سے نہ لگاؤ اور معارج کے ساتھ اپنی نئی خوشگوار زندگی کو ہنستے ہوئے شروع کرو بی بی جان آخر کب تک ناراض رہ سکتی ہیں آخر تو مان جائیں گی۔ میں سمجھتی ہوں مزید تمہیں کچھ کہنا

بے کار ہے تم خود بہت سمجھدار ہو نئی زندگی کی الجھنوں کو خوش اسلوبی سے سلجھا لو گی۔'' نازک نے بہت پیار اور مان سے اسے سمجھایا پھر اسے تھوڑی دیر آرام سے سونے کی تلقین کر کے اس کے کمرے سے چلی گئی۔

☆☆☆

ایک تو سخت گرمی اس پر شادی کا ہنگامہ خاندان میں جو سن رہا تھا حیران ہو رہا تھا۔ کافی لوگ تو پہلے ہی شاکی تھے کہ ان کے بیٹوں کو چھوڑ کر آنچل اور نازک کے رشتے باہر کیے تھے اور اب شادی بھی اسی طرح ہنگامی طور پر ہو رہی تھی۔ سب کو فون کر کے ہی مدعو کیا گیا تھا۔

ادھر معارج اسامہ کے یار دوست کو لیگز اسے کوس رہے تھے جو اس گرم موسم میں ملن کا موسم رچا رہا تھا۔ پانچ ساڑھے پانچ بجے وہ لوگ پنڈی پہنچے۔ اس شدید گرمی میں بھی مجبوراً سب کو زرق برق ملبوسات زیب تن کر کے اطمینان ظاہر کرنے میں خاصی دقت محسوس ہو رہی تھی پھر بھی سبھی کے چہروں پر بشاشت تھی۔ اس بھرے مجمع میں صرف دولہا صاحب ہی سادگی کا پیکر تھے۔ ایک تو صبح ہوتے ہی اسے ارجنٹ میٹنگ میں جانا پڑ گیا تھا۔ تین بجے واپسی ہوئی تھی تو سب نے جلدی جلدی کی رٹ لگا رکھی تھی۔ تازہ دم ہونے کے بعد اس کو سفید رنگ کا کاٹن کا سوٹ زیب تن کرنے کی اجازت ملی تھی۔ سوٹ دیکھ کر اسے بڑا عجیب لگا تھا۔ اوروں کی شادیوں میں بھرپور انداز میں حصہ لینے والا بڑی سج دھج سے پورے لوازمات کے ساتھ جانے والا بندہ آج اپنی ہی شادی میں جاتے ہوئے ڈھنگ کا لباس نہیں پہن سکا تھا۔ بھابھی جان اسے زبردستی کمرے سے نکال کر لے گئی۔

محب نے گاڑی کے قریب ہی کھڑے ہو کر اسے اس کی کوہاٹی چپل دی پہنائی کھڑے کھڑے ہی اس پر پرفیوم چھڑکا تھا۔ اندرونی خوشی کے باوجود وہ بظاہر برے برے زاویوں سے منہ بگاڑ کر بھابھی جان کی ڈانٹ بھی سن رہا تھا۔ ان کے پہنچتے ہی ان کی توقع سے بڑھ کر ان کی خاطر مدارت ہوئی تھی جسے دیکھ کر وہ مطمئن ہوا تھا۔ ورنہ تو وہ اس الٹی میٹم سے یہی سمجھ بیٹھا تھا کہ آنچل سے نکاح پڑھوا کر وہ اسے فوراً باہر کا راستہ دکھائیں گے۔ نکاح کے بعد جب معارج کی طرف سے آیا ہوا ڈریس آنچل کے پاس پہنچا تو وہ رونے کے ساتھ کچھ بھی پہننے سے انکاری ہو گئی۔

''جب مجھے مجرموں کی طرح رخصت کر رہے ہیں تو پھر یہ سب پہننا ضروری ہیں کیا؟''

آخر وہ پھٹ پڑی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو کس نے تمہیں مجرم کہا ہے دیکھو اب تمہارے نصیب میں ایسے ہی شادی ہونا لکھی تھی تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔'' بھابھی بہنوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی اونچ نیچ کا احساس دلایا۔ عزت کا واسطہ دیا۔

''بی بی جان نے تو جو کرنا تھا کر دیا ہے اب تم تو خدا کے لیے تماشا نہ کرو۔ خاندان میں ہماری جو عزت ہے وہ خاک میں مل جائے گی۔ پہلے ہی پھپھو حنیفہ اور چاچی بار بار اتنی جلدی شادی کرنے کی وجوہات پوچھ چکی ہیں۔ اب یہ باتیں باہر نکلیں گی تو نجانے کیا کیا افسانے گھڑیں گی۔ شاباش تم ہماری اچھی بیٹی ہو اس طرح ضد سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔''

بھابھی نے پیار کرتے ہوئے سمجھایا تو وہ پھر کہیں جا کر عروسی کپڑے پہننے پر راضی ہوئی۔ زیورات میں بھی صرف ایک سیٹ پہنا۔ میک اپ کرنے سے بھی روکا کیونکہ افشی نوشی اسے تیار کرنے آئی تھیں اس لیے اس نے ان سے معذرت کر لی۔ انہوں نے چپکے سے جا کر چاچو کو بتایا تو وہ شرارت سے ہنس دیا۔

''کافی سمجھدار ہے ناں دلہن اسے پتا ہے راستے میں ہی سارا پینٹ بہہ جائے گا اور دولہا کو خوفناک چہرہ دیکھنے کو ملے گا اسی لیے گھر جا کر ہی ایک دفعہ فریش میک اپ کروائے گی۔'' عینی بھابھی نے معارج کو مصنوعی خفگی سے دیکھا تو وہ قدرے سنبھل کر بولا۔

''دل سے دل کو راہ ہوتی ہے بھابھی مام وہ جان گئی ہو گی کہ میں نے بھی خاص اہتمام نہیں کیا۔ لہٰذا دونوں کو سادہ ہی رہنے دیں اور میرے خیال میں تو یہ جو اتنے بھاری بھرکم سوٹ کا بوجھ لاد دیا ہے وہ بھی زیادہ ہے اس کے لیے بھی لان کا ہلکا سا سوٹ ہی ٹھیک تھا۔'' معارج نے سنجیدگی سے شرارت کی تو بھابھی جان نے خفگی سے کہا۔

''پھر تو ہماری بھی کوئی ضرورت نہیں تھی تم خود اکیلے آ جاتے۔'' معارج سے ان کی خفگی برداشت نہ ہوئی تو فوراً اپنی صفائی میں بولا۔

''میں تو گرمی کی وجہ سے کہہ رہا ہوں اتنی تو گرمی ہے۔'' اس کی صفائی دینے والے انداز پر بھابھی مسکرا کر دوبارہ خواتین میں آ گئی۔

پھر کھانے کے بعد رخصتی کا شور اٹھا۔ واجبی سی رسمیں ہوئیں آنچل سر جھکائے گولڈن رنگ کے شلوار سوٹ کے بھاری کامدار دوپٹے کا بوجھ سہارے بیٹھی تھی۔ ہر احساس سے عاری چہرہ اس

کے احساسات کے منجمد ہونے کا پتہ دے رہا تھا اسے صرف یہ احساس تھا کہ اس کی ماں اس سے ناراض ہوگئی ہے۔ کچھ دیر کے لیے بی بی جان اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ سب اس کے کمرے سے نکل گئے تھے وہ بی بی جان کو دیکھ کر فوراً اپنی جگہ سے اٹھی اور ان سے جا کر لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

بی بی جان کا ضبط قابل دید تھا۔ انہوں نے ایک آنسو بھی نہیں بہایا تھا۔ پھر سرد مہری سے اسے خود سے الگ کیا۔

''تم نے جس کی تعریف کی میں نے تمہیں اسی کے سپرد کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اب تمہیں بھی اپنا فرض پورا کرنا ہے آج کے بعد اس گھر سے تمہارا کوئی تعلق کوئی رشتہ نہیں رہا تمہیں بھول کر بھی اس طرف آنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آج کے بعد جب تک میں زندہ ہوں تمہارے لیے اس گھر کے دروازے بند ہوں گے۔''

بی بی جان نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا اور پھر اسے سسکتا ہوا چھوڑ کر چلی گئیں۔ آنچل دم بخود تھی۔ ان کی باتوں کا مفہوم اسے جب سمجھ آیا تو بی بی جان جا چکی تھیں۔ اس کی ذرا سی لغزش سے اس کی ماں اس کی جنت خفا ہوگئی تھی۔ اس کی ماں نے اسے عجیب سی سزا دی تھی۔ اس پر زندگی کا سکون حرام کر دیا تھا۔ یہ خوشی تھی یا غم کا سنگین سمندر جو اس کی ماں نے اس کے اور اپنے درمیان حائل کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کس سے فریاد کرے۔ اب تو کوئی بھی ہمدرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا دل درد کے بحر میں ڈوب گیا تھا اور کرب آنکھوں کے ذریعے قطرہ قطرہ بہہ نکلا تھا۔

پھر اسے خبر نہیں ہوئی کہ وہ کس کس کے گلے مل کر روئی کس کس کی دعائیں سمیٹیں کس نے کیا نصیحتیں کیں کس نے پیار دلاسا دیا۔ وہ تو بس ایک آواز کی متمنی تھی۔ بی بی جان کی شفقت کے لیے اس کے وجود میں تڑپ جاگ رہی تھی۔ اسے آخری لمحے تک یقین سا تھا کہ بی بی جان آخر اسے گلے لگا کر معافی کی نوید سنائیں گی۔ اس کی بے بنیاد غلطیوں کو بھلا دیں گی اور اپنی دعاؤں تلے رخصت کریں گی مگر بی بی جان کٹھور بنی اپنے کمرے میں بند ہوگئیں۔

لوگوں کے جھرمٹ میں وہ گاڑی تک پہنچائی گئی تو محبت اور معارج کی نوک جھونک جاری تھی۔ معارج آنچل کے ساتھ پیچھے بیٹھنے پر بضد تھا جبکہ محبت آنچل کے بیٹھنے کے بعد خود دروازہ روکے کھڑا تھا۔

''نہ جی..... آپ فرنٹ سیٹ پر بیٹھیں جیسے کہ سبھی دولہا بیٹھتے ہیں۔'' افشی نوشی بھی آ گئیں۔

''بالکل اور ہمیں اپنی آنٹی کے ساتھ بیٹھنے دیں۔''

بڑوں میں وعدے وعید ہو رہے تھے معارج کے دوست تو پہلے ہی روانہ ہو گئے تھے۔ قریبی عزیز ہی جمع تھے۔ اس لیے انہیں آپس میں بحث کا موقع ملا ہوا تھا۔

''یہ فاؤل ہے ڈیئر زاتنی مشکلوں سے تو موقع ملا ہے اور تم لوگ.....''

''ہمیں اندازہ ہے آپ آنٹی کو تنگ کرنے کے لیے بیٹھ رہے ہیں۔ اس لیے۔'' محبت نے بڑی چالاکی سے افشی کو اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نوشی بھی دوسری طرف سے جا کر بیٹھ گئی اور وہ محبت کو گھور کر رہ گیا۔ بازل قریب آ رہا تھا۔ بازل نے بھی کچھ ہدایات دیں جسے اس نے سنجیدگی سے سن کر اطمینان دلایا۔ گاڑی جب کھلی سڑک پر آئی تو نوشی نے گرمی گرمی کا شور مچا کر اس کے تھکے سر سے سیاہ چادر اتار کر آگے بیٹھے معارج پر پھینکی تو اس کی جھنجھلائی آواز کانوں سے ٹکرائی اور وہ بھی ماحول میں واپس آئی ورنہ تو وہ ابھی تک اشک بہاتے ہوئے بی بی جان کی سنگدلی پر سسک رہی تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے آنکھیں بند کیے تو بیٹھا ہوں اب کیا یہ بھی آنکھوں پر باندھ لوں۔'' ساتھ ہی معارج نے ذرا سی گردن موڑ کر پیچھے دیکھا وہ سر بالکل ہی گھٹنوں میں دیے بیٹھی تھی۔

''نہیں ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ آنکھوں پر باندھ لیں بلکہ پاس رکھ لیں اور یاد سے جب گھر قریب آئے تو پکڑا دیں ورنہ مما ناراض ہوں گی۔'' نوشی نے معصومیت سے کہا تو محبت نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تو تم نے اتاری کیوں ہے چادر اب بھی مما نے دیکھ لیا تو پھر بھی ناراض ہوں گی۔''

''اتنی تو گرمی ہے آنٹی کو تو زیادہ لگ رہی ہوگی بھاری بھرکم تو ڈریس ہے ان کا مما کو کہا بھی تھا کہ۔''

''اچھا بس اب تم چپ کر کے بیٹھو۔'' محبت نے رعب جمایا تو وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

معارج ویسے ہی خاموش اپنے خوبصورت خیالوں میں گم تھا محبت ہی وقفے وقفے سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ معارج کے گھر میں پہنچ کر آنچل کو نئے سرے سے آزمائش سے گزرنا پڑا تھا۔ سب کا دیکھنا کچھ کا نظروں سے تنقید کرنا اور زبان سے سراہنا بڑا عجیب لگا تھا۔ اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ کوئی نمونہ عجائب ہو جسے کوئی شوق اور کوئی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

ضروری رسوم نمٹاتے اور جلدی جلدی کرتے ہوئے بھی رات کے ایک بجے آنچل کو اس کے

کمرے میں پہنچایا گیا تھا۔ جو کسی قسم کی مصنوعی آرائش و نمائش سے عاری تھا البتہ کمرے کی ترتیب شاندار تھی جو معارج کی شخصیت کی عکاس تھی۔

آنچل اس ماحول میں آ کر بھی بی بی جان کی ناراضگی اور بے اعتنائی کو فراموش نہ کر سکی تھی۔ سب کی باتیں اس کی سماعت میں بازگشت بن کر گونج رہی تھیں اور سب سے اونچی بازگشت صرف بی بی جان کی ہی تھی۔ وہ اس سے ناراض تھیں اور اس کی وجہ یہ شخص تھا جس کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی صدیوں جیسی گھڑیاں دن، مہینے سال بیتانے آئی تھی۔ جس کے ساتھ اس کا تعلق اس قدر گہرا ہو گیا تھا کہ وہ اب پلٹ بھی نہیں سکتی تھی۔ سب کے پیار خلوص کے باوجود وہ بے یقینی میں گھری تھی اور اس طلسمی ماحول میں بھی اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے۔

معارج کے آنے سے پہلے افشی اور نوشی نے اسے پھر میک اپ کرنے کے لیے فورس کیا تھا۔ وہ انہیں باوجود کوشش و خواہش کے روک نہیں پا رہی تھی۔ ان کے جاتے ہی وہ پھر سے لب چبانے لگی تھی۔ عجیب سی بے کلی تھی جو اسے بار بار آنسوؤں کے سمندر میں ڈبو رہی تھی۔ اسے ان سب کی اپنائیت و محبت محسوس ہونے کے باوجود بی بی جان کا دکھ رونے پر مجبور کر رہا تھا۔

☆☆☆

''تم..... یہاں..... کیا کر رہے ہو؟'' قریباً ڈیڑھ بجے وہ اپنے کمرے کی طرف آیا تو سب سے اوپر والی سیڑھی پر محبّ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''تو کہاں ہونا چاہیے تھا چاچو؟'' محبّ نے اپنی جمائی روکی۔

''اپنے کمرے میں۔'' معارج جلدی سے گزرنا چاہتا تھا لیکن محبّ نے فوراً اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر روکا۔

''ایسے نہیں چاچو پہلے اپنا وعدہ پورا کریں۔''

''وعدہ..... کون سا وعدہ یار میں نے تو کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔'' معارج صاف مکر گیا۔

''بے ایمانی چاچو وعدہ خلافی آپ اچھا نہیں کر رہے آپ کے سارے سیکرٹس میرے پاس ہیں آپ سوچیں ذرا میں جب آنٹی کو بتاؤں گا کہ آپ کی کتنی گرل فرینڈز تھیں بلکہ ہیں تو ان کا ری ایکشن کیا ہوگا اور وہ شاہانہ قدیر اس کے ساتھ تو آپ کی میٹنگز ابھی تک.....''

''شش..... شش..... آہستہ بولو یار جاؤ جا کر اچھے بچوں کی طرح سو جاؤ۔ صبح تمہارا وعدہ پورا ہو جائے گا او کے۔'' معارج نے مسکرا کر کہا تو وہ منہ بنا کر رہ گیا۔ پھر ایک دم اس کی آنکھیں چمک

اٹھیں۔ رازداری سے سرگوشی میں پوچھا۔

''آنٹی کو رونمائی میں کیا دے رہے ہیں؟'' اس کے پوچھنے کے انداز پر اس کا ماتھا ٹھنکا اور وہ پلٹ کر پوچھنے لگا۔

''میرے وارڈ روب کی چابیاں تمہارے پاس ہیں۔''

''افوہ صبح لے لیجیے گا چاچو ابھی تو جائیں آنٹی انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''محبّ میری چابیاں نکالو دیکھو یہ اچھی عادت نہیں ہے تم میری چیزوں کی تلاشی لیتے ہو۔''

''آپ نے خود ہی تو دی تھیں۔ کیمرہ لانے کے لیے۔'' معارج نے اس سے چابیاں اچک لیں اور آخری سیڑھی عبور کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ کر لاک کھول کر اندر بڑھ گیا۔

معارج نے کمرے کے دوسرے سرے پر بنی وارڈ روب سے کچھ نکالا اور پھر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ آنچل گھٹنے کے گرد بازو لپیٹے ہنوز آنسو بہانے میں مشغول تھی۔ آہٹ پر بھی اس نے آنسو روکنے یا صاف کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ معارج نے اس کے سراپے کو پرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے گلابی پیروں میں خوبصورت پرل جڑی سونے کی پازیب پہنا دی۔ آنچل نے چونک کر مزاحمت کرتے ہوئے اپنے پاؤں ذرا پیچھے کیے مگر معارج نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے سرد ہاتھوں کو بھی گھٹنوں کے گرد سے ہٹا کر ان میں جڑاؤ کنگن پہناتے ہوئے شریر انداز میں بولا۔

''راجکماری جی انہی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کا میں نے وعدہ کیا تھا۔ اب تمہیں ان کو پہن کر ساری زندگی میرے دل کے قید خانے میں بیتانی ہوگی۔ کہو کیسی لگی یہ سزا مائی ہارٹ پرنس۔''

وہ پہلے ہی پریشان تھی اس پر اس کا شوخ بے تکلف انداز اسے عجیب سا احساس روشناس کروا گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس نئے ساتھی کی پذیرائی کیسے کرے۔ آنسو تو مسلسل بہہ رہے تھے۔ معارج پہلے تو اس کے گرتے آنسو دیکھ کر ٹھٹھک گیا پھر اگلے ہی پل بے چینی سے اس کے مزید قریب ہو گیا۔

''یار یہ کیا تم رو رہی ہو کیوں؟ میں نے تو سنا تھا کہ اس مقام پر آ کر لڑکیوں کے آنسو مسکراہٹوں میں بدل جاتے ہیں اور تم.....'' معارج نے پہلے بے تابی سے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے ٹشو پیپر کا ڈبہ تلاش کیا پھر نہ ملنے پر اپنے ہی ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ہوا کیا ہے کسی نے یہاں کچھ کہا ہے۔'' اسے بھی کسی ہمدرد کا سہارا ہی چاہیے تھا وہ مزید شدت سے رونے لگی۔ ساتھ ہی نفی میں گردن بھی ہلائی۔

''پھر کیا ہوا ہے؟'' معارج نے تشویش سے پوچھتے ہوئے اسے کچھ کہنے کا حوصلہ بھی دیا۔ یہ روتی ہوئی معصوم سادگی میں بھی غضب ڈھاتی دلہن اس کے دل میں ہلچل مچا رہی تھی۔

''یار آخر تم بولتی کیوں نہیں ہو کیا بی بی جان نے مجھ سے بات نہ کرنے کی قسم دی ہے۔'' معارج کی شوخ شرارت پر اس نے لبریز آنکھوں سے دیکھا مگر اس وقت وہ اپنی دھن میں تھا۔ مسلسل بول رہا تھا۔

''مجھے تو تم گونگی بھی قبول ہو تم بولو نہ بولو تمہاری آنکھیں تو بات کرتی ہیں۔'' اس کی محبت پر آنچل نے لرزتے لبوں میں بمشکل سسکی روکی اور قدرے دقت سے بولی۔

''میری بی بی جان مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں۔'' اس نے لرزتی پلکوں کی چلمن اٹھا کر اسے دیکھنا چاہا مگر ہمت نہ کر سکی۔

''کیوں؟ اچھا پریشان ہونے یا رونے کی کیا بات ہے مائیں بھلا ناراض ہو سکتی ہیں ہم کل چل کر منا لیں گے او کے۔''

''لیکن بی بی جان نے مجھے وہاں آنے سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ آئندہ بھی۔'' اب وہ سسک کر بے اختیار رو دی۔

معارج نے ہمدردی سے اسے دیکھا اور پھر روتی ہوئی آنچل کو کندھے سے لگایا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو شاید وہ بے ہوش ہو ہی جاتی۔

''کم آن ریلیکس مائی لائف ماؤں کی باتیں دل سے نہیں لگاتے۔ وہ اولاد کی خوشیوں پر خوش اور غموں پر غمگین ہو جاتی ہیں۔ وقتی غصے میں انہوں نے ایسے کہہ دیا ہے بعد میں دیکھنا ہمیں خوش دیکھ کر وہ کتنی مطمئن ہوں گی۔ ویسے قصہ کیا تھا مجھے بھی کچھ بتاؤ۔ جب بی بی جان کا فون ریسیو کیا تھا تو مجھے یقین ہی نہیں آیا تھا پھر بازل نے بھی فون پر خوب لعنت ملامت کی کہ میں مرد ہو کر تمہیں حاصل نہیں کر سکا لیکن ایک لڑکی نے بنا کسی کی پرواہ کیے معرکہ مار لیا۔ بائی دی وے کتنے دنوں کی بھوک ہڑتال سے کام بنا۔'' معارج نے ایک ہاتھ سے اس کے بھاری دوپٹے کو اتار کر بیڈ کے دوسرے سرے پر اچھالا اور پھر اس کے گھنے بالوں سے گندھی چوٹی کو چھیڑتے ہوئے شرارت سے پوچھا تو وہ یکدم بوکھلا کر سیدھی ہو گئی اور پھر سمٹ کر بولی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا اور نہ ہی بھوک ہڑتال وہ تو آپ ہی نے حالات ایسے پیدا کر دیئے تھے کہ بی بی جان کو بھی غصہ آ گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا ورنہ.....'' وہ کچھ کہتی رک گئی کیونکہ معارج پرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے گرد طلسم پھیلا رہا تھا۔

''اگر ہماری شادی نہ ہوتی تو پھر تم دیکھتیں میں کیا کرتا۔'' معارج نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''تمہارے بنا جینا بہت دشوار ہو گیا تھا اسی لیے تو میں اس روز تمہارے کالج پہنچ گیا تھا اور یہ سب ہوا۔ بڑے صحیح کہتے ہیں جو بھی ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے میں نہ اس دن تمہارے ساتھ بی بی جان کے گھر تک جاتا اور نہ ہی تم اتنی جلدی میری زندگی میں آتی تمہارے گھر والے تو دو تو تین سال کی کڑی سزا دینے کا ارادہ رکھتے تھے مگر دیکھ لو محبت کا اثر اور طاقت وہ جس پر مہربان ہو جائے تو پھر کیسی جدائی اور کہاں کی دوریاں۔'' وہ جذب دل کی شدتوں سے بول رہا تھا آنچل اس کی مخمور محبت میں ڈوبی آواز میں جکڑی جا رہی تھی۔ زخم کچھ مندمل ہونا شروع ہوئے تھے۔ وہ اس قدر شدت سے اس سے محبت کرتا ہے فخر و انبساط کی لہر اس کے ذہن و دل اور روح میں دوڑ گئی۔

''سنو میں تمہارا بھی شکر گزار ہوں تم میرے حق میں نہ بولتی تو میں تمہیں پا نہیں سکتا تھا۔ میری محبت کو یقین تو تھا کہ تم صرف میری ہو آئی لو یو آنچل یو لومی۔'' معارج کی بوجھل محبت سے چور آواز اور احساسات نے اس کی شرمگیں پلکوں کو شرم سے مزید بوجھل کر دیا۔

''چلو اٹھو ڈریس چینج کر لو تمہیں گرمی لگ رہی ہو گی۔'' معارج نے اس کے چہرے پر چمکتے پسینے کو دیکھ کر کہا۔ ایئر کنڈیشنڈ روم میں بھی اس کے ماتھے پر ننھے ننھے قطرے موتیوں کی صورت میں نمودار ہو رہے تھے وہ خاموشی سے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے ہی بیڈ سے اتر آئی۔ معارج نے اس کی رہنمائی ڈریسنگ روم تک کی۔ ڈریسنگ روم کی دیواریں اپنے ہی عکس سے سجی دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ صرف ایک دیوار پر معارج کی فل سائز پورٹریٹ لگی تھی اور باقی ہر جگہ مختلف زاویوں کے فریم میں اس کی چھوٹی بڑی تصویریں تھیں۔ دو تین فریم تو بیڈ روم میں بھی تھے۔ مگر وہاں وہ غور نہیں کر سکی تھی۔ معارج کی بے انتہا محبت کا اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔

کچھ سنبھل کر اس نے آگے قدم بڑھائے اور ڈریسنگ ٹیبل کے آگے جا کر کھڑی ہو گئی۔ اپنے بدلے روپ پر اس کو خود سے ہی شرم محسوس ہو رہی تھی۔ کل اور آج میں وہ کتنی بدل گئی تھی سب اپنوں کو چھوڑ کر آج ایک اجنبی انجانے شخص کے ساتھ یہ لمحے یہ گھڑیاں گزار رہی تھی۔ بی بی

جان کو ناراض کر کے وہ اس شخص کے لیے یہ روپ سجا کر آئی تھی۔

بی بی جان کی یاد نے دل میں پھر چٹکی بھری تو آنکھیں پھر چھلک پڑیں۔ تمام زیورات اتار کر اس نے دراز میں رکھے اور دھندلی آنکھوں سے اپنے لیے لباس ڈھونڈا۔ وارڈ روب کے ہینڈل پر لان کا آسمانی سوٹ لٹکا تھا کپڑے پہن کر اس نے دوپٹہ ڈھونڈا مگر شاید دوپٹہ رکھنا یہ لوگ بھول گئے تھے اس نے وارڈ روب کھول کر دیکھا مگر معارج کے ملبوسات ہی تھے اس کا سامان تو ابھی نیچے ہی تھا۔ اسے بنا دوپٹے کے معارج کے سامنے جانا عجیب لگ رہا تھا۔ وہ آج تک اپنی کسی بہن کے سامنے بنا دوپٹے کے گھومی پھری نہیں تھی یہ تو پھر معارج تھا۔ اسے شرم محسوس ہو رہی تھی وہ گم صم سی دروازے کے پاس کھڑی تذبذب کا شکار تھی۔

معارج کے سامنے اس طرح جانے کے خیال سے اس کے آنسو چھلک پڑے تھے اس کے تیسری بار دستک دینے پر آنچل نے سر جھکا کر دروازہ کھول دیا۔ معارج فوراً ہی اندر آ گیا اور پھر اسے بازو سے پکڑ کر کمرے میں لے آیا۔ بیڈ پر بے تکلفی سے دھکیلتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

''اتنی دیر سے اندر کیوں بند تھیں کوئی مسئلہ ہے۔'' معارج کی نگاہیں اس کی بھیگی پلکوں پر ٹکی تھیں۔ وہ اس کے بے باکانہ انداز پر روہانسی ہو گئی۔

''میرے پاس دوپٹہ نہیں تھا اس لیے میں باہر کیسے آتی۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی تو معارج سنجیدگی سے بولا۔

''آنچل دیکھو جب میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا تو پھر..... سنو میں بہت حساس اور تمہارے معاملے میں تو بہت ہی خاک ہوں تمہارا بات بات پر رونا مجھے اچھا نہیں لگ رہا اگر تم اسی طرح بات بات پر روتی رہی تو میں یہی سمجھوں گا کہ تم میرے ساتھ شادی کر کے خوش نہیں ہو اور اگر واقعی تمہیں کوئی پچھتاوا ہے تو مجھ کو ابھی بتا دو تا کہ میں اپنے قدم یہیں روک لوں۔'' معارج کا بدگمانی سے بھرا سنجیدہ لہجہ اسے مزید رنجیدہ کر گیا۔ وہ کیسی باتیں کر رہا تھا۔ اس نے تو شعور و آگہی پاتے ہی اسے دیکھا تھا بلکہ اسی ایک مرد نے خود اس کے شعور کو دستک آگہی دی تھی کہ زندگی کی ایک ڈگر اس سمت بھی جاتی ہے جس کی منزل کا نام حاصل محبت ہے ورنہ وہ تو بالکل ان راہوں سے انجان تھی۔ اپنی بھابھی کی باتیں بازگشت کی طرح اس کے ذہن میں گونجی تھیں۔ آنے سے پہلے انہوں نے بہت محبت سے اسے سمجھایا تھا۔

''سوگڑیا بی بی جان کی خفگی ناراضگی کی پرواہ اب مت کرنا یہ آنسو اور خفگیاں یہیں چھوڑ کر جانا۔ اپنی زندگی کو اپنے شوہر کی خوشی کے مطابق شروع کرنا۔ بی بی جان کی وقتی ناراضگی ہے ان کے غم میں اپنی نئی زندگی اپنے مستقبل کو داؤ پر مت لگا لینا۔ مردوں کی فطرت کا تمہیں آہستہ آہستہ اندازہ ہو جائے گا مرد شوہر بن کر بیوی کی ساری توجہ صرف اپنے لیے چاہتا ہے۔ بی بی جان کی یاد میں اس سے غافل نہ ہو جانا۔ ایسی کوئی حرکت نہ کرنا جو اسے تم سے بدگمان کر دے۔ تم نے اب ساری زندگی اسی کے ساتھ گزارنی ہے۔'' بھابھی جان نے بہت شفقت و محبت سے سمجھایا تھا اس وقت اسے کسی کی بات اچھی نہیں لگ رہی تھی مگر اب معارج کی سنجیدگی سے اسے سب کی باتیں پورے مفہوم سے ساتھ سمجھ آ رہی تھیں۔ اس نے خود کو سنبھال کر سچائی اور معصومیت سے اپنے رونے کی وضاحت کی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں میں کبھی کسی کے سامنے بنا دوپٹے کے گئی نہیں ہوں اس لیے مجھے باہر آنا عجیب لگ رہا تھا اور رونا بھی آ رہا تھا کہ کیا کروں۔''

''بس اتنی سی بات پر رونے لگی ہو میرے لیے تو پھر دریا بہا دیئے ہوں گے اور اسی لیے بی بی جان مجبور ہو گئی ہوں گی ہے نا۔'' معارج نے شرارتی انداز میں کہا وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

''سنو آنچل زندگی میں بڑی بڑی باتیں ہو جاتی ہیں ہر بات پر رونے نہیں بیٹھ جاتے۔ حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تم مجھے آواز دے کر کہہ سکتی تھیں میں نیچے جا کر تمہارے لیے دوپٹہ لے آتا۔ ویسے یار میرے سامنے دوپٹہ لینے کی کوئی خاص ضرورت ہے تو نہیں۔'' سنجیدگی سے بات کرتے کرتے وہ پھر پٹڑی سے اتر گیا۔

''کیوں ضرورت نہیں بی بی جان کہتی ہیں لڑکیوں کو شرم و حیا کے ساتھ مردوں کے سامنے جانا چاہیے۔'' آنچل معارج کی بات کی معنی خیزی کو سمجھے بغور معصومیت سے بولی۔ معارج اس کی معصومیت پر بے اختیار قہقہہ لگا اٹھا۔

''ٹھیک کہتی ہیں مگر یار میں تمہارا شوہر ہوں اوروں کے سامنے چاہے برقع اوڑھ کر جانا مگر چلو آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' یہ کہتے ہوئے معارج ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

صبح سات بجے ہی اس کے سارے بھتیجے بھتیجیوں نے اس کے کمرے میں ہلہ بول دیا تھا۔ بڑے سبھی تو ابھی اپنے کمروں میں تھے اس لیے انہیں کسی نے روکا نہیں تھا۔ افشی نوشی محب اور عینی

بھابھی کے دونوں بیٹے اور بیٹی آنچل کے دروازہ کھولتے ہی اندر گھسے چلے آئے تھے۔ معارج جاگنے کے باوجود سوتا بن گیا تھا اور آنچل گھبرائی ہوئی سی ان سب میں گھری بیٹھی تھی۔

ارسہ سب سے چھوٹی پانچ برس کی تھی اس لیے اس کی باتیں بھی معصوم تھیں وہ بار بار نوشی افشی کو مخاطب کر کے دلہن آنٹی پر چھوٹا سا جملہ اعتراض کی شکل میں پیش کرتی تو سبھی ہنس دیتے آنچل جھینپ جاتی۔

''یہ دلہن آنٹی کیسی ہیں انہوں نے تو اچھے والے کپڑے بھی نہیں پہنے۔ میک اپ بھی نہیں کیا۔ میری خالہ دلہن بنی تھیں تو انہوں نے تو بہت اچھے کپڑے پہنے تھے اور ڈھیر ساری چوڑیاں بھی دلہن آنٹی آپ کی چوڑیاں کہاں ہیں؟'' ارسہ نے براہ راست اسے مخاطب کیا تو وہ مزید گڑبڑا گئی۔ ڈھونڈ کر تو اس نے اپنی سیاہ چادر اوڑھی تھی۔ معارج کے دیئے ہوئے تحفہ رونمائی کے علاوہ اس نے کچھ بھی نہیں پہنا ہوا تھا۔ محب نے اس کی خاموشی اور جھجک محسوس کر کے ارسہ کو بہلایا۔

''آنٹی ابھی تو سو کر اٹھی ہیں۔ ناشتے کے بعد تیار ہوں گی۔''

''آپ کو چاچو نے کیا گفٹ دیا ہے ہمیں دکھائیں ناں۔'' نوشی نے دوستانہ انداز میں دریافت کیا تو اس نے اپنے ہاتھوں اور پیروں کو سامنے کر کے دکھایا۔

''بس یہی اور کچھ نہیں مگر چاچو نے تو آپ کے لیے.....'' محب کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اس پر پیچھے سے تکیہ پھینکا گیا تھا۔ معارج نے جو تکیہ اپنے منہ پر رکھا تھا وہ اس پر اچھال دیا تھا۔

''یار یہ کیا شرافت ہے ایک تو صبح صبح آ کر جگا دیا ہے اس پر دھوکے بازوں کی طرح لگائی بجھائی کر رہے ہو ابھی تو چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے ہمارے تعلق کو قائم ہوئے اور تم۔'' معارج نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے محب کو مصنوعی ڈانٹ پلائی تو محب نے گردن موڑ کر بڑی معصومیت سے کہا۔

''آپ جاگ رہے تھے چاچو میں تو سمجھا تھا کہ آپ سو رہے ہیں۔'' محب کی چالاکی پر وہ اپنی ہنسی ضبط کرتا قدرے بیزاری سے گویا ہوا۔

''اتنے شور وغل میں مجھ جیسے غریب امن پسند شہری کو کیا خاک نیند آئے گی۔''

''امن پسند اور آپ؟ آنٹی کو بتائیں آپ کتنے امن پسند ہیں۔'' افشی نے شرارت سے دیکھتے ہوئے اشارہ کیا تو وہ گھور کر رہ گیا۔ وہ ہونق بنی بیٹھی تھی ایسی بے تکلفیاں اس نے کہاں دیکھی تھیں یہ ماحول ایسے رویئے اس کے لیے یکسر نئے اور اجنبی تھے۔ معارج کی نظروں کی حدت محسوس کر کے وہ ذرا چونکی اور اس کی جانب دیکھا۔ وہ بستر سے اترتے ہوئے سلیپر پہن کر کہہ رہا

تھا۔

''تم سب بلیک میلرز سے جیتنا مجھ جیسے بندہ ناتواں کا کام نہیں ہے، تم اڑاؤ موج مستی میں تو ساتھ والے کمرے میں جا کر آرام کرتا ہوں۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ عینی بھابھی دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوئی اور پھر ان سب کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

''ارے تم سب یہاں ہو اور معارج تم کہاں جا رہے ہو؟'' عینی بھابھی نے لب بھینچ کر ذرا سختی سے کہا۔

''دیکھ تو رہی ہیں ان شیطانوں نے کیا ہلہ گلہ مچا رکھا ہے مجھے ابھی نیند آ رہی ہے میں دوسرے کمرے میں سونے جا رہا ہوں۔ ویسے انہیں صبح صبح میرے کمرے کا راستہ کس نے دکھایا ہے۔'' معارج نے بمشکل اپنی جمائی روکی تو بھابھی بگڑ کر بولیں۔

''کیا تماشا بنوانا ہے اس معصوم لڑکی کا سارا گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے طرح طرح کی باتیں بنیں گی اور تمہیں نیند کی پڑی ہے چپکے سے یہیں لیٹ جاؤ میں انہیں نکالتی ہوں۔'' عینی بھابھی اس کا بازو پکڑ کر اسے بیڈ تک چھوڑنے کے بعد بچوں کی طرف مڑیں جواب خاموش ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

''تم لوگوں کو اوپر آنے کی اجازت کس نے دی تھی شرم نہیں آئی تمہیں اس وقت چاچو کے روم میں آتے ہوئے۔''

''وہ مما! ارسہ وغیرہ آنٹی سے ملنا چاہ رہے تھے اور.....'' افشی نے منمنا کر کہا تو وہ مزید بگڑ اٹھیں۔

''افشی تم اب بچی تو نہیں ہو غیر ذمہ داری کی انتہا کر دی ہے۔ اگر جلدی اٹھ ہی گئے تھے تم لوگ تو نیچے کوئی کام کر سکتے تھے۔ تم سب کو معارج نے ہی سر چڑھا رکھا ہے محب تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ تمہیں تو کبھی عقل آئے گی نہیں ڈاکٹر بننے میں ایک سال رہ گیا ہے مگر عقل نام کو نہیں۔'' عینی بھابھی بری طرح مشتعل تھیں۔ انہیں اس وقت یہاں دیکھ کر ان کا پارہ چڑھنا لازمی تھا۔ محب نے ماں کی طرف سے اس عزت افزائی پر معارج کو شکایتی نظروں سے دیکھا مگر وہ شرارت سے مسکرا دیا۔ افشی فوراً ہی سب کو لے کر چلی گئی۔ محب بھی ماں کے دوبارہ گھورنے پر اٹھ کر باہر نکل گیا۔

''پاگل کر دیں گے یہ بچے تو مجھے۔'' پھر وہ مسکرا کر آنچل کی طرف بڑھیں اور پھر آہستہ سے

کچھ کہہ کر پلٹ گئیں۔

آنچل کو سب کی محبت و اپنائیت کے باوجود اپنوں کی بہت کمی محسوس ہو رہی تھی۔ حسب روایت صبح اس کا ناشتہ لے کر اس کی بہنیں بھابھی نہیں آئی تھیں۔ اسے کسی نے احساس تو نہیں ہونے دیا تھا پھر بھی وہ بہت شدت سے محسوس کر رہی تھی اور اسے بی بی جان کی ناراضگی کی سنگین نوعیت کا اندازہ بھی ہو رہا تھا۔ انہوں نے واقعی اس سے اپنا رشتہ ختم کر دیا تھا۔ شام کو ولیمے کی دعوت میں البتہ سبھی آئے تھے سوائے بی بی جان کے وہ سب سے بار بار پوچھ رہی تھی مگر سبھی اس کی بات ٹال رہے تھے۔ عینی بھابھی کو بھی بی بی جان کے نہ آنے سے حالات کی نزاکت کا احساس ہوا۔ اس اہم موقع پر ماں کی ناراضگی اور غیر موجودگی سے اس کا دل تو بھر آنا ہی تھا۔ افشی نوشی بار بار اس سے التجا کر رہی تھیں کہ روئیں مت۔ وہ بھی بے بس تھی ٹشو پیپر کے کنارے سے آنکھیں صاف کرتی آنکھیں پھر بھر آتیں۔ عینی بھابھی نے قریب آ کر شفقت سے سمجھایا تو اس نے بمشکل ضبط کیا۔

وہ آج پارلر سے تیار ہوئی تھی سی گرین اور میرون کنٹراسٹ والے لہنگے میں آج وہ صحیح اور بقول محبّ کے اصلی دلہن لگ رہی تھی۔ نازک اسٹیج پر قریب آ کر بیٹھی اس سے حال احوال دریافت کیا تو وہ پھر چھلکنے کو تیار ہو گئی۔ تصویریں کھینچتا محبّ فوراً اوپر آ کر اس کے پہلو میں بیٹھ کر کہنے لگا۔

''پلیز آنٹی بار بار آنکھیں رگڑیں گی تو میک اپ خراب ہو جائے گا۔ آپ کو تو ذرا بھی خیال نہیں ہے یہاں کسی خاتون کو بری سے بری خبر بھی سنا دی جائے تو وہ میک اپ خراب ہونے کے ڈر سے منہ بھی ٹیڑھا نہیں کرے گی اور آپ.....'' محبّ نے جس انداز میں کہا تھا تو وہ آنسو پی کر ذرا سا مسکرائی۔

''تھینک یو ایسے ہی ہنسیے ابھی آپ کو اس روپ میں ایک بندے نے تو دیکھا نہیں وہ دیکھ لیں پھر بے شک دریا بہا دیں۔ ویسے مجھے چاچو نے ہی آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ کو وارن کر دوں ان کے آنے سے پہلے مطلع ابر آلود نہیں ہونا چاہیے ورنہ.....''

''تم مذاق کر رہے ہو نا۔'' آنچل نے قدرے سنبھل کر پوچھا۔ معارج کی رات کی بات اسے یاد تھی اور اسے اچھی طرح سمجھ بھی آ گئی تھی کہ بی بی جان کے لیے اسے خود ہی رونا ہے اور خود ہی صبر کرنا ہے۔ کوئی بھی اسے مزید تسلی دلاسے نہیں دے گا۔

''ارے نہیں تو بہ میرا آپ سے اتنا معتبر رشتہ ہے اور میں آپ سے مذاق کروں گا؟ آپ

بے شک چاچو سے پوچھ لیں۔ میں بھیجتا ہوں انہیں۔'' وہ جلدی جلدی کانوں کو ہاتھ لگا کر اٹھ کر چلا گیا۔

معارج کی محبتوں، شوخیوں کے باوجود اس کے دل سے اداسی کا غبار چھٹا نہیں تھا۔ اپنی بہنوں اور بھائی بھابھی کے رخصت ہوتے وقت صرف معارج کی ناراضگی کے خوف سے وہ کھل کر نہ رو سکی نہ کسی نے بھی اسے رسم کے مطابق گھر چلنے کے لیے کہا تھا وہ دل پر پتھر رکھے خاموش سب کو دیکھ رہی تھی البتہ بازل نے انہیں لاہور چلنے کی دعوت دی تھی جسے معارج نے پھر کبھی پر ٹال دیا تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ کمرہ لاک کر کے وہ بے اختیار ہو کر روئی۔ معارج نیچے ہی تھا اس لیے اسے موقع مل گیا تھا۔ دل تو دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہ رہا تھا مگر ہر لحہ اسے معارج کی آمد کا دھڑکا بھی لگا رہا تھا۔ وہ اسے روتے دیکھ کر نجانے کیا سمجھ لیتا۔

دروازے پر آہٹ ہوئی۔ معارج ہی دروازے پر تھا اور شوخ انداز میں اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

''اگر راجکماری کی اجازت ہو تو بندہ خادم اندر آ جائے۔''

''جی.....'' وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

''تو آپ نے مجھے بندہ خادم مان ہی لیا۔'' معارج نے مصنوعی سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''میں نے تو ایسا نہیں کہا آپ خود ہی خود کو.....'' وہ اس کے سامنے مکمل جملہ بول ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کی آنکھیں آنچل کو جیسے جکڑ لیتی تھیں۔

''راجکماری صاحبہ آپ کیوں گھبرا گئیں بندہ آپ کا تاحیات خادم بن کر رہے گا۔ آپ آزما لیجیے گا۔'' آنچل کو اس کی شوخیاں سمجھ نہیں آتی تھیں بس اسے دیکھ کر رہ گئی اور نظریں ملتے ہی معارج نے بے چینی سے پوچھا۔

''تم پھر روئی ہو۔''

''میں نے پہلی بار میک اپ کیا ہے ناں تو آنکھوں میں کچھ چبھ رہا ہے شاید مسکارا آنکھوں میں چلا گیا ہے۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے ایک بار پھر آنکھیں رگڑنا چاہیں تو معارج نے اس کی کلائی تھام لی۔ وہ سہم کر اسے دیکھنے لگی۔ معارج نے دوسرے ہاتھ سے پیار سے ایک چپت اس کے سر پر لگائی۔

''مسکارا چھ رہا ہے یا بی بی جان کی خفگی سچ سچ بتاؤ اوکے آؤ آج ہی رولو پھر کبھی نہیں رونا ہونہہ۔'' معارج نے اس کے لیے اپنی بانہیں واہ کیں وہ ان میں سما کر بے اختیار ہو گئی۔ معارج نے پہلے تو اسے رونے دیا وہ اس کا درد محسوس کر رہا تھا بی بی جان کے ردعمل سے اسے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی حد تک ناراض ہیں۔ پھر اسے بازوؤں سے تھام کر بیڈ پر بٹھایا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا آنچل کہ بی بی جان کی خفگی اتنی شدید ہو گی کہ وہ نہ یہاں آئیں گی اور نہ ہی ہمیں بلائیں گی خیر تم فکر نہیں کرو ہم کل چل کر ان سے معافی مانگ کر منا لیتے ہیں اوکے۔'' معارج نے اس بار خود اس کے ہاتھ سے ٹشو پیپر لے کر آنسو صاف کیے۔

''مگر بی بی جان نے مجھ سے کہا تھا کہ..... کہ ان کا دروازہ آئندہ میرے لیے بند ہو گا۔ وہ بہت ضدی ہیں۔'' آنچل اس کے کندھے پر سر رکھ کر رونے کے بعد اب ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

''اچھا مگر میں نے تو سنا تھا کہ تم بہت ضدی ہو۔''

''نہیں تو کس سے سنا تھا؟'' آنچل نے معصومیت سے استفسار کیا تو وہ مسکرا دیا۔ اسے بہلانے میں وہ کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

''نام نہیں بتاؤں گا خیر ہم کل ایک کوشش کرتے ہیں خدا کرے بی بی جان مان جائیں تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے آنچل کہ تم میرے پاس ہو کر بھی میرے پاس نہیں ہو۔ میں تمہیں مکمل طور پر اپنے ساتھ دیکھنا محسوس کرنا چاہتا ہوں۔''

معارج نے بہت سنجیدگی سے اس بار اپنے دل کی بات واضح کی تو وہ کچھ شرمندہ ہو گئی۔ وہ کوشش کے باوجود شاید اسے اپنی محبت کا احساس نہیں دے سکی تھی اسی لیے معارج کے لبوں سے یہ شکوہ برآمد ہوا تھا۔ اسے تو شوہر کی خوشنودی کے سبق پڑھا کر بھیجا گیا تھا۔ وہ خود سے عہد کرتی مسکرائی کہ آئندہ معارج کو شکایت کا موقع نہیں دے گی پھر اپنے مخصوص معصومیت بھرے انداز میں بولی۔

''میں تو آپ کے ساتھ ہوں آپ کے پاس ہوں۔''

''ہاں..... ساتھ تو ہو مگر پاس نہیں ہو، کتنی دور بیٹھی ہو مجھ سے۔'' معارج کا شکوہ سمجھ کر وہ جھینپ کر مسکرا دی۔ اس کا خیال بدل گیا تھا۔ وہ معارج کے کندھے پر سر رکھ کر رو سکتی تھی اس کا ہاتھ تھام کر ہنس سکتی تھی اس کے دل سے بوجھ ذرا سرکا تھا۔

☆☆☆

''تم..... اب یہاں کیا کرنے آئی ہو جہاں سے آئی ہو واپس چلی جاؤ۔'' دروازے پر بیل بجی تو بی بی جان بدقت اپنے کمرے سے نکل کر دروازہ کھولنے آئیں پھر معارج اور آنچل کو دروازے پر دیکھ کر ان کی رگیں ایک بار پھر تن گئیں۔ انہوں نے ان کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔ غصے میں کہہ کر دروازہ دھاڑ سے بند کر دیا۔

عاصمہ بھابھی چھت پر کپڑے پھیلانے گئی تھیں گاڑی اپنے گھر کے دروازے کے قریب رکنے پر پہلے تو ٹھٹکیں پھر فوراً ہی خوشی میں نیچے بھاگی آئیں لیکن پھر بی بی جان کو غصے میں دروازہ بند کرتے دیکھ کر نیچے آخری سیڑھی پر ہی کھڑی رہ گئیں۔ اطلاعی گھنٹی اور دستک ایک ساتھ ہوئی تو عاصمہ بھابھی نے ہمت کر کے بی بی جان سے کہا۔

''وہ بی بی جان گڑیا اور معارج.....''

''نام مت لو ان کا میرے سامنے ان سے کہو آئندہ میرے گھر کی دہلیز پر بھی نہ آئیں۔'' دروازہ مقفل نہیں تھا اس لیے معارج کی دستک سے جھری سی بن گئی تھی اور بی بی جان کی آواز بھی باہر آ رہی تھی۔ اس وقت تو ویسے بھی ان کا رواں رواں کان بنا ہوا تھا۔ معارج کھلا دروازہ دیکھ کر لرزتی آنچل کا ہاتھ تھام کر اندر بڑھ آیا۔ عاصمہ بھابھی صحن میں کھڑی بی بی جان کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''بی بی جان شادی کے بعد وہ پہلی بار آئے ہیں لوگ کیا کہیں گے اگر اس طرح واپس چلے گئے تو۔''

''لوگوں کی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اور لوگوں نے تو جو کہنا تھا کہہ چکے ہیں تم بس۔''

''بی بی جان گڑیا بچی ہے نادانی میں اس نے کوئی بات کہہ دی تھی تو آپ اس کی بے وقوفی سمجھ کر معاف کر دیں۔''

''بچی نہیں ہے وہ نہ ہی نادان ہے تم سے جو کہا ہے وہ کرو انہیں باہر کا راستہ دکھاؤ میں ان کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' بی بی جان ان سے رخ موڑے کھڑی تھیں لیکن ان کی پیچھے موجودگی سے باخبر تھیں۔ معارج آنچل کا ہاتھ تھامے ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''پلیز آپ ہمیں معاف کر دیں آپ کی ناراضگی ہمیں خوش نہیں رہنے دے گی۔'' ان کے سامنے آتے ہی بی بی جان نے اپنی آنکھیں موند لیں۔

''خدا کے لیے بی بی جان مجھے معاف کر دیں میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا تھا جس کی آپ

مجھے سزا دیتیں میں نے تو صرف اتنا کہا۔'' آنچل نے روتے ہوئے ان کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر انہوں نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''میں نے تمہیں سزا نہیں دی ہے میں نے تمہاری خوشی پوری کی ہے سزا تو میں نے خود کو دی ہے۔ لوگوں کو رشتہ داروں کو میں اس جلد بازی کی جوابدہ ہوں۔ جاؤ اب اپنی دنیا میں خوش رہو۔'' بی بی جان شدید بھڑک اٹھیں۔

''بی بی جان چھوٹوں سے غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں بڑے تو ہمیشہ معاف کرتے ہی آئے ہیں اگر آپ کو لگا تھا کہ آنچل نے میری وجہ سے آپ سے گستاخی کی ہے تو اب میں آپ سے معافی مانگتا ہوں میں نے تو آنچل سے نہیں کہا تھا کہ میری خاطر۔''

معارج اپنے انداز میں انہیں رام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بی بی جان تو ہتھے سے ہی اکھڑ گئیں۔

''بس آگے ایک لفظ بھی نہیں تم ہی تو ہو جس نے اسے بغاوت کرنا اور ماں کی نافرمانی کرنا سکھایا ورنہ اس کے منہ میں تو زبان نہیں تھی۔''

''بی بی جان میں نے تو آپ کے حکم پر ہی شادی......'' آنچل نے سسکی بھری۔ معارج نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولنا چاہے۔

''بی بی جان میں......''

''خبردار میں نے تمہیں بی بی جان کہنے کا حق نہیں دیا تمہیں ماں اور اس کی عزت و تکریم کا کیا پتا تم......'' معارج نے ضبط سے لب بھینچ لیے۔ بی بی جان کا رویہ نہایت توہین آمیز ہو گیا تھا۔ عاصمہ بھابھی نے فوراً آگے بڑھ کر بی بی جان کو مزید کچھ کہنے سے روکا۔

''بی بی جان آپ کمرے میں چلیں۔ آپ کا بلڈ پریشر مزید بڑھ جائے گا۔'' بی بی جان کو بازو سے تھام کر انہوں نے معارج کو التجا بھری نظروں سے دیکھا۔ آنچل سر جھکائے بے دریغ آنسو بہا رہی تھی۔ معارج نے اپنے لب سختی سے بھینچ رکھے تھے۔ آنچل کی محبت میں وہ بہت کچھ برداشت کر رہا تھا اور مزید کوشش کر رہا تھا۔

''اس سے کہو میری جو چار دن کی زندگی باقی ہے وہ مجھے سکون سے جینے دے بار بار میرے زخموں کو کریدنے کی کوشش نہ کرے اب یہ میرے لیے اور میں اس کے لیے مر گئی۔ اس سے کہو چلی جائے۔''

''بی بی جان!'' آنچل بے اختیار چیخی تو معارج نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر روکا۔ بی بی جان کا غصہ دیکھ کر اس نے فی الحال واپسی میں ہی عافیت جانی۔

''سنو آنچل آج جو کچھ بھی ہو گیا ہے اسے بھول جاؤ تمہیں میرے ساتھ زندگی گزارنی ہے تو میرے لیے خوش بھی رہنا ہوگا۔ ناؤ چیئر اپ پلیز۔'' گھر آنے سے پانچ منٹ پہلے معارج نے اپنی خاموشی کو توڑا۔ بی بی جان کے گھر سے واپسی پر آنچل مسلسل رونے میں مشغول تھی۔ وہ اسے ڈرائیونگ کے دوران روتے دیکھ کر بے چین ہوتا رہا تھا آخر اسے آنچل کو ٹوکنا پڑا۔ آنچل نے اس کی آواز پر پہلے تو چونک کر اسے دیکھا پھر آہستہ سے سر ہلا کر آنسو صاف کرنے لگی بہت سے احساسات اس کی ایک بات سے جاگ اٹھے تھے۔ اس کی ماں تو اس سے روٹھ گئی تھی۔ اب یہی اس کے جینے کا سہارا تھا۔ وہ اب معارج کو اپنے کسی عمل سے ناخوش کر کے مزید سزائیں نہیں جھیلنا چاہتی تھی۔ معارج نے کچھ توقف کے بعد اپنی بات کا سلسلہ جوڑا۔

''آنچل میں تمہیں بہت چاہتا ہوں تم سے شدید محبت کرتا ہوں اس لیے تمہیں روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تمہارے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ پلیز مجھے تکلیف مت دو بی بی جان کو ہم نے منانے کی کوشش تو کی ہے اور پھر میری یا تمہاری کوئی اتنی بڑی غلطی نہیں تھی جسے وہ معاف نہیں کر سکتیں مگر وہ اپنی ضد پر قائم ہیں یا پھر شاید وہ مجھ سے متنفر ہیں اس لیے تم سے بھی کوئی رعایت نہیں کر رہیں۔ بہرحال اب تمہاری خوشیاں اور تمہارے غم صرف مجھ سے وابستہ ہیں اور میرے تم سے۔ ہم اچھے وقت کا انتظار روتے ہوئے نہیں ہنستے ہوئے کریں گے او کے۔'' معارج نے ایک ہاتھ اسٹیئرنگ سے اٹھا کر اس کا سر تھپتھپایا اور پھر اس کا سر اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ آنچل نے اپنے آنسو پونچھ لیے تھے اور بہت سے عزائم دل میں باندھے اسے اب معارج کے ساتھ ہی جینا تھا اس کی محبت بھرے سائے میں رہ کر اپنا غم بھلانے کے لیے اسے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی تھی کیونکہ اس کا ہمدرد اور غمگسار اس کا شوہر موجود تھا۔

☆☆☆

معارج کی مزید چھٹی کینسل ہو گئی تھی۔ شادی سے چوتھے دن اسے ڈیوٹی جوائن کرنا پڑی اور ایمرجنسی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے اسے اپنی خوشیوں کو بھلا کر اپنے فرائض نبھانے جانا تھا۔ عینی بھابھی صبح ہی صبح اسے یونیفارم میں ملبوس دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''تم آج آفس جا رہے ہو مگر تم تو کہیں باہر جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔''

''میرے پروگرام ضرور پایہ تکمیل تک پہنچتے جو اگر میری مسز اتنی جلدی نہ دکھاتی۔ اب جب اتنی روکھی پھیکی شادی ہوئی ہے تو ہنی مون بھی ایسا ہی ہوگا۔ ابھی چھٹی مل نہیں سکتی اور ہم کہیں جا نہیں سکتے اس لیے۔'' آنچل کی شرمندگی سے نظریں اور سر جھک گیا۔ عینی بھابھی اسے گھور کر رہ گئیں۔

''عقل تو لگتا ہے تمہارے پاس ہے ہی نہیں۔''

''پہلے تو تھی مگر اب واقعی آپ کی دیورانی نے لے لی ہے۔'' اس سے پہلے کہ عینی بھابھی آ کر اسے دھپ لگاتیں وہ صرف دودھ پی کر نیپکین سے منہ صاف کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ تینوں بچے کالج جا چکے تھے اسی لیے وہ شوخ ہو رہا تھا۔

اپنی کیپ اٹھانے کے بہانے اس نے آنچل کے کان میں سرگوشی کی جس پر وہ سرخ ہوگئی۔

''معارج شرم کرو کچھ میں سامنے بیٹھی ہوں۔'' عینی بھابھی نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا تو وہ لاپرواہی سے بولا۔

''میں نے ایسا کیا کیا ہے جس پر شرم کروں اب یہ محترمہ ہی بلاوجہ چھوئی موئی بن جاتی ہیں تو میرا قصور ہے اخوہ آج تو میں لیٹ ہو جاؤں گا باقاعدہ رخصت ہونے کی پریکٹس کل سے کریں گے او کے خدا حافظ۔'' عینی بھابھی کے کان پکڑنے سے پہلے وہ فوراً ڈائننگ روم سے نکل گیا۔

اس کی مصروفیات اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ باوجود کوشش کے وہ گھر پر صرف رات گئے ہی آتا تھا۔ آنچل اکثر اس کے انتظار میں اونگھ رہی ہوتی تھی۔ کبھی عینی بھابھی کے کمرے میں بیٹھی رہتی۔ اپنی مصروفیات کے باعث اس نے سب کی دعوتیں فی الحال ملتوی کر دی تھیں۔ شادی کے اٹھارہ بیس دن بعد بھی وہ آنچل کو کہیں لے جا نہیں سکا تھا۔ آنچل ایک طرف تو اس کی بے انتہا محبت کی اسیر ہوگئی تھی مگر دوسری طرف اکثر معارج کی لاپرواہی اس کا وقت پر نہ آنا اسے بے چین کر دیتا تھا۔ وہ اس کے دیر سے آنے پر بہت زیادہ گھبرا جاتی تھی۔ اپنے کمرے میں اکثر وہ خوفزدہ ہو جاتی تھی اسی لیے عینی بھابھی یا افشی نوشی کے کمرے میں پناہ لیتی تھی۔ مگر معارج سے کہنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ جلدی آ جایا کرے۔

معارج نے بہت دنوں بعد اسے تیار کیا تھا بلکہ فون پر اسے بتایا بھی تھا کہ وہ آج اکٹھے ڈنر کریں گے اور اچھی سی فلم بھی دیکھیں گے۔ مگر وہ اپنے سابقہ وعدوں کی طرح یہ وعدہ بھی پورا نہیں کر سکا تھا۔ آنچل انتظار کرتے کرتے جب تھک گئی تو اپنے کمرے سے نکل کر نیچے عینی بھابھی کے

کمرے میں آ گئی۔ ان دنوں ویسے بھی ان کے شوہر بزنس ٹرپ پر تھے اس لیے انہیں آنچل کی اپنے کمرے میں موجودگی گراں نہیں گزرتی تھی۔ آج بھی وہ تیار ہو کر ان کے پاس آ گئی تھی اور پھر کافی دیر انتظار کرنے کے بعد آرام دہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی آنکھ لگ گئی اور عینی بھابھی بھی باتیں کرتے کرتے سو گئی تھیں۔

رات کے ڈیڑھ بجے معارج کی واپسی ہوئی اس کے ذہن سے آج کا ڈنر اور اپنا پروگرام نکل چکا تھا۔ وہ بے خیالی میں اپنے روم میں آیا تو آنچل کو کمرے میں نہ پا کر بھی اسے کچھ یاد نہیں آیا۔ ادھر اُدھر دیکھ کر وہ ٹیرس پر بھی اسے دیکھنے گیا۔ ایک دو بار دونوں وہاں کافی رات تک بیٹھے رہے تھے۔ اسے وہاں نہ پا کر اسے مجبوراً عینی بھابی کے کمرے میں جھانکنا پڑا۔ دروازہ لاک نہیں تھا وہ آرام دہ کرسی پر غیر مطمئن انداز میں بیٹھی سو رہی تھی۔ لائٹ پر پل سلکی ساڑھی کا پلو کندھے سے ڈھلک کر کرسی سے نیچے لٹک رہا تھا۔ لائٹ میک اپ میں اس کا چہرہ بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ اس پر سیاہ کندن کا نفیس سیٹ اس کی سج دھج بڑھا رہا تھا۔ اسے اس تیاری میں دیکھ کر معارج کو اپنا وعدہ یاد آیا وہ اپنا سر پیٹ کر رہ گیا۔

''مائی گڈنیس۔'' اسے وقت کا بھی احساس ہوا تو آنچل کو جگانے آگے بڑھا۔ آہٹ پر آنچل سے پہلے عینی بھابی جاگ گئیں۔

''تم.....؟'' وہ آواز دبا کر بولیں مگر نظریں وال کلاک کی طرف اشارہ دے رہی تھیں۔ اس نے کان پکڑ کر اشارے سے معافی مانگی تو وہ بازو پکڑ کر اسے کمرے سے باہر لے آئیں۔

''کہاں تھے اب تک تمہیں پرائی بچی کا ذرا خیال نہیں ہے کہاں تو اس کے لیے باؤلے ہوئے جا رہے تھے اور اب لاپرواہی کا علم دیکھو وعدہ ہی کیوں کرتے ہو جو آ نہیں سکتے۔''

''پرائی بچی میری بیوی بھی تو ہے اور مجھ سے زیادہ اس کا خیال کسے ہوگا۔ کچھ لوگ آ گئے تھے آفس میں بس ذہن سے ہی نکل گیا تھا کہ آج ڈنر کا پروگرام تھا۔'' وہ وضاحتی انداز میں بولا۔

''اور یہ شاہانہ قدیر کون ہے اس کے ساتھ گھومنا پھرنا تو ذہن سے نہیں نکلتا۔ اس کے لیے تمہارے پاس وقت ہے مگر۔'' بھابی جان کی باتوں پر پہلے تو وہ گڑبڑایا پھر ہنس کر بولا۔

''آپ کی انٹیلی جینس سروس بڑی تیز ہوگئی ہے۔ شاہانہ قدیر کے بارے میں ضرور آپ کے کان محبت نے بھرے ہوں گے صبح میں اس کی خبر لیتا ہوں۔''

''ہمیں محبت کیوں بتاتا وہ تو تمہارا ہی چچہ ہے ہماری اپنی آنکھیں ہیں کوئی اور کہتا تو شاید

میں یقین نہ کرتی مگر میں نے تو خود شام کو تمہیں شاپنگ سنٹر میں اس کے ساتھ دیکھا تھا اور یقیناً آنچل نے بھی۔'' آنچل کا نام سنتے ہی وہ پریشان ہوگیا۔

''آنچل نے؟ بائی دی وے آپ شاپنگ کرنے کیوں گئے تھے کوئی خاص بات تھی۔''

''شاپنگ کے لیے خاص بات ہونا ضروری ہے کیا اپنی لاڈلیوں کا تمہیں پتہ تو ہے ہفتے بعد کچھ نہ کچھ انہیں اجیب ہوتا ہے۔ یوں تمہارے کارنامے سامنے آگئے میں تو رات سے ہی تپی ہوئی ہوں۔'' وہ ان کی باتیں سن کر اب ہنس رہا تھا۔ عینی بھابی مزید جھنجلا گئی۔

''معارج صرف دو ماہ ہوئے ہیں تمہاری شادی کو اور پھر سے تمہارے پہ مشغلے شروع ہوگئے ہیں ہم نے تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی تھی وہ تمہاری چاہت سے اس گھر میں آئی ہے مگر تم .....تمہارے اس قسم کے رویوں کو اب ہم کیا سمجھیں۔''

''بھابی جان ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ شاہانہ قدیر میری کلاس فیلو رہی ہے۔ اب وہ ایک صحافی ہے۔ اسے اپنی ایک کتاب لکھنے کے لیے پاکستانی پولیس اور مجرموں کے بارے میں کچھ معلومات چاہئیں میں صرف اس کی ہیلپ کر رہا ہوں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہے۔'' معارج کی وضاحت پر عینی بھابی نے ماتھے کے بال سمیٹ کر اسے وارننگ دی۔

''اس سے زیادہ یا آگے کوئی بات ہونی بھی نہیں چاہیے آج تم کہاں تھے بچی کو آنے کی آس دلا کر اب آرہے ہو۔ یہ کوئی شرافت ہے غضب خدا کا لڑکی آدھی رات تک تنہا اکیلی کمرے میں ڈرتی رہتی ہے اور تمہیں کچھ احساس ہی نہیں۔ دفعان کرو اس نوکری کو جس میں نہ چین سکون ہے اور نہ ہی بیوی اور گھر والوں کے لیے وقت۔ بھر پائے ہم تمہاری اس نوکری سے استعفیٰ دو اور سنبھالو اپنے بھائیوں کے ساتھ بزنس۔''

عینی بھائی کا پارہ ایک دم پھر چڑھ گیا۔ اسے ان کی باتیں اس وقت کچھ اچھی نہیں لگ رہی تھیں مگر چپ رہنے پر مجبور تھا۔ صرف ان سے اتنا کہا۔

''نوکری اگر میں نے چھوڑنا ہوتی تو کرتا ہی کیوں۔ ہر کام میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے بھائی صاحب بھی تو ہفتوں مہینوں بزنس کی وجہ سے غائب رہتے ہیں آپ بھی تو رہتی ہیں ناں تنہا اکیلی۔''

''معارج ابھی وہ کم عمر ہے چھوٹی ہے آہستہ آہستہ ہی ایڈجسٹ ہوگی۔ تم جلدی نہیں آسکتے ہو۔''

''او کے.....او کے آئندہ کوشش کروں گا دیر نہ ہو اب پلیز آپ اسے جگا دیں میں خود بھی

بہت تھکا ہوا ہوں اور سونا چاہتا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو عینی بھابی اسے اٹھانے دوبارہ کمرے میں چلی گئیں۔

☆☆☆

''یار کیا تم اپنے روم میں ٹائم نہیں گزار سکتیں مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا کہ ہر روز تمہیں بھابی کے کمرے سے جگا کر لاؤں۔'' وہ خمار آلود آنکھوں کو نیم وا کیے اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تو معارج نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔

''مجھے اکیلے یہاں ڈر لگتا ہے۔'' اس نے نیند سے بوجھل آواز میں وجہ بتائی تو وہ مزید چڑ گیا۔

''ڈرنے کی کیا بات ہے یہ تمہارا اپنا گھر اپنا روم ہے۔ تم آرام سے لیٹ کر میوزک سنا کرو کوئی مووی دیکھ لیا کرو یا پھر کوئی میگزین پڑھ لیا کرو اگر خود کو مصروف رکھنا چاہو تو بہت سے راستے ہیں آئندہ اگر میں لیٹ ہو جاؤں تو تم مجھے اپنے کمرے میں ہی ملنا او کے۔''

اسے شاید تھکن کچھ زیادہ تھی اس لیے اس کا موڈ خراب تھا۔ آنچل نے فوراً پلکیں اٹھا کر اس کا موڈ دیکھنا چاہا مگر وہ باتھ روم میں چلا گیا تھا۔

پچھلے کئی دنوں سے وہ بے حد مصروف نظر آرہا تھا۔ آج بھی خود ہی پکچر دیکھنے کا پروگرام پتا نہیں کیسے بنا لیا تھا اور پھر پروگرام کے مطابق آیا بھی نہیں تھا۔ وہ اس سے وجہ پوچھنے کی ہمت پیدا کر رہی تھی مگر اب اس کا رویہ دیکھ کر اس کی ہمت جواب دے گئی۔

معارج نہا کر فریش ہوگیا تھا اس لیے موڈ بھی پلٹا کھا گیا تھا۔ آکر خود ہی وضاحت دینے لگا۔

''آئی ایم سوری جانو رئیلی ارجنٹ میٹنگ اٹینڈ کرنا پڑی تھی اس لیے میں آنہیں سکا۔ تمہیں اطلاع کی تھوڑی سی عقل استعمال کر لینی تھی میں گیارہ بجے تک نہیں آیا تھا تو کھانا کھا لیتیں اور چینج کر کے سو جاتیں کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں۔''

آنچل کو اس کا پل پل بدلتا رویہ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ دنوں سے وہ پھر سے زود رنج ہو رہی تھی۔ بی بی جان کی ہوک یک دم اس کے دل میں اٹھنے لگتی تھی۔ شاید اس کے ساتھ ایسا اس لیے ہو رہا تھا کہ وہ معارج کی توجہ میں کمی محسوس کر رہی تھی۔

''اس وقت میں کچھ نہیں کھاؤں گی اور مجھے اب بھوک بھی نہیں ہے۔'' معارج کے اصرار پر بچے کے لیے اس نے فوراً ہی پیش بندی کی۔

''بھوکی رہ کر مجھے سزا دو گی خیر تم دودھ ضرور پی لینا۔ اچھا جاؤ چینج تو کر کے آؤ۔'' معارج

نے اسے بازو سے پکڑ کر ڈریسنگ روم کی طرف دھکیلا۔ اس کا بہت زیادہ رونے کو جی چاہ رہا تھا بار بار دل میں خواہش ابھر رہی تھی کہ شام اس کے ساتھ نظر آنے والی شاہانہ قدیر کے بارے میں ضرور پوچھے مگر وہ ہمت کہاں سے لاتی جو معارج کے سامنے زبان کا تالا کھول دیتی اور پوچھ سکتی کہ اس کی زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ محض ایک بیوی یا عورت کی حیثیت سے وہ اس کے گھر میں پناہ گزین ہے یا دل کی سلطنت میں اس کی محبت کا جھنڈا گڑھا ہے۔ شاہانہ قدیر کے وجود نے اسے بہت سے وہموں اور وسوسوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ ماں کے بعد اب اسے معارج بھی خود سے دور ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

معارج کی مصروفیات دن بدن بڑھتی جا رہی تھیں اور اس کی عدم توجہی سے آنچل کی طبیعت مکدر ہوتی جا رہی تھی۔ اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اکثر اس کا دل چاہنے لگا تھا کہ وہ بھاگ کر بی بی جان کی آغوش میں چھپ جائے ان کے گلے لگ کر خوب روئے مگر اس کی یہ خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ بی بی جان کو اس نے کئی فون کیے معافی نامہ بھی لکھا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھیں۔ اس کی طبیعت کی گرانی اور بے چینی آخر رنگ لے ہی آئی تھی۔

شادی کے تیسرے ماہ اسے وہ خوشخبری سننے کو مل گئی تھی جس کی ہر لڑکی شادی کے بعد اولین آرزو کرتی ہے۔ عینی بھابھی نے ڈاکٹر کی صدیق کے بعد اس کا منہ چوم لیا تھا۔ معارج انویسٹی گیشن کے لیے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اسے ابھی آنچل کی طبیعت کی خرابی کا پتہ نہیں تھا اور نہ ہی اس سے وابستہ خوشخبری کے بارے میں وہ جانتا تھا اپنے اس دورے کے دوران اسے ایک دن کے لیے لاہور بھی جانا تھا۔

نازک اور بازل نے اس کے اکیلے آنے پر اس کی خوب کھنچائی کی تھی اور نجانے آنچل کے متعلق اس سے کیا کیا کہا تھا جو وہ لاہور سے سخت کبیدہ ہو کر آیا تھا۔ آدھی رات کو گھر میں داخل ہونے کے بعد وہ سوئی ہوئی آنچل کو جگا کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

''کیا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو؟'' وہ نیند سے اٹھی تھی اسی لیے اس کی بات کو صحیح طرح سمجھ نہیں پائی تھی۔ ناسمجھی سے بولی۔

''جی؟''

''میں فارسی میں تو نہیں پوچھ رہا ہوں کیا میں نے تمہیں کبھی کوئی خوشی نہیں دی؟'' معارج کا لہجہ پہلے سے زیادہ سرد ہو گیا۔ آنچل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ نیند اڑنچھو ہو گئی۔

''یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' آنچل نے بمشکل کہا۔ معارج نے اپنا تکیہ صحیح ٹھکانے

رکھتے ہوئے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ کر ایک تیر سا چلایا۔

''میں تو وہی باتیں کر رہا ہوں جو تم اپنے گھر والوں سے فون پر کرتی ہو خطوں میں لکھتی ہو۔''

''جی..... میں نے تو کسی سے ایسی بات نہیں کی..... آپ؟''

''میں جھوٹ بول رہا ہوں ہے ناں۔''

''میں ایسی بات کیوں کروں گی؟'' معارج کے رویے سے وہ نہ صرف پریشان ہوئی بلکہ بوکھلا بھی اٹھی۔

''اچھا تو تمہارے فرشتوں نے نازک بھابھی کو فون کر کے شاہانہ کے بارے الٹی سیدھی باتیں کی تھیں اور تم نے جو اپنی بی بی جان کو خط میں لکھا تھا کہ یہاں خوش نہیں ہو وہ کسی اور نے لکھ دیا تھا۔ تم میرے ساتھ خوش نہیں تھیں مجھے بتا دیتیں میں تمہیں فوراً تمہاری ماں کے پاس چھوڑ آتا۔''

وہ غصے سے پھٹ پڑا تو آنچل کو بھی اس کے غصے اور اشتعال کی وجہ سمجھ میں آئی۔ مگر اس نے اس طرح باتیں نہیں کی تھیں جس طرح وہ بتا رہا تھا اور نہ ہی بی بی جان کو اس طرح لکھا تھا۔ وہ اس کے غصے کو پہلی بار دیکھ رہی تھی اس لیے شدید تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ فوراً ہی وضاحتی انداز میں صفائی دینے لگی۔

''میں نے اس طرح بات نہیں کی تھی۔ میں نے اس دن آپ کے ساتھ.....''

''تم نے باتیں کی تھیں اٹس کلیئر مجھے اب کچھ اور نہیں سننا صبح تم اپنی تیاری کرو میں تمہیں جانے سے پہلے وہاں چھوڑ آؤں گا جہاں تم خوش رہ سکتی ہو۔'' معارج نے قطعیت سے کہا تو وہ رو دی۔ اس کا رویہ ہی جان لیوا تھا۔ دن بھر الٹیاں کر کر کے پہلے ہی وہ نڈھال ہو رہی تھی اور اب معارج کے سنگین رویے نے اسے ادھ موا کر چھوڑا تھا۔

''آپ میرا یقین کریں میں نے غلط انداز میں بات نہیں کی تھی اور بی بی جان کو منانے کے لیے معافی مانگنے کے لیے صرف اتنا لکھا تھا کہ ان کی دعاؤں کے بغیر میری خوشیاں مکمل نہیں ہو سکتیں نازک بجیا بھی بس.....'' وہ سسکی بھر کر رونے لگی۔

''مجھے تمہاری کسی قسم کی صفائی کی ضرورت نہیں ہے مجھے سکون سے سونے دو کل تمہیں چھوڑ کر مجھے واپس جانا ہے۔'' معارج نے کروٹ بدل کر لائٹ بند کر دی۔

''میں کہاں جاؤں گی مجھے یہیں رہنا ہے پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' آنچل نے شدید بے بسی محسوس کرتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر متوجہ کرنا چاہا اگلے ہی لمحے اس کا ہاتھ جھٹک کر وہ درشتگی سے بولا۔

''تم یہاں کیسے رہو گی یہاں تو میں تمہاری سوکن کو لا رہا ہوں ناں۔'' نازک اور بازل کی باتیں اسے مسلسل چبھ رہی تھیں اس نے کسی اور سے نظر ملانی ہوتی تو آنچل کے لیے دیوانہ ہی کیوں ہوتا۔

بازل نے بھی اس کا دوست بن کر نہیں آنچل کے بہنوئی کی حیثیت میں پوچھ گچھ کی تھی۔ اسے آنچل پر شدید غصہ تھا کہ اس کی ذات سے کوئی شکایت تھی تو وہ اسی سے کہتی نازک، بی بی جان یا بازل سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

''آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ایسا نہیں کر سکتے میں مر جاؤں گی اگر.....؟''

روتے روتے اس کی آواز گھٹ گئی اور پھر مزید بولنے کی کوشش میں پھندا لگ گیا۔ وہ کھانستی ہوئی نیم تاریکی میں باتھ روم میں بھاگی۔ سونے سے قبل کھایا پیا سبھی کچھ حلق کے ذریعے واپس آ گیا۔ معارج نے اس کی بات سننے کی کوشش کی تھی مگر وہ خود بات ادھوری چھوڑ کر کھانستی ہوئی بھاگی تھی۔ معارج فوراً اٹھ کر اس کے پیچھے گیا۔ وہ سیدھی ہو کر سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر لمحہ بھر کو معارج کے دل میں رحم آیا مگر پھر اگلے ہی لمحے ذہن میں ایک خیال کے کلبلاتے ہی اس نے آنچل کو بازو سے پکڑ کر کمرے میں کھینچا اور اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ وہ چکرا کر بیڈ پر گر گئی۔

''مرنے کا اتنا ہی شوق تھا تو اپنے گھر جا کر مرنا مجھے کسی مصیبت میں مبتلا مت کرو۔''

حیرت، صدمہ اور بے یقینی ایک ساتھ آنچل کی آنکھوں میں سمٹ آئی۔ آنسو جیسے ٹھہر گئے۔ معارج اس پر بلاوجہ ہاتھ اٹھائے گا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے طرزِ عمل نے اسے صدمہ پہنچایا تھا اور آدھی رات کو آ کر وہ اس قسم کی باتیں کرے گا اسے حیرت ہو رہی تھی۔

اس کے وجود میں درد کی لہریں اٹھنے لگیں۔ غصے اور صدمے سے اس کے اعصاب تن گئے تھے۔ مگر وہ کسی قسم کا ردِعمل دکھانے کی مجاز نہیں تھی۔ وہ نجانے کیا کیا سن کر آیا تھا۔ نازک نے نجانے اس سے کس طرح بات کی تھی جو وہ یوں آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اس کی اتنی بڑی غلطی نہیں تھی جتنی وہ سزا دے رہا تھا۔ وہ تو اس کی طرف سے محبتوں عنایتوں کی تمنائی تھی۔ اس کی زندگی میں ایک نیا موڑ آ رہا تھا جو زندگی کو حقیقی خوشیوں کی جانب لے کر جاتا تھا اور معارج اپنے راستے بدلنے کی باتیں کر رہا تھا۔

وہ باقی رات اسی طرح سسکیاں دباتی لیٹی رہی۔ معارج کو اس کے جاگنے کا احساس تھا اسی لیے وقفے وقفے سے اسے کچوکے لگاتا رہا۔ اس نے محبوب سے شوہر بننے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ مرد کی فطری انا نے اس کے سارے حساس جذبوں کو فی الحال تھپک کر سلا دیا تھا۔ آنچل رتجگے سے

زیادہ غم و صدمے سے نڈھال تھی۔ اپنے معمول کے مطابق اٹھنے میں اسے دقت تو ہو رہی تھی مگر اس نے اپنی ہمتیں جمع کیں اور بستر چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ رات کے مقابلے میں وہ اب خود کو اس کی باتوں کے جواب دینے کے لیے تیار کر چکی تھی۔ وہ جیسے ہی نیچے جانے کے لیے دروازے کی طرف بڑھی معارج کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

''کہاں جا رہی ہو؟ واپس آ جاؤ۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آنچل بادلِ نخواستہ مڑ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''تم نے جو کچھ پیک کرنا ہے کر لو دس بجے میری میٹنگ ہے پھر میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔'' وہ سنگدلی سے کہتا خود بھی بستر سے نکل آیا۔

''میں کہاں جاؤں گی؟ میں نہیں جاؤں گی کہیں۔''

''کیوں یہاں میرے ساتھ تم خوش نہیں رہ سکتی ہو جاؤ اپنی جنت کو خوش کرو وہ بھی تو یہی چاہتی ہیں ناں کہ تم مجھے چھوڑ دو جاؤ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔'' وہ سخت غصے کی لپیٹ میں تھا۔

''کیا؟ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں خدا کے لیے ایسی باتیں مت کریں بی بی جان کتنی بھی ناراض سہی ایسی بات ہرگز نہیں کہیں گی آپ کو جس نے بھی بتایا ہے غلط بتایا ہے۔ ایسا ہوتا تو.....؟'' آنسوؤں سے اس کی آنکھیں لبریز ہو کر چھلک پڑیں۔ آواز گھٹ گئی صدمے سے وہ چیخنا چاہتی تھی مگر ہمت نہیں پڑی۔

''صبح صبح میرا دماغ خراب مت کرو۔ مجھے تمہاری ایکسکیوز کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ تقریباً دھاڑا تھا وہ پہلے تو سہم گئی پھر فوراً سنبھل کر معافی مانگنے لگی۔

''پلیز آپ مجھے معاف کر دیں مجھے یہیں رہنے دیں۔ میری بات تحمل سے سن لیں گے تو آپ کی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔ بات اس طرح ہوئی تھی کہ.....'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری اور اپنا حلق تر کرنے کے لیے تھوک نگلا۔

معارج اس کی بات سنے بنا ہی باتھ روم میں جا گھسا اور کھٹاک سے دروازہ بند کیا۔ وہ بے بسی کے زبردست احساس سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ معارج اتنی جلدی بدل جائے گا اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ نازک سے بہن بن کر اپنے دل کا درد کہا تھا۔ کیا پتہ تھا کہ یہ درد اس کی زندگی میں پھیل کر اس کی ازدواجی زندگی کو بھی بے جان اور کھوکھلا کر دے گا۔ وہ لرزتی ٹانگوں سے سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ معارج کو کس طرح سمجھائے۔ وہ اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی دستک کی آواز پر چونک کر سر اٹھایا۔ عینی بھابھی دستک دے کر کمرے میں داخل ہو رہی تھی ان کے ہاتھ میں مٹھائی کی پلیٹ تھی۔

''السلام وعلیکم!'' اس نے کوشش کی کہ اپنی آواز کا تاثر نارمل رکھے۔

''وعلیکم السلام جیتی رہو خوش رہو کیا بات ہے طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟'' آنچل کا دل چاہا ان کے گلے لگ کر رو دے مگر معارج کا خوف بھی حواس پر حاوی تھا۔ وہ کسی بھی لمحے باتھ روم سے آیا چاہتا تھا اس لیے خود کو سنبھال کر بولی۔

''ساری رات سر بوجھل رہا ہے اور شدید درد بھی۔ متلی بھی ہو رہی ہے۔'' اس نے آنسوؤں کو پینے سے روکا۔ عینی بھابھی محبت سے اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

''فکر نہیں کرو شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ماں بننا آسان کام تو نہیں ہے تم پریشان نہ ہو آج ہم ڈاکٹر سمیرا کے پاس چلیں گے وہ ضرور کوئی حل بتائے گی۔ معارج کہاں ہیں اس کی گاڑی تو پورچ میں کھڑی ہے رات کس وقت آیا تھا تم نے اسے خوشخبری سنائی ہے یا نہیں۔''

عینی بھابھی نے اسے تسلی دیتے ہوئے اچانک کئی سوال پوچھے۔ جن کے وہ جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی بس آخری سوال کے جواب میں نفی میں گردن ہلائی۔

''کیوں؟ بہت شرمیلی ہو تم۔'' انہوں نے اس کی خاموشی سے خود ہی نتیجہ اخذ کیا۔ تبھی معارج تولیے سے بال رگڑتا باتھ روم سے برآمد ہوا اور ٹھٹک کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ اس کا خیال تھا آنچل نے انہیں بلایا ہے۔ ان سے اس کی شکایت کرے گی۔ اس نے کبیدگی سے آنچل کو گھورا وہ نظریں جھکا کر بیٹھنے کے باوجود اس کی نظروں سے لپکتی آگ کو اپنے وجود میں اترتا محسوس کر رہی تھی۔

''السلام علیکم بھابھی ماں صبح صبح خیریت ہے؟''

''خیریت ہے بلکہ بہت بڑی خوشخبری ہے۔'' عینی بھابھی جو مٹھائی کی پلیٹ میز پر رکھ چکی تھیں اٹھا کر اس کی طرف بڑھیں۔ عینی بھابھی کی خوشدلی دیکھ کر اس نے اپنے تاثرات بدلے۔

''لو پہلے منہ میٹھا کرو پھر خوشی کی خبر سنو۔''

''صبح صبح مٹھائی کیا کروڑ کا پرائز بانڈ نکل آیا ہے۔''

''اس سے بھی زیادہ۔''

''کیا دو نکلے ہیں؟'' وہ تولیہ بیڈ پر اچھال کر فوراً بولا۔

''بک بک نہیں کرو منہ کھولو۔''

''پلیز بھابھی اتنی صبح دل نہیں چاہ رہا ابھی تو چائے بھی نہیں پی۔ آپ خبر سنائیں میں ناشتے میں کھالوں گا کہیں محبت کے لیے لڑکی تو نہیں ڈھونڈ لی پلیز بھابھی اس کے فائنل کے بعد ہاؤس جاب کا تو انتظار کرلیں پھر۔''

''میری بہنیں سنتیں نا میں اپنی بک بک کیے جا رہا محبت تمہاری ہی تو بھیجی ہے میری بہن کی ہونے والی لڑکی اسے کھلونا پسند آئے گی تو تم مجھے کچن میں جاتو تو میں لے آتا ہوں معارج تمہیں کب پتہ ہے کہ...''

''میں میں... چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' عینی بھابھی کی بات کاٹ کر وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

معارج نے اسے سپاٹ لہجے میں روکا۔

''رہنے دو میں نیچے جا کر پی لوں گا۔''

''ہاں ہاں... ہاں ہاں تم آج آرام کرو ہلکا پھلکا ناشتے کے بعد ڈاکٹر کے پاس چلنے کی تیاری کر لو۔'' آنچل کو روک کر انہوں نے پھر معارج کو مخاطب کیا۔

''تم ہمیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ گے یا ہم خود چلے جائیں؟''

''ڈاکٹر کے پاس کس لیے؟'' اس نے الجھن سے دیکھتے ہوئے پوچھا نظریں آنچل کے سراپے پر بھی بھٹکیں وہ پچھلے ایک ہفتے میں خاصی کمزور اور مرجھائی سی لگ رہی تھی مگر فی الحال وہ غصے کی لپیٹ میں تھا اسی لیے اس کے لیے اپنے دل میں ہمدردی محسوس نہیں کر سکا تھا اسے نظر انداز کر کے پوچھنے لگا۔

''آپ مجھے کوئی خوشخبری سنانے آئی تھیں۔''

''ہاں تو اسی لیے تو ڈاکٹر کے پاس جانا ہے مبارک ہو تم بابا بننے والے ہو۔''

''واٹ... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بھابھی اتنی جلدی۔'' آنچل نے سر اٹھا کر اس کے تاثرات دیکھنا چاہے جو خاصے حوصلہ شکن تھے اس کے چہرے پر خوشی کی رمق بھی نظر نہیں آ رہی تھی عینی بھابھی نے اس کی بات کو اپنی سمجھ کے مطابق سمجھ کر اسے دھپ لگائی۔

''یہ جلدی تم نے ہی دکھائی ہے اچھا مجھے بتاؤ ہم خود چلے جائیں یا تم لے جاؤ گے؟''

''میری تو نو بجے میٹنگ ہے اور آج ہی دوبارہ جانا ہے میں آپ کو بتانا بھول گیا ہوں میں دو ماہ کے لیے آفس کے کام سے باہر جا رہا ہوں اس لیے آنچل کو اس کے گھر چھوڑ دوں جانے سے پہلے وہاں زیادہ خوش رہے گی۔''

''کیا کہہ رہے ہو معارج کیا لمبی جانے کی ضرورت ہو گئی ہے؟''

''یہ چلی جائے گی تو اچھی ہو جائیں گی مجھے خبر ہو وہ یہ بھی پسند نہیں کریں گی البتہ یہیں رہنے جائے گی تو خوش ہو جائیں گی۔'' معارج کے لہجے میں چھپے طنز کو صرف وہی سمجھ سکتی تھی فوراً التجائیہ انداز میں بولی۔

''بھابھی کو جانا ہے مجھے یہیں رہنا ہے مجھے پتہ ہے یہ مجھے حفاظت نہیں کریں گی اس لیے پلیز۔'' اس کی آواز آنسوؤں کی وجہ سے بند ہو گئی۔

''معارج آنچل خوش نہیں ہے جانے سے تو تم کیوں بھیجنا چاہ رہے ہو۔تم بے فکر رہو میں بھی اس کا ماں جیسا ہی خیال رکھوں گی۔ آنچل کو وہاں بھیجنا بھی ہوگا تو زمانے کے دستور کے مطابق بھیجیں گے وہ بھی اگر وہ لوگ خوشی سے لینے آئیں گے تب۔'' عینی بھابھی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی وہ استہزائیہ انداز میں ہنس کر بولا۔

''ہونہہ دستور پہلے ہمارا کون سا کام قاعدے یا دستور کے مطابق ہوا ہے جواب.....''

''اچھا بس تم اس معاملے میں مت الجھو اور یہ تم نے کیا بیٹھے بٹھائے کورس کا شوشا چھوڑ رہے ہو۔اب آگے بیوی کو تمہاری ضرورت ہوگی اور تم نجانے کہاں بیٹھے ہوگے۔''

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں اسے اس کے گھر والوں کے حوالے کریں تاکہ آپ کو بھی ٹینشن نہ رہے اور مجھے بھی۔''

''معارج تم آج کیسی باتیں کر رہے ہو مجھے آنچل سے کیا ٹینشن ہوگی یہ میری بہو ہے بیٹی ہے مجھے تو جب سے یہ خوشخبری ملی ہے میری خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں ہے اور تم کیسی جلی کٹی باتیں کر رہے ہو گھر چھوڑ کر جانے کو دل نہیں چاہ رہا تو لعنت بھیجو نوکری پر تمہیں نوکری کی ضرورت بھی کیا ہے۔'' وہ اس کی چڑچڑاہٹ کی وجہ دوری کو سمجھ رہی تھیں۔

''میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں مگر اپنی نوکری نہیں۔'' اس نے آنچل کو کچھ جتاتی نظروں سے دیکھا۔ایک میخ سی اس کے جگر میں گڑھ گئی۔تعلقات اور احساسات اس طرح بھی اپنا روپ بدل سکتے ہیں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ بی بی جان کا غصہ اور انا تو اس کی سمجھ میں آتی تھی مگر معارج کی ضد اور غصے کا جواز اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔اس نے برائی میں کوئی بات کی ہوتی تو وہ اس کے رویوں کی سزا بھگتنے کی خود کو حقدار سمجھ لیتی مگر بنا قصور کے وہ جس قسم کی سزائیں دے رہا تھا وہ اس کی برداشت سے باہر تھی مگر اسے خاموشی تھی۔البتہ اس نے دل میں ارادہ باندھ لیا تھا کہ یہاں سے نہیں جائے گی۔

''تو جاؤ پھر کرو تم نوکری اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو کل تمہارے بھائی بھی آرہے ہیں وہی تم سے بات کریں گے۔'' عینی بھابھی ناراضگی سے کہہ کر اس کے کمرے سے نکل گئیں۔ نیچے سے ویسے بھی افشی نوشی انہیں آواز دے کر بلا رہی تھیں۔عینی بھابھی کے نکلتے ہی وہ اس کی جانب آیا۔

''اندازہ تو مجھے پہلے ہی ہوگیا تھا اب تو یقین بھی ہوگیا ہے کہ اب تک تم میرے ساتھ محض مجبوری میں سب کچھ شیئر کرتی رہی ہو تمہاری نیت میں کھوٹ اور خلوص میں جھوٹ شامل رہا ہے اسی لیے رات سے اب تک تم نے مجھے اتنی بڑی بات نہیں بتائی کہ تم.....آخر تم چاہتی کیا ہو؟ اس ڈراما

بازی کا مقصد کیا ہے؟'' وہ پھر سے بدگمانی اور غصے کی چنگاریاں اڑانے لگا۔ وہ اڑتی چنگاریوں سے خود کو بچانے کی خاطر روہانسی ہو کر بولی۔

''میں آپ کو بتانا چاہتی تھی مگر آپ نے موقع ہی کب.....''

''بکواس مت کرو تم نے کوشش ہی نہیں کی کہ میری کسی بات کا جواب دو ٹھیک ہے تم یہاں رہو کم از کم بچے کی پیدائش تک تو تمہیں مجبوراً یہاں رہنا پڑے گا۔ میں نہیں چاہتا تمہارے گھر والوں کی نفرتوں کے نتیجے میں میرے بچے کی زندگی کسی خطرے میں پڑے اور اس عرصے میں تمہیں بھی اپنی ماں کو بھلانا ہوگا بعد میں تو تمہیں انہی کے پاس جا کر رہنا ہے اس لیے.....''

''خدا کے لیے بس کریں.....بس کریں۔'' وہ بے ساختہ چیخ پڑی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''آپ سے میں اپنے ہر قصور ہر گناہ کی معافی مانگ چکی ہوں پھر بھی آپ۔'' وہ آنسو روک کر بمشکل بولی پھر سسکنے لگی۔

''آپ کو اگر اپنی زندگی میں کسی اور کو بھی شامل کرنا ہے تو ضرور کریں مگر مجھے اس طرح اذیتیں مت دیں۔'' اس کی سسکیاں اس کے اندر اٹھے شور کو عیاں کر رہی تھیں۔

معارج شٹ اپ کہہ کر کمرے سے ہی نکل گیا اور پھر نہ اس سے بات کی نہ اسے دیکھا۔وہ سب سے خود کو چھپانے کی خاطر طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر کمرے سے ہی نہیں نکلی تھی۔ عینی بھابھی بھی بحیثیت عورت سمجھتی تھیں کہ وہ معارج کے جانے سے دلبرداشتہ ہے اس لیے انہوں نے بھی سارا دن کسی کو اسے تنگ نہیں کرنے دیا۔

☆☆☆

اس کے حوالے سے یہ خوشخبری جان کر اس کی بہنیں بھائی اور بھابھی بھی آئے تھے۔نہیں آئی تھی تو ایک بی بی جان نہیں آئی تھیں نجانے ان کے دل میں کیا تھا اسے اپنی کم نصیبی پر رہ رہ کر رونا آتا تھا۔سبھی اس کی دلجوئی میں لگے رہتے تھے اس کی خاموشی اور اداسی ختم کرنے کی کوششیں کرتے مگر وہ کیا کرتی کیا بتاتی اس کی زندگی سے خوشیاں تو وہ سمٹکر اپنے ساتھ لے گیا تھا اور پلٹ کر خبر بھی نہیں لی تھی کہ وہ کس حال میں ہے دو کے بجائے اسے پانچ ماہ ہو گئے تھے گئے ہوئے محبت کو یا بھائی ہی کو وہ فون کر کے اپنی خیر خیریت کی اطلاع کر دیتا تھا اور اطلاع دینے کا وقت بھی آدھی رات کو ہوتا۔اس وقت محبت کو ہدایت بھی ملتی کہ آنچل کو ڈسٹرب نہ کرے اس سے وہ دن میں بات کرے گا اور وہ دن پچھلے پانچ ماہ میں آیا ہی نہیں تھا۔

وہ بہت مایوس اور پریشان رہنے لگی تھی۔جیسے جیسے دن قریب آرہے تھے وہ لاغر ہوتی جارہی

تھی تھی۔ اس لڑکی کی ڈاکٹر بھی سخت تشویش میں مبتلا ہو گئی تھی۔ کبھی تو پیار سے کبھی ڈانٹ کر اسے مکمل آرام اور وقت پر کھانا کھانے کی ہدایت بھی کر رہی تھی اور وہ صرف سر ہلا کر رہ جاتی۔ ڈاکٹر کی مزید تشویش ظاہر کرنے پر عینی بھابھی کا غصہ معاذ کے لیے دوگنا ہو گیا۔ ان کی ڈانٹ مجتبیٰ نے بھی کئی بار کھائی تھی۔ ان کا خیال تھا مجتبیٰ کو اس کا پتا ٹھکانہ معلوم ہے وہ جان بوجھ کر اپنے چاچو کی پردہ پوشی کر رہا ہے۔

"تم مجھے آج تو اس کا نمبر دے دو مجتبیٰ ورنہ تمہارے باپ سے تم دونوں کی وہ مرمت کرواؤں گی کہ عمر بھر یاد رکھو گے۔ عرصہ ہو گیا ہے گھر سے غائب ہوئے پیچھے کسی کی خبر تک نہ لی۔ یہی کچھ کرنا تھا تو شادی کیوں کی تھی۔ فون کرو میری اس سے بات کرواؤ میں اس کی وہ خبر لوں گی کہ یاد رکھے گا۔" عینی بھابھی سخت غصے میں تھیں۔ مجتبیٰ ابھی آ کر کالج سے بیٹھا ہی تھا ان کی ڈانٹ سننا پڑ گئی تھی۔

"ممّا چاچو پتا نہیں کہاں ہوں گے، اچھا مجھے فریش تو ہونے دیں۔" ان کے گھورنے پر وہ جلدی سے بولا۔

"تم لوگوں کو رحم نہیں آتا اس معصوم پر، تمہارے چاچو نے اس کا خیال نہ کر کے تو حد ہی کر دی ہے۔ سب کیا دھرا اسی کا ہی ہے۔" وہ شدید غصے میں تھیں۔ ڈاکٹر نے بھی تو آنچل کی بگڑتی حالت کا ذمہ دار انہیں ہی ٹھہرایا تھا اور جو ذمہ دار تھا وہ نجانے کہاں چھپ بیٹھا تھا۔

"پلیز ممّا!" مجتبیٰ نے آنچل کی موجودگی کا احساس کر کے ماں کو ٹوکا تو آنچل نے بھی انہیں فون کرنے سے منع کر دیا۔

"آپ انہیں فون نہ کریں میں ٹھیک ہو جاؤں گی لیکن ان کو تنگ نہ کریں پلیز...."

"اسی رویے نے تو اسے بگاڑا ہے۔ خود کو بھی سنبھالو آنچل، کچھ خود اپنی ذمہ داری پہچانو، تم ماں بننے جا رہی ہو، وہ تمہارے بہن بھائیوں میں سے کوئی آ جائے تو میں کیا جواب دوں گی کہ میری بات ہوتی تو تمہارا دکھ کم ہوتا، کو کیا پتا ان اداسیوں اور سوچوں کا وہ ایسا کیا لمحہ گزارے تو وہ ٹوٹ کر نکلنے آ جائیں مگر معاذ کو تو میں کبھی بھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ اس کے کہہ کر اپنے قلب و روح میں محسوس کر رہی تھیں اس لیے جذباتی ہو رہی تھیں ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ معاذ سامنے ہو اور وہ کھری کھری سنائیں اور چاچا کس کے تھپڑ لگائیں۔ اس کے رویے کا انہیں بھی کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا۔

ڈلیوری سے پہلے اس کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ وہ مسلسل بے ہوشی میں تھی۔ ڈاکٹر صرف بچے کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے اس کی زندگی سے پر امید نہیں تھے۔ معاذ کا کچھ پتا نہیں تھا وہ گھبرا کر بی بی جان کے پاس بھاگی گئی تھیں۔ آپریشن کے لیے

ایک کے دستخط تو ضروری تھے۔ وہ تنہا اتنا بڑا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتی تھیں۔

"خدا کے لیے بی بی جان اس وقت غصہ تھوک دیں اپنی ناراضگی بھلا دیں آنچل کی زندگی خطرے میں ہے اسے آپ کی ضرورت ہے آپ میرے ساتھ چلیں۔"

بی بی جان آخر آنچل کی ماں تھیں اس کی حالت کا سن کر ان کا کلیجہ بھی کانپ اٹھا ضد اور غصہ تو کب کا ختم ہو چکا تھا لیکن انا کی دیواریں بھی لرز رہی تھیں وہ ذرا سی ضرب مزید پڑتی تو زمین بوس ہو جاتیں۔

"بی بی جان آپ کن سوچوں میں ہیں آنچل یقیناً آپ کی منتظر ہو گی اسے آپ کی ضرورت ہو گی۔" عاصمہ بھابھی نے انہیں سوچوں میں غرق دیکھ کر ملتجی انداز میں کہا۔

"وہ ان کا وعدہ کہاں گیا بڑی بڑی باتیں کر رہا تھا اس روز مجھے سمجھا رہا تھا اب کہاں جا چھپا ہے مجھے تو پہلے ہی....." معاذ کے لیے ان کے دل میں کدورت کم نہیں ہوئی تھی۔ عینی بھابھی انہیں حق بجانب سمجھ رہی تھیں جبکہ عاصمہ بھابھی نے رشتے کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے انہیں مزید کچھ کہنے سے پہلے ٹوکا۔

"بی بی جان یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے بعد میں گلے شکوے ہوتے رہیں گے۔ ابھی چلیں ہم چلتے ہیں خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو ساری زندگی ایک دوسرے کو الزام دیتے رہیں گے آپ ماں ہیں ماں کی دعا کے بچے کی زندگی کے لیے دعا کیجیے۔"

"اسے میری دعاؤں کی کیا ضرورت ہو تو....." بی بی جان بھی آخر آبدیدہ ہو گئیں۔ عینی بھابھی نے ایک بار پھر التجا کی۔

"آپ ایک بار اسے چل کر تو دیکھیں اسے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے آپ کی ناراضگی نے اسے خوش نہیں رہنے دیا اور شاید اسی لیے وہ معاذ کو بھی خوش نہیں رکھ سکی۔ وہ ہمیں کچھ نہیں بتاتی مگر مجھے اندازہ ہے کوئی بات ضرور ہے جو معاذ گھر سے دور چلا گیا ہے۔" بی بی جان نے چونک کر سر اٹھایا جبکہ بی بی جان کی آنکھوں میں ابھرتے سوال سے فی الحال عینی بھابھی نے نظریں چرائیں اور انہیں لے کر ہاسپٹل پہنچیں۔

تڑپتے ہوئے آنچل کا ہوا ان جان صدا دے رہا تھا کہیں سے بی بی جان آ جائیں اور وہ ان کی آغوش میں چھپ کر اپنی ہر تکلیف بھلا دے۔ ہاسپٹل میں عینی بھابھی کے ساتھ بی بی جان کو دیکھ کر اسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا۔ اسے محسوس ہوا تھا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ بی بی جان اسے دیکھ کر تڑپ اٹھی تھیں۔ بستر پر پڑی وہ آنچل نہیں تھی بلکہ ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کا رنگ سیب جیسا تھا کچھ ماند پڑ چکا تھا۔ آنکھوں میں ویرانیاں اور وحشتیں لرزاں تھیں۔ بی بی

جان پر اس کے آنسو اس کی قلبی کیفیات عیاں کر رہے ہیں۔ ان کی ناراضگی سے سلسلہ وار جڑتی اس کی زندگی کی لحہ بہ لحہ بڑھتی تکلیفیں اس کی آہوں سے ہویدا ہو رہی تھیں۔

"آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے ناں بی بی جان۔"

"ہاں...... میری بچی خطا مجھ سے ہی ہوئی جو تجھے خود سے کاٹ کر پھینک دیا۔ کیا کرتی برسوں کے اعتماد میں رخنہ پڑ گیا تھا۔ بصارتیں، سماعتیں سبھی دھوکا دینے لگی تھیں۔ دل اور دماغ الگ الگ گواہی دینے کھڑے ہو گئے تھے کس کی سنتی کس کی مانتی۔"

بی بی جان بھی بے بسی کے شدید احساس سے مغلوب ہو کر رو پڑیں۔ آنچل تو جیسے انہی کے انتظار میں تھی۔ عجب سا سکون اس کے رگ و پے میں اترا تھا۔ وہ جس مرحلے سے گزر رہی تھی اب اس کا خوف نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے بی بی جان سے آپریشن کی اجازت لی۔ انہیں تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ میجر آپریشن تھا بچہ صحت مند تھا اور ماں بے حد کمزور۔ آنچل کی زندگی کو خطرہ تھا۔ انہوں نے آنچل کی خاموش پکار سن کر ڈاکٹر سے کہہ دیا۔

"میری بیٹی کا اللہ وارث ہے ڈاکٹر صاحب آپ اس کے بچے کو بچانے کی کوشش کریں۔"

عینی بھابھی نے چونک کر انہیں دیکھا۔ ڈاکٹر انہیں تسلی دینے لگی۔

"آپ فکر نہ کریں ہم اپنی سی کوشش کریں گے انشاء اللہ ماں اور بچہ صحیح سلامت رہیں گے۔ آپ دعا کیجیے وہ دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ ہم یہ سب صرف فارمیلٹی کے لیے لکھواتے ہیں انشاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔" ڈاکٹر کی تسلی نے امید کی کرن دکھائی تھی۔

آنچل نے ایک صحت مند بیٹے کو جنم دیا تھا۔ مگر خود وہ تین دن تک بے ہوش رہی تھی۔ معارج بھی آ گیا تھا۔ آنچل کی حالت نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اس نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ وہ تو محض وقتی غصے میں نجانے کیا کچھ کہتا رہا تھا کچھ عرصہ بعد خود پر لعنت ملامت بھی کی تھی۔

بی بی جان نے دل سے کدورت تو پہلے ہی نکال دی تھی اب ظاہری ناراضگی بھی ختم کر کے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

تیسرے دن آنچل ہوش میں آئی۔ سب کی دعائیں رنگ لے آئی تھیں۔ سب کو اپنے اردگرد دیکھ کر نئی زندگی اور توانائی اس کے وجود میں دوڑ گئی۔ سب کے چہروں سے نظر دوڑتی ہوئی بی بی جان کے چہرے پر ٹھہر گئی۔ انہیں وہاں دیکھ کر احساس تشکر سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ بی بی جان نے فوراً اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر خاموش انداز میں تسلی دی۔ نرس نے اسی اثناء میں اس کے پہلو میں اس کا بیٹا لٹایا۔ ممتا کا بھرپور احساس اس کے چہرے پر چمک اٹھا۔ عینی بھابھی بھی محبت و گرمجوشی سے اسے چوم کر مبارک باد دے رہی تھیں۔

"بیٹا مبارک ہو اور سنو وہ نالائق بھی آ گیا ہے باہر کھڑا ہے تم اجازت دو تو بلوا لیں۔" ان کی سرگوشی پر اس نے پہلے حیرت اور پھر الجھن سے انہیں دیکھا۔ وہ اجازت دینے کی مجاز کب ٹھہرائی گئی۔ یہ بات اس کے لیے نئی تھی۔ اسے تو بنا خطاؤں کی سزائیں سنانے والوں نے بولنے کا حق بھی نہیں دیا تھا اب اجازت طلب کر کے اسے معتبر کیا جا رہا تھا۔ جو آنسو اس کی آنکھوں میں ٹھہرے تھے آخر چھلک پڑے۔ معارج نے اسے کم نہیں ستایا تھا۔ اس سے بے اعتنائیاں برت کر زندہ درگور کر دیا تھا۔ اس کے بطن میں نئی روح نہ ہوتی تو وہ کب کی مر گئی ہوتی۔

"اب رو نہیں مائیں روتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں انہیں بہت بہادر بننا پڑتا ہے اور سنو اب اسے کھینچ کر رکھنا۔" عینی بھابھی نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے تنبیہی انداز میں ٹوکا۔

"ہاں بچی معاف کر دینے سے روح بہت ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے۔"

بی بی جان اپنے کسی خیال سے چونک کر بڑبڑائیں آنچل نے انہیں ڈبڈباتی نظروں سے دیکھا۔ ان کے چہرے پر پہلے والی نرمی اور ممتا تھی۔ انہوں نے آنچل کا ہاتھ تھام کر پیار سے سہلایا تو وہ واقعی اندر تک سرشار ہو گئی۔ اس کی زندگی میں بی بی جان کی محبت و شفقت کی ہی تو کمی تھی۔ انہی سے دوری نے تو اس کی زندگی کی تمام لطافتوں کو بے مزا کر دیا تھا۔ اس نے پرسکون ہو کر قدرے مسکرا کر ان سب کی جانب دیکھا۔ سب کے متفکر چہروں پر اب اطمینان تھا۔ معارج اس کے ہوش میں آتے ہی کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔ کمرے میں منتقل کرنے کے بعد بھی اس کے اردگرد جمع ہو گئے تھے اور اب ایک ایک کر کے سبھی کمرے سے باہر نکل گئے۔

آنچل کی تمام حسیات بیدار تھیں مگر وہ آنکھیں موندھے لیٹی تھی۔ معارج کی آخری باتیں بار بار سماعت میں گونج رہی تھیں۔ اس کی محبتوں سے نفرتوں تک سفر کرتا ہر لحہ آج ذہن کے پردے پر سے جھلملا رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر فوراً آنکھیں کھول دیں۔ مانوس خوشبو قریب ہی محسوس ہوئی تھی۔ معارج دروازے میں کھڑا تھا۔ ہاتھوں میں سفید اور سرخ گلابوں کا خوبصورت بوکے تھا۔ اس کے متوجہ ہونے پر اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"میں امن اور محبت کا پیغام لے کر آیا ہوں کیا محبت کے پیامبر کو امن و سلامتی کی نوید ملے گی۔" معارج کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ کھلی تھی۔ آنکھوں میں یقین ہلکورے لے رہا تھا کہ اسے آنچل کی فراخ دلی اور اپنے لیے دل میں تڑپتی محبت کا اندازہ بہت اچھی طرح تھا۔ وہ تو ہمیشہ ہی اس کے سامنے گنگ ہو جاتی تھی اور اب بھی صورت حال مختلف نہ تھی۔ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی بس دانتوں سے نچلے لب کو کچلتی رہی۔

محسوس بھی کیا تھا بس احساس شرمندگی اس کے پاؤں کی زنجیر بن گیا تھا۔ کچھ فطرتی انا بھی

تھی کہ بھتیجے سے تو آنچل سے معافی مانگنے کا حوصلہ وہ خود میں نہیں پا تا تھا اسی لیے دوریاں بڑھتی گئی تھیں۔

بی بی جان نے اسے کچھ نہیں کہا تھا۔ آئی سی یو کے باہر ٹہلتے ہوئے اسے خالی نظروں سے دیکھا کرتی تھیں۔ وہ دوسرے دن اس نے خود ہی بی بی جان کو مخاطب کیا تھا۔

''آپ کی صحت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے بی بی جان آپ گھر جا کر آرام کریں میں یہاں ہوں بلکہ آپ سب ہی جائیں۔''

''جب اسے تمہاری ضرورت تھی تب تو تم یہاں نہیں تھے اب تمہارے ہونے کا کیا فائدہ بلکہ تم ہی چلے جاؤ ہم یہاں ہیں اپنی بیٹی کے پاس۔'' بی بی جان کا ناراضگی سے بھرپور لہجہ معارج کی طبیعت میں مزید تکدر کو بھر گیا وہ پہلے ہی آنچل کی اس حالت کا ذمہ دار خود کو سمجھتا تھا اب ان کا یہ انداز اس کے دل میں مزید بے چینی بھر گیا۔ وہ کچھ کہنے کی بجائے پھر بھی آنا چاہتا تھا مگر عینی بھابھی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے کچھ کہنے سے منع کیا پھر بھی وہ بول اٹھا۔

''اگر میں نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے تو پوچھا آپ نے بھی اس کے ساتھ نہیں کیا؟ وہ میرے ساتھ خوش رہ سکتی تھی مگر آپ نے اسے خوش رہنے نہیں دیا وہ ہر لمحہ احساس جرم میں مبتلا رہی ہے حالانکہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا پھر بھی آپ نے اسے خود سے بے تعلق کر کے سزا دی تھی کیوں؟ آپ جانتی تھیں کہ وہ آپ سے دور رہ کر آپ کی ناراضگی سہہ کر خوش نہیں رہ سکے گی پھر آپ نے کیوں اسے حالات کے سپرد کر دیا میرے ناروا سلوک کی ذمہ دار بھی آپ ہی ہیں آپ کی......''

بی بی جان عالم سکتہ میں اسے دیکھ رہی تھیں اور رو رہی تھیں۔ عینی بھابھی بار بار اسے ٹوک رہی تھیں وہ انہیں پھر سے ان کی غلطیوں کا احساس دلا رہا تھا۔ آخر عینی بھابھی نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔

''بس کرو معارج تمہیں کسی رشتے کی تمیز ہی ہے نہ لحاظ بڑوں سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا حساب کتاب نہیں لگایا جاتا تم سے حساب کتاب کون کرے گا جواب دو تم نے بھی تو آنچل کو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اس کی زندگی کے لیے دعا کرنے کے بجائے تم پرانے قصے لے بیٹھے ہو شرم کرو کچھ معافی مانگو بی بی جان سے۔''

عینی بھابھی کے احساس دلانے پر شرمندگی سے سر جھکا کر خاموش ہو گیا جب بی بی جان غم و غصے کے عالم میں بول پڑیں۔

''کہنے دو قرۃ العین اسے کہنے دو یہی سچ ہے مجھے آنچل کی اس حالت میں میں بھی کہیں ذمہ دار ہوں اور آج بھی......'' وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

''پلیز بی بی جان یہ تو ہمارا نصیب تھا وہ بے وقوف ہے آپ ہی درگزر سے کام لیں آنچل تو خود کو آپ کا نافرمان سمجھتی ہے اور آپ سے معافی بھی مانگ چکی ہے معارج ادھر آؤ۔'' انہوں نے بی بی جان کا ہاتھ تھام کر معذرت کرنے کے بعد معارج کو حکمیہ انداز میں آواز دی وہ جو وہاں سے جانا چاہتا تھا پلٹ کر قریب آیا اور پھر ندامت سے ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بی بی جان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''آئی ایم سوری بی بی جان میں نے جو غلطیاں کی ہیں آپ ان کے لیے مجھے معاف کر دیں میں آنچل کے بنا خوش رہ سکتا اور نہ ہی زندہ آپ اس کے لیے دعا کریں مجھے اور میرے بچے کو اس کی ضرورت ہے پلیز۔'' وہ بے حد پریشان تھا ندامت نے اندر ہلچل مچا رکھی تھی اس لیے ضبط کھو بیٹھا تھا اب ان کا ہاتھ تھام کر حوصلہ بھی ہار بیٹھا۔

''میں نے تم سے اس رات جو سلوک کیا تھا میں اس پر بہت شرمندہ ہوں پلیز آئی ایم سوری تو می۔'' معارج نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

آنچل نے شکوے بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس کے آنسو اس کی زبان بن گئے تھے اور لفظوں میں ڈھلنے لگے تھے۔ اس کی تنہائیوں کے راز فاش کر رہے تھے اس کی اذیتوں کو ظاہر کر رہے تھے جو وہ برداشت کرتی چلی آ رہی تھی۔

معارج اس کے آنسوؤں کی زبان سمجھ رہا تھا اسی لیے بے چین ہو کر بول اٹھا۔

''مجھے تمہارے تمام شکوؤں گلوں کا ادراک کرنا ہے تم مجھے جو چاہے سزا دے ڈالو مجھے قبول ہے بس روؤ نہیں پلیز۔'' معارج نے اس کے چہرے پر بکھرے آنسوؤں کو سمیٹنا چاہا تو اس کا ضبط بالکل ہی جواب دے گیا وہ اس کا ہاتھ تھام کر شدت سے رو دی۔

شکوے لفظوں میں ڈھلنے لگے۔ اس نے اپنے دل کی ساری بے قراری سارے دکھ ساری اذیتیں اور درد روح پر جھیلے گئے کرب سبھی کچھ کہہ دیا معارج خاموشی سے اس کا لفظ لفظ سماعت میں اتارتا رہا۔ اس کے دکھوں کو اپنے دل میں محسوس کرتا رہا وہ جب سب کچھ کہہ چکی تو معارج نے اس کے دونوں ہاتھوں کو محبت سے تھام کر کہنا شروع کیا۔

''آئی ایم سوری میری جان تمہارے ساتھ تو مجھے بھی نہیں ملا تھا تمہارے بغیر میں بھی بہت بے چین رہا ہوں لیکن ایک بات تمہاری کمی مجھے تڑپاتی رہی ہے تمہارے آنسو خواب میں آ کر شکوہ کرتے رہتے ہیں لیکن اس رات تانیہ بھابھی اور بابا جان نے مجھ سے باتیں ہی اس انداز میں کی تھیں کہ میری سمجھ میں بھی نہیں آیا تو ایسے ہی ری ایکٹ کر گیا مجھے وہ زیادہ اس بات کا دکھ تھا کہ تم مجھ سے شکوے گلے کرتی تھیں مجھ سے شکوے کرتے تھے ان سب میں تم نے کیا کیا سمجھ لی تھیں مجھے تمہارے دکھ کا احساس نہیں تھا تم اپنی ماں کے لیے تڑپتی تھیں تو میں خوش ہوتا تھا میں تو خود کو تمہارا مجرم سمجھتا تھا مجھے اکثر محسوس ہوتا تھا

تم بھی ذہنی طور پر میرے ساتھ نہیں ہوتی ہو۔ میں نے بی بی جان کو معافی کے لیے کئی فون کیے تھے مگر وہ.....'' آنچل نے حیرت سے دیکھا۔

''تم بی بی جان سے پوچھ سکتی ہو میں نے بہت کوشش کی تھی میری کوششیں تو خیر بے کار ہی گئی تھیں مگر تم اور تمہاری محبت جیت گئی۔ دیکھ لو تمہاری خاطر وہ سب کچھ بھلا کر آ گئیں۔'' آنچل مسلسل بے یقینی سے اسے تک رہی تھی۔ اس کی وضاحتیں اطمینان تو دے رہی تھیں پھر بھی ایک پھانس سی دل میں اٹکی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی چبھن کا اظہار آخر کر دیا۔ وہ بمشکل کہہ پائی۔

''اور.....اور وہ شاہانہ قدیر وہ آپ کے ساتھ؟'' اسے اپنی بات واضح کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ معارج اس کی بوکھلاہٹ پر کھلکھلا دیا۔ پھر مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔

''وہ.....میرے لیے کیا اہمیت رکھتی ہے۔ تمہیں میری محبت پر اتنا بھی یقین نہیں ہے۔ تمہیں دیکھنے کے بعد میں کسی اور چہرے کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ تمہیں پانے کے بعد کیا میں کسی اور کو اپنی زندگی سے وابستہ کر سکتا تھا۔'' معارج کے استفسار پر اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''پھر وہ آپ کے ساتھ کیوں ہوتی تھی؟'' اس بار وہ سہولت سے بولی۔

''وہ کرائم رپورٹر تھی صرف کام کے لیے وہ میرے ساتھ ہوتی تھی ابھی بھی تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ شاید اس لیے کہ میں نے تمہیں بہت ستایا ہے لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ میں تمہارے سوا کسی اور سے محبت کر سکتا ہوں۔ سنو آنچل میں تمہارے بنا جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مجھے اس کائنات میں تمہارے سوا کوئی بھی اچھا نہیں لگتا۔ چاند سے پھول تلک مجھے صرف تم ہی تم نظر آتی ہو۔ میں کسی شاہانہ وہانہ کے لیے تمہیں کھو سکتا تھا کبھی نہیں۔ تمہارے سوا میری زندگی اور میرے دل کے اعلیٰ مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ تم اب تو میرے دل میں اور بھی اونچی مسند پر بیٹھی ہو کیونکہ تم نے مجھے بیٹے جیسا حسین تحفہ دیا ہے۔ اس حسین تحفے کا شکریہ۔ افوہ میں تو بھول ہی گیا میں اپنے بیٹے کی والدہ کے لیے ایک خوبصورت تحفہ لے کر آیا تھا کدھر گیا۔'' اس نے جیب ٹٹول کر ایک طلائی جڑاؤ نیکلس نکال کر اس کے گلے میں ڈال دیا۔ پھر توصیفی نظروں سے دیکھ کر بولا۔

''اب ذرا اپنے ولی عہد سے مل لوں تمہاری خراب حالت کی وجہ سے میں نے اسے بھی اگنور کر دیا تھا۔ کہیں یہ بھی ناراض نہ ہو۔'' پھر اٹھ کر اس نے سوئے ہوئے بیٹے کو بانہوں میں اٹھا کر خوب پیار کیا۔

آنچل اظہار تشکر آنکھوں میں لیے اسے محبتیں لٹاتا دیکھ رہی تھی۔ اس کے لفظوں میں اس کی چاہت کا اعتراف بسا تھا۔ وہ اس کی ذات کا غرور قائم کر رہا تھا۔ ہر لفظ ایقان محبت بن کر اس کے ذہن و دل سے اتر کر روح میں سرایت کر رہا تھا۔ آنچل نے مطمئن ہو کر آنکھیں موند لی تھیں۔

☆.....☆.....☆

''مجھے یقین نہیں آ رہا نانو! اتنے عرصے بعد میرے حق کو میرے وجود کو تسلیم کر لیا گیا۔ اس سے پہلے تو کبھی انہیں خیال بھی نہیں آیا۔''

رویم بے حد پریشان اور الجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ جب سے نانو نے اسے بتایا تھا کہ اس کا باپ اسے یاد کر رہا ہے۔

''ہوتا ہے' ہو جاتا ہے ایسا۔ انسان اپنے آخری وقت میں اپنی غلطیوں' کوتاہیوں اور حق تلفیوں کو تسلیم کر کے ان کا ازالہ کرنا چاہتا ہے' پچھتاووں کے بوجھ سے اپنی روح کو آزاد کرنا چاہتا ہے۔ تم اس کی نسل کے واحد امین ہو' اس نے تمہیں بلایا ہے' تمہیں جانا چاہیے۔''

''امپاسبل نانو! اجب مجھے ان کی ضرورت تھی تو انہوں نے پلٹ کر نہیں پوچھا۔ اب مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کہیں نہیں جاؤں گا یہیں رہوں گا۔''

رویم کے لہجے میں اپنی گزشتہ محرومیوں کی آگ کے ساتھ ہٹ دھرمی بھی تھی۔

نانو نے اپنے قریب بیٹھے اونچے لمبے خوبرو نواسے کو بغور دیکھا پھر اس کے خوب صورت گھنے بالوں والے سر کو پیار سے سہلاتے ہوئے سمجھایا۔

''ضد نہیں کرتے میری جان! اس کی مجبوری سمجھو' تمہارے سوا اس کا سہارا کون بن سکتا ہے۔ رشتے اس طرح ختم نہیں ہوتے۔ خون کی کشش.....''۔

اس نے نانو کی بات پوری نہ ہونے دی۔ اسی لیے اسی لیے ان کی محبت جوش مار اٹھی ہے' اسی لیے اتنی مدت بعد ان کے خون نے ہلچل مچائی ہے۔ تب کہاں تھی ان کی محبت جب مما کو انہوں نے گھر سے نکالا تھا' میرے وجود' میری حیثیت کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا' میں صرف مما کا تو بیٹا نہیں تھا' مجھے اس دنیا میں لانے کا سبب وہ بھی تھے۔ میری مما نے میرے لیے کیا نہیں کیا' میری خاطر انہوں نے ساری زندگی تنہا گزار دی۔ نہیں نانو اس شخص کے ساتھ رہنا، اس کے پاس جانا بہت مشکل ہے۔'' وہ بچوں کی طرح سسک اٹھا، نانو نے اسے آغوش میں چھپا لیا۔

''رویم!' میری جان یہ درست ہے کہ اس نے تمہیں نظر انداز کیا ہے' تمہارے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ تمہیں اور زرش کو دکھ دیے ہیں۔ اس کے اردگرد جہالت و بے علمی کے پردے مائل تھے، وہ اپنی نظر سے دیکھنے کا عادی نہیں ہے وہ تو اپنے اردگرد بسنے والوں کی آنکھوں سے دیکھتا رہا ہے۔ اس نے صرف زرش کے ساتھ ایسا نہیں کیا اپنی پہلی بیوی کے ساتھ بھی یہی کچھ کیا تھا۔ ماں بہنوں کی پڑھائی گئی غلط پٹیوں پر چلنے والے مردوں کے گھر اسی طرح بار بار اجڑا کرتے ہیں۔ میں نے زرش کو لاکھ سمجھایا تھا کہ ظاہری وقار و تمکنت پر نہ جاؤ مگر وہ راستہ بدلنے پر تیار نہ تھی پھر انجام بھی

دیکھ لیا علم، وہ جہالت کا طلب آسان کام نہیں ہوتا بہت کچھ چھوڑنا پڑتا ہے، آپ مانتی ہیں کہ ماحول و حالات کے بدلنے کے لیے نرُشہ ہاں ایسی ہمت نہیں کر پائی تھی، اسی لیے گھر چھوڑ آئی تھی۔ شرجیل خان نے بھی انا کا مسئلہ بنالیا اور بار ہا پلٹ کر خبر نہیں لی۔"

نانو بڑی صاف گوئی سے بتا رہی تھیں۔ انہوں نے سارا الزام اس کے باپ پر نہیں دھرا تھا۔ اپنی بیٹی کو بھی وہ برابر کا الزام دے رہی تھیں۔

"تو پھر کیوں نہیں چھوڑا انہوں نے ہمارے لیے وہ گھر، اتنا ہی ماحول برا تھا؟ وہ چاہتے تو ہمیں ایک پرسکون گھر دے سکتے تھے۔ اپنی ضد کا بنایا زندگی کی اس احساس کو بخش دینے میں ساری زندگی اس شفقت سے محروم رہا ہوں جو میرا حق تھی مگر۔" وہ شعلے کی طرح بھڑک اٹھا۔

"ضرور دیتا اگر نرُشہ بھی ذرا صبر سے کام لیتی۔ اس کے ماحول سے سمجھوتا کرنے کی کوشش کرتی۔ آہستہ آہستہ اسے بدلنے کی کوشش کرتی۔ اس کا اعتماد حاصل کرتی تو وہ سب کچھ کر لیتا لیکن وہ بھی ایک رات میں خوابوں کی تعبیر مانگ گئی تھی، جو مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھی۔ اندھیرے کے عادی انسان کو ایک دم روشنی میں لانا عقل مندی نہیں، اس کے اندر تصادم کی ہے وہ روشنی کی چکا چوند سے جھنجھلا جاتا ہے۔ بہار اسے تو ٹھوکریں ہی کھانا پڑتا ہے۔ اس لیے انسان کو پہلے مدھم روشنی سے روشناس کروانا ہی مفید ہے۔ خیر چھوڑو پچھلی باتوں کو بھلا دو۔ بس اتنا یاد رکھو شرجیل خان تمہارا باپ ہے۔ اسے اس وقت تمہاری ضرورت ہے۔ اس کی خواہش کا احترام کرنا تم پر فرض ہے۔ شکر کرو اسے اس وقت عقل آگئی ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا وہ اپنی ساری جائیداد اپنے تائیوں اور اپنے گرد بسنے والے خود غرض رشتہ داروں کے سپرد کر جاتا۔ اپنا حق کسی قیمت پر مت چھوڑنا بیٹا۔ اس کے رشتہ دار سخت لالچی ہیں۔ پچھلے چند دنوں میں مجھے تمہاری بہنوں کے کئی فون آچکے ہیں، ان کی التجا ہے تم آ کر باپ کو لٹنے سے بچالو۔ وہ سب تو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ رہے ہیں، ان لڑکیوں کا پرسان حال کوئی نہیں ہے۔" نانو نے بڑی مصلحت آمیزی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"بہنیں؟ بہنیں کہاں سے آگئیں میری؟" بہنوں کا ذکر سن کر وہ مزید بھڑک اٹھا، پھر نانی کے سنجیدہ تاثرات دیکھ کر کچھ سنبھل گیا۔ وہ اسے تفصیل بتانے لگیں۔

"تمہارے باپ کی پہلی بیوی سے تین لڑکیاں ہیں۔ اس کی موت کے بعد نرُشہ سے اس نے شادی کی تھی۔ اب وہ لڑکیاں شادی شدہ ہیں مگر باپ کے حالات پر کڑھتی رہتی ہیں۔ معاملہ نجانے کتنا سنگین ہے، یہ تم جاؤ گے تو علم ہوگا کہ انہیں تمہاری یاد کیونکر آئی۔"

"مگر نانو! میں تو نہیں جانا چاہتا۔" وہ اٹھ گیا۔ اپنی نانو کی ہر بات ماننے والا آج اپنی ضد دکھا رہا

تھا۔ "زہ دم نم!" نانو نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تم نے ہمیشہ میری ہر بات مانی ہے مگر آج کیوں یہ ضد؟ یہ تمہاری حالت ہے؟ اچھا اس بات پر غور کرو کہ کل اگر حالات کا جائزہ لے کر آؤ اور اگر تمہیں وہاں مشکل لگے تو واپس آجانا۔ کم از کم ایک بار چلے جاؤ۔ کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔ اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کر کے تم ساری عمر پچھتاتے رہو گے۔" نانو آپ نے تو مجھے کچھ اور ہی سمجھ لیا۔"

"میں کیسے سامنا کروں گا ان لوگوں کا؟" اس نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔ بابا کہنا اسے عجیب لگ رہا تھا۔ یہ لفظ اس کی زبان سے ادا ہی نہیں ہوا تھا۔

"ان لوگوں نے تمہارا حق چھینا ہے، سامنا تو انہوں نے کرنا ہے تم نے نہیں۔ تم سر اٹھا کر جاؤ۔ یہ سوچ کر کہ اپنے باپ سے ملنا تمہارا حق ہے اور فرض ہے۔ کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تم نے ہمیشہ ہر مشکل کا بہادری سے مقابلہ کیا ہے۔ پلیز مان جاؤ۔" نانو نے اس کی پیشانی چومی۔ اس نے کبھی ان کی کوئی بات نہیں ٹالی تھی اب کیسے ٹالتا۔

"اور اپنا سامان وغیرہ ہاسٹل سے لے آئے گا تو۔ اس کے بعد گھر ختم ہوتے ہی میں اسے بھیج دوں گی۔ لیکن ابھی سے اسے سب بتا کر پریشان نہیں۔ میں نے تمہاری کلاس کی کھڑکی پر پردہ کروا دیا ہے تم نے جو حیا ادا کرنا ہے کرو۔"

"مگر نانو وہ مجھ سے ناراض ہو گی۔ میں اس سے مل تو لوں بلکہ اسے گھر لے آتا ہوں۔ میری غیر موجودگی میں تو وہ اسے پڑھنے لگی تھی۔"

رباب کے کہنے پر نانو نے اس کی چمکتی آنکھوں میں جھانکا جو محبت سے بھری تھیں، کچھ دیر پہلے کی سنجیدگی کی جگہ اب لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اس طرح تو وہ اور بھی بدگمان ہو جائے گی۔ اسے جانے دو۔ پہلے معاملہ کو حل کرو۔ انہیں بتاتے ہی کسی کو کوئی علم نہیں تھا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔"

"کیوں؟" زہ دم نم کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ نانو کے چہرے پر جو تشویش تھی، وہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

"بس یہ ایک مصلحت ہے، وہاں پہنچتے ہی تمہیں بھی احساس ہو جائے گا۔ ان کے ارادے سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ وہاں جانے سے پہلے اپنی آمد کی اطلاع دے دینا۔ میں تمہیں فون نمبر دے دوں گی۔"

"نانو پلیز میں رباب سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں اس کی ناراضی دور کر سکتا ہوں۔" اس کے تصور میں ناراض رباب تھی۔

''میں اسے سمجھا دوں گی۔ وہ ناراض نہیں ہوگی۔ تم تیاری کرو۔ کل پہلی فلائیٹ ہے تمہاری 'اس سے ملنے کا وقت نہیں ہے تمہارے پاس۔'' انہوں نے اٹھ کر ڈائری سے نمبر لکھ کر اسے تھمایا۔

''میں بنا اطلاع کے جاؤں گا' آپ بس مجھے ایڈریس اچھی طرح سمجھا دیجئے گا اور پلیز نانو! آپ اور رباح بھی جلدی آیئے گا۔ آپ کو پتا ہے میں آپ دونوں کے بنا کہیں نہیں رہ سکتا۔''

''او تھینک یو مائی سوئیٹ نانو۔'' وہ عقیدت و محبت سے ان کے گال پر پیار کر کے اپنے کمرے میں سونے چل دیا۔ لیکن نیند اس سے کوسوں دور تھی۔

بچپن سے لے کر اب تک کے تمام حالات اس کی آنکھوں کے آگے لہرا گئے۔ جب اس نے ہوش سنبھالا تھا' اپنے اردگرد نانو اور مما کی محبت کے سوا کسی کو نہیں پایا تھا' دیگر بچوں سے دوستی ہوئی تو اسے بہت سی محبتوں کی تشنگی کا احساس ہونے لگا۔ شعور کی حدود پار کرتے ہوئے اس نے پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنے وجود سے وابستہ ان رشتوں کی پہچان مانگی تھی جو معاشرے میں معتبر گردانے جاتے ہیں۔ تب مما اور نانو نے اسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا کہ اس کا سگا باپ اپنے دور پرے کے رشتہ داروں سے حق قرابت داری نبھاتے ہوئے انہیں اپنی قربت سے بے دخل کر چکا ہے اور تب ہی سے وہ اس رشتے کے لیے اپنے دل سے انس و محبت کے تمام احساسات مٹا چکا تھا۔ اس کی تمام محبتوں کا مرکز مما اور نانو کا وجود تھا۔ دو سال قبل ہی رباح کی ذات اچانک اس کی ذات کی تکمیل کا سبب بن گئی تھی۔ مما کی بے وقت موت میں وہ اس کا بہت بڑا سہارا ثابت ہوئی تھی۔ وہ مما کی دوست کی بیٹی تھی اور حق دوستی اس نے خوب نبھایا تھا۔ مما نے اپنی شدید خواہش کے تحت دو سال قبل ان کی منگنی کی تھی اور چند ماہ پہلے ہی نانو نے انہیں رشتہ ازدواج میں باندھ دیا تھا۔ رباح کا تصور ہی اسے سرشار کر گیا۔ رباح اپنی شدید خواہش کی بنا پر ماسٹرز کرنے کی خاطر ابھی دو دن پہلے ہی ہاسٹل منتقل ہوئی تھی۔ کیونکہ شادی سے ڈیڑھ دو ماہ پہلے اور بعد کے دو ڈھائی ماہ میں اس نے کتابوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا امتحانات سر پر تھے' اسی لیے ضد کر کے نانو کو منایا تھا۔ رویم کی منت سماجت کی تھی کہ اسے ہاسٹل میں رہنے کی اجازت دے۔ اس نے اپنے پاپا کے گھر بھی رہنا منظور نہیں کیا تھا۔ وہاں اسے رویم سے خطرہ تھا کہ وہ بے حد عزیز تھی۔ اسے یقین تھا رباح ان حالات کو جان کر حیران رہ جائے گی۔ اسے ابھی تک اس بارے میں کچھ علم نہ تھا' ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی کہ اسے شریح خان یعنی اپنے بابا کے بارے میں بتاتا۔ پھر رباح کے خیال کے ساتھ ہی وہ کسی اور طرف توجہ دیے بنا ہی نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

وہ خان پیلس کی بہت بڑی عمارت میں دھماکے کی طرح داخل ہوا تھا' چاروں طرف سے حیران و متعجب نگاہیں اسے گھور رہی تھیں۔ انجان لوگ' اجنبی چہرے' سپاٹ تاثر لیے بے یقینی سے

اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کا بائیوڈیٹا معلوم کر رہے تھے۔ آج تک کوئی مہمان بنا اطلاع بغیر پروگرام کے خان پیلس میں داخل نہیں ہوا تھا اور شریح خان کا تو عرصہ سے کوئی مہمان ہی نہ آیا تھا اور یہ شریح خان سے ملنے پر بضد تھا۔ وہ ایک عالیشان ڈرائینگ روم میں بہت سے لوگوں میں گھرا بیٹھا اپنے آپ کو واضح کرنے کے لیے لفظ سوچ رہا تھا۔

''دیکھیے سنیے۔'' اس نے سب کو چہ مگوئیاں کرتے ہوئے دیکھا اور پھر متوجہ کیا۔

''شریح خان میرے والد' میرے بابا ہیں' اگر مجھے ان تک پہنچا دیا جائے تو میں بہت شکر گزار رہوں گا''۔

''شریح خان کا بیٹا۔''

''بھائی صاحب کا بیٹا۔''

''انکل جی کا بیٹا کیا واقعی؟''

ان پر جیسے بے یقینی کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ چاروں طرف سے اپنی اپنی بولیاں بولی جانے لگیں۔

''اگر آپ لوگوں کو یقین نہیں ہے تو انہیں ہی بلا لیں۔ وہ شاید آپ لوگوں کو یقین دلا سکیں۔''

رویم کو ان کی بے یقینی پر تاؤ آ گیا۔

تب ہی ایک ہاتھ نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ ''تم' رویم ہو نا، میرے بھائی۔'' رویم نے حیرانی سے اپنا بازو پکڑنے والی ہستی کو دیکھا۔ کمزور سے وجود والی' آنکھوں میں ویرانی کا بسیرا لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں ناجیہ ہوں تمہاری بہن۔ آؤ میں تمہیں بابا کے پاس لے کر چلوں۔'' ناجیہ نے بلا بے تکلف اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹا۔

''ناجیہ! پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔ ارے یہ کوئی فراڈ نہ ہو' ہمیں تو پوچھ لینے دو۔''

مختلف آوازوں نے اسے روکا مگر وہ رکی نہیں اور اسے سیدھا ایک کمرے لے آئی جہاں اچھی خاصی بے ترتیبی تھی۔ سامنے بیڈ پر نحیف و کمزور وجود لیٹا تھا۔ آنکھیں اندر دھنسی' گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں' سفید بال کھچڑی ہو رہے تھے' ملگجا سا کمبل ان کے وجود کو چھپائے ہوئے تھا۔

''رویم! یہ ہمارے بابا ہیں۔ ذرا ہوش میں ہوں تو تمہیں پکارنے لگتے ہیں۔''

ناجیہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں' لہجے میں رقت۔ رویم نے پہلے ایک نظر سامنے پڑے بے ہوش شخص پر ڈالی اور پھر ناجیہ کی طرف' دل میں خود بخود احساس کا سمندر ہلکورے مارنے لگا۔ اس کے باپ کی یہ حالت تھی۔ اس شخص کی جس کی شان و شوکت کے قصے اس نے سنے تھے

اور اس کا کانپتا ہوا لہجہ بتا رہا تھا کہ یہ علامت بھی کیا تھی جس کی وجہ سے اندازہ لگانا فی الحال اس کے لیے مشکل تھا۔ رگ رگ میں دوڑتا خون مچل کر آنکھوں میں اتر آیا۔

"ان کی یہ حالت کسی لاعلاج بیماری کی وجہ سے ہے، کوئی ٹریٹمنٹ نہیں؟"

بمشکل ضبط کیا۔

"ڈاکٹر آتے ہیں صبح شام، مگر کچھ پتا نہیں کیوں بابا ٹھیک نہیں ہو رہے۔"

"اور یہ لوگ ان کے کمرے کا حال، یہ کیسی بیمار انسان کے کمرے کا حال ہونا چاہیے؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"بابا کی جو حالت ہے، کسی کو کوئی پروا نہیں۔ میں بہت کوشش کرتی ہوں مگر موقع ہی نہیں ملتا اور ملازم میں سے...." کمزور سا مجبور لہجہ رویم کو بہت کچھ سمجھا گیا۔

"میں آ گیا ہوں، فکر نہ کریں۔" رویم نے ڈھارس دی تو ناجیہ نے تشکر سے اسے دیکھا۔

"آؤ میں تمہیں چھوٹی امی کے کمرے میں لے چلوں، وہاں کوئی نہیں آتا۔ آؤ کچھ دیر آرام کر لو۔" ناجیہ بازو سے پکڑ کر کھینچتی ہوئی باہر لے آئی مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے اوپر والے پورشن میں لے جاتی، سب نے انہیں بابا کے کمرے میں گھیر لیا۔

"ہمیں مل تو لیجیے۔" چھوٹی چچی نے ناجیہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں مل تو چکا ہوں آپ سب سے۔"

"ابھی تعارف کہاں ہوا ہے، ہمیں تو ارمان ہی رہا کہ بھائی کے بچے کو گود میں کھلاؤں، مگر ماشاءاللہ کیسا کڑیل جوان ہے میرا بھتیجا۔"

معمر خاتون نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے کی کوشش میں اس کی گردن کو مروڑ کے رکھ دیا۔

"میں بڑی پھوپھو ہوں تمہاری، میرے بدنصیب بھائی نے تو تمہیں دیکھا بھی نہ ہو گا۔" اس کو تو اپنے پرائے کی پہچان ہی نہ رہی۔ رویم نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر اپنی ناگواری کو اظہار سے روکا، پھر بڑے تحمل سے بولا۔

"میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا ہوں، اب تو میں یہیں ہوں، آپ سے ملاقات ہوتی رہے گی اور تفصیلی تعارف بھی، پلیز ابھی معذرت قبول کیجیے گا۔"

"ہاں ہاں بچہ تھکا ہارا آیا ہے، آرام کرنے دو، ملاقات تو ہوتی رہے گی۔"

تائی اماں نے پان سے بھرے منہ سے کہا تو تشکرانہ مسکراہٹ کے ساتھ ناجیہ کی راہنمائی میں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ ناجیہ نے ایک مقفل دروازہ کھولا تو توقع کے برعکس کمرہ صاف

ستھرا اور آرائش و آسائش سے مزین تھا۔ اسے اس تضاد پر حیرت ہوئی جو اس گھر کا مالک تھا۔ اسے ابتری کا شکار بنا دیا گیا تھا۔ جو قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ اس کے کمرے کو سجا سنوار کر رکھا گیا تھا ناجیہ نے شاید اس کی سوچ پڑھ لی تھی فوراً بولی۔

"مجھے سابیہ آپی نے اطلاع کر دی تھی کہ تم کچھ دنوں میں آنے والے ہو تو اسی لیے میں نے یہ ٹھیک کروا دیا تھا۔ تم آرام کرو کسی چیز کی ضرورت ہو تو انٹرکام کمرے میں موجود ہے۔"

رویم کو ایک اور جھٹکا لگا۔ "سنیں ناجیہ آپی۔" رویم نے باہر نکلتی ناجیہ کو روکا اس کے منہ سے آپی سن کر وہ بے تابی سے پلٹی تھی۔

"تم نے تم نے مجھے آپی کہا ہے تم، تم مجھے اپنی بہن سمجھتے ہو نا، دیکھو چھوٹی امی کے ساتھ جو ہوا اس میں ہمارا قصور نہیں تھا، یہ سب سازش تھی ان لوگوں کی جو یہاں قابض ہیں۔" ناجیہ نے خوشی و غم کے ملے جلے تاثرات سے کہا۔

"میں یہاں پرانی باتیں دہرانے نہیں آیا آپی! آپ لوگوں کی پکار اور نانو کے حکم پر یہاں آیا ہوں۔ میں جو یہاں ایک نظر میں دیکھ چکا ہوں اگر یہ حقیقت ہے تو یہ بہت برا ہو رہا ہے اب میں آ گیا ہوں تو سب سنبھال لوں گا، انشاءاللہ سب ٹھیک ہو گا۔"

"یہ سب تو عرصے سے ہو رہا ہے بابا کی بیماری نہ جانے کیسی ہے کہ انہیں ہوش ہی نہیں اور یہ سب پورے گھر، سارے کاروبار پر قابض ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم بہنوں کو تو شروع سے کہیں آنے جانے کی کسی سے ملنے کا اختیار و اجازت نہیں تھی۔ وہ دونوں تو پھر بھی شادی کے بعد اپنی زندگی میں مگن ہیں مگر میں....." ناجیہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ رویم نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مجھے ان لوگوں کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔" ناجیہ نے بھائی کا شفقت و محبت بھرا ہاتھ محسوس کر کے اپنے اندر سرشاری محسوس کی جیسے تپتے آسمان تلے سائبان مل گیا ہو۔

"شریح خان خود تو حاتم خان کی اکلوتی اولاد تھے مگر حاتم خان کے بہن بھائی موجود تھے۔ خان پیلس حاتم خان کی ذاتی کاوش کا نتیجہ اور ملکیت تھا۔ اس کے علاوہ بھی ایک کاٹن مل ورثے میں ملی تھی۔ باقی ایک بھائی اور بہن کو بھی ایک ایک مل ورثے میں ملی تھی۔ باقی ایک بھائی اور بہن اپنے ورثے کی حفاظت نہ کر سکے تھے جبکہ حاتم خان نے نہ صرف حفاظت کی تھی بلکہ اپنی بہن کی مل کو بھی ڈوبنے سے بچا لیا تھا۔ جس پر چھوٹا بھائی کافی تلملایا تھا کیونکہ اس کی نیت خراب تھی پھر حاتم خان نے بیٹے کے لیے بھی بہن کی بیٹی کو ہی منتخب کیا تھا جس پر بھائی نہ صرف ناراض ہوا بلکہ برملا خفگی کا اظہار بھی کیا۔ وجہ یہ تھی کہ بھائی اپنا سب کچھ لٹا چکا تھا۔ بچوں کا مستقبل تاریک تھا۔ حاتم

خان سے بھائی کی ناراضی برداشت نہ ہوئی، اپنی زندگی میں لے آئے اور سمجھا بجھا کر خفگی دور کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حاتم خان کے بھائی عاصم خان نے۔ شریح خان کو اپنی گرفت میں لینا شروع کر دیا۔ اسے کام سے ہٹا کر غلط راہ پر لگایا دیا۔ باپ کی محنت کی کمائی غلط ہاتھوں میں جانے لگی۔ جس کے نتیجے میں اس کی پہلی بیوی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی' دن رات کا جلاپا اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ چچا کے بعد ان کے بیٹوں نے باپ کا کردار نبھایا اور شریح خان کو نہ صرف اپنے ساتھ شریک کر لیا بلکہ اپنی طرف ملتفت بھی کر لیا۔ چچی کی محبت میں ماں کی ممتا محسوس ہوتی۔ بھائی بھابیوں کا حسن سلوک اور پھر سب سے بڑھ کر بہنوں کا سا برتاؤ کرنے والی بڑی آپا نے کچھ ایسا جادو کیا کہ ماں اور بہن کی محبت بھری چھاؤں ان میں نظر آتی۔ اس وقت بھی پورے گھر پر بڑی آپا کا راج تھا۔ مجال ہے جو ان کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جائے۔ یہ تو شکر تھا کہ شریح خان نے بیٹیوں کی شادی اچھے وقتوں میں کر دی تھی ورنہ وہ بھی چھین جھپٹ لی جاتیں۔

ان سب کی اولاد ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ناجیہ کی شادی بڑی آپا نے اپنے بیٹے سے کرا دی تھی' جس کو باہر جا کر کمانے کی دھن سوار تھی اور شادی کر کے دس سال پہلے ایسا گیا کہ پلٹ کر خبر نہ لی تھی۔ بڑی آپا اپنے بیٹے کا قصور ماننے کے بجائے ناجیہ کو گنہگار گردانتی تھیں اور اٹھتے بیٹھتے کوسنے دیا کرتیں۔ اپنی بیٹی سامنے تھی' وہ اسے بھلائے بیٹھی تھیں۔

چھوٹی کے دو بیٹے ارسلان اور نعمان تھے اور دو بیٹیاں نائمہ' ارسلہ تھیں۔ لڑکیاں پڑھ رہی تھیں۔ لڑکے ادھوری تعلیم چھوڑ کر شریح کی دولت پر فارغ بیٹھے عیش اڑا رہے تھے۔ تائی اماں کا بڑا لڑکا شعیب البتہ باپ اور چچا کے ساتھ شریح خان کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس سنبھال رہا تھا۔ تائی اماں نے دونوں بیٹیوں کی شادی کر دی تھی۔ بڑی آپا کی بیٹی فضہ تعلیم سے بیزار تھی۔ بڑی مشکل سے ایف اے کیا تھا البتہ فیشن میں وہ ماسٹرز کر چکی تھی۔ ہر نیا فیشن اس سے شروع ہوتا تھا۔

رویم کے لیے ایک تو جگہ تبدیل ہوئی تھی۔ دوسرے ماحول میں کھنچاؤ بہت تھا۔ اسے ایک پل چین نہ تھا آرام کیا کرتا۔ ناجیہ کی فراہم کردہ معلومات سن کر وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہو گیا تھا۔ اسے تو گمان بھی نہ تھا کہ یہاں کا ماحول' یہاں کے حالات ایسے ہوں گے' وہ اپنی ناقدری پر کڑھتا رہا تھا۔ یہاں تو وہ معصوم ہستیاں بھی بے حیثیت تھیں جو نظروں کے سامنے تھیں۔ باپ نے انہیں بھی ان کے پورے حقوق نہ دیے تھے اور نہ دلوائے تھے۔ رویم اسی کیفیت میں ایک بار پھر نیچے اتر آیا' بھول بھلیاں سے راستوں سے گزر کر اس نے محتاط ہو کر شریح خان کا کمرہ ڈھونڈا اور اندر بڑھ گیا۔ ناجیہ وہیں موجود تھی۔

''تمہیں کسی چیز کی ضرورت تھی تو اوپر منگوا لیتے' تمہیں بھوک لگی ہو گی' میں بھی کیسی پاگل

ہوں' تمہیں اب تک پانی تک کا نہیں پوچھا۔ تم بھی سوچتے ہو گے کہ۔''

''مجھے صرف چائے کی ضرورت ہے اور وہ بھی اسٹرونگ سی۔'' اس نے اپنی طلب بلا تکلف کہہ دی اور وہاں موجود ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ناجیہ فوراً باہر نکل گئی۔

وہ ارد گرد نگاہ ڈال کر پھر سے وحشت کا شکار ہونے لگا۔ خان پیلس کا ماحول ابتری و خود غرضی کا شاہکار تھا۔ کسی کے چہرے پر بھی اپنی آمد پر پذیرائی و خلوص نہ دیکھا تھا سوائے ناجیہ کے۔ اسے دیکھ کر سب کی آنکھیں عجیب انداز سے پھیلی و سکڑی تھیں۔ اگر وہ اپنے باپ کی جوانی کا عکس نہ ہوتا تو اس میں بالکل شک نہ تھا کہ وہ اسے فراڈ ثابت کر کے گھر سے نکال دیتے یا پھر پولیس کے حوالے کر دیتے۔ اس نے آج تک ایسے رویوں کا سامنا نہیں کیا تھا' اسی لیے الجھ رہا تھا۔ پریشان ہو رہا تھا' بے چین تھا۔ اس نے ہمیشہ مما سے' نانو سے دوستوں سے اور سب سے بڑھ کر راج سے محبتیں وصول کی تھیں۔ ان کے رویوں میں خلوص و پیار ہی پایا تھا۔ اس کی نگاہیں شریح خان پر تھیں اور سوچیں کہیں اور تھیں تب ہی ایک کراہ نے اسے خیالوں سے واپس کھینچا۔ ہلکی سی کراہ اور شریح خان کے وجود کی جنبش اسے ان کے قریب لے گئی' وہ بے اختیار ان کے اوپر جھک گیا۔ وہ ہولے ہولے مدھم آواز میں بڑبڑا رہے تھے۔

''وہ آج بھی نہیں آیا مگر وہ آئے گا۔ ضرور آئے گا۔'' رویم نے ضبط سے پہلے خود کو سنبھالا۔ یہ شخص جو سامنے پڑا تھا۔ اس نے اس کے وجود' کو ذات کو یکسر فراموش کر دیا تھا' کبھی پلٹ کر خبر نہیں لی تھی' کوئی تعلق' رابطہ' واسطہ نہیں رکھا تھا۔ اس کے بارے میں اب پر یقین تھا۔ نانو کی باتیں' اس کے کانوں میں گونجیں۔

''وہ تمہارا باپ ہے اس کا احترام' اس کی عزت اس کی خدمت تمہارا فرض ہے۔ بے شک وہ تم سے کیسا بھی سلوک روا رکھے' تمہیں اہمیت نہ بھی دے پھر بھی تمہیں اپنی ماں کی بہترین تربیت کا ثبوت دینا ہے۔ ہم نے تمہیں صرف محبت و احترام کرنا سکھایا ہے۔'' نانو کی بازگشت نے اس کے تلخ جذبات کو بالکل ہی سرد کر دیا۔

''میں آ گیا ہوں بابا جان!'' رویم نے جھک کر ان کا بازو تھا۔ شریح خان نے اپنی سماعت میں اس برستے بادل کو محسوس کیا۔ وہ جو کئی مہینوں سے ایک آس پر احساس پشیمانی میں ڈوبے بستر کو ہم نشیں بنا بیٹھے تھے۔ اس اجنبی آواز' اپنایت بھرے لہجے پر بے یقینی سے آنکھیں کھول کر دیکھنے لگے۔ رویم دائیں طرف بیٹھا ان پر تقریباً جھکا ہوا تھا۔ ان کے چہرے پر اطمینان سکون لہرا گیا۔ آنکھوں میں امید و یقین کی روشنیاں جگمگا اٹھیں۔

''رویم۔'' ان کی کیفیات محسوس کرتے ہوئے وہ آبدیدہ ہو گیا۔ وہ تو غیروں کے غم پر دکھی ہو

جایا کرتا تھا' یہ پھر اس کا اپنا خون' اس کا اپنا باپ تھا۔

''ہاں جی میں رویم ہوں ابا جان' آپ کا بیٹا۔'' تمام کدورتیں ساری رنجشیں دو ہی آنسو بہا کر لے گئے۔ رویم نے ان کا ہاتھ تھام کر تھپتھپایا۔ جیسے سب بھول جانے کو کہہ رہا ہو۔ اس نے باپ کی تمام خطائیں تہہ دل سے معاف کر دی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کی زبان سمجھتے ہوئے حوصلہ دیتے ہوئے گویا ہوا۔

''بابا! میں آ گیا ہوں' آپ فکر نہ کریں' انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس کے حوصلے دیتے وجود کو محسوس کر کے شریح خان خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے۔ کچھ کہے بغیر انہوں نے مطمئن ہو کر آنکھیں موند لیں۔

ناجیہ دروازے پر چائے لیے کھڑی کب سے سب دیکھ رہی تھی اس کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ باپ کی بے بسی کی وہ واحد گواہ تھی۔

آہٹ پر رویم مڑا اور حوصلہ افزا مسکراہٹ کے ساتھ ناجیہ سے چائے کا کپ تھام لیا خان پیلس میں اس کی آمد کسی اچنبھے سے کم نہ تھی۔ اس پر اس کا سب سے محبت آمیز رویہ نہ کسی سے شکوہ نہ شکایت۔ خاص طور پر اپنے باپ پر تو وہ اس قدر ملتفت تھا کہ سب حیرت زدہ تھے۔ وہ باپ جس نے پلٹ کر خبر لینا تک گوارا نہ کیا تھا۔ دن رات کی تیمارداری میں مصروف رہتا تھا۔ آتے ہی ڈاکٹرز بدل دیے تھے اور اپنی مرضی سے علاج کروا رہا تھا۔ اس بارے میں کسی کا مشورہ اسے گوارا نہ تھا۔ دوا کھانا سب اپنی نگرانی میں کروا رہا تھا۔

یہ اسی کی محنت کا ثمر تھا کہ شریح خان اپنی سابقہ صحت کی طرف آہستہ آہستہ لوٹ رہے تھے۔ مناسب علاج' متوازن غذا اور دیکھ بھال کی وجہ سے وہ اب بات چیت بھی کرنے لگے تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر بیٹھ بھی جاتے تھے۔ وہ پورے پیلس پر کسی مالک کی طرح پورے حق کے ساتھ چھاتا جا رہا تھا اور یہی بات سب کے لیے تشویشناک تھی' سب کو اپنی اپنی بادشاہی ختم ہوتی لگ رہی تھی۔

بڑی آپا اپنی حکومت میں کسی کی مداخلت برداشت کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ مگر اب رویم نہ صرف دخل اندازی کر رہا تھا بلکہ اپنے احکام جاری کر رہا تھا۔ بڑی آپا کو اس نے بڑی سہولت سے یہ کہہ کر ایک طرف بٹھا دیا تھا۔

''بڑی آپا! آپ بزرگ ہیں۔ یہ آپ کی آرام کی عمر ہے، آپ آرام کریں' گھر کو ملازم سنبھال رہے ہیں اور پھر یہ ذمہ داری ناجیہ آپی کی ہے' ان کا گھر ہے۔ آپ کب تک یہ ذمہ داری نبھائیں گی۔''

''ارے بیٹا! میرا اپنا گھر ہے' میرے بھائی کا گھر۔ پھر ناجیہ سے کہاں پورا گھر سنبھالا جائے گا۔'' بڑی آپا اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئی۔

''پھر بھی مجھے عجیب لگتا ہے' آپ بزرگ ہیں اور سارا دن ملازموں پر چلاتی رہتی ہیں۔''

''قابو جو نہیں آتے مردود، تم فکر نہ کرو مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ویسے بھی ناجیہ میری بہو ہے میری ابھی اس پر ذمہ داریوں کا بوجھ لادنا نہیں چاہتی، ابھی میری بچی نے دیکھا ہی کیا ہے، وہ ناقدر اپرائے دیس جا بیٹھا، مصنوعی دنیا میں بھٹک گیا، میں تو اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

بڑی آپا نے مصنوعی آنسو نکالے ناجیہ حیران رہ گئی۔ آج تک بڑی آپا نے اپنے بیٹے کو برا نہیں کہا تھا اور اب رویم کے سامنے اس سے ہمدردی جتا رہی تھیں۔

''پھر بھی پلیز بڑی آپا! میں آپ کو کام کرتا نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے آج تک اپنی مما اور نانو کو بھی اس قسم کے کام کرتے نہیں دیکھا۔ جب ملازم ہیں تو آپ کیوں پریشان ہلکان ہوتی ہیں۔ ایسی ہی آپ غیر مطمئن ہیں تو کچن کا نظام لڑکیوں کے سپرد کر دیں۔ آخر انہیں بھی تو کچھ آنا چاہیے نا۔''

اس نے بڑی سادگی مگر پُرزور اصرار سے کہا۔ اس کے لہجے میں قطعیت تھی۔ بڑی آپا اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔ البتہ لڑکیوں کے بارے میں سن کر ان کے دل میں ارمان جاگ اٹھے تھے، اپنی بیٹی فضہ کو ہر کام میں پیش پیش ہونے کا حکم دیا۔ تائی اماں اور چھوٹی چچی بڑی آپا کی چال خوب سمجھ رہی تھیں سو چھوٹی چچی نے بھی ایک خاص ہدایت نامہ اپنی بیٹیوں کے نام جاری کیا۔ ارسلہ، نائمہ جیسے سوتے سے جاگ پڑیں، اسے دیکھتے ہی ذہن میں جو خیال جھلملایا تھا۔ ماں نے اسے ظاہر کر کے دل میں پھول کھلا دیے تھے۔

''سنو ناجیہ کی طرح بڑی آپا اسے بھی ہتھیانا چاہتی ہیں۔ بھائی صاحب کی ساری جائیداد کا مالک ہے اور سنا ہے۔ ماں کی طرف سے بھی بہت بڑا کاروبار ملا ہے۔ تم میں سے کسی ایک کی بھی قسمت اس سے جڑ گئی تو سمجھو ساری عمر عیش۔''

تقریباً یہی الفاظ بڑی آپا نے فضہ سے کہے تھے اور تب سے تینوں لڑکیاں، اپنی اپنی جگہ مستعد ہو گئی تھیں۔ اچھے اور سہانے مستقبل کا خواب تو سب نے ہی دیکھ رکھا تھا۔ تعبیر پانے کے لیے کچھ تو کوشش کرنا ہی تھی۔ کوئی چائے پوچھتی تو کوئی کھانا، یہاں تک کہ اس کے کپڑے بھی پریس کر کے اس کی الماری میں لٹکا دیے جاتے۔ اس اچانک تبدیلی پر وہ حیران رہ گیا۔ شروع

کے دنوں میں کسی نے اسے قابل اعتناء نہیں سمجھا تھا اور اب اس کی ایسی خاطریں ہونے لگیں کہ وہ دم بخود رہ گیا۔

شعیب، ارسلان اور نعمان تینوں کا رویہ اس کے ساتھ دوستانہ تھا۔ تائی اماں اور چھوٹی چچی اپنی نمائشی محبتیں نچھاور کرنے لگی تھیں۔ بڑی آپا نے تو پہلے روز سے ہی مظاہرے شروع کر دیئے تھے۔ تایا ابا اور چھوٹے چچا اسے بے فکر رہنے کی ترغیب دیتے۔ عافیہ، سابیہ اور ان کے شوہروں نے اسے ہوشیار رہنے کا اشارہ دے دیا تھا اور اب واقعی ان کے بدلتے رویوں سے کسی گہری سازش کی بو آ رہی تھی، پہلے دن سے ہی ناجیہ اس کے آرام کا ہر طرح سے خیال رکھتی رہی تھی، گھر میں بے شمار ملازم موجود تھے پھر بھی اس کے کمرے میں چائے، کافی دودھ بروقت ضرورت خود ہی لے کر جاتی تھی۔ لیکن ایک روز وہ حیران رہ گیا۔

فضہ صبح ہی صبح اس کے لیے چائے لے کر اس کے کمرے میں موجود تھی۔ کچھ دیر قبل اسے رباح کے فون نے ہی جگایا تھا۔ جس دن سے آیا تھا اس سے ٹھیک طرح بات نہیں ہوئی تھی۔ فضہ کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس نے رباح سے معذرت کی تھی۔

''آج میں خود فون کروں گا، سوری رئیلی بہت نیند آ رہی ہے۔ خدا حافظ۔'' کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ پھر فضہ سے مخاطب ہوا۔

''تم اس وقت یہاں؟'' فضہ ایک دم گڑبڑا گئی۔

''اماں نے کہا ہے کہ آپ صبح چائے پیتے ہیں تو آپ کو دے آؤں۔''

''آپی کہاں ہیں؟'' وہ بستر سے سیدھا ہو بیٹھا۔

''بھابھی شاید ابھی اٹھی نہیں ہیں یہ چائے۔'' اس نے بڑی ادا سے کپ آگے کیا۔

''ٹھیک ہے رکھ دو مگر آئندہ زحمت نہیں کرنا۔ آپی میری ٹائمنگ سے واقف ہیں۔ وہ جانتی ہیں، میں اتنی صبح چائے نہیں پیتا۔'' اس کے سپاٹ دروکھے لہجے پر وہ منہ لٹکا کر واپس ہو لی۔

''یار! یہ تو بہت غلط ہو رہا ہے۔ رباح نے آ کر یہ تماشا دیکھا تو وہ تو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔'' رباح کا خونخوار انداز تصور میں آیا تو اسے جھرجھری آ گئی۔

''کیا کروں؟ کیا کر سکتا ہوں، عجیب سے رویے ہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔'' وہ بے بسی سے سوچ کر رہ گیا۔ ابھی کپ اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ارسلہ دستک دے کر اندر آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں بھی چائے کا کپ تھا۔ رویم کو پھر حیرت ہوئی۔ اس کی متعجب نظروں کے

جواب میں وہ لمحہ بھر کو گڑبڑا گئی۔

''یہ چائے آپ کے لیے لائی ہوں۔''

''کس نے کہا تھا؟'' رویم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ..... اماں نہیں کسی نے نہیں کہا تھا، میں خود لائی ہوں۔ ایکچوئلی میں خود بھی صبح پیتی ہوں۔ اپنے لیے بنائی تھی تو سوچا آپ کو بھی ایک کپ دے آؤں۔'' اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا، اول تو وہ اتنی صبح اٹھتی نہیں تھی۔ دوسرے صبح کی چائے سب کو ناجیہ آپی بھجواتی تھیں۔ گھر کے معمولات سے وہ ایسا بھی بے خبر نہیں تھا۔

''مجھے تو فضہ چائے دے گئی ہے۔'' اس نے کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ لمحہ بھر کو تو ارسلہ تلملا کر رہ گئی۔

''اس کا مطلب ہے، آپ میری لائی چائے نہیں پئیں گے۔'' اس کے لہجے میں غصہ، ناز و ادا سبھی کچھ تھا۔

''رئیلی! اتنی صبح تو میں ویسے بھی چائے نہیں پیتا۔ آج غلطی سے لاک کھلا رہ گیا تھا تو فضہ کو موقع مل گیا۔ آپی کو میری ٹائمنگ کا پتا ہے۔ آئندہ ایسا تکلف مت کرنا۔'' رویم نے اپنی بات پھر دہرائی۔

''اتنی صبح فضہ کی لائی چائے پی جائے گی۔''

''اگر تم پہلے لے آتیں تو تمہاری لائی چائے پی لیتا۔''

''ہاں..... ہاں ٹھیک ہے۔ فضہ کے علاوہ آپ کو ہم یا ہماری کوئی چیز پسند بھی کیسے آ سکتی ہے۔'' وہ جھٹکے سے مڑی۔

''ارسلہ!'' رویم نے پیچھے آواز دے کر روکا۔ وہ مسکراہٹ ضبط کرتی پلٹی۔

''لاؤ..... میں تمہاری لائی چائے بھی پی لیتا ہوں اور سنو فضہ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تم سب میری بہت اچھی بہنیں ہو۔'' رویم کی بات پر اس کے چہرے پر پھیلتی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ اس کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے مزید گویا ہوا۔

''تم سب مجھے مہمان کی طرح ٹریٹ کیوں کرتے ہو، میرا اپنا گھر ہے، تم سب میرے اپنے ہو اگر مجھے کبھی کوئی ضرورت ہو گی تو بلا تکلف کہہ دوں گا، ان تکلفات میں مت پڑو۔'' رویم نے واضح طور پر سمجھایا۔

''یہ تکلف نہیں محبت ہے ہماری آپ کو اپنا سمجھا ہے۔ تب ہی تو آپ کے لیے کچھ کرنا اچھا لگتا ہے، ورنہ ملازمین کم تو نہیں ہیں یہاں۔''

ارسلہ نے جانے کیا جتایا۔ رویم اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس کے لب و لہجے میں واضح اظہار تھا۔ جس پر رویم اندر ہی اندر گڑبڑا گیا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے نانو! پلیز ''ہیلپ می'' اس سے پہلے کہ اسے جانے کے لیے کہتا، ناجیہ آپی اپنے مخصوص انداز میں آ گئیں اور اندر آتے ہی اس کے ہاتھ میں کپ دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔

''تم نے تو چائے پی لی ہے۔'' ناجیہ نے ارسلہ کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ رویم نے خود کو سنبھالا اور خوش دلی سے بولا۔

''میری بہنیں مجھ پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہیں۔ پہلے فضہ پھر ارسلہ اور اب آپ، لائیے آپ کی چائے بھی پی لوں گا، آپ کو بھی تو ناراض نہیں کر سکتا۔ لیکن آئندہ صرف ایک کپ۔ بہنوں کو میرے معدے پر بھی رحم کھانا چاہیے۔'' ایک مسکراتی نگاہ پہلے ارسلہ پر ڈالی اور پھر ناجیہ آپی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ارسلہ مسکراتی ہوئی نکل گئی۔

''یہ..... یہ سب کیا ہے آپی! اب اچانک یہ مہربانی میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''اتنے بھولے ہو میرے بھائی!'' ناجیہ آپی شرارت سے ہنسی۔

''آپی! میں اس قسم کی باتیں، رویے افورڈ نہیں کر سکتا، میں آج ہی فون کر کے بلاتا ہوں۔ وہ تو مجھے.....'' وہ بے دھیانی میں رباح کو ظاہر کرنے چلا تھا کہ بروقت عقل نے ساتھ دیا۔

''کسے بلاؤ گے۔ کیا تمہاری.....'' اپنی نے سرسری پوچھا۔

''میں نانو کو بلانے کی بات کر رہا تھا۔''

''وہ کیا کریں گی؟'' ناجیہ آپی نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا۔

''بہت کچھ اور اگر انہوں نے اپنی سپر لیڈی کو بھیج دیا تو سمجھیں فکریں ہی ختم ہو جائیں گی، میں سکون کا سانس لوں گا۔''

''سپر لیڈی!'' ناجیہ نے حیرت سے پوچھا اس کے لب اس کے تصور سے ہی متبسم ہو گئے۔

''مما کے بعد نانو نے اپنی مدد کے لیے ایک خاتون کو ساتھ رکھا ہوا ہے۔ اسپیشلی، میرے آئی مین ہمارے سب کام وہی انجام دیتی ہے۔ سارا گھر اس کے انڈر ہے، ظاہر ہے وہ یہاں آ جاتی ہے تو کسی کو کوئی زحمت نہیں کرنا پڑے گی۔ پھر آپ کی بھی آزادی۔''

''تمہارے لیے میں کیا کرتی ہوں، سب کچھ تو بڑی آپا، چھوٹی چچی اور تائی اماں کروا دیتی ہیں۔'' ناجیہ ہنس دی تو وہ بھی ہنس دیا۔

''یہی تو میں نہیں چاہتا کہ سب میرے لیے تکلیف اٹھائیں۔'' ایک بار پھر اس نے قہقہہ لگایا۔

جب سے اس نے بڑی آپا کو کچن کا نظام لڑکیوں کے سپرد کرنے کے لیے کہا تھا تب سے ناشتے، کھانے پر رنگ برنگی اشیاء دیکھنے بلکہ کھانے کو مل رہی تھیں، ملازمین بے چاروں کو بھی کچھ آرام کے ساتھ سکون کا سانس لینے کا موقع ملا تھا۔ لڑکیاں اپنی ماؤں کی مدد سے خوب سے خوب تر کھانے کی ترکیبیں آزماتیں۔ ناجیہ ان کی مستعدی دیکھ کر حیران تھی۔

☆☆☆

ناشتے کے بعد فارغ ہو کر وہ آفس کے لیے نکلنے والا تھا کہ فضہ نے پورچ میں ہی اسے گھیر لیا۔

''آپ مجھے راستے میں ڈراپ کر دیں گے۔''

سب مرد لوگ پہلے ہی گھر سے نکل چکے تھے۔ وہ شریح خان کو خود اپنے سامنے ناشتہ کرواتا تھا پھر صبح کی پہلی دوائی کی خوراک بھی اپنے ہاتھ سے دیتا تھا اسی لیے آفس ذرا لیٹ جاتا تھا۔ شریح خان نے ذرا سنبھلتے ہی آفس کا سارا نظام اسے منتقل کر دیا تھا۔

''کہاں جانا ہے تمہیں؟'' رویم نے فرنٹ سیٹ پر اپنا بریف کیس پھینکا اور ہاتھ میں پکڑا اپنا موبائل ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کی پوزیشن سنبھالی۔

''آپ کے آفس کے راستے میں ہی کوکنگ سینٹر ہے، میری کلاس ہے گیارہ بجے۔'' فضہ نے اک ادا سے اپنے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے جھٹکا۔ صبح صبح اس نے اچھا خاصا میک اپ کیا ہوا تھا جس نے اس کا حلیہ بدل دیا تھا، بغیر دوپٹے کے اس کا سراپا عجیب لگ رہا تھا۔

رویم نے خشمگیں نظروں سے دیکھا۔ ''بیٹھو۔'' وہ فرنٹ سیٹ کی طرف بیٹھنے کے لیے آئی تو رویم نے اس کے لیے پیچھے دروازے کا لاک کھول دیا۔ ''پیچھے بیٹھو۔''

''کیا؟'' یا تو اسے یقین نہیں آ رہا تھا یا وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

''میں نے آسان اردو میں کہا ہے پیچھے بیٹھو، اگر چلنا ہے تو، ورنہ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''چلنا تو ہے۔'' وہ منہ بناتی پیچھے بیٹھ گئی۔ ابھی اس نے اگنیشن میں چابی گھمائی تھی کہ

کے موبائل کی ٹون بج اٹھی، وہ پہلے ہی فضہ کو ساتھ لے جانے پر بھنایا ہوا تھا، اب موبائل کی ٹون پر جھنجھلا اٹھا۔ اس نے فون کان سے لگایا۔ دوسری طرف رباح تھی۔ ساری جھنجھلاہٹ کافور ہوگئی۔ فضہ نے اس کے ایک دم بدل جانے والے رویے کو محسوس کیا۔ رویم کی دل میں اتر جانے والی آواز گاڑی میں پھیل رہی تھی۔ وہ اردگرد سے بیگانہ نہیں تھا اسی لیے محتاط لب ولہجہ اپنایا ہوا تھا۔

''اوہ..... تو یہ تم ہو، تمہیں چین نہیں ہے، میں خود کچھ دیر میں فون کرتا۔''

''ایگزیم ختم ہوگئے ہیں تو اسی لیے فون پہ فون کھڑکائے جارہے ہیں۔''

''میں آجاؤں میں ابھی کیسے آسکتا ہوں۔ تم آجاؤ نانو کے ساتھ۔''

''اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے یار ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ می۔''

''تمہیں سمجھانا مشکل ہے تم نانو کو فون دو۔ میں ان سے بات کروں گا۔''

''اچھا ٹھیک ہے لنچ آورز میں میرے فون کا انتظار کرنا۔''

''تمہارا فون ہمیشہ بے وقت آتا ہے۔ یار گاڑی میں بیٹھا ہوں میری ایک کزن ساتھ ہے۔''

''بکواس نہیں کرو۔'' رویم کا دلفریب قہقہہ پیچھے بیٹھی فضہ کو خوش فہمی میں مبتلا کر گیا۔

''خود آؤ اور دیکھ لو کہ کون کیسا ہے۔ اچھا تمہاری مرضی۔ آفس میں میری سیٹ سنبھال لی ہے، مجھ پر احسان ہے کوئی؟ نانو پر احسان جتاؤ۔ او کے بابا! بخشو مجھے۔ خدا حافظ! چہ جو مرضی آئے کرو۔ میں فون بند کررہا ہوں بعد میں کچھ نہ کہنا۔''

رویم نے بے ساختہ ہنستے ہوئے فون ڈسکنیکٹ کر کے ڈیش بورڈ پر رکھا۔ فضہ نے آگے جھک کر دلچسپی سے پوچھا۔

''کوئی گہرا دوست تھا آپ کا؟''

''بہت گہرا بلکہ بہت ہی پیارا، لولی، سوئیٹ۔'' رویم کے لہجے میں محبت کی چاشنی گھلی تھی۔

''آپ کا دوست یہاں آنا چاہتا ہے۔'' رویم نے گاڑی سٹارٹ کر کے گیٹ سے باہر نکالی۔

''نہیں میں بلانا چاہتا ہوں۔ مگر وہ میرے یہاں آنے پر ناراض ہے میں اسے بتا کر اس سے مل کر نہیں آیا تھا۔''

رویم کا موڈ کافی درست ہوگیا تھا۔ فضہ نے اسے اپنی غیر دلچسپ باتوں میں آسانی سے الجھالیا تھا۔ اسے انسٹیٹیوٹ اتار کر وہ اپنے آفس میں آگیا تھا۔ شعیب اس کے آفس میں پہلے سے

موجود تھا۔ اسے موجود دیکھ کر رویم کو حیرت ہوئی۔

''اینی پرابلم شعیب!''

''ہاں یہ چیک سائن کروانے ہیں۔''

''کس سلسلے میں؟'' رویم نے بریف کیس رکھا اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''چچا جان نے ایک پارٹی کو پے منٹ کرنی ہے۔''

''کس پارٹی کو؟'' رویم نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ اب دفتری معاملات کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہو چکا تھا۔ یہ لوگ شریح خان سے بھی دس گنا زیادہ رقم پر دستخط کرواتے تھے۔ انہیں تو شاید ان سب پر اندھا اعتماد تھا یا پھر وہ کسی وجہ سے مجبور ہو چکے تھے۔ مگر رویم کو نہ کسی پر اعتماد تھا اور نہ ہی کوئی مجبوری تھی۔ شعیب کو اس کا انداز برا لگا تھا۔ اسی لیے تنک کر بولا۔

''میں چچا جان کو بھیجتا ہوں وہی تمہیں بتائیں گے کہ کس پارٹی کو پے منٹ کرتی ہے۔''

''برا ماننے والی کیا بات ہے شعیب! یہ اصول کی بات ہے پھر میرے علم میں بھی ہونا چاہیے کہ کون؟ کیا خرچ کررہا ہے؟''

''کیا..... کیا خرچ کررہا ہے؟ کیا مطلب ہے تمہارا اس بات سے؟''

''میرا مطلب تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو۔ ابھی کل ہی تو انکل نے ایک بڑی رقم کا چیک مجھ سے سائن کروایا ہے، میں نے ریکارڈ چیک کیا ہے۔ اتنی کوئیک سروس تو کبھی نہیں رہی اس آفس کی کہ ایک دن کے اندر آرڈر پورے ہو جائیں اگر ایسا ہے تو تھرو پراپر چینل کام ہونا چاہیے۔ آرڈر سلپ کے ساتھ میں ڈلیوری بک بھی دیکھنا چاہوں گا۔ آئی ایم سوری ان کے بغیر میں سائن نہیں کروں گا۔''

رویم نے بلا لحاظ قطعیت سے کہہ کر انٹر کام کی بیل بجائی۔ شعیب کے تیور دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے مگر رویم کو پروا نہیں تھی۔ اس کی سیکرٹری اندر آگئی۔ کچھ دن پہلے ہی شریح خان نے پاور آف اٹارنی اور اپنے سارے اکاؤنٹس رویم کے نام منتقل کر دیئے تھے، اب اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ ابھی وہ اپنی سیکرٹری نشاء کو خاص ہدایات دے ہی رہا تھا کہ شعیب ایک بار پھر اس کے آفس میں داخل ہوا ہمراہ چچا زبیر تھے۔ رویم انہیں دیکھ کر کچھ حیران تو ہوا لیکن اظہار کے بجائے خاموشی سے بیٹھا رہا۔ اس کے خیال میں تو انہیں شرمندہ ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ دیدہ دلیری سے آگئے تھے۔

''تم اسے فارغ کرو، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' انکل زبیر نے نشاء کی طرف اشارہ کیا۔

نشاء بغیر کہے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں پھر آجاؤں گی سر۔'' وہ باہر نکل گئی۔

''بیٹھیے انکل! کیا بات ہے؟'' ردیم نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''تم نے شعیب کو چیک سائن کر کے نہیں دیئے۔'' انکل زبیر بیٹھ گئے جبکہ شعیب ان کے پیچھے کھڑا رہا۔

''جی میں نے وجہ بھی بتادی ہے شعیب کو۔''

''کیا؟ تم ہم پر شک کر رہے ہو۔'' وہ ذرا بگڑے۔

''اس میں شک کی کیا بات ہے انکل! یہ تو اصول کی بات ہے۔ کل ہی تو آپ نے جی سی کے لیے ڈیڑھ لاکھ کا چیک لکھوایا ہے۔ پرسوں پچاس ہزار۔ آج پھر.....'' ردیم کا رویہ کسی بھی مصلحت سے عاری تھا۔

''دیکھو بیٹا! ہمیں صرف اس آفس کے لیے کچھ کرنا نہیں ہوتا، مل کے معاملات بھی دیکھنے ہوتے ہیں۔ تمہیں بتایا تو تھا مل خسارے میں جا رہی ہے۔ مزدوروں کی تنخواہیں مشکل سے پوری ہوتی ہیں۔ پھر گھر کے اخراجات۔ ہم پر یہ بے اعتمادی کیوں؟'' انکل زبیر اس کے تیور دیکھ کر مصلحت سے بولے۔

''بے اعتمادی کا یہاں کیا سوال۔ ٹھیک ہے گھر کے لیے یا اپنی کسی ضرورت کے لیے آپ لوگوں کو کچھ چاہیے تو بلا جھجک کہیں لیکن پلیز آئندہ آفس کے کسی فرضی مسئلے کو بیچ میں مت لائیے گا۔''

ردیم کے رویے سے انکل زبیر پیچ و تاب کھانے کے باوجود مصلحتاً خاموش تھے۔ شروع شروع شریح خان بھی اسی طرح بے قابو ہوئے تھے مگر پھر انہوں نے بڑے طریقے سے قابو کیا تھا کہ اب تک وہ ان کے اشاروں پر چلتے تھے۔ اب بھی انہوں نے فوراً پانسہ پلٹا۔

''ہاں تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا! تم چلو کسی دن مل کے حالات دیکھ لو، تمہیں اندازہ ہو جائے گا۔''

انہیں علم نہیں تھا کہ ردیم یہ کام پہلے ہی کر چکا ہے۔

''جی ضرور چلوں گا۔ اب بتائیے آپ کو کتنی ضرورت ہے؟'' ردیم نے ان کے بدلتے رویے پر انہیں مسکرا کر دیکھا اور چیک بک سامنے رکھی۔

''میری ذاتی ضرورت نہیں ہے، بتایا تو ہے گھر اور مل.....''

''وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ کتنی رقم کا چیک لکھوں۔''

''یہی کوئی پچیس ہزار چاہئیں۔'' انکل زبیر نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔ ردیم نے چیک سائن کر کے ان کی طرف بڑھایا۔ ''یہ اماؤنٹ آپ جہاں بھی خرچ کریں، ان کی رسیدیں مجھے مل جانی چاہئیں۔ آپ مجھے غلط مت سمجھیے۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر کل کو حساب کتاب کا وقت آئے تو ہر بندہ فیئر رہے۔ کوئی کسی پر الزام نہ لگا سکے۔ کیوں شعیب ٹھیک ہے نا۔''

ردیم نے تائید مانگی تو شعیب کندھے اچکا کر رہ گیا۔ ''پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا۔ بھائی جان کو ہم پر مکمل اعتماد ہے۔ تم سے پہلے یہاں کا سارا نظام ہم ہی سنبھالتے تھے۔ بھائی جان کو تو ہم سے کبھی شکایت نہیں رہی۔'' انکل زبیر چیک جیب میں رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''شکایت تو مجھے بھی نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ سب نے مجھے ابھی تک دل سے قبول نہیں کیا۔ آپ لوگ مجھ سے بدگمان ہیں، مجھے اپنا نہیں سمجھتے۔''

ردیم بھی خاص منصوبے کے تحت ایسا رویہ اختیار کیے ہوئے تھا، ادھر زبیر انکل کو اس سے اچھا موقع اپنی محبت جتانے کا نہیں مل سکتا تھا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو؟ تم ہمارے ہو، ہماری محبتیں تمہارے لیے ہیں۔ ہم نے اسی لیے یہ سب سنبھالا کہ ہمیں علم تھا۔ تم ایک دن ضرور آؤ گے ورنہ بھائی جان نے تو یہ سب اجاڑنے میں کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ تم شاید نہیں جانتے کہ ان کا کن گلیوں میں آنا جانا تھا اور کیسے لوگوں سے مراسم تھے۔''

''یہ باتیں یہاں کرنے کی نہیں ہیں چچا جان! پھر کہیں بیٹھ کر کریں گے، اب اٹھیے ورنہ بینک بند ہو جائے گا اور ردیم! تم ہماری طرف سے کوئی میل دل میں نہ لانا اور مجھ سے کوئی خاص کام ہو تو ضرور کہنا۔'' شعیب نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کا مطلب سمجھ رہا تھا مگر نظر انداز کر گیا۔ زبیر انکل بھی شعیب کے ساتھ نکل گئے تو ردیم سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گیا۔

''یا اللہ کتنے سازشی لوگ ہیں۔ نجانے بابا نے کیسے اعتبار کر لیا۔ کیا کچھ ہتھیا چکے ہیں اکاؤنٹس بھی ان بیلنس ہے۔ گھر کے حالات بھی ٹھیک نہیں۔ میں کیا کروں۔ اللہ جی تو ہی مدد کر۔'' اس نے پریشانی میں اپنی کنپٹیاں انگلیوں سے سہلائیں، پھر سنبھل کر انٹر کام پر نشاء کو آنے کے لیے کہا۔

☆☆☆

''تایا جان، عمیر خان، زبیر خان اور شعیب اکٹھے بیٹھے رویم کے رویے پر غور کر رہے تھے۔

''ہمارے تصور سے بھی زیادہ چالاک ہے وہ پاپا! مجھے نہیں لگتا کہ وہ تایا جان کی طرح کمزور ثابت ہوگا پھر میری معلومات کے مطابق ہمارے گھر کی خواتین اس میں کسی اور نظر سے دلچسپی لے رہی ہیں۔ پھر بھی آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔''

''ارے بھتیجے! تمہیں اب دنیا میں آئے ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں تخم تاثیر اور صحت کا اثر۔ کبھی نہ کبھی تو اپنا رنگ دکھاتا ہی ہے۔ اس میں بھی باپ کا خون تو ہے۔ دیکھا نہیں میری بات پر کیسا سیدھا ہو گیا تھا۔ آخر وہ نوجوان ہے، جب اس عمر میں دولت کی طاقت ہو تو نوجوان سب ہی کچھ کرتے ہیں۔ تم فکر نہیں کرو آہستہ آہستہ کھل جائے گا بس ذرا اس پر نظر رکھو۔ اس کے رجحان کی خبر مل جائے پھر دیکھو کیسے ہمارے اشاروں پر چلتا ہے۔'' زبیر انکل نے شعیب کی بات رد کر کے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''ہاں شعیب! زبیر ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اتنا عرصہ اکیلا رہا ہے ماں اور نانی کیا روک ٹوک کر سکتی تھیں۔ تم اس کے زیادہ قریب رہا کرو، اسے کمپنی دو، اپنے دوستوں سے ملواؤ۔'' شعیب باپ کے دوستوں والا اشارہ خوب سمجھ رہا تھا۔

''آپ فکر نہ کریں پاپا! میں اسے شیشے میں اتار لوں گا۔'' شعیب خباثت سے ہنستا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

رویم رباح کو وعدے کے مطابق کھانے کے وقت فون نہیں کر سکا تھا۔ کیونکہ اس وقت اس کے پاس شعیب موجود تھا۔ بعد میں جب اس نے رباح کو فون کیا تو اس نے سنے بغیر فون رکھ دیا تھا۔ اب تو وہ آفس کے معاملات کی وجہ سے پریشان تھا۔ دوسرے گھر میں تینوں لڑکیوں نے اسے گھیرنے کی کوششیں تیز کر رکھی تھیں۔ اس پر رباح کی ناراضگی۔ وہ سخت پریشان ہو گیا تھا۔ کسی سے اپنی پریشانی بیان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اتنا علم ضرور تھا کہ اس کی تاک میں کوئی ضرور ہے۔ شعیب وغیرہ کے ایک دم بدل جانے والے رویوں نے اسے نہ صرف چوکنا کر دیا تھا بلکہ وہ محتاط بھی ہو گیا تھا۔

☆☆☆

شام کو آتے ہی ناجیہ نے اسے نانو کے فون کا بتایا تھا۔ ''ضرور رباح کی وجہ سے پریشان ہوں گی۔'' وہ سوچتا کمرے میں آ گیا۔ کمرے میں آتے ہی اسے حیران ہونا پڑا، فضہ اس کے

کمرے میں موجود تھی۔ اسے دیکھتے ہی بولی تھی۔

''میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی۔'' وہ جو ٹھٹھک کر رک گیا تھا سنبھل کر آگے بڑھا۔

''کیوں؟'' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

''آج آپ کو ہمارے ساتھ ڈنر کے لیے باہر چلنا ہوگا۔'' وہ صوفے پر بیٹھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''کوئی خاص بات ہے۔'' فضہ کرسی سے اٹھ کر اس کے سامنے آ گئی۔

''خاص بات یہ ہے کہ میرا دل چاہ رہا ہے۔ میرا مطلب ہے ہم سب کا۔ آپ تیار ہو جائیں ہم لوگ بھی تیار ہو لیں۔''

''ہم لوگوں میں کون کون شامل ہے؟'' رویم اس کی بات رد نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''میں، ارسلہ، نائمہ وغیرہ۔'' فضہ بے انتہا خوش دکھائی دے رہی تھی۔ رویم نے اس کی بات رد نہیں کی تھی اس طرح وہ ارسلہ نائمہ کے ساتھ لگائی شرط جیت گئی تھی۔

''اور ناجیہ آپی!''

''ہاں..... ہاں وہ بھی چلیں گی۔ میں کہہ دوں نا سب کو جا کر۔''

''آل رائٹ مگر پلیز پہلے میرے لیے چائے بھجوا دو، آج میری بہنیں بھول گئی ہیں شاید۔''

''اوسوری..... سوری بس ابھی۔'' فضہ کو اگرچہ اس کا بہنیں کہنا ناگوار لگا تھا۔ لمحہ بھر کو چہرے کا تاثر بھی بگڑا تھا۔ اگلے لمحے ہی وہ سنبھل گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی رویم نے چھت کی طرف منہ اٹھا کر لمبی سانس کھینچی۔

''سوری رباح! تمہیں بلوانا چاہتا ہوں مگر یہاں آ کر لڑکیوں کا حال دیکھ کر جلتی کڑھتی رہو گی۔'' وہ دل میں رباح کے تصور سے مخاطب ہوا۔

وہ فریش ہونے کے لیے ابھی اٹھا ہی تھا کہ ناجیہ اس کے لیے چائے لیے آ گئی۔ ''نانو کا فون آپ نے اٹینڈ کیا تھا۔''

''ہاں..... وہ تم سے کوئی ضروری بات کہنا چاہتی تھیں۔''

''آفس کا نمبر تو ہے ان کے پاس پھر میرا موبائل کا نمبر بھی۔ پھر یہاں کیوں فون کیا؟'' وہ چائے پیتے ہوئے پھر بیٹھ گیا۔ نانو کے فون کا سن کر وہ الجھن میں پڑ گیا تھا۔

''تمہارے آنے سے تھوڑی دیر پہلے ہی کیا تھا۔ شاید تم آفس سے اٹھ چکے تھے۔ یہ میں کیا

سن رہی ہوں تم نے فضہ کو ڈنر کے لیے کہا ہے۔'' انہوں نے الجھن و بے یقینی سے رویم کو دیکھا۔

''ہاں..... کہہ رہی تھی سب کا دل چاہ رہا ہے میں نے بھی سوچا، بہنوں کو کبھی کبھی خوش کر دینا چاہیے۔''

''مگر رویم تم نہیں جانتے فضہ نے سب سے شہ.....'' اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی فضہ اندر آ گئی۔ وہ بھی چائے لائی تھی۔

''او بھابھی پہلے ہی لے آئی ہیں۔ پلیز بھابھی! آپ بھی تیار ہو جائیں۔ آج یہ ہمیں ڈنر پر لے جا رہے ہیں۔'' فضہ نے چائے کی ٹرے میز پر رکھ دی۔

''آپ ایسے ہی چلیں گے یا چینج کریں گے۔'' ناجیہ فضہ کے لب و لہجے پر حیران تھی۔ رویم بھی الجھن میں تھا کہ اسے کس طرح روکے۔

''تم لوگ تیار ہو جاؤ، میں بھی چینج کر کے آتا ہوں اور پلیز یہ چائے بھی کوئی اور پی لے گا۔''

رویم نے اسے پلٹتے دیکھ کر روکا وہ ناجیہ کا خیال کر کے بنا کسی تاثر کے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد ناجیہ اس سے مخاطب ہوئیں۔

''ابھی کچھ دن پہلے تم اپنی کسی سپر لیڈی، میرا مطلب ہے اپنی نانو کی کسی مددگار کا ذکر کر رہے تھے۔''

''ہاں کیوں کیا ہوا؟'' رویم کو حیرت تھی، اسے یہ خیال کیوں آیا؟ کہیں آج نانو نے تو کوئی بات نہیں کی لیکن انہوں نے تو مجھے خود منع کیا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''تم اسے کیوں نہیں بلوا لیتے۔ تم کہہ رہے تھے وہ تمہارے سارے مسائل حل کر دے گی۔ تم عادی بھی ہو اس کے۔'' ناجیہ کے ذہن میں کوئی پختہ عمر کی آیا طرز کی عورت تھی۔

''جی..... چاہتا تو میں بھی ہوں مگر یہاں اس کی آمد کو کوئی اچھا تاثر نہیں دیا جائے گا۔ اچھا دیکھتا ہوں کوئی مناسب وقت دیکھ کر نانو سے کہتا ہوں کہ اسے بھیج دیں۔'' رباح کو تصور میں رکھ کر رویم کھویا کھویا سا بولا۔

''تم اپنی ضرورت کے لیے کسی کو بھی رکھ سکتے ہو، بلوا سکتے ہو، مالک ہو تم اس پیلس کے، تمہیں کچھ کہنے کا یا تمہارے کسی فعل کو برا جاننے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔ بہت پہلے سے میں تم سے یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ یہ حق کسی کو دینا بھی مت یہ لوگ بہت شاطر و چالباز ہیں۔ خود کو، بابا کو ان سے بچا لو پلیز۔''

رویم نے سر اٹھا کر ناجیہ کو دیکھا۔ وہ خاصی مغموم لگ رہی تھی۔

''اور آپ کو.....''

''میں تو بری طرح پھنس چکی ہوں۔'' وہ ہمت ہاری ہوئی تھی۔

''آپی! میں آپ کو بھی بچاؤں گا ان سے۔ آپ فکر نہ کریں، جائیں تیار ہوں میں بھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ بابا کیسے ہیں۔ میں اوپر آتے ہوئے ان کے کمرے میں گیا تھا مگر وہ سو رہے تھے۔''

''اب تو کافی بہتر ہیں۔ تمہارے آنے سے انہیں کافی حوصلہ ہوا ہے۔ سنو..... انہیں اب چھوڑ کر نہیں جانا ورنہ.....''

''آپی..... آپی آج آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، مجھ پر یقین رکھیں اچھا بس اب آپ تیار ہوں جا کر میں بھی ابھی آتا ہوں۔''

رویم نے مغموم سی ناجیہ کو اپنے توانا بازوؤں کے گھیرے میں لیا اور اسے کمرے سے باہر تک چھوڑ کر گیا۔ اسے شک گزرا تھا کہ اس کے کمرے سے باہر کوئی ہے۔ اس وقت باہر کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنا وہم سمجھ کر واپس آ گیا۔

وہ جب تیار ہو کر نیچے آیا تو ان کے ساتھ جانے کے لیے ارسلان اور نعمان بھی تیار تھے، شعیب بھی ابھی کہیں سے آیا تھا۔ اسے رسمی طور پر پوچھا گیا وہ بھی تیار ہو گیا۔ ان کے اصلی چہرے دیکھنے کے لیے ان کے ساتھ گھلنا ملنا، ان کے قریب آنا زیادہ ضروری تھا۔ سب کی فرمائش چائنیز کھانا کھانے کی تھی۔ وہ لوگ چائنیز ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے، ناجیہ بھی سنبھل گئی تھی۔ کھانے کے دوران ناجیہ نے اس کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔

''بابا چاہ رہے تھے کہ اب تمہاری شادی ہو جائے۔ تمہاری کوئی پسند ہے تو.....'' رویم حیران ہوا۔ ناجیہ نے جان بوجھ کر سب کی موجودگی میں یہ ذکر چھیڑا تھا حالانکہ بابا نے ابھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔

''میری شادی ابھی، توبہ کریں آپی! ابھی میں زندگی کے مزے لینا چاہتا ہوں پابند زندگی نہیں گزار سکتا۔'' شعیب کی آنکھیں اس کے جواب میں چمک اٹھی تھیں۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ دنیا بڑی وسیع ہے۔ شادی کے بعد تو زندگی کے سارے رنگ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔''

''شعیب بھائی تمہیں بہکا رہے ہیں۔ انہیں جو خریدی ہوئی بازاری رنگینیاں راس آ گئی ہیں۔ اسی لیے دوسروں کو بھی اسی ڈگر پر لے جانا چاہتے ہیں۔'' نعمان نے ہنستے ہوئے شعیب پر چوٹ کی تو وہ تلملا کر رہ گیا۔

''چھوٹے..... تم اپنے مطلب سے مطلب رکھا کرو، سمجھے۔'' شعیب نے اسے جھاڑا۔ رویم کو اندازہ تھا کہ یہ لوگ آپس میں مل کر نہیں بیٹھتے۔ خاص طور پر نعمان کا سب سے نظریاتی اختلاف رہتا تھا۔ ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے رویم نے ہی پیش قدمی کی۔

''تم دونوں اپنے موڈ درست رکھو، ہم یہاں تفریح کے لیے آئے ہیں۔ میں تم دونوں سے اتفاق کرتا ہوں، شادی بھی بہت ضروری ہے اور دنیا کی رنگینی بھی۔ فی الحال ابھی میں نے اپنے بارے میں کچھ نہیں سوچا کہ مجھے کس راہ کی طرف جانا ہے، دنیا کی رنگینی کی طرف یا شادی کی بے رنگی کی طرف۔ ابھی تو میں اپنے بڑوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ شعیب! مجھ سے بڑے موجود ہیں۔ تم لوگ ہو اور یہ میری بہنیں ہیں۔ پہلے ان کی ہو جائے پھر میرا نمبر ہوگا۔''

ناجیہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ باقی سب بھی نارمل تھے، بس شعیب ہی بگڑا ہوا تھا۔ اچانک ہی موبائل بج اٹھا۔ وہ حیران ہوا اس وقت کون فون کر سکتا ہے، رباح!'' رباح کا سوچ کر ہی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی۔ فضہ اس کی طرف ہی متوجہ تھی۔ نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے اس نے فون کان سے لگایا۔ سب ہی خاموش ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے وہ ان کی نظریں محسوس کر رہا تھا۔

''ہیلو کون؟ کیا؟ یہاں آ گئی ہو کب۔ اچھا میں ایئر پورٹ پہنچ رہا ہوں۔ بس پندرہ منٹ کا فاصلہ ہے۔''

اس نے مزید کچھ سنے بغیر فون بند کر دیا۔ رباح آ چکی تھی ایئر پورٹ سے فون کر رہی تھی۔ اسے ایسی صورت حال کا اندازہ نہیں تھا۔ اس نے تو ابھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اگر رباح یہاں آ جاتی ہے تو وہ اسے کیا کہہ کر متعارف کروائے گا رباح نے اس طرح اچانک بنا اطلاع کے آ کر اسے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''آئی ایم سوری ایوری باڈی، مجھے فوراً ایئر پورٹ پہنچنا ہے۔'' رویم اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''کون آ رہا ہے؟'' ناجیہ نے سب سے پہلے سوال کیا۔

''آ چکی ہے۔ نانو کی اسسٹنٹ لیڈی! مجھے اسے لینے جانا ہے۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''کیا بہت معتبر چیز ہیں؟'' فضہ کو اس کا جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''فی الحال تفصیل بتانے کا وقت تو نہیں ہے مختصر بتا دیتا ہوں۔ میری نانو کی وہ خاص مددگار ہے ہمارا گھر اس کے انڈر ہے۔ نانو نے میری دیکھ بھال کے لیے اسے بھیجا ہے۔ اینی وے پھر کبھی انشاء اللہ ایسا پروگرام بنائیں گے، آپ لوگ چلے جایئے گا میں ادھر ہی آ جاؤں گا۔ آپی! آپ اس کے لیے کوئی کمرہ ٹھیک کروا دیجیے گا میرے روم والی سائڈ پر۔''

رویم نے جیب سے بٹوہ نکال کر ہزار ہزار کے کئی نوٹ میز پر رکھے۔ ''پیمنٹ کر دیجیے گا، او کے بائے۔'' اس کی گھبراہٹ و بے چینی کو ناجیہ نے ضرور نوٹ کیا تھا۔

''پہلے تو رویم نے کسی کا ذکر نہیں کیا تھا، یہ اچانک۔'' فضہ نے اپنی الجھن عیاں کی۔

''مجھے کافی دن پہلے بتایا تھا۔ اسے کافی عادت ہے اس کی۔ ان کے گھر کا نظام وہی چلاتی ہے۔ رویم تو خود بلوانا چاہتا تھا۔ اسے پرابلم تھی یہاں، اب اس کی نانو نے بھیج دی ہے۔'' ناجیہ آپی نے تفصیل سے وضاحت کی۔

''تو یہاں رویم بھائی کو کیا پرابلم ہے، سب ہی تو ان کا خیال رکھتے ہیں۔ کام بھی بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں۔ پھر یہاں ملازمین کی کمی ہے کوئی۔ ایک نیا اضافہ۔'' نائمہ نے کوفت سے اظہار خیال کیا۔

''تم نے سنا نہیں۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے آ رہی ہے۔ رویم کو اس عمر میں بھی گورنس کی ضرورت ہے۔ فیڈ روغیرہ پیتا ہوگا۔ آ کر بنا دیا کرے گی۔ خیال رکھے گی۔''

شعیب نے خباثت سے قہقہہ لگایا۔ رویم گاڑی کی چابی میز پر ہی بھول گیا تھا۔ واپس آیا تو شعیب کی بات سن لی تھی۔

''ہر مرد کو کسی بھی عمر میں ایک گورنس کی ضرورت ہوتی ہے۔ خواہ وہ کسی رشتے میں بھی درکار ہو چاہے وہ آپ کی ملازمہ یا ہو.....'' رویم نے جھک کر چابی اٹھائی۔ کسی کو اس کی آمد کی توقع نہیں تھی۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ شرمندہ تھے۔

''شعیب! مجھے تمہارا خیال رکھنے والیوں پر کوئی اعتراض نہیں، اس لیے آئندہ کبھی میرے معاملات میں دخل نہ دینا۔'' ناجیہ تک اس کے گہرے سنجیدہ لہجے پر متعجب ہوئی۔ آج سے پہلے اس

نے اتنی سنجیدگی سے کوئی بات نہیں کہی تھی۔ یقیناً شعیب کی بات اور لہجے نے اسے ہرٹ کیا تھا تب ہی وہ شعیب سے کچھ بدتمیزی سے بولا تھا۔ وہ شعیب اور انکل زبیر کی سرگرمیوں سے اچھی طرح واقف ہوگیا تھا کہ وہ کن گلیوں بازاروں میں جا کر پیسے اڑاتے ہیں۔

رویم بڑی تیزی سے ایئرپورٹ پہنچا۔ وہ جانتا تھا پندرہ منٹ سے ایک سیکنڈ بھی اوپر ہوگیا تو رباح واپسی کا سفر کر لیتی۔ ویسے بھی اسے دیکھنے کو دل مچل اٹھا تھا۔ وہ پسنجر لاؤنج میں بڑی کوفت زدہ بیٹھی تھی۔ رویم پر نظر پڑتے ہی گرم جوشی سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھی۔

''تھینک گاڈ ریمی! تم آگئے ہو ورنہ.....'' رباح نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔

''کوئی جذباتی سین نہیں پبلک بہت ہے۔'' اس کی شرارت پر رباح نے اس کے بازو پر مکا مارا۔

''یو چیٹر، تم نے مجھے اتنا بڑا اڈاج دیا ہے، نہ مجھے بتایا نہ ملے۔ کم از کم مجھ سے ملنا تو چاہیے تھا۔'' رباح کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

''اس کی ذمہ دار نانو ہیں، کیا سارے شکوے، شکایتیں یہیں کھڑے کھڑے کرو گی، سامان کہاں ہے تمہارا؟'' رویم نے اس بار خود اس کا ہاتھ تھاما ذرا دور فاصلے پر پڑا اس کا سوٹ کیس اٹھایا۔

رباح نے بھی سیٹ پر پڑا شولڈر بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالا۔

''افوہ اپنے آنسو صاف کرو۔'' رویم نے اس کے ہاتھ کو دبا کر اس کے بہتے آنسوؤں کا احساس دلایا تو رباح نے بیگ سے ٹشو نکال کر آنکھیں صاف کیں۔

اس وقت وہ اپنے سابقہ حلیے کی نسبت بہت سادہ تھی۔ حالانکہ وہ بہت جامہ زیب تھی۔ وہ اپنے لباس کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط رہتی تھی۔ مگر اس وقت وہ سفید اور گلابی پرنٹڈ سلک کاٹن مکسڈ ساڑھی میں ملبوس تھی۔ میک اپ میں بھی اس نے چہرے پر صرف لپ اسٹک کو استعمال کیا تھا۔ ہلکی گلابی سرخی اس کے ہونٹوں پر نظر آرہی تھی۔

''لگتا ہے ویسے ہی گھر سے اٹھ کر آگئی ہو۔ نانو نے کچھ نہیں کہا۔'' پارکنگ کی طرف آتے ہوئے رویم نے اسے بھرپور نظر سے دیکھا۔ وہ خاصی کمزور لگ رہی تھی۔ اس کی جدائی میں ایسا تو ہونا ہی تھا۔

''کیا کہنا تھا۔'' اس نے انجان بن کر پوچھا۔

''یہی کہ نئی نئی شادی ہوئی ہے، بن سنور کے جاؤ، اتنے عرصے بعد سامنے آئی ہو، حالت دیکھو اپنی۔''

گاڑی کے قریب پہنچ کر رویم نے لاک کھول کر سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر پھینکا۔ اس کے لیے اگلا دروازہ کھول کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''اس میں بھی میرا قصور ہے۔ نانو نے کہا ہے۔ بلکہ آنے ہی اس شرط پر دیا ہے کہ میں یہاں کسی پر بھی ظاہر نہ کروں کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔'' اس نے بڑی شکوہ کناں نظروں سے دیکھا۔

رویم تشکر سے بے ساختہ ہنس دیا۔ ''شکر ہے نانو نے میری مشکل حل کر دی۔ سنو..... یہ شرط صرف ان لوگوں کے لیے رکھی ہے۔ مجھ پر ظاہر کرتی رہنا کہ میری بیوی ہو۔'' رویم نے شریر نظروں سے دیکھتے ہوئے شرارت کی تو رباح جھینپ گئی۔

''اب یہاں پبلک نہیں ہے۔'' اس نے اپنی جھینپ مٹائی۔

''بس یہیں گاڑی تک ایسا ہوسکتا ہے وہاں خان پیلس میں کوئی مظاہرہ نہیں ہوسکتا۔ تم جا کر دیکھنا، کتنی آنکھیں فرش راہ ہیں۔ تین تین کپ چائے تو مجھے بیڈ ٹی کے طور پر ملتے ہیں۔''

''تمہارے یہی ٹھاٹھ تو ختم کرنے آئی ہوں۔ میں بھی حیران تھی، میرے بغیر رہ کیسے رہے ہو۔ خیر سب کو دیکھ لوں گی اور تمہیں بھی۔'' رباح نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ تو رویم نے گاڑی سٹارٹ کر لی۔

''مجھ پر شک نہ کرو، میں تو خود تمہیں بلوانا چاہتا تھا۔ اچھا بتاؤ کھانا کھاؤ گی؟''

''ہوں مگر کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر نہیں گاڑی میں ہی۔''

رویم کے لہجے پر یقین کرتے ہوئے رباح نے مطمئن ہو کر آنکھیں موند کر اس کے کندھے پر سر رکھا۔

''پیچھے ہٹو، سستی نہ پھیلاؤ میں ڈرائیو کر رہا ہوں اور میری باتیں غور سے سنو۔'' روم نے اسٹیئرنگ سے ہاتھ اٹھا کر اس کا گال تھپتھپا کر متوجہ کیا۔

''کیا ہے؟'' وہ بے زاری سے سیدھی ہوگئی۔ ''کتنا رف موڈ ہے تمہارا؟ اتنے دنوں بعد ملی ہوں تمہیں پتہ ہے میں نے ایگزیمز بھی بڑی ٹینشن میں دیئے ہیں۔ نہ مجھے فون کیا، نہ مجھے بتایا۔ شروع میں تو نانو نے بھی نہیں بتایا تھا۔ کتنے پروگرام بنائے تھے کہ ایگزیمز کے بعد تمہارے ساتھ

خوب انجوائے کروں گی۔ گھوموں گی پھروں گی۔ مگر تم یہاں آ کر پھنس گئے ہو۔'' وہ ایک بار پھر آبدیدہ ہوگئی۔

''پھنس تو میں واقعی گیا ہوں۔ بڑے شاطر لوگ ہیں یہ بابا کے رشتے دار بھی۔ تمہیں میری مدد کرنا ہوگی پلیز۔ ان معاملات سے نمٹ لوں تو پھر آئی پرامس یو۔ ساری دنیا گھمالاؤں گا، تمہارا ورلڈ ٹور پکا۔''

رویم نے گاڑی ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ کے آگے روکی۔ ''ہاں..... نانو نے کچھ کچھ تو مجھے بتایا ہے ان لوگوں کے بارے میں، اچھا بتاؤ تم نے مجھے کس حیثیت سے متعارف کروا رکھا ہے۔''

اس نے اپنی پسند کے کھانے کا آرڈر دے کر پوچھا۔ رویم نے ان لوگوں کے بارے میں واضح طور پر سمجھایا اور آج شعیب اور اپنے درمیان ہونے والی گفتگو بھی۔

''ریمی! کبھی انہوں نے تمہیں ان راستوں پر چلنے کے لیے کہا جس پر وہ خود چل رہے ہیں۔''

''کھلے عام تو کوئی دعوت نہیں دی، اشارے کنائے میں ضرور کہا ہے، مجھے لگتا ہے انہوں نے بابا کی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ بابا کو ضرور وہ اس راہ پر لے گئے تھے۔ تمہیں شاید اندازہ ہو مرد اس معاملے میں بہت کمزور ہوتا ہے۔''

''مگر ریمی! تم کمزور نہیں بننا ورنہ..... ورنہ مجھے تم جانتے ہو۔''

''غصہ نہیں، غصہ بالکل نہیں۔ اپنے غصے کو کنٹرول کرنا سیکھو، وہاں تمہیں اپنی یہ حیثیت نہیں جتانی اور وہاں اس طرح بات بھی نہیں کرنی مجھ سے، آخر تم وہاں میری دیکھ بھال کے لیے بقول شعیب کے میری گورنس کی حیثیت میں جا رہی ہو، اس لیے لہجہ دھیما اور پیار بھرا رکھو۔'' رویم نے شرارت سے چھیڑا۔

''مجھ سے نہیں ہوگا یہ سب۔'' اس نے منہ پھلا لیا۔ ہاتھ صاف کر کے ٹشو پیپر باہر اچھال دیا۔

''میرے لیے جانو میرے لیے، اب دیکھو نا وہاں تم اس طرح حق جتانے والے لہجے میں بات کرو گی وہ سب شک کریں گے۔ مجھے کیا سمجھیں گے کہ میں بھی ان جیسا لوز کیریکٹر ہوں۔ پلیز اپنے ریمی کے لیے تھوڑا اڈجسٹ کر لو خود کو پلیز ہنی۔'' رویم نے اسے کندھوں سے تھام کر منت سے کہا

تو وہ ہنس دی۔

''او کے..... مگر تم وعدہ کرو مجھے اگنور نہیں کرو گے، بھلاؤ گے نہیں۔''

''اوہ..... ڈونٹ بی سلی۔ یار کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تم مجھ سے بدگمان ہو رہی ہو تمہیں یقین نہیں ہے مجھ پر۔''

''تم خود ہی تو کہہ رہے تھے اس معاملے میں مرد کمزور ہوتا ہے۔''

''اچھا بکواس نہیں کرو، ہر مرد نہیں ہوتا اور پھر تمہیں بلایا کس لیے ہے، اپنی دیکھ بھال کے لیے۔ ان سب بلاؤں سے بچانے کے لیے۔''

''تم نے بلایا ہے؟ میں خود آئی ہوں ورنہ تم تو مرے میں تھے، تین تین کپ بیڈ ٹی۔ تین سوٹ اکٹھے پریس ہو کر لٹکتے تھے۔ کھانے بھی انواع و اقسام کے، تم اتنے چٹورے کب سے ہو گئے۔ ہاں خود کو ان کے بیچ راجہ اندر سمجھتے ہو گے۔''

اس کے جل کر بولنے پر رویم نے زبردست قہقہہ لگایا۔ ''جیلس ہو رہی ہو نا۔''

''تمہیں تو میں اچھی طرح سمجھ لوں گی اور ان صاحبزادیوں کو بھی۔'' اس نے رویم کے بازو پر مکا جڑا، یہ اس کے پیار کا غصے کا ایک سا اظہار تھا۔ رویم نے ہارن دے کر بل پے منٹ کیا۔

''موڈ درست کر لو، دس منٹ بعد ہم خان پیلس میں ہوں گے۔'' رویم نے گاڑی ریورس کی اور خان پیلس جانے والی سڑک پر ڈال دی۔

''میں تمہیں وہاں مخاطب کیسے کروں گی۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد رباح نے خود ہی پوچھ لیا۔ رویم بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ خود اس مسئلے کی طرف متوجہ ہو۔

''کچھ بھی، جو مناسب ہو۔''

''سر کہنا پڑے گا کیا؟'' اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''ظاہر ہے بھئی۔''

''لیکن مجھے عادت نہیں ہے، گزشتہ دو ڈھائی سال سے تمہیں ریمی کہہ رہی ہوں اب سر کیسے کہوں گی۔''

''اس میں کیا مشکل ہے، اپنی پرانی فلمیں نہیں دیکھیں فلم میں شادی سے پہلے ہیروئن ہیرو کا نام لیتی تھی اور اگر ہیرو سے شادی ہو جاتی تھی تو سرتاج تو کہہ کر پکارتی ہے۔ اب اگر تم نے مجھے مخاطب کرنا ہوگا تو آدھا لفظ سر بول دینا آدھا لفظ تاج چاہے دل میں کہہ دینا، آفٹر آل میں

''السلام وعلیکم۔'' رویم اور رباح نے تقریباً مشترکہ طور پر کہا پھر رویم نے سب کی طرف متعجب نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آج آپ لوگ ابھی تک یہیں بیٹھے ہیں۔'' اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی ساڑھے گیارہ کا وقت ہو رہا تھا۔

''تمہاری فکر تھی، بچے بتا رہے تھے تم وہاں سے کوئی دس بجے نکلے تھے میں نے کہا خدا خیر کرے اتنا لمبا راستہ تو نہیں کہیں کوئی حادثہ خدانخواستہ.....'' بڑی آپا اپنے مخصوص انداز میں لگاوٹ سے بولیں۔

''اوہ آئی سی۔'' رویم ان کی لگاوٹ کا مقصد سمجھ گیا۔

''آئی ایم سوری، میری وجہ سے آپ سب کو پریشانی ہوئی۔ ایکچوئلی رباح کا سوٹ کیس کسی اور سے چینج ہو گیا تھا بس اسی لیے دیر ہو گئی۔ یہ رباح ہے۔ آپی نے آپ کو بتا دیا ہو گا۔ میں نے اسے بلوایا ہے۔ یہاں اب میرے تمام کام یہ انجام دے گی۔ وہاں بھی ہمارے گھر میں گھر اور باہر کے کافی معاملات اسی کے سپرد ہیں نانو کی خاص مددگار ہے۔'' رویم نے کافی وضاحت سے بتایا، رباح اب تک کھڑی تھی۔

''تم بیٹھو رباح۔'' رویم نے کچھ فاصلے پر پڑے کارنر صوفے پر اسے بیٹھنے کے لیے کہا تو وہ ''تھینک یو سر۔'' کہتی بیٹھ گئی۔

''یہاں تمہیں کوئی تکلیف تھی بچے۔ اتنے ملازم تو ہیں پھر لڑکیاں بھی تمہارا کتنا خیال رکھتی ہیں۔'' تائی اماں نے پان چباتے ہوئے اپنی محبت جتائی۔

''یہ میرا اپنا گھر ہے۔ یہاں مجھے کیا تکلیف ہو سکتی ہے بلکہ میری وجہ سے آپ سب تکلیف میں تھے۔ لڑکیاں اپنی پڑھائی بھول کر کچن میں گھسی رہتی تھیں۔ یہ مجھے پسند نہیں تھا۔ لڑکیوں کو پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنی چاہیے پھر کسی اور طرف توجہ دینی چاہیے۔ آج کل لڑکیوں کی تعلیم بے حد اہم ہے، اچھے برے وقت میں کام آتی ہے۔ اب مجھے جب یہاں رہنا ہی ہے تو میں جس سٹائل میں رہنے کا عادی ہوں ویسے ہی رہنا چاہوں گا۔ اس بات کو آپ لوگ مائنڈ مت کیجیے گا۔

رویم نے بہت طریقے سے بات کی تھی۔ تائی اماں کو اس کی کچھ باتیں یعنی لڑکیوں کی تعلیم والی باتیں پسند آئی تھیں اور انہیں کوئی اور ہی راہ نظر آئی تھی۔ شعیب انکل زبیر کے ساتھ بیٹھا رباح کو گھورتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔

''لڑکی دیکھیں، کیا چن کر رکھی ہے۔ آپ صحیح کہہ رہے تھے۔ یہ لڑکا باپ سے دو ہاتھ آگے ہی ہو گا۔''

''ہاں..... اب اسے شیشے میں اتارنا زیادہ مشکل نہیں ہے، بس تم دیکھتے جاؤ۔'' رباح نے شعیب کے گھورنے کا نوٹس لیا تھا۔

ان سب کے خیال میں رویم کے ساتھ آنے والی ہستی کو ماما، پاپا ماسی ٹائپ کی کوئی عورت ہونا چاہیے تھا لیکن رباح کو دیکھ کر سب ہی گنگ ہو گئے تھے۔ ساڑھے پانچ فٹ سے بھی نکلتا قد، صاف رنگت تیکھے نقوش، گھور سیاہ موٹی موٹی آنکھیں، کمر سے نیچے تک لہراتی چوٹی وہ کسی آرائش کے بغیر اپنی سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی تھی۔ تینوں لڑکیاں تو اسے دیکھتے ہی جل گئیں۔ تینوں خواتین بھی آج ساتھ ساتھ بیٹھی تھیں اور انہیں اپنے کیے کرائے پر پانی پھرتا نظر آ رہا تھا۔ رویم رباح کا سب سے تعارف کروا رہا تھا، تعارف کے بعد وہ ناجیہ آپی سے مخاطب ہوا۔

''آپی! رباح کے لیے کوئی روم۔''

''ہاں..... وہ تمہارے روم کے ساتھ والا روم بھی خالی ہے، اگر تم مناسب سمجھو تو۔'' ناجیہ آپی نجانے کیوں ڈری سہمی لگ رہی تھی۔

''وہی مناسب ہے۔ منو!'' اس نے وہاں سے گزرتے ملازم لڑکے کو آواز دے کر قریب بلایا۔ ''آپی سے چابی لے کر ان بی بی کا سامان اوپر کمرے میں چھوڑ کر آؤ۔''

سب نے نظروں نظروں میں اظہار خیال کیا، فضہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ رویم تو پہلے ہی کھڑا تھا۔

''رباح! تم آپی کے ساتھ اپنے کمرے میں جا سکتی ہو میں بابا سے ملنے جا رہا ہوں۔''

سب باری باری اٹھ کر جانے لگے۔

''سر! کیا میں بھی ان سے مل سکتی ہوں۔''

''آف کورس آؤ۔'' وہ شام سے شریح خان سے نہیں ملا تھا۔ رباح اٹھ کر اس کے پیچھے چل پڑی اس نے کسی کی بھی نظروں کی پرواہ نہیں کی تھی۔ ناجیہ بھی ان کے ہمراہ تھی رویم نے شریح خان کے کمرے سے باہر کھڑے ہو کر رباح سے کہا۔

''رباح! اس گھر میں تمہیں آپی کے علاوہ ہر کسی سے خطرہ ہو سکتا ہے، تمہیں اپنی حفاظت خود کرنا ہو گی، دوسرے میرے علاوہ تمہیں بابا جان کا خیال بھی رکھنا ہو گا۔''

تمہارا سرتاج ہوں۔''

''اگر میں اداکاری میں کامیاب ہوگئی تو آپ کیا انعام دیں گے سر۔'' رباح نے بڑی سہولت سے کہا تو رویم نے توصیفی نگاہ ڈالی۔

''میں تو پہلے سے ہی جانتا ہوں کہ تم بیسٹ ایکٹریس ہو، ابھی پانچ ماہ پہلے ہی تم نے کیسی زبردست ایکٹنگ کی تھی میری دلہن بن کر۔ تمہارا کیا مدہوش کن روپ تھا اور ایمان سے کیا سحر انگیز خاموشی تھی اور تمہاری معنی خیز شرم وحیا نے تو مجھے حیران کر دیا تھا یار! کیا تم ساری زندگی وہی رول ایکٹ نہیں کر سکتیں۔'' اس کی بات سن کر پہلے وہ جھینپی پھر سمجھ آنے پر اس پر جھپٹ پڑی۔

''او یو ری تم..... تم بہت خبیث ہو۔'' اس کے بال مٹھی میں جکڑے۔

''بس بس گھر آ گیا ہے۔'' رویم نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اپنے بال ایک ہاتھ کی مدد سے چھڑائے۔ ''آج سے یہ بے تکلفی بند، تم بات بات پر مجھ پر بھوکی شیرنی کی طرح جھپٹ پڑتی ہو، آخر تمہارا شوہر ہوں میں، لحاظ کیا کرو میرا۔'' وہ اپنے برتاؤ پر واقعی شرمندہ ہوگئی۔

''تم ہی نے تو کہا تھا ہم دوست ہیں، اس رشتے کے بعد بھی ہم دوست رہیں گے۔'' اس نے اپنی شرمندگی مٹانا چاہی۔

''تمہاری عادتیں خراب کر کے پچھتا رہا ہوں، دوستی کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم باقی رشتوں کا احترام بھلا دو۔'' رویم نے مصنوعی خفگی سے کہا تو بالکل ہی شرمندہ ہوگئی، آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''آئی ایم سوری۔'' اس نے سر جھکا کر کہا تو رویم ہنس دیا۔

''اٹس آل رائٹ، آئندہ احتیاط۔'' رویم فی الحال اس کی شرمندگی برقرار رہنے دینا چاہتا تھا۔ تب ہی گاڑی خان پیلس کے۔ دروازے سے اندر داخل ہوئی، کافی لمبی روش طے کرنے کے بعد رویم نے پورچ میں گاڑی روکی۔ رباح نے بھی اپنا موڈ بدل لیا تھا۔ رویم کو یقین تھا کہ سب بڑی بے چینی سے اس کا اور اس کے ساتھ آنے والی ہستی کا انتظار کر رہے ہوں گے۔

ملازم نے آ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔ رباح خاموشی سے اتر آئی رویم نے ملازم کو اس کا سامان لانے کے لیے ہدایت دی اور خود رباح کو ہمراہ لے کر اندر چل دیا۔ رباح دو قدم کے فاصلے سے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ رویم کی توقع کے مطابق سب ہی بڑے کمرے میں موجود تھے۔ رویم کے پیچھے آتی ہستی کو دیکھ کر سب ہی حیران رہ گئے اور ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

''ڈونٹ وری سر! میں سب سنبھال لوں گی۔'' پھر وہ دونوں کے ساتھ شریح خان کے کمرے میں داخل ہوئے سامنے بستر پر لاغر و کمزور وجود پڑا نظر آیا۔ شریح خان جاگ رہے تھے۔ ان کے لبوں پر رویم کو دیکھ کر شفیق مسکراہٹ نمودار ہوگئی تھی انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی تو رویم نے ہی لیٹے رہنے کا اشارہ کیا۔

''میں رباح کو آپ سے ملوانے لایا ہوں بابا جان! کل سے یہ آپ کی دیکھ بھال کرے گی، آپ کو کمپنی دے گی، آپ کو بور نہیں ہونے دے گی۔''

''السلام وعلیکم۔'' رباح نے مسکرا کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام، بیٹھو بچو۔''

''تھینک یو۔'' رباح فوراً بیٹھ گئی۔ مجبوراً ناجیہ اور رویم کو بھی بیٹھنا پڑا۔

''تم اور ناجیہ میرا اتنا خیال تو رکھتے ہو، اب اس بچی کو بھی زحمت دو گے، میں اب ٹھیک ہو گیا ہوں۔''

''ابھی آپ ٹھیک نہیں ہیں بابا جان! آپ کی نئی رپورٹس میں امپرومنٹ کا گراف پھر نیچے جا رہا ہے۔ آپ ضرور کوئی بد پرہیزی کر رہے ہیں۔ اب رباح آپ پر نظر رکھے گی۔''

بیٹے کے فکرمند لہجے پر۔ ایک آسودہ سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر پھیل گئی۔ ''جو تمہاری خوشی، مگر یہ پیاری سی بچی ہے کون؟''

''بابا جان! آپ اسے میری معاون کہہ سکتے ہیں۔ یہ میرے بہت سے کام منٹوں میں کر دیتی ہے۔ ماما اور نانو کی خاص منظور نظر اب نانو کی اسسٹنٹ ہے۔ نانو مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں ناں، سمجھ رہی ہوں گی یہاں میرا خیال نہیں رکھا جاتا ہوگا اس لیے اپنی تسلی کی خاطر اپنا نمائندہ بھیج دیا ہے۔'' رویم کے مسکراتے لہجے میں شرارت تھی جسے رباح نے ہی محسوس کیا۔

''میں آپ کو آپی کہہ سکتی ہوں۔'' رباح نے گردن موڑ کر ناجیہ کو مخاطب کیا۔

''ہاں..... ہاں ضرور کہہ سکتی ہو۔''

''آپ مجھے انکل کے بارے میں مکمل تفصیل بتا دیں گی، آئی مین ان کے میڈیسن ٹائمنگ، کھانے وغیرہ کے بارے میں۔''

''بیٹی! ابھی تو آئی ہو، جاؤ آرام کرو جا کر، کل صبح پوچھ لینا جو پوچھنا ہے۔'' شریح خان اب پہلے سے بہتر تھے اور کافی سہولت سے بات چیت کر لیتے تھے۔

''بابا جان ٹھیک کہہ رہے ہیں، کافی رات ہوگئی ہے۔ آپی تم کو کل سب سمجھا دیں گی، گھر بھی دکھا دیں گی، آؤ چلو، بابا جان بھی سوئیں گے، گڈ نائٹ بابا جان۔'' وہ ان کے قریب جھکا، انہوں نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا۔ رویم کے کہنے پر رباح کو مجبوراً اٹھنا پڑا حالانکہ ابھی اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ شریح خان کی حالت دیکھ کر کافی پریشان ہوگئی تھی۔ گھر کے مالک ہیں اور ان ہی کا یہ حال تھا وہ کچھ حیران بھی تھی۔ ناجیہ اس کے ساتھ اس کے کمرے تک آئی تھی۔

''آپی! آپ کو کوئی پرابلم ہو تو مجھ سے ضرور کہیے گا۔'' اس کی مہربان مسکراہٹ پر ناجیہ آپی نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''میرا آپ سے بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے مگر میں جانتی ہوں سر کو اچھا نہیں لگے گا۔''

''کیوں؟ کیا رویم نے منع کیا ہے تم کو۔''

''نہیں میرا مطلب تھا اس وقت زیادہ رات ہوگئی ہے آپ آرام کریں پلیز۔'' وہ بات پلٹ گئی۔

''تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتاؤ رباح! میں بھی کیسی ہوں تمہیں کچھ کھانے وغیرہ کا پوچھا ہی نہیں۔''

''تھینک یو، کھانا تو میں نے راستے میں ہی کھا لیا تھا اور کچھ نہیں چاہیے، البتہ سر رات کو دودھ پیتے ہیں، آپ اگر مجھے کچن کا بتا دیں تو.....''

وہ جو بیڈ پر بیٹھ چکی تھی پھر اترنے لگی تو ناجیہ نے روکا۔

''میں جانتی ہوں، میں نے دودھ اس کے کمرے میں رکھوا دیا ہے۔ تم بھی اب آرام کرو، صبح سے اپنا کام شروع کرنا۔'' وہ انہیں دروازے تک چھوڑنے آئی۔

''گڈ نائٹ آئی سی یو مارننگ۔'' ابھی وہ دروازہ بند کر کے پلٹی تھی کہ اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ سمجھی شاید آپی پھر پلٹ آئی ہیں۔ دروازہ کھولا تو رویم کھڑا تھا۔

''اینی پرابلم سر۔''

''ہاں..... میرے کمرے میں آؤ، ایک ضروری بات ہے۔''

''مگر اس وقت سر۔''

''کہا ہے نا، ضروری بات ہے۔''

''آپ چلیں میں آرہی ہوں، جوتی پہن لوں۔''

''ایسے ہی آجاؤ۔'' رویم نے بازو سے پکڑ کر اسے اپنے کمرے مین کھینچا۔ پھر اسے آرام دہ کرسی پر دھکیلا۔

''بات کیا ہے؟'' وہ کرسی سے اٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

''تمہیں میں نے شعیب کے بارے میں بتا دیا ہے ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ وہ کچھ اچھا انسان نہیں ہے اس کی طرف سے محتاط رہنا اور اپنا کمرہ لاک کر کے سویا کرنا، انڈر اسٹینڈ۔''

رویم نے اپنے کمرے میں موجود بیڈ روم سائز فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور اپنے بیڈ پر آ بیٹھا۔

''کوئی خطرے کی بات ہے یہاں؟'' رباح سارے کمرے کا جائزہ لے کر پھر کرسی پر آ بیٹھی۔

''بتایا تو ہے تمہیں شعیب کے بارے میں، وہ تمہیں کچھ اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔''

''اور آپ سر! آپ بھی تو کچھ اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہے مجھے۔''

وہ شرارت سے دیکھتی مصنوعی طور پر سہمتے ہوئے کرسی پر سمٹ کر بیٹھ گئی۔ رویم واقعی اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی بات پر نظریں چرا گیا۔

''کوئی نہیں دیکھ رہا چلو اٹھو جاؤ۔ اپنے کمرے میں آرام کرو، صبح جلدی اٹھنا ہوگا۔''

رویم اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ وہ بھی اس کے محسوسات سمجھ رہی تھی۔ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر پلٹ کر دیکھا۔ رویم وہیں کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا، ضبط جذبات میں اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبا رکھا تھا۔

''گڈ نائٹ ریمی!'' رباح فوراً نکل گئی۔

صبح رباح کی آنکھ اپنے معمول کے مطابق نماز کے وقت کھل گئی حالانکہ رات بھر ٹھیک طرح نیند نہیں آئی تھی۔ نئے ماحول اور اجنبی جگہ کی وجہ سے وہ خاصی بے چین رہی تھی پھر رویم کا رویہ بھی اس کے لیے بالکل نیا تھا مگر اب اسے یہاں اسی طرح ایڈجسٹ ہونا تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر وہ اندازے سے نیچے آگئی، اس کی توقع کے خلاف نیچے بزرگ خواتین جاگ رہی تھیں، یا پھر شاید انہیں رات بھر نیند نہیں آئی تھی۔

''السلام وعلیکم! کیسی ہیں آپ سب۔'' وہ مسکراہٹ چہرے پر پھیلا کر ان سے ملی۔

''وعلیکم السلام آؤ بیٹھو۔'' بڑی آپا ہر جگہ پیش قدمی میں جلدی کرتی تھیں۔ تائی اماں اور چچی جان ان کی پذیرائی مسکراہٹ پر اندر ہی اندر جل کر رہ گئیں۔ ابھی تینوں خواتین اس کی برائی میں مشغول تھیں۔ اس کا وجود اپنی بیٹیوں کے حق میں انہیں خطرہ نظر آ رہا تھا۔ تینوں نے ہی پروگرام بنایا تھا کہ اس پر خاص نظر رکھیں گی۔ وہ ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیسے آنا ہوا تمہارا یہاں۔'' رباح کو حیرت ہوئی، بڑی آپا ایسے پوچھ رہی تھیں جیسے رات بڑے کمرے میں موجود نہ ہوں اور اس کی ذات سے لاعلم ہوں۔

''رات سر نے بتایا تو تھا۔ انہوں نے نانو کو بتایا تھا وہ یہاں ایڈجسٹ نہیں ہو پا رہے تھے اپنے گھر کو مس کر رہے تھے۔ وہاں سارا سسٹم میرے انڈر ہے اس لیے یہاں آنا ضروری تھا۔'' رباح نے ایک ایک لفظ سوچ کر کہا۔

''مگر وہ تو کہتا ہے یہاں اس کو کوئی تکلیف نہیں، پھر سب ہی بڑا خیال رکھتے ہیں میری بیٹیاں تو اپنے کام چھوڑ کر اس کے کام کر کے خوش ہوتی ہیں۔ اتنے عرصے بعد تو ہمارے بھائی کا بیٹا ہم سے ملا ہے۔ ہم نے تو ابھی دل بھر کے اسے دیکھا بھی نہیں۔'' تائی اماں کو بھی بڑی آپا جیسا برتاؤ آ گیا تھا۔

رباح نے لمحہ بھر سوچ کر انہیں رام کرنے کے بارے میں سوچا۔

''سر کو گھر کی لڑکیوں کا ملازموں کی طرح کام کرنا پسند نہیں ہے۔ وہ لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم یافتہ دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ جب گھر میں بے شمار ملازم ہوں تو گھر کی بیٹیوں کو کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے تو رکھا ہی ان کی ماما اور نانو نے ان کے کام کے لیے ہے۔ ان کے کھانے پینے، سونے جاگنے، لباس وغیرہ کی ذمہ داری میری ہے۔''

بڑی آپا نے اس کا جائزہ لیا۔ وہ آسمانی سادہ کرتا شلوار میں ملبوس تھی، ہم رنگ بڑے سے دوپٹے کو اوڑھے بیٹھی وہ ان کے دل میں وسوسے جگا رہی تھی۔

''ہو نہ ہو ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔'' انہوں نے دل میں سوچا۔ ''جوان جہان لڑکی ایک مرد کی دیکھ بھال پر مامور ہے کسی رشتے تعلق کے بغیر۔ اس مقصد کے لیے کوئی مرد بھی رکھا جا سکتا تھا۔ یہ ان کے لیے اچنبھے کی بات تھی۔

''کتنے عرصے سے ہو تم رویم کے ساتھ؟'' بڑی آپا دل کی بات چھپا نہ سکیں۔

''دو ڈھائی سال ہو گئے ہیں، جب ان کی ماما زندہ تھیں اس سے بھی پہلے، آپ شاید میرے

بارے میں کچھ اور بھی جاننا چاہ رہی ہیں میں خود ہی بتا دیتی ہوں۔'' رباح نے ان کے چہرے پڑھے۔

''آپ جو سوچ رہی ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں صرف ان کی ملازمہ ہوں، پھر سر اور آپ جیسے خاندانی لوگ اپنے خاندان، حیثیت و مرتبے کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ جب خاندان میں خوبصورت پڑھی لکھی سلیقہ شعار لڑکیاں موجود ہوں تو کوئی کسی اور طرف کیسے دیکھ سکتا ہے ایک راز کی بات میں آپ کو بتا دوں۔''

رباح نے ان کی آتش شوق کو مزید ہوا دی۔ اپنی بیٹیوں کی تعریف پر ان کے چہرے کھل اٹھے تھے۔ پھر رباح نے رازدارانہ انداز اختیار کیا تھا اس سے تو وہ مزید متجسس ہو گئی تھیں۔

''ویسے ہے تو یہ غلط بات نمک حلالی کا یہ تقاضا تو نہیں ہے مگر کیا کروں آپ سب مجھے اتنی اچھی لگی ہیں کہ میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں آپ کو وہ راز کی بات بتا دوں جس کے لیے نانو نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔''

رباح اپنی کرسی مزید ان کے قریب لے گئی۔ اس کے صحیح اندازے پر وہ خجل تھیں۔ رباح نے چوروں کی طرح پہلے اِدھر اُدھر دیکھا۔

بڑی آپا سے صبر نہیں ہوا تو پوچھ لیا۔ ''کیوں بھیجا ہے؟''

''نانو اس خاندان کو آپس میں ملانا چاہتی ہیں۔ انہوں نے مجھے اسی لیے بھیجا ہے کہ میں دیکھوں یہاں موجود لڑکیاں کیسی ہیں اور سر کا جھکاؤ کس کی طرف ہے، پھر وہ کوئی پیش قدمی کریں گی بشرطیکہ سر کو کوئی پسند آ جائے۔'' وہ سر پیچھے کر کے کھڑی ہو گئی۔

''اچھا میں ذرا ناجیہ آپی کو دیکھ لوں کس طرف ہے ان کا کمرہ۔'' اس نے تینوں کو انوکھی خوشی دے دی تھی۔

''کیا کام ہے اس سے؟'' بڑی آپا نے خود کو جلد ہی سنبھال لیا تھا۔

''میں گھر دیکھنا چاہتی ہوں، کچن وغیرہ، سر کو بیڈ ٹی پہنچانی ہے۔''

''تو آؤ میں تمہیں گھر دکھا دوں گی۔'' بڑی آپا بھی اٹھ کھڑی ہوئیں دونوں خواتین نے معنی خیزی سے دیکھا۔

تب ہی ناجیہ آ گئی۔ ''تم..... تم کب آئی ہو نیچے۔''

''کافی دیر ہو گئی ہے۔''

''رات بھر نیند نہیں آئی کیا؟'' ناجیہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ ہنس دی۔

''نئی جگہ ہے نا، تھوڑی ڈسٹرب رہی ہوں۔ ایک دو دن میں ایڈجسٹ ہو جاؤں گی ویسے بھی صبح جلدی اٹھنا میرا معمول ہے۔'' پھر ان کی طرف مڑ کر کہا۔ ''تھینک یو آپا! میں ناجیہ آپی کے ساتھ کچن میں چلی جاتی ہوں۔''

وہ ناجیہ کی رہنمائی میں کچن میں آ گئی جہاں پہلے سے ملازمائیں چائے اور ناشتے کے لوازمات تیار کرنے میں مصروف تھیں۔ یہ روز کا معمول تھا۔ ہر فرد اپنے مزاج کے مطابق الگ قسم کا ناشتہ کرتا تھا سو صبح سے ہی تیاری شروع ہو جاتی تھی۔ ناجیہ ہی آ کر سب کے کمروں میں بیڈ ٹی کے طور پر چائے بھجواتی تھی۔ رباح نے ایک چولہے کے پاس اپنی جگہ بنائی اور موجود ملازمہ سے برتن، پتی چینی وغیرہ کا پوچھ کر رویم کے لیے چائے بنانے کی تیاری کی، باتوں باتوں میں شریح خان کے بارے میں بھی پوچھ رہی تھی۔

''انکل بیڈ ٹی لیتے ہیں۔'' اس نے ٹرے میں دو کپ اور چائے کے دیگر لوازمات رکھے۔

''آج کل نہیں جب تک سونا چاہیں، میں سونے دیتی ہوں۔''

ناجیہ کچن میں موجود چھوٹی ڈائننگ ٹیبل کھانے کی میز کے گرد پڑی کرسی پر بیٹھ کر اسے کام کرتے ہوئے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ رباح نے ایک کپ بنا کر اس کے آگے بھی رکھا۔

''رویم اتنے اہتمام سے تو چائے نہیں پیتا۔'' ناجیہ نے اسے ٹی پاٹ پر ٹی کوزی رکھتے دیکھ کر کہا تو وہ ہنس دی۔

''وہ اتنے ہی اہتمام سے چائے پیتے ہیں۔ آپ سے مروت میں کچھ نہیں کہا ہوگا۔'' وہ ٹرے اٹھا کر کچن سے باہر نکل گئی۔ راستے میں فضہ اس سے ٹکرا گئی بڑی عجیب نظروں سے فضہ نے اسے دیکھا لیکن خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

رباح بھی بے نیازی سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ دروازہ مقفل تھا۔ اس نے ایک ہاتھ میں ٹرے سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے ہینڈل پر دباؤ ڈال کر دروازہ کھولا پھر احتیاط سے دروازہ بند کر کے اندر بڑھ گئی۔ ٹرے بیڈ سائیڈ پر رکھی۔ رویم تقریباً اوندھا بیڈ کے کنارے پر سو رہا تھا۔ ایک بازو بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا۔ تکیہ بھی سر کے نیچے ہونے کے بجائے سر کے اوپر تھا۔ رباح نے مسکرا کر تکیہ سر کے اوپر سے اٹھا کر بیڈ کے دوسرے کنارے پر پھینکا پھر بازو پکڑ کر اسے جگایا۔ وہ بھی ساری رات سو نہیں سکا تھا۔ عجیب سی بے چینی تھی۔ رباح سے ملنے کی شدید خواہش کو دباتے دباتے

صبح کے قریب ہی اس کی آنکھ لگی تھی۔

''سر! اٹھیں چائے آ گئی ہے میں بناؤں چائے۔'' رباح نے اس کا بازو پکڑ کر سیدھا کر دیا تھا۔ رویم نے مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا وہ اپنے چہرے پر صبح کے اجالے لیے پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت اور معصوم لگی۔

''ربی! یہاں بیٹھو میرے پاس۔'' رویم نے کہنے کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ کر قریب بٹھایا۔ خود ابھی تک دراز تھا۔ آنکھوں میں نیند کا خمار سرخی کے ڈورے بن کر مچل رہا تھا۔ اس نے بے اختیار ہو کر اس کا ہاتھ لبوں سے لگایا تو رباح گڑبڑا گئی۔ رات کتنی احتیاطیں کر رہا تھا اور اب.....

''ریی! کیا کر رہے ہو، کوئی آ جائے گا۔'' رباح نے ایک نظر دروازے پر ڈالی اور دوسری رویم پر جو اس کا ہاتھ گرم جوشی سے تھامے کبھی ہونٹوں سے لگا رہا تھا اور کبھی آنکھوں سے۔

''پلیز ریی! ہوش کرو، کیا ہوا ہے تمہیں، کوئی نشہ تو نہیں کرنے لگے۔'' رباح نے زبردستی اپنا ہاتھ چھڑایا اور اٹھنے لگی مگر اس بار رویم نے اس کے دوپٹے کا پلو کھینچا۔

''ربی! آئی ایم سوری، آئی ایم رئیلی، ایکسٹریملی سوری۔'' رویم کا ندامت سے چور لہجہ رباح کو پریشان کر گیا۔ اس نے فوراً اس کے ماتھے پر بکھرے بال پیچھے سمیٹے اور بخار والا شک دور کیا۔

''کیا ہوا ریی! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔ کیا بات ہے۔''

''ہنی! رات میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا ہے نا، بلیومی رات بھر اس احساس کی وجہ سے سو نہیں سکا۔ تم تمہیں یہاں آنا نہیں چاہیے تھا۔ تم نظروں سے دور تھیں تو اور بات تھی مگر اب بہت مشکل ہے بہت مشکل۔''

''تمہاری مشکل کا حل بعد میں نکالیں گے، فی الحال اٹھو، میں کب سے تمہارے کمرے میں ہوں، نیچے تو ان لوگوں میں کھلبلی مچی ہوگی، شاید کوئی واچ کرنے بھی اوپر آیا ہو۔ پلیز اٹھو، میں چائے بناتی ہوں۔''

رباح بیڈ سے اتر کر نیچے قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ ٹرے اٹھا کر سامنے رکھی، ٹی کوزی سائیڈ پر رکھ کر چائے بنانے لگی۔ رویم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا، بکھرے بالوں کو ہاتھوں سے پیچھے کیا، منہ ہاتھ پھیر کر خود کو ہوش میں لانے کی کوشش کی۔

''بی ایزی ریی! اپنے آپ کو ٹینس مت رکھو، میں تمہاری مجبوری سمجھتی ہوں میں نے کچھ بھی

فیل نہیں کیا۔"

رباح نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا پھر اپنا کپ لے کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی وارڈ روب کھول کر چیک کی۔

"ریمی! تم نے یہاں آ کر کوئی نیا ڈریس نہیں بنوایا۔ تم خود سے کتنے لاپرواہ ہو گئے ہو۔"

"بس یار! بہت بزی رہا ہوں، بابا کی بیماری، گھر کا ماحول، آفس اور ملز کے جھمیلے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیسے ہینڈل کروں سب کچھ۔" رویم نے مڑ کر ایک نظر اس کی پشت پر ڈالی۔ وہ الماری میں گھسی کھڑی تھی تب ہی دروازہ دھڑ سے کھلا رباح نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی ارسلہ چائے کا کپ لیے اندر داخل ہوئی۔

"اوہ یہاں تو چائے پی جا چکی ہے۔" رویم کپ خالی کر کے ایک طرف رکھ رہا تھا۔

"ظاہر ہے۔ میں نے رات ہی بتا دیا تھا کہ اب میری ساری ذمہ داریاں رباح پر ہیں۔ یہ اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرتی۔"

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ آپ کی تمام ذمہ داریاں تو میں بھی بخوشی نبھا سکتی ہوں کیا آپ کو ہمارے خلوص پر شبہ تھا یا یہاں کسی چیز کی کمی تھی جو آپ یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔"

رباح الماری سے رویم کے لیے رائل بلیو کلر کے سوٹ میچنگ شرٹ نکال کر بیڈ کی طرف مڑ آئی، اصل میں تو وہ اس وقت ارسلہ کے تاثرات پڑھنا چاہ رہی تھی۔ ارسلہ کے لہجے کے ساتھ ساتھ چہرے پر بھی شکایت، کاٹ، حق جتانے والا تاثر موجود تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے اپنی بہنوں کے خلوص پر بھی کوئی شبہ نہیں ہے بس میں اپنی وجہ سے تم سب کو مزید ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تم سب اپنی اسٹڈیز چھوڑ کر میری خدمتوں میں لگی ہوئی تھیں۔ جبکہ مجھے یہ سب پسند نہیں تھا۔ جس کا کام ہو، اسی سے کروانا مجھے پسند ہے۔ تم لوگوں کے لیے بہتر یہی ہے اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرو، فیوچر کی پلاننگ کرو اس قسم کی روٹین تم کو سوٹ نہیں کرتی۔"

رویم نے سیدھے سادھے لہجے میں اپنی بات واضح کر دی تھی مگر ارسلہ تو کچھ اور ہی سمجھی شرمگیں مسکراہٹ سے پلٹ گئی خوش فہمیاں اس کے ذہن و دل میں جنم لینے لگیں۔

واقعی اس گھر کی مالک بننے والی کا یوں پیالی لیے پھرنا اچھا نہیں لگتا۔

"اور سنو۔" رویم نے اسے پکارا وہ دروازے کے بیچ سے گردن موڑ کر متوجہ ہوئی۔ "کیا

کے بھی روم میں جانے سے پہلے دستک دینا اخلاقی فرض ہے۔"

وہ منہ بنا کر فوراً نکل گئی۔ جبکہ رباح بے اختیار ہنس دی جواب میں رویم بھی ہنس دیا۔

"مجھے حیرت ہے تمہاری کزنز پر، اتنی بے وقوفی، سب کچھ سامنے آنے کے باوجود تغافل۔"

"بہت تیز ہیں سب، بچ کے رہنا۔"

"مجھے کسی سے کوئی خطرہ نہیں ہے اور تم سنو اب گھر اور بابا جان کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ بس تم ملز کے اور آفس کے معاملات جلد از جلد نمٹاؤ۔" رویم اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

"کیوں کوئی خاص بات ہے۔" وہ اس کے کمرے میں بکھری چیزوں کو سمیٹ رہی تھی۔ بیڈ پر اس کے میچنگ سوٹ، رومال، ٹائی وغیرہ رکھتے ہوئے ذرا سر اٹھا کر اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں سے واپس نہیں جانا کیا۔ وہاں نانو بالکل اکیلی ہیں۔ پھر ہم کب تک ایسے رہ سکتے ہیں، ایک نہ ایک دن تو سب کو پتا لگ جائے گا نا۔"

"ہاں ایسا تو ہونا ہی ہے۔ واقعی کب تک ایسے رہ سکتے ہیں، کبھی تو....."

رویم نے بڑی میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے کو نرمی سے چھوا تو وہ گھبرا کر اس کے قریب سے ہٹ گئی۔ رویم نے اس کے گھبرانے پر قہقہہ لگایا۔

"کیا ہوا؟ کرنٹ مارا ہے میں نے۔"

"آئی تھنک، تم اس وقت آپے میں نہیں ہو، مجھے کمرے سے چلے جانا چاہیے۔ تم بتاؤ ناشتہ کہاں کرتے ہو۔" اس کے محتاط انداز پر رویم بھی سنبھل گیا۔

"بابا کے ساتھ ان کے کمرے میں او کے تم جاؤ میں آ جاؤں گا۔" رباح نے ٹرے میں برتن رکھے۔

"ریمی! مجھے آج گاڑی چاہیے۔"

"کیوں کہاں جانا ہے آتے ہی۔" وہ باتھ روم جاتا جاتا مڑ آیا۔

"کچھ شاپنگ کرنی ہے تمہارے لیے، تمہیں تو فرصت نہیں ملے گی، ظاہر ہے، مجھے ہی خیال رکھنا ہوگا۔"

"آج کا دن گھر میں گزارو کل تمہیں خود لے جاؤں گا پھر کر لینا شوق پورا۔"

"شوق نہیں ضرورت کل یاد رکھنا ورنہ تمہارے آفس پہنچ جاؤں گی۔"

''ٹھیک ہے بابا! پہنچ جانا فی الحال جاؤ ورنہ پھر۔'' اور وہ اسے گھورتی ہوئی چلی گئی۔ نیچے پہنچی تو سب کی نظریں بڑی عجیب اور چبھتی ہوئی تھیں۔

ڈائننگ ہال میں فرداً فرداً سب ہی پہنچ رہے تھے۔ وہ سیدھی کچن میں پہنچی اور ناجیہ سے دریافت کیا۔

''آپ مجھے یہ بتائیں۔ انکل کو کس قسم کی ڈائیٹ دی جاتی ہے۔ ناشتے، لنچ اور ڈنر میں وہ کس طرح کی غذا زیادہ رغبت سے کھاتے ہیں یا پھر ڈاکٹر نے ان کا مینو کیسا بنایا ہے۔''

ناجیہ اس کی اتنی محبت وتوجہ پر حیران تھی۔ اس کے اندر رباح کے لیے کئی نرم جذبے جگہ بنا چکے تھے۔ اس نے رباح کو شریح خان کے صبح سے رات تک کے سارے معمولات سمجھائے، دوائیں بتائیں جو وہ استعمال کر رہے تھے۔

''بس اب آپ بے فکر ہو جائیے، دیکھیے گا انکل یوں دو دنوں میں صحت یاب ہوتے ہیں۔''

اس نے چٹکی بجائی جیسے واقعی ان کی صحت یابی اس کے اختیار میں ہو۔ پھر ناجیہ کو بھی ڈائننگ ہال میں بھیج کر وہ رویم اور انکل کے لیے ناشتہ بنانے لگی، کچن سنبھالنے والی ملازماؤں نے اسے روکا بھی مگر اس نے دوستانہ مسکراہٹ سے انہیں سمجھایا۔

''جیسے تمہیں اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے یہاں رکھا ہے ویسے ہی میں بھی یہاں بلائی گئی ہوں۔ تم اپنا کام کیے جاؤ مجھے اپنا کام کرنے دو۔''

وہ دونوں اس کے طرز عمل پر حیران تھیں، وہ اگرچہ سادہ حلیے میں تھی پھر بھی اس کا رکھ رکھاؤ اس کی باتوں کا انداز اسے روایتی ملازمہ ظاہر نہیں کرتا تھا لیکن انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ اب ہائی سوسائٹی کے گھروں میں ذرا پڑھی لکھی ملازمائیں رکھی جاتی ہیں۔ اس نے رویم کا پسندیدہ ناشتہ بنا کر ٹرالی میں رکھا شریح خان کے لیے پورج تیار کیا۔ چائے وغیرہ بنا کر وہ ٹرالی لے کر شریح خان کے کمرے میں پہنچی۔ وہ جاگ رہے تھے۔ اس کی آمد پر آنکھوں میں حیرانی مگر لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ وہ ابھی تک نیم دراز تھے۔ ٹرالی بیڈ کے پاس کھڑی کر کے وہ ان کی طرف بڑھی۔

''السلام وعلیکم! کیسے ہیں آپ؟''

''وعلیکم السلام! یہ کیا؟ گھر میں اتنے ملازم ہیں اور پھر ناجیہ تو......''

''آپ مجھے بھی اپنا ملازم ہی سمجھئے میں صرف سر کے لیے ہی نہیں آپ کے لیے بھی آئی ہوں۔ یہ میری ڈیوٹی ہے۔ میں بیٹھنے میں مدد دوں آپ کو۔''

ان کو بیٹھنے کی کوشش کرتے دیکھ کر وہ مزید ان کے قریب ہوئی، کمر کے پیچھے تکیہ لگا کر انہیں بیٹھنے میں مدد دی۔

''میں سچ کہوں۔ تم مجھے ملازم نہیں اپنی بیٹیوں کی طرح لگی ہو۔ میرا دل تمہیں اس درجے پر نہیں رکھ سکتا۔''

''انکل! یہ تو آپ کی بڑائی ہے ورنہ میری حیثیت کیا ہے۔'' اس نے نیپکن اٹھا کر ان کے آگے پھیلایا پھر دودھ میں پکا پورج ان کے سامنے رکھا۔ ''اگر آپ کا دل اس کے علاوہ کوئی چیز کھانے کو چاہے تو مجھے بتا دیجیے گا میں بنا دیا کروں گی، میں جانتی ہوں روزانہ ایک جیسا ناشتہ یا کھانا اچھا نہیں لگتا۔''

''تو تم کتنے عرصے سے رویم کے ساتھ میرا مطلب ہے اس کے گھر میں ہو۔ شکل سے تو تعلیم یافتہ لگتی ہو۔ کوئی اور کام بھی کر سکتی تھیں پھر یہ معمولی سا کام۔''

جو بات سب نہیں پوچھ سکے وہ شریح خان نے پوچھ لی تھی۔ لہجہ اگرچہ سرسری تھا پھر بھی رباح نے چونک کر انہیں دیکھا وہ واقعی عام سے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

''میڈم نے سلیکٹ کیا تھا مجھے۔ آئی مین سر کی مدر نے کوئی معمولی کام تو نہیں ہے۔ ایک گھر کے سسٹم کو آرگنائز کرنا، دوسرے لفظوں میں آپ مجھے ایک گھر کی کیئر ٹیکر کہہ سکتے ہیں۔ گھر سے باہر کے کاموں میں مجھے انٹرسٹ نہیں ہے ورنہ......''

رباح نے تھوک نگلتے ہوئے وضاحت سے جواب دیا پھر ایک دم کھڑی ہو گئی۔ ''سر ابھی تک نہیں آئے میں دیکھتی ہوں ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

''میں آ گیا ہوں۔'' کمرے میں داخل ہوتے ہوئے رویم نے اطلاع دینے والے انداز میں کہا۔

''گڈ مارننگ بابا جان! آپ کی اب کیسی طبیعت ہے۔'' رباح نے اسے مڑ کر دیکھا وہ بالکل اس کے سامنے موجود تھا۔

''پہلے کا تو پتا نہیں مگر اب اس بیٹی کے آنے سے کافی بہتر محسوس کر رہا ہوں۔'' رویم نے اسے توصیفی نظروں سے دیکھا۔

''میں جانتا تھا۔ آپ رباح کی کمپنی میں جلد ٹھیک ہو جائیں گے، یہ ہے ہی ایسی، اب دیکھیے کیسے آپ کی بیماری کے پیچھے پڑتی ہے اور کیسے بھگاتی ہے، پتہ ہے بابا، مما نے جب اسے گھر کا

ہولڈ دیا نا تو میں بہت چڑا تھا، مما سے ناراض بھی ہوا تھا مگر پھر آہستہ آہستہ مجھے اس کی خوبیوں کا پتہ لگ گیا کہ یہ بڑے کام کی ہے گھر کی ساری پرابلم یہ خود حل کر لیتی ہے، مجھے یا نانو کو اب کوئی فکر نہیں ہوتی۔''

''سر! ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ انکل آپ بھی شروع کیجیے۔''

رباح نے دانت پیستے ہوئے نظر بچا کر رویم کو گھورا مگر وہ نظر انداز کرتا ہوا کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے باپ بیٹے کو تھوڑی سی دیر کے لیے تنہا چھوڑ دیا برتنوں والی ٹرالی لے کر وہ کمرے سے نکل آئی۔ ٹرالی کچن میں رکھ کر وہ ایک بار پھر رویم کے کمرے میں آ گئی، اس کا بریف کیس اور کوٹ لے کر جب وہ نیچے پہنچی رویم گھر کی خواتین میں گھرا کھڑا تھا وہ اس کے منہ سے مزید تسلی سن رہی تھیں وہ حیران سی ان کے قریب پہنچی، موضوع پھر اس کی ذات ہی تھی اس نے دل ہی دل میں ان سے نمٹنے کا تہیہ کر لیا۔

''سر! آپ لیٹ ہو رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''خدا حافظ!'' رویم نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈال کر سب سے کہا اور پھر ان کے درمیان سے نکل کر رباح کے ساتھ باہر کا رخ کیا۔ سب کی نگاہیں ان کی پشت پر جمی تھیں۔ فضہ تو ان کے پیچھے بھی گئی کیونکہ اس کا ارادہ رویم کے ساتھ اپنی کوکنگ کلاس تک جانے کا تھا۔ وہ ان سے کافی فاصلے پر تھی مگر ساری توجہ ان پر ہی تھی۔ رویم رباح سے ہنستے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا جواباً رباح کی ہنسی نے جلترنگ بجا دیئے۔ رباح نے فضہ کو آتے دیکھ لیا تھا۔ اگلا دروازہ کھول کر اس کا بریف کیس سیٹ پر رکھا۔

''فضہ آپ کے ساتھ جاتی ہے سر۔'' وہ جو اپنے دھیان میں تھا قریب آتی فضہ کو دیکھ کر چونکا۔

''او یار! ایک تو یہ مصیبت میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔'' رویم بڑبڑایا۔ رباح دروازہ بند کر کے سیدھی ہو گئی۔ رویم نے بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

فضہ قریب آ کر کھڑکی پر جھکی۔ ''آپ مجھے ڈراپ کر دیں گے۔''

''کہاں؟'' رویم نے لہجے میں بیزاری عود کر آئی، فضہ کو اس کا لہجہ پسند نہیں آیا۔

''اب آپ کو روز بتانا پڑے گا۔''

''گھر میں گاڑی اور ڈرائیور دونوں موجود ہیں۔ میں پہلے ہی لیٹ ہو رہا ہوں۔''

اس کے نکلے سے جواب پر فضہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی، رباح کی موجودگی اسے کھل رہی تھی۔

''سر! ایک ہی راستہ ہے تو ڈراپ کرنے میں کیا حرج ہے۔'' رباح نے سفارشی انداز میں کہا۔ رویم نے ایک نظر رباح کو دیکھا پھر فضہ کو۔

''تم جیسے حلیے میں ہوتی ہو میں اس میں تمہیں آگے نہیں بٹھا سکتا۔ پیچھے بیٹھو اور سنو، اپنا حلیہ لڑکیوں جیسا رکھا کرو۔'' آج وہ جینز اور ٹی شرٹ میں تھی رویم کو لڑکیوں کے بدیسی حلیے کبھی پسند نہیں رہے تھے۔ فضہ اس طرح ٹوکے جانے پر تلملا کر رہ گئی لیکن کچھ کہہ نہ سکی مجبوراً پیچھے بیٹھ گئی۔ رویم گاڑی سٹارٹ کر کے باہر نکال کر لے گیا۔

☆☆☆

رباح جب سے آئی تھی محسوس کر رہی تھی کہ ایک ایک فرد کی نگاہیں اس کی نگرانی کر رہی ہیں، وہ کوئی بھی کام کرتی کسی سے بھی بات کر رہی ہوتی اپنے اردگرد نظروں کے حصار ہی نظر آتے، لیکن اسے بھی کوئی پرواہ نہیں تھی وہ پوری آزادی سے اپنا کام کر رہی تھی۔ وہ اس بات کا بھی نوٹس لے رہی تھی کہ شریح خان سے کس کا رویہ کیسا ہے، خان پیلس میں موجود کون کون سا فرد ان کی مزاج پرسی کرتا ہے ان کے ساتھ وقت گزارتا ہے اور ان سے کس قسم کی گفتگو کرتا ہے۔

رویم نے اسے بتایا تھا کہ رویم کی آمد کے بعد وہ کافی حد تک سنبھل گئے تھے لیکن پھر رباح کی آمد سے کچھ روز پہلے ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ وہ اپنی سابقہ حالت میں واپس جا رہے ہیں۔ گویا ان کی ادویات میں یا خوراک میں پھر سے بے احتیاطی شروع ہو گئی۔ انہیں پھر کوئی ایسی چیز دی جا رہی تھی جو ان کے لیے ممنوع تھی اور اسی لیے ان کی صحت پر بُرے اثرات ڈال رہی تھی۔ رویم سے معلومات لینے کے بعد اس نے ڈاکٹر سے خود مل کر تسلی کر لی تھی۔ ڈاکٹر سے ضروری ہدایات لینے کے بعد رباح نے ساری توجہ ان پر مرکوز کر لی تھی اور سب کو اپنی نگاہ میں رکھ لیا تھا۔

رباح نے گھر کی خواتین میں بھی کافی حد تک اپنا مقام بنا لیا تھا۔ وہ رویم کو قابو کرنے کے مشورے تینوں کو الگ الگ رازداری میں دیتی تھی۔ جس پر وہ بے حد خوش تھیں۔ رویم نے بھی کچھ کچھ اپنا رویہ بدلا تھا۔ وہ لڑکیوں سے گھل مل گیا تھا۔ کبھی انہیں لباس پر ٹوک دیتا، کبھی ہیئر اسٹائل پر، کبھی ان کی توجہ پڑھائی پر مبذول کرواتا، رباح کے مشوروں نے اثر دکھایا تھا، اس لیے مائیں بڑی خوش ہوتیں مگر اندر ہی اندر ایک دوسرے سے جیلس بھی تھیں۔ موقع ملتا تو ایک دوسرے کی

برائی بھی کرلیتیں۔

بڑی آپا کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ فضہ کو رویم کی پسند کی سانچے میں ڈھال دیں۔ وہ فضہ کو رباح سے گھلنے ملنے کا سبق پڑھاتی رہتیں مگر وہ خود پسند تھی اس کے خیال میں رویم تک پہنچنے کے لیے اسے کسی سیڑھی کی ضرورت نہیں تھی۔

☆☆☆

شریح خان دوبارہ سنبھل گئے تھے۔ رباح انہیں کمرے سے باہر نکال لائی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد وہ تھوڑی دیر چہل قدمی بھی کرنے لگے تھے، رویم یہ دیکھ کر جہاں خوش تھا وہاں باقی افراد حیرت زدہ تھے۔ تقریباً بستر مرگ پر پڑا شخص پھر سے زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا کمزور وجود میں توانائی دوڑنے لگی تھی۔ ایک دن وہ رباح کے سامنے تشکر اور ندامت کے ملے جلے احساس سے رو پڑے۔ اس وقت وہ انہیں دوا دے کر ان کے قریب بیٹھی تھی۔ وہ بس اس کا ہاتھ تھام کر بے اختیار ہو گئے رباح اس صورت حال سے پریشان ہو گئی تھی۔

''انکل! کیا بات ہے مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔''

''نہیں بیٹا! تم سے کیا غلطی ہوگی غلطیاں تو مجھ سے ہوئی ہیں۔ اتنی عمر تک میں غلطیاں ہی تو کرتا رہا اور میری غلطیوں اور گناہوں کی سزا میرے بچوں کو بھگتنی پڑی ہے۔ پھر بھی میرے مالک مہربان نے مجھ پر کتنی بڑی مہربانی کی۔ مجھے کتنا بڑا انعام بیٹے کی صورت میں دے دیا۔ میں اس قابل کہاں تھا یہ میری کس نیکی کا پھل ہے۔ میں نے تو کبھی کوئی نیکی کی ہی نہیں۔''

''انکل! اللہ تعالیٰ رحمان و رحیم ہے، وہ اپنے بندوں سے بے حد محبت کرتا اور پھر جو انسان اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے پشیمان ہو اس سے بڑا انسان کوئی نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں سے زیادہ خوش ہوتا ہے اور انہیں اپنی نوازشوں سے نوازتا ہے یہ سب قسمت کے کھیل ہیں وہ ایک لمحے میں پوری کائنات کا نقشہ بدل سکتا ہے۔ آپ بس پچھلی باتیں بھلا دیں آئندہ زندگی کے بارے میں اپنے بچوں کے بارے میں سوچیں، آپ کے بچوں کو آپ کی بے حد ضرورت ہے۔ خاص طور پر ناجیہ آپی کو، وہ بہت تنہا ہیں۔'' رباح ان کو آبدیدہ دیکھ کر خود بھی نمناک ہو گئی۔

''السلام علیکم! یہ کیا ہو رہا ہے بھئی؟'' رویم آفس سے سیدھا باپ کے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ دوپٹے کے کونے سے اپنے آنسو صاف کیے۔

''یہ کیا حرکت ہے؟'' اس کے آنسو دیکھ کر رویم نے ڈپٹ کر پوچھا۔

''وہ سر! وہ انکل۔'' وہ کوئی وضاحت نہ کر سکی۔

''رویم! اس کو مت ڈانٹو۔'' شریح خان نے روکا۔

''آ......آپ بھی بابا جان آپ بھی۔'' رویم باپ کے نم لہجے پر چونکا۔

''کیا بات ہے، کیا ہوا ہے؟''

''کوئی بات نہیں ہے کچھ نہیں ہوا، آپ بیٹھیں، میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔'' وہ قدرے سنبھل گئی تھی۔ مسکرا کر اس کے لیے چائے لینے چلی گئی۔

''بابا! آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں، کیا بات ہے؟''

''تم سے کیا چھپانا ہے۔ تم بتاؤ، آج کل لیٹ آ رہے ہو۔'' وہ بھی سنبھل گئے تھے۔ ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''جی بس آفس میں کام کچھ زیادہ ہے۔ آپ مجھے باتوں میں نہ لگائیں، مجھے ٹھیک ٹھیک بتائیں۔ رباح نے کچھ کہا ہے، اس نے کوئی غلطی کی ہے۔'' وہ بھی آرام دہ کرسی پر بیٹھ گیا تھا مگر پھر بھی بے چین تھا۔

''رباح کیا کہہ سکتی ہے وہ کیا غلطی کرے گی۔ وہ تو بڑی ہمدرد اور فرض شناس بچی ہے، کسی بہت اچھے خاندان کا خون ہے۔ کبھی کبھی مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ تمہاری ملازمہ ہے حالانکہ......''

''کیوں...... کیوں یقین نہیں آتا، کیا وہ کوئی کوتاہی کرتی ہے، مجھے بتائیں میں اس سے پوچھوں گا۔'' وہ الجھن و پریشانی میں سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ اس کی پریشانی پر مسکرا دیے۔

''وہ اس لیے کہ وہ نہ تو عام ملازمین کی طرح کام چور ہے اور نہ ہی غیر ذمہ دار وہ ایک دن، ایک لمحہ کے لیے بھی مجھ سے غافل نہیں ہوئی۔ میری صحت و تندرستی کے لیے اس نے بیٹوں سے بڑھ کر میری دیکھ بھال کی ہے۔ بتاؤ، ایسا کوئی ملازم کرتا ہے، اتنی دلجوئی، غمگساری، روپے پیسوں کے عوض تو نہیں ہوتی۔ کوئی ایسا رشتہ کوئی ایسی محبت ہی انسان کو مجبور کرتی ہے کسی کے ساتھ بندھا کوئی تعلق ہی ایسا کرواتا ہے ورنہ۔'' انہوں نے بیٹے کو کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

''بابا جان اس کی اچھائی کا تو میں خود معترف ہوں۔ وہ جاہل گنوار نہیں ہے پڑھی لکھی ہے۔ انکی مما سے کافی اٹیچ رہی ہے اس لیے وہ ہمارا اتنا خیال رکھتی ہے اور یہ تو اس کا فرض بھی ہے۔'' باپ کی نظروں سے گھبرا کر اس نے وضاحت کی۔

''تم جانتے ہو رباح کو تمہارے ساتھ دیکھ کر مجھے کیا خیال آتا ہے؟''

باپ کے لہجے نے اس کا دل دھڑکا دیا۔ اب تک اس نے بڑی احتیاطیں کی تھیں۔ لاکھ خواہش کے باوجود رباح سے بہت دور اور فاصلے پر رہا تھا۔ رباح کو مخاطب کرتے ہوئے اکثر وہ لہجے میں سختی اور ڈانٹ شامل کرلیا کرتا تھا۔

''پھر بابا جان کو کوئی غلط خیال کیسے آیا؟'' اس کی خاموشی پر انہوں نے اپنی بات پھر سے شروع کی۔

''اسے تمہارے ساتھ دیکھ کر مجھے اپنی بہو کا خیال آتا ہے۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا جان! ایسا کیسے ہوسکتا ہے، کہاں میں اور کہاں وہ۔'' وہ کرسی سے اٹھ کر ان کے پہلو میں آبیٹھا۔

''رویم! تمہارے لیے کسی ایسی ہی لڑکی کی ضرورت ہے جو محبتیں بانٹنا جانتی ہو، جو زندگی بن کر اس مردہ گھر میں دوڑنے لگے۔

''ابھی آپ میرے بارے میں مت سوچیں، پہلے ناجیہ آپی کا مسئلہ حل کرنا ہے، مجھے ایک بات سمجھ نہیں آتی کہ وہ شخص پلٹ کر کیوں نہیں آیا۔ اس نے کوئی رابطہ کیوں نہیں کیا۔''

''اس کا پتا میں نے لگالیا ہے۔'' رباح چائے اور دیگر لوازمات ٹرالی میں رکھے اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔ دونوں اس کی بات پر چونکے۔

رویم نے پہلے استفہامیہ نظروں سے دیکھا پھر اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ ''کیا کیا پتا لگالیا ہے تم نے؟''

''آپ بیٹھیں تو سہی سکون سے چائے پئیں۔ انکل! آپ بھی چائے پئیں گے نا۔''

اس نے دوسری کرسی پر بیٹھ کر ٹرالی اپنے آگے کی۔ انہوں نے ہاں میں جواب دیا۔

وہ خاموشی سے چائے بنانے لگی جبکہ رویم بڑی الجھی ہوئی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ پہلے اس نے اٹھ کر شریح خان کو کپ تھمایا پھر رویم کو۔ وہ اپنا کپ لبوں سے لگانے لگی تو رویم سے رہا نہیں گیا۔

''تم بتاتی کیوں نہیں ہو، کیا بات ہے؟''

''انکل! میں جو بتانا چاہ رہی ہوں۔ آپ تو پہلے سے جانتے ہیں نا۔'' شریح خان ایک دم چونکے تھے وہ بات جو وہ خود سے بھی چھپائے پھر رہے تھے وہ اس لڑکی کو کیسے معلوم ہوئی، وہ بھی الجھ کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ اپنا کپ اسی طرح بھرا چھوڑ کر کھڑی ہوگئی۔

اس کے قدم کمرے میں موجود شریح خان کی الماری کی طرف بڑھے۔ اس نے الماری میں لٹکتی چابی گھما کر لاک کھولا۔ پھر ایک خاکی رنگ کا لفافہ نکال کر واپس مڑی۔ رویم اس کی ایک ایک حرکت ایک ایک جنبش کو دیکھ رہا تھا محسوس کر رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ رباح کے ہاتھ میں موجود لفافہ کسی ایسی خبر کو چھپائے ہوئے تھا جو کچھ دیر بعد ضرور انہیں ہلا کر رکھ دے گی۔

''یہ اس کیا ہے رباح؟'' رویم نے لفافہ پکڑ کر پوچھا۔

رباح نے بتانے سے پہلے ایک نظر شریح خان پر ڈالی وہ ضبط کی کڑی منزلوں سے گزر رہے تھے۔ رباح ان کے قریب بیٹھ گئی۔

''انکل! آپ جانتے تھے، کم از کم سر کو تو بتانا چاہیے تھا۔ کیا ناجیہ آپی جانتی ہیں کہ انہیں ڈائیوس ہوچکی ہے۔''

رباح کے الفاظ تو رویم کے لیے دھماکا تھے اس نے بوکھلا کر ہاتھ میں پکڑے لفافے میں سے فوراً کاغذ نکالے۔ سب سے پہلے اس کی نظر ایک خط پر پڑی۔ یہ تقریباً دس سال پہلے لکھی گئی تحریر تھی جس میں بڑی آپا کو مخاطب کیا گیا تھا۔ دوسرے کاغذات ناجیہ کے نام سے تھے۔ ان کاغذات میں ناجیہ کو طلاق تحریر کی گئی تھی۔ بڑی آپا کے نام کی تحریر رویم کی نظروں کے سامنے تھی۔ یہ ناجیہ کے سابقہ شوہر اور بڑی آپا کے بیٹے زیاد خان نے تحریر کی تھی۔

رباح رویم کے ہاتھوں کا ارتعاش محسوس کر رہی تھی۔

وہ خط کو پڑھنے کے بعد جیسے سمجھ نہیں پایا تھا پھر پڑھ رہا تھا۔

واشنگٹن

10 اپریل 1990ء

اماں جان!

السلام وعلیکم! اماں جان آج کل آپ سب بہت سکون مگر انتظار میں ہوں گے کہ میں ناجیہ کو کب بلاتا ہوں۔ میں جانتا ہوں آپ نے بہت سی امیدیں مجھ سے لگا رکھی ہیں۔ مگر میں معذرت کے ساتھ یہ لکھ رہا ہوں کہ میں آپ کی امیدوں پر پورا نہیں اتر سکا، آپ کے کیے گئے فیصلے کو نباہ نہیں سکا۔ وجہ میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا تھا، مگر آپ اپنی ضد پر قائم رہیں ایک بار پھر لکھ رہا ہوں، آپ ماموں جان اور ان کی بیٹی کو بھی بتا دیجیے گا۔ جب آپ نے ناجیہ کو میرے لیے پرپوز کیا تھا میں نے آپ کو اسی وقت بتا

دیا تھا کہ میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں اور شادی بھی اسی سے کروں گا لیکن آپ نے مجھے کچھ اس طرح گھیرا۔ مجھے لالچ دیئے اپنی موت کی دھمکیاں، اپنی پرورش کی قیمت مانگی تو میں بے بس ہو گیا تھا۔ آپ کا کہنا تھا ''خان پیلس پر ہولڈ رکھنے کے لیے یہاں کی کسی بیٹی کو بہو بنانا ضروری ہے۔'' آپ اپنی کوشش میں کامیاب تو ہو گئیں مگر میں زیادہ دیر تک اس بوجھ کو سینے میں نہیں دبا سکتا۔

میری پسند کی ہوئی لڑکی کی یہ شرط ہے کہ پہلے ناجیہ کو طلاق دوں پھر وہ مجھ سے شادی کرے گی۔ میں نے اس کی بات مان لی ہے۔ آپ تو جانتی ہیں نا، یہ وہی لڑکی ہے جس کی فیملی نے مجھے باہر بھجوانے کے انتظامات کیے تھے، آپ سب نے اس وقت مجھ سے نظریں پھیری تھیں، کبھی زندگی میں موقع ملا تو ماموں جان سے آ کر معافی مانگوں گا، میں ان کو کبھی دھوکا نہ دیتا لیکن صرف آپ کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا۔ میں نے غلط کیا تھا لیکن اب مزید انہیں دھوکا نہیں دینا چاہتا، ان سے کہہ دیجیے گا ناجیہ کی کہیں بھی شادی کر دیں، میں اسے آزاد کر رہا ہوں۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میں اسے ساری زندگی اپنا پابند بنا کر اسے مسلسل عذاب میں مبتلا رکھوں۔ اسے بھی اپنی زندگی جینے کا حق ہے۔ میں اپنے پچھلے کیے پر نادم ہوں اسی لیے یہ قدم اٹھایا ہے۔ ہو سکے تو آپ سب مجھے معاف کر دیجیے گا۔ سب کو سلام، آپ کا نافرمان بیٹا۔''

زیاد خان

زیاد خان شادی کے تقریباً دو ماہ بعد باہر چلا گیا تھا اور پھر اس نے چار پانچ ماہ بعد ہی اسے آزاد کر دیا تھا۔ کرب و اذیت سے رویم نے ہاتھ میں پکڑے کاغذ مٹھیوں میں بھینچ ڈالے۔ رباح اس کے چہرے پر پھیلے اذیت کے رنگ دیکھ رہی تھی۔

''اتنے عرصے تک دھوکا، اتنا بڑا فریب اور آپ..... آپ نے بھی بابا جان چھپایا کیوں؟ ناجیہ آپی کو اتنی بڑی سزا کیوں دی آخر کیوں؟'' وہ ان کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ شریح خان کا چہرہ بھی متغیر تھا۔

''کچھ عرصہ پہلے تک میں خود بے خبر تھا اور جب مجھے خبر ہوئی تو میں بے بس ہو چکا تھا، مجھ میں سکت ہمت سب ختم ہو چکی تھی۔ ان سب کے اس فریب نے ہی تو مجھے توڑ دیا تھا اسی لیے اسی

لیے تو بیٹا میں تمہیں پکارتا تھا، تمہیں بلاتا تھا۔''

''اور ناجیہ، ناجیہ آپی کو کچھ خبر ہے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے؟'' رباح سنجیدگی کی حدوں کو چھو رہی تھی۔

''کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''آپ تک یہ سب کیسے پہنچا۔ اتنے سالوں بعد آپ کو کس نے بتایا۔ آپ نے کسی سے کچھ نہیں پوچھا۔ کوئی حساب نہیں مانگا۔'' رویم تھک کر دوبارہ بیٹھ چکا تھا۔ ایک طوفان سا اس کے اندر ہلچل مچا رہا تھا۔

نعمان نے تقریباً نو دس ماہ پیشتر یہ کاغذات میرے حوالے کیے میں جانتا ہوں، وہ سب سے مختلف ہے۔ یہ سب دیکھنے پڑھنے کے بعد مجھے لگتا تھا جیسے کسی نے میرے جسم سے ساری طاقت نچوڑ لی ہے۔

وہ لمحے مجھے بہت سی حقیقتوں سے روشناس کروا گئے تھے۔ میں اپنی اولاد سے کسی قدر غافل تھا۔ ان کی خوشیوں، ضرورتوں کی مجھے کیا پروا تھی۔ میں جنہیں اپنا ہمدرد ہم نوا سمجھتا رہا۔ وہ سب اندر ہی اندر میری رگوں کو کاٹتے رہے، مجھے معاف کر دو بیٹا، میں..... میں تم سب کا مجرم ہوں۔''

ان کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آ رہی تھی۔ ندامت سے چور لہجہ ان پر ٹوٹتی قیامتوں کا ترجمان تھا۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ صرف شریح خان کی آواز گونج رہی تھی۔ چند ثانیے کے بعد انہوں نے اپنی بات کا سلسلہ ان کی خاموشی محسوس کر کے پھر سے جوڑا۔

''میں تمہارا اور تمہاری ماں کا اور اپنی بیٹیوں کا بھی مجرم ہوں۔ میری ذات سے خاص طور پر تم کو بڑی محرومیاں ملی ہیں۔ میں تمہارا سب سے بڑا مجرم ہوں اور اس کے بعد ناجیہ کا..... تم دونوں مجھے معاف کر دو معاف کر دو بیٹا۔''

انہوں نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ رویم نے بڑھ کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔ ناجیہ بھی نجانے کب آ کھڑی ہوئی تھی اور ساری باتیں سن چکی تھی، اس پر بھی آج ہی انکشاف ہوا تھا۔ وہ تو اپنی زندگی سے مایوس و بیزار ہو چکی تھی۔ صرف باپ کی بیماری نے اسے اپنے دکھ بھلانے پر مجبور کیا تھا۔ وہ بے آواز روتی چلی جا رہی تھی۔ رباح کی جیسے ہی اس پر نظر پڑی فوراً اسے گلے لگا کر چپ کروانے کی کوشش کرنے لگی۔

''اس طرح رونے سے تو مسائل حل نہیں ہوں گے بابا جان! ان سب کو حساب تو دینا ہوگا۔

آپ نہیں جانتے بابا جان انہوں نے صرف آپ کو اس معاملے میں اذیت نہیں دی بلکہ ہر معاملے میں آپ کو زیر کرنا چاہا ہے انہوں نے پوری پلاننگ کے ساتھ ملز اور آفس میں بے تحاشا گھپلا کیا ہے۔ اپنی اپنی جائیدادیں بنانے کے باوجود یہ لوگ اس گھر پر بھی قبضہ جمائے ہوئے ہیں میں اب انہیں مزید برداشت نہیں کر سکتا۔ پہلے بھی اس لیے مجبور تھا کہ یہ لوگ میری بہن کے سسرال والے ہیں مگر اب بالکل نہیں، میں آج ابھی ان سب کو ان کے اصلی چہرے دکھا دوں گا۔ رباح! تم سب کو ہال میں جمع ہونے کے لیے کہو میں بابا جان کو لے کر آتا ہوں۔''

وہ کسی انتہائی فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔ اس کے چہرے پر عزم جھلکنے لگا تھا۔

''مگر سر! اس وقت انکل اور ناجیہ آپی کی طبیعت اور حالت ایسی نہیں ہے کہ کوئی ہنگامہ کھڑا کیا جائے ذرا آرام سے بات کیجیے گا۔'' رباح نے اسے سمجھانا چاہا۔ اس کے نزدیک ابھی یہ مناسب نہ تھا۔

''میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو، مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔'' تم نہیں جانتیں، میں اس وقت کتنی اذیت میں ہوں۔ میرا بس نہیں چل رہا ورنہ سب کو ابھی شوٹ کر دوں۔ بابا جان بھی یقیناً ان ہی کی وجہ سے ان حالوں کو پہنچے ہیں۔ آپ جائیں اور جو کہا ہے وہ کریں۔''

اس کے ماتھے پر سبز رگ ابھر آئی تھی۔ جبڑے کی ہڈیاں بھی بھنچی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ رباح کو اندازہ تھا وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا ہے۔

''مگر سر یہ مناسب..... انکل! آپ سمجھائیں نا۔'' وہ اس کی گھورتی نظروں سے بے بس ہو کر شریح خان سے فریاد کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ ناجیہ بھی رونا دھونا بھول کر بھائی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''رویم بیٹا ٹھنڈے دل و دماغ سے جو معاملات سلجھائے جائیں ان ہی کے نتائج اچھے نکلتے ہیں۔ اس طرح جوش میں آنا اچھی بات نہیں ہے۔'' شریح خان بھی بستر سے اتر کر بیٹے کے قریب آ گئے، اسے صوفے پر بیٹھا کر خود بھی قریب بیٹھ کر اسے سمجھانے لگے۔

''بابا! آپ برداشت کر سکتے ہیں مگر مجھ میں مزید حوصلہ نہیں ہے۔ آج نہیں تو کل میں نے ایسا ہی کرنا تھا، پھر آج ہی ایسا کیوں نہ ہو جائے۔ بہت ہو چکا لحاظ، وقت پر ہی ان کا سر کچل دینا چاہیے۔ آپ کی وجہ سے پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے، پلیز بابا مجھے مت روکیں ورنہ.....''

وہ ان کا ہاتھ تھپتھپا کر کھڑا ہو گیا۔ بستر کے قریب سے مڑے تڑے کاغذ اور لفافہ اٹھایا،

سیدھا ہو کر پینٹ کی جیب سے گاڑی کی چابی نکال کر رباح کی طرف بڑھائی۔

''گاڑی میں میرا بریف کیس اور موبائل ہے لے آؤ۔''

رباح کچھ دیر خاموش رہی، رویم کا ہاتھ بڑھا ہوا تھا۔ ''کول ڈاؤن ریمی! اس طرح تو کئی پرابلمز کری ایٹ ہوں گے۔'' رباح نے اس کے خونخوار انداز کو دیکھ کر ایک بار پھر نرمی سے سمجھانا چاہا۔

''تمہیں میری بکواس سنائی نہیں دے رہی۔'' اس کے دھاڑنے پر لمحہ بھر کے لیے تو رباح بھی سہم گئی پھر اس کے ہاتھ سے چابی لے کر باہر نکل گئی۔

شریح خان نے سر اٹھا کر بیٹے کو دیکھا۔ وہ کسی مضبوط چٹان کی طرح ہر طاقت سے ٹکرانے کا حوصلہ لیے کھڑا تھا۔ ان کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

رباح جب اس کا بریف کیس اور موبائل لے کر لوٹی تو وہ باپ کے کمرے میں موجود فون پر اپنے لیگل ایڈوائزر کو ضروری ہدایات کے ساتھ خان پیلس آنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ فون رکھ کر وہ رباح کی طرف مڑا، رباح نے اس کی مطلوبہ چیزیں اس کی طرف بڑھائیں۔

''ایک ٹھنڈا یخ پانی کا گلاس بھی لے کر آؤ بلکہ دو۔'' وہ اب تک خود پر صحیح طرح قابو نہیں پا سکتا تھا۔

''اچھا میں لاتی ہوں مگر سر! آپ بیٹھیں تو، انکل آپ بھی کھڑے ہیں۔'' وہ شریح خان کو تھام کر صوفے پر بیٹھا کر ایک بار پھر باہر نکل گئی۔ ناجیہ بھی سب کو کہہ کر آ گئی تھی۔

رباح بھی فوراً ہی پانی لے کر آئی تھی۔ رویم کو پہلی بار اتنے غصے میں دیکھا تھا۔ اس کے رویے اور ڈانٹ نے اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے تھے۔ اس کے انداز پر وہ بھی پریشان تھی۔ پانی کا گلاس پکڑتے ہوئے رویم نے اس کی شکل دیکھی بے اختیار مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی رباح نے اس کی مسکراہٹ پر آسودہ سانس لی۔

''بیٹھو! آج آ مجھے تمہارے بارے میں بھی انکشاف کرنا ہے۔''

ناجیہ اور شریح خان اس کے لہجے اور لفظوں پر چونکے رباح کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے۔ رباح مطمئن ہو کر اس کے سامنے بیٹھ کر دوسرے گلاس کا پانی خود پینے لگی۔ رویم نے بھی اپنا گلاس تین سانس میں ختم کیا۔

''بابا جان! یہ اعلان آپ کے لیے تو نہیں البتہ باہر والوں کے لیے ضرور دھماکا ہوگا۔ آپ کو

رباح کو دیکھ کر اپنی ہونے والی بہو کا خیال آتا تھا تو آپ سن لیں کہ رباح حقیقت میں آپ کی بہو ہے، میری بیوی ہے رئیلی۔'' رویم نے ان بے یقین چہروں کو یقین دلانا چاہا۔ شریح خان اور ناجیہ کے چہروں پر مسرت و بے یقینی ابھی تک تھی۔

''مگر تم نے تو اور یہ بڑی آپا کو تو فضہ کے لیے۔''

ناجیہ ٹھیک طرح وضاحت نہیں کر پا رہی تھی۔ خوشی اس کے بھی چہرے لہجے سے ہویدا تھی۔ وہ فوراً رباح کے قریب گئی اور اسے گلے لگایا۔

''بس ان سب کی اصلیت جاننے کے لیے مجھے ایسا کرنا پڑا۔'' رویم دل سے مسکرایا۔

''میں..... میں ٹھیک کہتا تھا نا، یہ تمہاری ملازم نہیں لگتی۔ مجھ سے اتنی محبت میری اتنی دیکھ بھال کسی اور رشتے اور محبت میں ایسا کرتی ہے۔ ادھر آؤ بیٹا میرے پاس آؤ تم نے مجھ سے کیوں چھپایا، میں آج تک تمہیں اپنی لگنے کے باوجود غیر سمجھتا رہا۔ تم پہلی بار میرے پاس آئیں اور میں تمہیں کچھ نہ دے سکا، اب تک خالی ہاتھ رہیں۔''

شریح خان سے اپنے جذبات چھپائے نہیں چھپ رہے تھے۔ بے انتہا خوشی ہو رہی تھی۔ وہ اٹھ کر ان کے سینے سے آ لگی۔ ان کی محبتیں سمیٹنے لگی۔

☆☆☆

سب لوگ کشمکش کی کیفیت میں ہال میں جمع تھے گو کہ ناجیہ نے نہایت سرسری انداز میں صرف اتنا کہا تھا کہ ''بابا جان گھر کے تمام افراد سے ہال میں ملنا چاہتے ہیں۔'' پھر ایک ہلچل مچ گئی، سب کی سوچیں اپنے اپنے اندازوں میں الجھی ہوئی تھیں۔ بڑی آپا تو اپنی طرف سے فضہ اور رویم کا رشتہ پکا کر چکی تھیں۔ رویم نہایت سنجیدہ موڈ و انداز میں اندر داخل ہوا۔ پیچھے شریح خان بھی تھے، سب نشستوں پر براجمان تھے۔ وہ بھی مناسب جگہ دیکھ کر بیٹھ گئے۔ بڑی آپا سے صبر نہیں ہو رہا تھا ان کے بیٹھتے ہی بولیں۔

''بھائی! کوئی خاص وجہ تھی جو ہمیں یہاں بلوایا ہے۔''

''آپ سب کو بابا جان نے نہیں میں نے بلوایا ہے۔ وجہ ابھی معلوم ہو جاتی ہے۔''

رویم کا لہجہ سرد تھا، سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، جیسے اس سے اس لہجے کی امید نہ تھی۔ اس وقت ملازم لڑکے کے ساتھ باسط نقوی آ گئے۔ ان کے پیچھے رویم نے دیکھا اس کی دونوں بڑی بہنیں اپنے شوہروں کے ساتھ داخل ہو رہی تھیں۔ رویم نے الجھ کر باپ کو دیکھا کیونکہ

انہیں اس نے اطلاع نہیں دی تھی۔ رباح ان کی پذیرائی کو آگے بڑھی، وہ ان کے قریب آ گئے۔ رویم بھی اٹھ کر ان سے ملا۔ بہنیں ناجیہ کے قریب جا بیٹھیں۔ رباح رویم کی الجھن سمجھ رہی تھی۔ اس کے قریب آ بیٹھی۔ آج اسے کوئی ڈر کوئی خوف نہیں تھا۔ سب کی حیران چبھتی نگاہیں اس پر تھیں اسے بالکل پروا نہیں تھی۔

''زیادہ الجھنے کی ضرورت نہیں ہے انہیں میں نے پہلے ہی بلوا رکھا تھا۔'' رباح نے دھیمے لہجے میں بتایا تو وہ مطمئن ہو گیا اور باسط نقوی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ سب بیٹھ چکے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہیں تو وہ نہایت ٹھہرے ہوئے انداز میں بولنا شروع ہوا۔

''آپ سب کو یہاں یہ بتانے کے لیے بلوایا گیا ہے کہ آپ نے اتنا عرصہ جو یہاں اپنی زندگی بھلا کر گزارا ہے۔ اب آپ سب کو اختیار ہے، اپنی زندگی، اپنی دنیا میں لوٹ جائیں۔ اب آپ سب آزاد ہیں۔''

''کیا..... کیا؟'' سب کی پھٹی پھٹی آنکھیں ابل پڑنے کو تھیں۔

''بھائی صاحب! یہ کیا..... کیا کہہ رہا ہے لڑکا۔'' انکل زبیر نے سب کی ترجمانی کی۔

''انکل زبیر! میں کچھ غلط نہیں کہہ رہا آپ سب نے بابا جان کا بہت ساتھ دیا، ان کو تنہا اکیلا سمجھ کر اتنا ساتھ دیا ہے کہ واقعی میں حیران ہوں۔ اس دور میں بھی رشتے دار بنا کسی غرض و لالچ کے اتنے مخلص ہوتے ہیں۔ مگر اب دیکھیں نا میں آ گیا ہوں۔ بابا جان بھی اب تنہا نہیں رہے، آپ لوگوں کو حق ہے کہ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں زندگی گزاریں۔ دوسرے لفظوں میں اب بابا جان کو آپ سب کی ضرورت نہیں رہی۔''

''سن لیا، میں تو پہلے ہی کہتا تھا بیٹے کے ملتے ہی بھائی صاحب کی نظریں بدل گئی ہیں۔ ہم سے حساب کتاب ہونے لگا تھا۔ یہ صلہ دیا ہے ہماری عمر بھر کی خدمت کا۔'' انکل زبیر بھڑک اٹھے۔ باقی سب بھی اپنی اپنی بولنے لگے۔

''ہم نے ساری زندگی ان کی چاکری میں گزار دی، ان کا گھر سنبھالا۔ آؤ بھگت میں لگے رہے اور آج..... آج سننے کو مل رہا ہے ضرورت نہیں رہی۔'' انکل عمیر بھی اپنے بھائی سے کم نہ تھے۔

''آپ لوگوں کی ہی عقل پر دے پڑے ہوئے تھے۔ اپنا خون، اپنا خون، ایک ہی بات تھی آپ سب کے پاس، مجھے پہلے ہی علم تھا، یہی انجام ہونا ہے آپ سب کا، اسی لیے تو کہتا تھا اپنے

بارے میں سوچیے۔"

شعیب چوٹ کھائے سانپ کی طرح تلملا رہا تھا۔ آخر اس کامل اونر بننے کا منصوبہ خاک میں مل گیا تھا۔ وہ رویم کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ رویم بھی ایک ایک شخص کے تاثرات دیکھ رہا تھا انہیں سن رہا تھا۔ شریح خان کی نظروں سے بھی آج سارے پردے ہٹ گئے تھے۔ جب سب تقریباً اسی قسم کے لفظوں اور باتوں سے اظہار کر چکے تو رویم اپنی جگہ سے اٹھا اور تقریباً وسط میں کھڑا ہو گیا۔

"آپ سب اگر اپنی بھڑاس نکال چکے ہوں تو اب میری بھی سنیے۔ آپ سب کو صلہ چاہیے اپنی خدمتوں، محبتوں کا اپنے خلوص کا تو بتائیے بابا جان نے کہاں کمی کی ہے، آپ سب پر اعتماد نہیں کیا، اپنا سب کچھ آپ کو نہیں سونپا۔ صرف کس لیے، اس لیے کہ وہ آپ سب پر اندھا اعتماد کرتے تھے اور آپ سب نے جواب میں کیا دیا۔ بولیے کیا دیا، دھوکا، فریب، کیا یہی محبت ہے آپ سب کی، یہی خلوص ہے، خون کا رشتہ ہے جس کا ڈھونڈورا آپ سب پیٹتے رہے ہیں۔"

سب کے چہروں کے رنگ متغیر ہو گئے تھے۔ انہوں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک دن انہیں اس طرح جوابدہ ہونا پڑے گا۔ رویم ابھی خاموش نہیں ہوا تھا۔ سانس لینے کو رکا تھا۔

"انکل عمیر! آپ ابھی کہہ رہے تھے ناں کہ ساری عمر نوکری میں گزار دی، خدمت کرتے رہے تو بتائیے یہ لگژری فلیٹ کی تعمیر اسی نوکری کی بدولت نہیں ہوئی۔"

وہ واپسی اپنی نشست پر آیا۔ بریف کیس سے عمیر خان کے نام لگژری فلیٹ کے کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ نکال کر تقریباً ان کے قریب پھینکی۔ ان کے چہرے کا رنگ ایک دم اڑ گیا تھا۔ اس نے بیٹھ کر بریف کیس سامنے میز پر کھول کر رکھا۔

"اور یہ..... یہ شعیب کے نام مل کے جعلی کاغذات، یہ اسی ایمانداری کا ثبوت ہے نا۔" اس نے کاغذات ان کے سامنے رکھے۔ وہ بھی ان انکشافات پر متعجب تھے۔

"انکل زبیر! آپ سے حساب کتاب ہونے لگا تھا، کیوں؟ یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ پائل بائی کو بخشے ہوئے گھر کا نظام چلانے کے لیے آپ مل اور اس کے خرچے اور مسائل پیش کرتے ہیں۔ بے۔ بنیاد مسائل کہاں گیا وہ اتنا پیسہ صرف ایک پائل بائی کے لیے آپ نے اپنے بھائی سے جتنی ایمانداری برتی ہے اس کا میں نہ صرف گواہ ہوں بلکہ میرے پاس ثبوت بھی ہے۔ اس سے پہلے کتنی تھیں یہ آپ جانتے ہوں گے یا اللہ۔"

پائل بائی کا نام تو چھوٹی چچی پر بجلی بن کر گرا۔ وہ انکل زبیر پر جیسے جھپٹ پڑیں۔

"یہ گل کھلاتے رہے ساری زندگی اور مجھے یہاں لا کر سڑا چھوڑا۔ یہ نالائق اولادیں میرے سر منڈھ دیں اس عمر میں بھی شرم نہیں آئی، جوان بیٹیوں کے باپ ہو کر بھی یہ لچھن رہے۔"

وہ آخر بے بس ہو کر رونے لگیں۔ کسی نے بیچ میں پڑنے کی کوشش نہیں کی۔ سب کو اس وقت اپنا اپنا نامہ اعمال سننے کی پڑی تھی۔ بڑی آپا اور ان کے شوہر بھی پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ لوٹ مار میں تو سب ہی برابر کے شریک تھے۔

"میں جانتا ہوں، دولت چیز ہی ایسی ہے۔ اس کی خاطر بھائی بھائی کو قتل کر دیتا ہے۔ کچھ لوگوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی رشتہ کوئی تعلق نہیں ہوتا آپ لوگوں نے بھی لوٹ مار کی ہے یا مال مفت سمجھ کر ہضم کرنے کی کوشش کی ہے تو کوئی ایسی بڑی بات نہیں مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ آپ سب نے اپنے اپنے مفاد کی خاطر ایک زندگی تباہ کر ڈالی۔ آپ سب جانتے تھے، ناجیہ آپی کو ان کا بیٹا، آپ دونوں کا بھانجا زیاد خان طلاق دے چکا ہے۔ پھر بھی پھر بھی پردہ ڈالے رکھا۔"

بڑی آپا کو جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو وہ اپنی جگہ پر اچھل گئیں۔ بے اعتمادی ان کی آنکھوں اور متغیر چہرے سے ہویدا تھی۔ یہ راز تو وہ بڑی رازداری سے چھپائے ہوئے تھیں۔ رویم بول رہا تھا اور ان کے دل کی دھڑکن کبھی تیز ہو رہی تھی اور کبھی مدھم۔

"دس سال پورے دس سال ناجیہ آپی عالم سزا میں رہی ہیں اور آپ سب ان کی بے بسی کا فائدہ اٹھا کر اپنے اپنے مفاد حاصل کرتے رہے، کسی کو بھی انہیں دیکھ کر یہ احساس نہیں ہوا کہ اگر آپ کی اپنی کوئی بیٹی ناجیہ آپی کی جگہ ہوتی تو پھر بڑی آپا! میری بہن کی زندگی جہنم بنانے میں آپ سرفہرست ہیں، پھر بھی آپ کا منصوبہ ہے کہ میں آپ کی بیٹی سے شادی کر لوں اس کے بعد یہ سارا خان پیلس اور کاروبار آپ کے ہاتھ میں آ جائے۔ شکر کیجیے بڑی آپا میرے سینے میں آپ جیسا دل نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میں آپ کی بیٹی سے ضرور شادی کرتا مگر وہ شادی، شادی نہیں میرا انتقام ہوتا۔ میں بھی اپنی بہن کی اذیتوں کا بدلہ آپ کی بیٹی سے لے سکتا تھا۔ لیکن میرا دل میرا ضمیر ایسا نہیں کر سکتا، ایسا نہیں سوچتا، میری تربیت مجھے ایسا کرنے ہی نہیں دیتی، یہ سب بھی میرے لیے میری، بہنوں کی طرح مقدم ہیں۔" رویم کی نظریں دور بیٹھی حواس باختہ لڑکیوں پر پڑیں۔ وہ شاید ماں باپ کی اس درجہ سازشوں سے بے خبر تھیں اسی لیے ان کے چہروں پر بے کلی و اضطراب تھا۔

''میرے پاس تمام ثبوت وشواہد موجود ہیں اگر میں چاہتا تو قانون کا سہارا لے سکتا تھا مگر بابا جان کا خیال کر کے اب صرف اتنا ہی کہوں گا کہ آپ لوگ یہاں سے خاموشی سے چلے جایئے۔ جو کچھ بھی آپ لے چکے ہیں، جو کچھ بھی آپ ہمارے ساتھ کر چکے ہیں، ہم بھلا دیں گے، آپ سب بھی آج کے بعد یہ بھلا دیجیے گا کہ خان پیلس کے کسی مکین سے آپ کا کوئی رشتہ وابستہ رہا ہے، ورنہ پھر مجھے دوسری راہ اختیار کرنا ہوگی، پھر میں کسی کا بھی لحاظ نہیں کروں گا۔''

سب گم صم حالت میں بیٹھے تھے، نجانے کیا احساس تھا جو وہ چپ بیٹھے تھے۔ البتہ شعیب اب تک تلملا رہا تھا، پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ جب اس سے برداشت نہیں ہوا تو رویم کے مقابل آ گیا۔

''تم جو ہمیں آئینہ دکھا رہے ہو پہلے اپنے گریبان میں تو جھانکو۔ تمہاری رگوں میں بھی کسی زاہد و عابد کا خون نہیں ہے۔ جن رستوں پر تم نے ہمیں دیکھا ہے، اس رستے پر پہلے تمہارا باپ چلا تھا۔''

شعیب نے تمام ادب وآداب بالائے طاق رکھ دیئے تھے۔ رویم نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔ وہ کسی دست درازی کے بغیر انہیں یہاں سے نکالنا چاہتا تھا۔ اس کو ضبط کرتا دیکھ کر شعیب کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اور تم خود کب ہم سے کم ہو۔ ہم نے تو جو کچھ بھی کیا گھر سے باہر کیا کسی گندگی کو گھر میں نہیں آنے دیا تھا مگر تم تو گھر میں ہی کھیل رچائے رہے۔ اپنی رکھیل کو اپنی ملازمہ بنا کر۔

رویم بہت برداشت کے باوجود اپنا ہاتھ نہیں روک سکا۔ ایک زناٹے دار تھپڑ شعیب کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔

''شٹ اپ، خبردار جو آئندہ تم نے اپنی گندی زبان سے میری بیوی کے لیے کوئی گھٹیا لفظ استعمال کیا ہو ورنہ..... ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔'' شریح خان بیٹے کو سنبھالنے آ گئے۔ لفظ ''بیوی'' گویا بم کی طرح سب پر پھٹا۔ رباح بھی اس کو پکڑنے آ گئی۔

''کیا کر رہے ہو ریمی! پلیز کول ڈاؤن، آرام سے بات کرو۔'' شعیب کو بھی نعمان وغیرہ نے آ کر پکڑ رکھا تھا۔ شریح خان نے آخر لب کشائی کی۔

''عمیر بھائی جو ہوا سو ہوا، اب بہتر یہی ہوگا کہ آپ لوگ کل صبح تک یہاں سے چلے جائیں ورنہ پھر دوسرا بندوبست کرنا ہوگا۔''

شریح خان کے سرد وسپاٹ لہجے اور لفظوں نے انہیں حالات کی سنگینی کی پوری طرح آگاہی دے دی۔ شعیب کو نعمان وغیرہ زبردستی باہر لے گئے۔ نعمان پلٹ کر رویم کے پاس آ گیا۔ معذرتی انداز میں نہایت شرمندگی سے بولا۔

''میں اس سب کا مداوا تو نہیں کر سکتا جو تم سب کے ساتھ ہوا ہے پھر بھی میں معافی چاہتا ہوں۔ تم بھی یقیناً اپنے دل میں کوئی بات نہیں رکھو گے۔ ہر کوئی اپنی ذہنیت کے مطابق بات کرتا ہے، ہمارے بڑوں نے بھی اپنی ذہنیت کے مطابق عمل کیے ہیں اور اپنی اولادوں کو بھی ایسی ہی تربیت دی ہے جو ان کے اثر میں نہیں ہے اب وہ بھی ان کے کیے کی سزا بھگتیں گے۔ تم فکر نہ کرو کل صبح تک ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔''

رویم جانتا تھا۔ نعمان ان سب سے مختلف ہے۔ اس نے رویم کا کندھا تھپتھپا کر فیصلہ کن انداز میں سب کی طرف دیکھا اور رویم کو یقین دلایا۔ پھر وہ وہاں رکا نہیں ہال سے باہر چلا گیا۔ سب بڑبڑاتے الجھتے ایک کے بعد ایک ہال سے نکل گئے۔ شریح خان اس وقت خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے، برسوں کا بوجھ آج دل سے اتر گیا تھا۔ بیٹی کے لیے ان کے دل میں پیار کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ وہ بیٹا جس کو انہوں نے زندگی کے چھبیس سال تک اپنے وجود اپنی محبت سے محروم رکھا، وہی بیٹا ان کے سارے غم مٹانے کا موجب بن گیا تھا انہوں نے فرط جذبات میں آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا کر بھینچا۔ دونوں بہنیں رباح کو بھابھی کے روپ میں دیکھ کر متعجب و خوش تھیں۔ باسط نقوی نے انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''میرے لیے اب کیا حکم ہے۔'' باسط نقوی کی آواز نے رویم کو باپ کی بانہوں سے جدا کیا۔ وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آ گیا خواتین ادھر ہی رہ گئیں۔

''نقوی صاحب! سب سے پہلے تو آپ کو یہ کرنا ہوگا کہ ان لوگوں سے متعلق ہم سے وابستہ اداروں کو یہ نوٹس بھیج دیجیے کہ ان لوگوں کے ذریعے اب کسی قسم کی ڈیلنگ نہیں ہوگی۔ تمام معاملات براہ راست میں خود طے کروں گی۔ تمام نیوز پیپرز میں بھی نوٹس آ جانے چاہئیں۔ ان لوگوں کے پھیلائے ہوئے کسی قسم کے جال کو کاٹنے کے لیے ضروری ہے کہ قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ میں سمجھتا ہوں اتنا سب کچھ لے لینے کے بعد بھی یہ آرام سے بیٹھنے والے لوگ نہیں ہیں، کسی نہ کسی طرح پر پھیلانے کی کوشش کریں گے۔ ان کی مزید کسی سازش سے بچنے کے لیے کوئی بندوبست لازمی ہونا چاہیے۔ مزید تفصیلات سے تو میں آپ کو پہلے ہی آگاہ کر چکا ہوں، پھر بھی کوئی بات ہو تو

آپ مجھ سے کنٹیکٹ کر سکتے ہیں۔''

''انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ آپ بے فکر رہیں۔'' باسط نقوی جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تب ہی رباح اندر داخل ہوئی۔

''کھانا کھائے بنا تو آپ نہیں جا سکتے۔ نقوی صاحب کھانا لگ گیا ہے۔ میں سب کو بلانے ہی آئی ہوں۔ آیئے بابا جان! پھر آپ کی دوا کا وقت بھی ہونے والا ہے۔''

اس نے ہاتھ پکڑ کر شریح خان کو اٹھایا۔ رویم بھی نقوی صاحب اور اپنے بہنوئیوں کے ساتھ پہلے ہی نکل گیا تھا۔

''بیٹی! مجھے بھوک نہیں ہے۔ مجھے میرے کمرے میں لے چلو۔''

رباح نے حیران ہو کر دیکھا۔ ''کیوں؟ بابا جان! رویم نے کوئی غلط فیصلہ تو نہیں کیا، پھر آپ.....''

''نہیں..... نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ رویم نے بالکل درست فیصلہ کیا ہے۔ اس وقت ناجیہ والے معاملے نے مجھے شدید صدمہ نہ پہنچایا ہوتا تو یقیناً میں نے بھی یہی کرنا تھا جو آج میرے بیٹے نے کیا ہے۔ بلکہ شاید میں..... میں تو انہیں کوئی رعایت بھی نہیں دیتا۔ رویم نے تو بہت ظرف سے کام لیا ہے۔ بس بیٹی! ناجیہ کا سامنا کرنے کا مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔ میری وجہ سے اس نے بڑی سزا کاٹی ہے۔ کاش میں اتنا بے بس نہ ہوا ہوتا۔ میرا رب مجھے معاف کرے۔''

وہ ایک بار پھر آبدیدہ ہو گئے۔ ناجیہ کا دکھ ان کے سینے پر بوجھ کی مانند قائم تھا۔ رباح نے انہیں تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

''بابا جان! ناجیہ آپی اچھی طرح سمجھتی ہیں کہ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ اب ناجیہ آپی ہماری ذمہ داری ہیں۔ انشاء اللہ ہم ان کے لیے کوئی مناسب رشتہ دیکھیں گے۔ اللہ سب ٹھیک کرے گا۔ چلیں اب سب انتظار کر رہے ہوں گے اور ریمی، رویم تو مجھے ضرور ڈانٹیں گے۔''

وہ انہیں لے کر ڈائننگ ہال میں آ گئی۔

اگلی صبح خان پیلس میں امن و آشتی کا پیغام لے کر طلوع ہوئی۔ وہ تمام لوگ صبح اجالوں سے پہلے ہی اپنے کالے اعمال لے کر اندھیروں میں ہی نکل گئے تھے۔ نعمان نے انہیں باور کرا دیا تھا کہ اب ان کی کوئی چال انہیں ہی قانون کے جال میں پھنسا دے گی۔ انہیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ

مزید کسی چالبازی پر وہ ایسے شکنجے میں جکڑے جائیں گے جس کی گرفت سے نجات تا عمر مشکل ہو گی۔ اسی لیے مصلحتوں کی چادر اوڑھ کر نکل جانا ہی بہتر تھا۔ خان پیلس کے اصل مکینوں کے دلوں میں عرصے بعد سکون سا اتر گیا۔ تھکی ہوئی زندگی کو کچھ قرار آیا۔ بوجھل ماحول ایک عرصہ کی جدوجہد اور ان گنت قربانیوں کے بعد آخر ہلکا پھلکا ہو ہی گیا۔

صبح جب معمول کے مطابق رباح رویم کے کمرے میں چائے لے کر آئی تو وہ اس کے اٹھانے سے پہلے ہی جاگ رہا تھا اور کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ رباح نے کپ پر چمچ بجا کر اسے چونکایا۔ ''صبح بخیر، چائے حاضر ہے سر۔''

''وہ لوگ۔'' رویم نے بیٹھتے ہوئے تکیہ کمر کے پیچھے لگایا۔

''اللہ کا شکر ہے چلے گئے ہیں۔ تم آج خود کیسے اٹھ گئے۔ اینی پرابلم۔'' رباح نے چائے بنا کر کپ اس کی طرف بڑھایا۔

''پرابلمز تو ابھی بہت ساری ہیں جانو۔''

''اب کیا پرابلمز ہیں۔ بابا جان بھی مطمئن ہیں۔ ناجیہ آپی بھی نارمل ہو گئی ہیں اور بقایا معاملات بھی درست ہو گئے ہیں۔ پھر باقی کیا رہ جاتا ہے۔'' رباح اپنا کپ لے کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''سب سے پہلی پرابلم تو یہ ہے کہ میرا اپنا بزنس وہاں نجانے کیسے چل رہا ہے۔ نانو آخر کب تک سنبھالیں گی اور دوسری پرابلم ادھر بابا جان کا آفس، ملز وغیرہ۔ میں اکیلا کیسے سب دیکھوں پھر ناجیہ آپی کا مسئلہ۔ بابا جان ان کی وجہ سے۔ کافی ڈس ہارٹ ہو رہے ہیں اور سب سے بڑی بات نانو! تم جانتی ہو نا، نانو نے کس طرح ماما اور مجھے اسٹینڈ کیا، مجھے خود اپنی شناخت بننا سکھایا۔ اب اس عمر میں انہیں ہماری ضرورت ہے اور ہم یہاں پڑے ہیں۔'' رباح نے اس سے کپ پکڑ کر اپنا اور اس کا کپ میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''اگر میں تمہاری ساری پرابلمز سولو کر دوں تو کیا انعام دو گے؟'' رباح نے اپنا ہاتھ اس کے آگے پھیلایا۔ جواب میں رویم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''یہ سارے کا سارا رویم خان۔'' رویم نے شرارت سے دیکھا۔

''یہ تو تقریباً دس ماہ پہلے ہی سارا کا سارا میرا ہو چکا ہے۔ کوئی نئی بات کرو ورنہ.....'' وہ اس کی شرارت کا نوٹس لیے بغیر اٹھنے لگی تو رویم نے جھٹکا دے کر دوبارہ بٹھایا۔

''ہو تم اول نمبر کی موقع پرست۔ بولو کیا چاہیے۔'' اس کے جھٹکا دینے پر غصے سے دیکھا۔ بازو میں کھنچاؤ کی وجہ سے کوفت ہو رہی تھی۔

''کچھ نہیں چاہیے مجھے۔ مانگ کے لینا مجھے ویسے بھی پسند نہیں ہے۔'' اس نے مصنوعی خفگی دکھائی۔

''تم جانتی ہو تمہاری خفگی میں افورڈ نہیں کر سکتا۔ دیکھو اگر میں کچھ غلط کہہ گیا ہوں تو آئی ایم رئیلی سوری، پلیز۔'' رویم واقعی پریشان ہو گیا۔ اس کی پریشان صورت اور جڑے ہاتھ دیکھ کر وہ بے اختیار ہنس دی۔

''او..... یو ایکٹرس۔ تم ضرور کسی دن مجھ سے دو چار ہاتھ کھاؤ گی۔ ذرا سی دیر میں پریشان کر کے رکھ دیا۔ پہلے میں کم پریشان ہوں۔''

''تمہیں تو عادت ہے ایسے ہی پریشان ہونے کی۔ اب تمہاری پریشانیوں کے اتنے آسان سے حل تو ہیں مگر تم عقل سے کام لو تو۔'' رباح نے شریر نظروں سے دیکھا لیکن اس وقت واقعی وہ اپنی پریشانیوں میں الجھا ہوا تھا۔ اس کی شرارت پر جواب نہیں دے سکا۔ بلکہ بے تابی سے پوچھا۔

''تو تم ہی کچھ بتاؤ۔''

''سب سے پہلی بات تو یہ ہے۔ بابا جان کو صرف اس وقت ہی نہیں آئندہ بھی تمہاری ضرورت ہر حال میں رہے گی۔ تمہیں اب ان کا سہارا بننا چاہیے۔ اتنی بڑی جائیداد، کاروبار اور بے شمار دولت کے باوجود انہیں ایک بیٹے کی اشد ضرورت ہے اور ریی! تمہیں باپ کی، ان کی شفقتوں، محبتوں، دعاؤں کی۔ کیا تم کبھی اپنی اولاد سے الگ رہنے کا تصور کر سکتے ہو یا یہ چاہ سکتے ہو کہ تمہاری اولاد عمر کے آخری دور میں تمہیں بے سہارا چھوڑ جائے۔ ایسا کرنے کے نتائج تو تم نے دیکھ لیے ہیں۔''

''میں نے انہیں نہیں چھوڑا تھا۔'' ریی ابھی بھی الجھن میں تھا۔

''بہر حال..... تم ان حقیقتوں سے فرار حاصل نہیں کر سکتے۔''

''مگر ریی! نانو ان کا بھی سوچو۔ نانو کا مجھ پر بہت حق ہے۔ میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا، نہ رہ سکتا ہوں۔'' رویم نے بے چینی سے کہا۔

''مجھے احساس ہے۔ مگر یہ نانو کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے جو تم یہاں ہو۔ اگر ہم کوشش کریں تو نانو کو یہاں لا سکتے ہیں، اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ وہ پچھلی کدورتوں کو ہماری محبت

پر فوقیت دیں گی۔ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہیں۔ یقیناً وہ تمہاری محبت میں یہاں تک آ جائیں گی۔ رہا تمہارا بزنس، تمہارے آفس کا معاملہ تو میں اس کا بندوبست کر کے آئی تھی۔ میں نے ایک کوالیفائیڈ انسان کو اپائنٹ کیا تھا۔ ان کی کارکردگی بھی تمہاری توقع کے مطابق ہے۔ میں ساری رپورٹس لیتی رہی ہوں۔ نانو بھی خاصی مطمئن ہیں۔ میری ان سے فون پر بات رہی ہے۔'' رویم حیران نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم..... تم نے اپائنٹمنٹ کیا ہے۔ تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔'' رویم کے لہجے میں کچھ بے یقینی بھی تھی۔ اسے کسی اچھے کی امید نہیں تھی۔

''کیا بتاتی تم خود اتنے مصروف تھے یہاں اور تم مشکوک کیوں ہو رہے ہو، وہ کوئی ایسی شخصیت نہیں، قابل اعتماد ہیں۔ مجھے پورا بھروسہ ہے اور پھر تم بھی ان سے واقف ہوں۔''

''مم..... میں واقف ہوں۔ کون ہیں وہ؟''

''میرے انکل شہیر آفریدی۔''

''او..... تھینک گاڈ۔'' رویم نے شکر کیا اور لمبی سانس کھینچی۔ ''میں تو دل میں ''انا للہ'' پڑھ چکا تھا۔ مجھے یقین تھا سب کچھ چوپٹ ہو چکا ہوگا اب تک مگر شکر ہے تم نے عقل سے کام لیا۔''

''تو کیا میں پہلے بے عقلوں والے کام کرتی رہی ہوں بولو۔'' وہ غصے سے اس پر چڑھ دوڑی۔

''یہ فیصلہ پھر کبھی ہوگا۔ پہلے یہ بتاؤ، انکل شہیر آئے کب اور وہ ان کی ''بدیسی حور'' کیا وہ بھی۔'' رویم نے اس کے وار ہاتھوں پر روکے۔

''نہیں..... اس بار وہ یہاں مستقل طور پر آ گئے ہیں۔ لیزا آنٹی نے ڈائیورس لے لی تھی۔ انکل کافی ڈس ہارٹ ہیں۔ پاپا نے بھی اچھی خاصی کھنچائی کی۔ یہاں سیٹل ہونے کے بارے میں کہہ رہے تھے۔ میں نے کہا۔ یہاں بزنس کرنے کے لیے آپ کو پہلے ایکسپیرینس چاہیے۔ وہ آپ ریی کے آفس کو جوائن کر کے حاصل کریں۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔ تھوڑی پس و پیش کے بعد مان گئے تھے۔ اب بتاؤ، کہاں رہی ہیں تمہاری پرابلمز۔'' رباح نے مسکراہٹ اس کی طرف پھینکی۔

''میں آخر صحیح کہتا تھا نا تم بڑی ''چیز'' ہو۔ بتاؤ کیا انعام دوں، کیا چاہیے؟'' رویم نے اسے پیار سے چھیڑا۔ آنکھوں میں محبت کا طوفان موجزن تھا۔

''تم نے کیا دینا ہے، ہمیشہ سے باتوں پر ٹرخا دیتے ہو۔''

''ہائے مانگو تو سہی۔ اپنی جان بھی دے دوں گا۔'' رویم نے بڑی ادا سے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''زیادہ رومینٹک ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا یہ ڈائیلاگ بہت پرانا ہو گیا ہے۔''

''کیا..... کیا؟ میں ڈائیلاگ بول رہا ہوں۔ بے وقوف بیوی، میں دل سے کہہ رہا ہوں۔ آزما کر دیکھ لو۔'' رویم نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''بی سیریس ریمی! تمہارا رومانس بے موقع ہے۔ ابھی سوچو ناجیہ آپی کا مسئلہ درمیان میں ہے۔ ویسے اس کا حل بھی میرے پاس ہے۔ اگر تمہیں پسند ہو تو۔''

''اب تمہاری ہر بات قبول ہے۔ تمہاری ہر بات پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانے کو جی چاہ رہا ہے۔'' رویم واقعی آنکھیں بند کر کے اس کے زانو پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔

''ریمی! میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔ آرام سے اٹھ کر میری بات سنو پوری سنجیدگی اور تحمل سے۔ میری بات تمہیں غصہ بھی دلا سکتی ہے۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر ریمی سیدھا ہو کر سامنے بیٹھ گیا۔

''بولو کیا حل ہے ناجیہ آپی کے بارے میں۔''

''شہیر انکل کو تو تم جانتے ہو نا، ان سے ملے بھی ہو۔ ویل لکنگ اور ہینڈسم ہیں۔ ناجیہ آپی سے ان کا چار پانچ سال کا ہی فرق ہو گا۔''

رویم کی عجیب سی نظروں کا تاثر اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ بوکھلا کر فوراً بولی۔

''یہ..... یہ صرف میرا اپنا خیال تھا۔ ضروری نہیں ہے کہ تم بھی متفق ہو جاؤ۔ مسئلہ تو تم سب کی پسند کا ہے۔'' آخر میں اس کی آواز پست ہو گئی۔ ''انکل میں سوائے اس کے کوئی خامی نہیں تھی کہ انہوں نے میم سے شادی کر لی تھی۔''

رویم اس کی سوچ، اس کے خیال پر خوشی سے جھوم اٹھا۔ اتنی گہرائی اور خلوص سے وہ اس کے گھر والوں کے لیے سوچتی تھی۔ رباح کی محبت اس کے دل میں دو چند ہو گئی۔ اسے بانہوں میں جکڑ کر اپنی خوشی کا اظہار کر ڈالا۔

''آئی ایم ایگری وِد یو، پاگل لڑکی! تم مجھے اسی طرح ساری زندگی حیران کرتی رہو گی۔''

''تھینک یو! میں جانتی تھی تم ایگری ہو جاؤ گے، اب چھوڑو مجھے میں نے نیچے جا کر بابا جان

کے لیے ناشتہ بنانا ہے اور تمہیں بھی آفس جانا ہو گا۔''

وہ بستر سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ ''ربی انکل شہیر کو کون منائے گا؟''

وہ بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

''ان کو تو میں ایسے منا لوں گی۔'' رباح نے چٹکی بجائی۔

''بس تم بابا جان اور آپی سے بات کر لو اور پھر میری سیٹ کنفرم کرا دو میں آج ہی نانو کے پاس جاؤں گی۔''

''یار! پھر جدائی دے جاؤ گی۔'' رویم نے ٹھنڈی آہ بھری وہ بڑا مطمئن ہو گیا تھا۔

''کچھ لوگوں کے ملن کے لیے اپنی وقتی جدائی بہت ضروری ہے۔ تم بس فوراً تیار ہو کر نیچے آؤ۔'' وہ برتن سمیٹ کر چلی گئی۔

ناشتے کی میز پر رویم نے باپ سے شہیر آفریدی کے پرپوزل کے بارے میں بات کی اور نانو کو یہاں لانے کے متعلق بھی کہا۔ شریح خان کچھ لمحے کے لیے تو گنگ ہو گئے۔ ان سے اپنی خوشی کا اظہار ہو نہیں پا رہا تھا۔ رباح کے دوبارہ استفسار پر وہ مسرت سے گویا ہوئے۔

''تم لوگ جو فیصلہ کرو گے وہ ٹھیک ہی ہو گا۔ بیٹا تمہاری ہر بات ہر فیصلہ مجھے دل و جان سے قبول ہے۔ میں..... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پروردگار اس طرح میرے زخموں کا مداوا کرے گا۔ تم دونوں تو مجھے انعام کی صورت ملے ہو۔'' وہ فرطِ مسرت سے آبدیدہ ہو گئے۔ ان کی خوشی کا اظہار ان کے ہر عمل سے ظاہر ہونے لگا۔ رباح کے جانے کا سن کر انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا۔

''ہم سب انہیں لینے جائیں گے، میں جانتا ہوں۔ وہ میری ساری خطائیں معاف کر کے میرا بھرم رکھ لیں گی۔ رویم بیٹا تم آج ہی سب کی سیٹس بک کرا لو، اچھے عمل اور نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔''

چار افراد کا قافلہ جب نانو کے آنگن میں اترا تو انہوں نے واقعی بڑی خندہ پیشانی سے اور اعلیٰ ظرف کا ثبوت دیتے ہوئے شریح خان اور ناجیہ کو گلے لگایا۔ رباح اور رویم تو تھے ہی ان کے اپنے، نورِ نظر، ان کے دل کا چین، وہ بھلا ان کی بات رد کر سکتی تھیں۔

ان کی خوشی ٹھکرا سکتی تھیں۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی تھیں ان کے لیے تو وہ جی رہی تھیں۔ اپنی زندگی ان کے لیے تو وقف کر دی تھی۔

یہی حال شہیر آفندی کا تھا۔ رباح کی بات تو کوئی رد کر ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنے سارے گھر

کی لاڈلی تھی۔ شہیر آفریدی تو اسے بیٹیوں کی طرح چاہتے تھے۔ اس کی خوشی انہیں مقدم تھی۔ اس کا فیصلہ دل سے قبول تھا۔

ویسے بھی انہیں مصنوعی فضاؤں میں رہ کر اپنی زمین، اپنی مٹی اور اپنے لوگوں کی قدر ہو گئی تھی مزید کچھ کرنے کی ان میں تاب نہیں تھی۔ سر جھکا کر مطمئن ہو گئے تھے۔

شریح خان کو بھی بہو کا فیصلہ نہ صرف منظور تھا بلکہ شہیر آفریدی سے مل کر وہ اس پر جلدی عمل پیرا بھی ہونا چاہتے تھے۔

انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک ذرا سی خلش اور احساس ندامت کے بعد انہیں اتنا عمدہ صلہ مل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر بھر کی خطاؤں گناہوں کو معاف کر کے انہیں اجر و انعام دینا شروع کر دیا ہے۔ وہ تو پچھتاووں میں گھیرے تھے۔ مایوسیوں کے اتھاہ سمندر میں غرق ہو چکے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے خون کی کشش اور محبت بھری لہریں انہیں ساحل پر لے آئی تھیں اور کئی انمول موتی بھی ان کے دامن میں سمٹ آئے تھے۔

ایک طویل گہری سیاہ رات گزارنے کے صبر آزما انتظار کے بعد آخر روشن صبح نے ان کے در پر دستک دے ہی دی تھی۔

☆.....☆.....☆

چلچلاتی دھوپ میں وہ دونوں کب سے بس سٹاپ پر کھڑی تھیں مگر بس ویگن تو کیا دور دور تک کسی رکشہ یا ٹیکسی کا بھی نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہما سبرینہ کو کوس رہی تھی جو اس گرمی میں اسے اس گھر سے نکال لائی تھی۔

''دو گھڑی اور میرے گھر میں ٹک کر بیٹھ جاتیں تو کیا جاتا، ابو آفس سے آ جاتے تو چھوڑ آتے ہم دونوں کو۔''

''اب مجھے کیا پتا تھا کہ شہر کی ساری ٹرانسپورٹ کے لیے آج ہی پٹرول ختم ہو جائے گا۔ یہاں تو ویسے بھی عوام الناس کو تنگ کرنے کے بہانے ڈھونڈے جاتے ہیں۔ سب کے سب کرپٹ ہیں۔''

سبرینہ خود بھی جلی بھنی ہوئی تھی۔ آج اس کی نوکری کا پہلا دن تھا جو کہ خاصا مایوس گزرا تھا۔ باس آفس نہیں آیا تھا اس لیے منیجر نے دو گھنٹے بعد ہی اسے چھٹی دے دی تھی جس پر وہ حیرت زدہ

رہنے کے ساتھ ساتھ الجھ بھی گئی تھی۔

''تم اس کرپشن کو ختم نہیں کر سکتیں اس لیے اپنی ناتواں جان پر رحم کھاؤ، صرف یہ فکر کرو کہ گھر کیسے جائیں گے؟ آؤ واپس ہمارے گھر چلتے ہیں۔'' ہما سے مزید گرمی میں کھڑے رہنا دشوار ہو گیا تھا۔ اس لیے اسے مشورہ بھی جھنجلاتے ہوئے دیا تھا اور واپسی کی پیش کش بھی لٹھ مار انداز میں کی تھی۔

سبرینہ نے اسے دیکھا اور نظریں دوبارہ پر امید انداز میں سڑک پر دوڑائیں۔

''آدھا میل چل کر گھر تک جانے سے بہتر ہے ہم یہیں کھڑے رہیں۔ ڈونٹ وری ابھی کوئی رکشہ آ جائے گا۔'' سبرینہ نے ہما سے زیادہ جیسے خود کو تسلی دی۔

''آخر تم اپنی گاڑی لے کر کیوں نہیں نکلی تھیں؟'' ہما نے دسویں بار پھر استفسار کیا تو سبرینہ نے اس بار تو اس کی کم عقلی پر جھلاتے ہوئے جواب دے ہی دیا۔

''بی بی میں جاب کرنے نکلی ہوں، انجوائے کرنے نہیں۔ حقائق کو سمجھنے اور جاننے کے لیے پہلے خود کو آزمانا پڑتا ہے اور پھر دوسروں کو انڈر اسٹینڈ۔ اب پلیز اپنی بک بک بند کر دو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

''تم سے تو گھر چل کر نمٹ.....'' ہما کی بات حلق میں ہی رہ گئی کیونکہ ایک گاڑی زبردست جھٹکے کے ساتھ ان کے قریب آ کر رکی تھی۔ لمحہ بھر کو تو دونوں ہی سراسیمہ ہو کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ گاڑی سے سوبرسی خاتون اتر کر ان کی طرف بڑھ آئی تھی۔

''بچیو! لگتا ہے کنوینس کے لیے کھڑی ہو؟'' ایک خاتون نے خاصی شفقت سے استفسار کیا تو ہما کی تو فوراً بتیسی نکل آئی۔

''جی..... جی ہاں..... کب سے کھڑے ہیں مگر.....؟'' ہما نے سبرینہ کی تنبیہ کرتی نگاہوں کی پروا نہ کی۔

''آؤ کہاں چلنا ہے۔ ہم ڈراپ کر دیں گے۔'' وہی خاتون پیش کش کرنے لگیں۔ پھر انہیں رضامند دیکھ کر وہ اپنی گاڑی کی طرف مڑ کر فرنٹ ونڈو پر جھک کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص کو کچھ کہنے لگیں۔ جبکہ سبرینہ کو ہما پر غصہ آ رہا تھا۔

.....انتظار نہیں کر سکتی ہو؟ ابھی آ جائے گی کوئی ٹیکسی وغیرہ۔'' غصے کے باوجود سبرینہ نے اپنی آواز نیچی رکھی۔

''تمہاری اس ذرا سی دیر میں میرا سارا تیل نکل جائے گا اور وہ کسی گاڑی میں ڈالنے کے کام بھی نہیں آئے گا۔ دیکھو پلیز کوئی نخرہ نہیں دکھانا۔ مجھے تو دور دور تک گھر پہنچنے کے امکان نظر نہیں آ رہے۔ بس یہ سمجھ لو اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کو ان خواتین کو بھیج دیا ہے پلیز۔''

ہما کی منت اسے بھی قائل کر گئی۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ مزید اس گرمی کو برداشت کرنا اس کے بھی بس سے باہر تھا۔ وہ اپنی بحث سے نکلیں تو گاڑی کے اندر سے آتی آواز اسے پھر غصہ دلا گئی۔ گاڑی والا شاید انہیں ڈراپ کرنے پر تیار نہیں تھا۔

''ایک تو آنٹی میں آپ کی اس مفت کی ہمدردی والی عادت سے سخت پریشان ہوں، آپ ہر راہ چلتے کو پکڑ کے بٹھا لیتی ہیں آئندہ میں آپ دونوں کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا، جہاں جانا ہو ڈرائیور کے ساتھ جایا کریں۔ میں یہ افورڈ نہیں کر سکتا۔'' سخت جھنجھلاہٹ اور بیزاری کے عالم میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا جا رہا تھا جبکہ وہ شفیق خاتون اسے سمجھا بجھا رہی تھیں۔

''شریف لڑکیاں ہیں سٹاپ پر کھڑی ہیں۔ اسٹرائیک کی وجہ سے نجانے کب سواری ملے، مجھے تو مناسب نہیں لگ رہا اور نہ ہی میرا دل مان رہا ہے کہ بچیوں کو اس طرح تن تنہا چھوڑ جاؤں۔''

''تو نکلی کیوں تھیں تن تنہا گھر سے؟ سارے جہاں کا درد آپ کے جگر میں ہے، اب بٹھائیے بھی یا.....؟'' وہ بمشکل چپ ہوا تھا۔

ہما نے ڈرتے ڈرتے سبرینہ سے نگاہیں ملائیں جو اسے گھورتے ہوئے ہاتھ بھی دکھا رہی تھی کہ ''خبر لوں گی۔''

''یار غصہ تھوک دو ضرورت کے وقت تو گدھے کو بھی باپ بنا لیا جاتا ہے۔ پلیز اب تم نہ اڑ جانا خدا کے لیے۔'' ہما نے منت بھری سرگوشی کرتے ہوئے اپنے چہرے سے ٹپ ٹپ ٹپکتے پسینے کو دوپٹے سے پونچھا تو سبرینہ کو بھی اس پر ترس آ گیا۔ ویسے بھی گھر تک جانے کے لیے یہی سہارا غنیمت تھا ورنہ وہ پیدل چلنے کی عادی کہاں تھی۔ ہما کے کھینچنے پر اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔

ایک خاتون فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور دوسری ان کے ساتھ۔ دونوں ہی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی شخصیت سے کبیدہ خاطر تھیں۔ اس لیے دونوں نے ہی اس پر توجہ نہ دی۔ البتہ دونوں خواتین اپنے بھتیجے کی بداخلاقی پر اس کے سامنے ہی معذرت خواہ تھیں۔

''دراصل اسے کچھ جلدی ہے اس لیے یہ ایسا بی ہیو کر رہا ہے، اس کی باتوں کا برا نہ ماننا ہمارا بھتیجا دل کا بہت اچھا ہے۔'' بھتیجے کے تاثرات کا تو اسے اندازہ نہ تھا البتہ وہ خود اندر ہی اندر پیچ

تاب کھا رہی تھی۔

''ہونہہ..... انسان دل کا اچھا ہو تو زبان کا بھی اچھا ہونا چاہیے۔ ال مینرڈ، ڈفر۔''

سبرینہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے اخلاقیات پر ایک لیکچر پلا دیتی۔ مجبوراً چپ کر کے بیٹھی رہی یا پھر دونوں خواتین کے سوالوں کے جواب دیتی رہی جو سبرینہ میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہی تھیں بلکہ ساتھ بیٹھی اسی مشفق خاتون نے تو زبردستی سبرینہ کو اپنا کارڈ بھی تھما دیا تھا۔ جسے سبرینہ نے بڑی بے دلی سے اپنے بیگ میں ٹھونسا اور پھر اپنے گھر کے آگے گاڑی رکوا کر دونوں شکریہ ادا کر کے اتر گئیں۔

☆☆☆

سبرینہ کو نت نئے تجربات کرنے کا شوق ہی نہیں جنون سا تھا۔ اپنے شوق کی تسکین کے لیے وہ کئی نوکریاں کر چکی تھی۔ گھر میں سب سے چھوٹی تھی اس لیے اس کے لاڈ بھی زیادہ ہی اٹھائے جاتے تھے اور وہ سب کی محبتوں کا فائدہ بھی خوب اٹھاتی تھی۔ خصوصاً جب سے دونوں بھائی باہر سیٹل ہوئے تھے اور بڑی بہن بھی بیاہ کر پردیس سدھار گئی تھی تب سے تو اس کے مما پاپا اسے زیادہ ہی خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ ان کے شعور میں یہ بات پختہ تھی کہ یہ بھی ان کے پاس مہمان ہے۔ آخر شادی کے بعد وہ بھی ان سے دور ہو جاتی۔ اس لیے اس کی من مانی برداشت کی جاتی تھی۔ حالانکہ پرسنل سیکرٹری ٹائپ کی نوکریاں اس کے شایان شان نہیں تھیں۔ اس کے پاپا کا اپنا بزنس تھا، کافی جائیداد تھی لیکن وہی اس کا شوق۔

آج وہ ایس۔ ایم گروپ آف انڈسٹریز کے ایم۔ ڈی کی پرسنل سیکرٹری کی حیثیت سے اپائنمنٹ ہو کر گئی تھی۔ مگر پھر وہاں کا ماحول دیکھ کر خاصی بددل ہوئی تھی۔ اور پھر صرف دو گھنٹے بعد منیجر نے اسے چھٹی دے دی تھی۔

دوسرے دن وہ اپنا ناشتہ گول کر کے آفس جلدی پہنچنے کی کوشش کرتے کرتے بھی تھوڑی لیٹ ہو گئی۔ اپنی سیٹ پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ باس کا بلاوا اس کے لیے آ چکا ہے۔ سو وہ فوراً ہی لیٹر پیڈ اور پین لے کر اپنی خود اعتمادی بحال کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''کم آن سر؟'' سبرینہ نے مہذب انداز میں اجازت طلب کی۔ یہ کوئی پہلا تجربہ نہیں تھا اس لیے وہ سنبھل گئی تھی۔

''یس کم ان۔'' مردانہ بھاری آواز میں اجازت دی گئی۔

''گڈ مارننگ سر!'' سبرینہ کے شگفتہ اور مترنم آواز پر مقابل نے فوراً ہی سر اٹھا کر اسے دیکھا، ایک لمحہ کے لیے تو ایس۔ ایم گروپ آف انڈسٹریز کے ایم۔ ڈی شہریار محسن خان کی نگاہ پلٹنا ہی بھول گئی تھی لیکن پھر اگلے ہی پل اپنی حیثیت اور ماحول کا خیال آ گیا۔ اس لیے فوراً ہی اس نے سرسری سے انداز میں جواب دیتے ہوئے بیٹھنے کی پیش کش کی۔

''تھینک یو سر!'' سبرینہ بھی سامنے بیٹھنے کے بعد لیٹر پیڈ اور پین سنبھال کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ کافی دیر تک شہریار مصنوعی مصروفیت دکھانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر جب سبرینہ نے اسے متوجہ کیا تو وہ یکدم ہی اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔ سبرینہ کو نجانے کیوں اس کا انداز کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ پہلے تو وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہ تھا اور اب جب اس کی طرف متوجہ ہوا تھا تو لیٹر ڈکٹیٹ کراتے ہوئے بھی مسلسل اسے گھورے جا رہا تھا۔ جس پر سبرینہ کچھ الجھن محسوس کر رہی تھی۔

''سر اور کوئی کام تو نہیں ہے۔'' وہ لیٹر ڈکٹیٹ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کام..... کام تو بہت سے ہیں لیکن اس وقت کام وام کو چھوڑیے آج آپ کا میرے ساتھ پہلا دن ہے بتائیے کیا پسند کریں گی؟ چائے یا کافی؟'' سبرینہ کو اس کا ذومعنی انداز کھٹک رہا تھا اس لیے اس کے مزید کچھ کہنے سے پہلے قدرے مروت اور خوبصورتی سے جواب دیا۔

''نو تھینکس سر! مجھے ابھی دونوں کی ہی طلب نہیں ہے۔''

''مس سبرینہ آپ میری پرسنل سیکرٹری ہیں اور اس جاب کی ڈیمانڈ تو آپ کے علم میں ہوں گی ہی اس جاب کی سب سے پہلی ڈیمانڈ اپنے باس کی خوشی اور اس کے موڈ کے مطابق چلنا ہے۔ یہاں کام کرتے ہوئے آپ کو ان اصولوں پر چلنا ہوگا..... او کے؟'' شہریار نے اپنے تئیں اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ سبرینہ نے نظریں اٹھا کر اسے سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کام کے سلسلے میں آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

''گڈ..... ویری گڈ مجھے تم سے یہی توقع ہے، کم آن سیٹ ڈاؤن ہیئر۔'' کہنے کے ساتھ ہی شہریار خان نے انٹر کام پر کافی اور سٹینڈوچز کا آرڈر دیا۔

''او کے سر میں چلتی ہوں، جب کوئی کام ہوگا تو آپ مجھے بلا لیجیے گا۔'' سبرینہ نے مڑنے سے پہلے کہا۔

شہریار کی نگاہ بار بار اس کے چہرے پر بھٹک رہی تھیں اس لیے وہ کچھ الجھن میں تھی ورنہ

اس کے ساتھ چائے پینے میں کوئی قباحت تو نہیں تھی۔

''میرے ساتھ بیٹھ کر کافی پینے سے زیادہ ضروری کام اور کیا ہوگا بلکہ آپ کو اپائنمنٹ ہی اس کام کے لیے کیا گیا ہے کہ آپ میرے ساتھ کافی پئیں، لنچ کریں، ڈنر پر چلیں اس سے زیادہ کام لینا آپ جیسی خوبصورت لڑکی کے ساتھ زیادتی ہوگی۔'' شہریار خان کے شوخ و بے باک لہجے پر اس کا دل تو چاہا تھا کہ آگے بڑھ کر اس کے منہ پر طمانچہ مار دے مگر وہ خود کو تماشا نہیں بنوانا چاہتی تھی۔ تمتماتے چہرے اور تلخ لہجے میں اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

''آئی تھنک سر مجھے اپائنٹ کرنے کا آپ کا فیصلہ غلط ہے۔ میں یہاں کام کرنے آئی تھی تفریح کرنے یا کسی کا دل بہلانے نہیں آئی تھی۔ میں ابھی ریزائن کر رہی ہوں آپ کسی اور کو رکھ لیجیے گا۔'' غم و غصے کی تیز لہر نے اس کے دل و دماغ کو جھنجھنا کے رکھ دیا تھا۔ اس لیے ایک لمحے میں اس نے فیصلہ کر لیا۔

''سیٹ..... سیٹ..... سیٹ پلیز ون منٹ، میری بات سنیں مس سبرینہ۔'' شہریار کے چہرے پر فوراً ہی سنجیدگی در آئی۔ سبرینہ نے مڑ کر اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''مس سبرینہ میں آپ کا ٹیسٹ لے رہا تھا۔''

''کیا مطلب؟'' سبرینہ نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''ایکچوئلی آپ کو اپائنٹ میری غیر موجودگی میں کیا گیا تھا۔ شاید آپ کے نالج میں ہو کسی فرم کے ایم۔ ڈی کی پرسنل سیکرٹری بن کر آنے والی لڑکیاں ایسی ہی توقعات لے کر آتی ہیں کہ وہ اپنے کام سے زیادہ اپنے حسن سے اپنے باس کو امپریس کرتی ہیں جبکہ مجھے اپنے حسن سے امپریس کرنے والی سیکرٹری نہیں چاہیے تھی۔ میں صرف اور صرف کام کو اہمیت دیتا ہوں۔ اس لیے میں آپ کو پرکھ رہا تھا۔'' شہریار کا لہجہ یکدم ہی بدلا۔ سبرینہ نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔

''بلیو می..... آپ ریزائن مت کریں یہ سیٹ صرف آپ کے لیے ہی ہے۔'' شہریار کے یقین دلاتے لہجے نے سبرینہ کے ذہن و دل پر چھائے غصے کو قدرے دور کر دیا تھا۔ وہ کچھ کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈنے لگی۔

''میں ویسی لڑکیوں میں سے نہیں ہوں، ڈونٹ وری سر میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ کام کے سلسلے میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

''اٹس او کے، اب آپ اپنی سیٹ پر جا سکتی ہیں۔'' شہریار نے مہربان مسکراہٹ اچھالی۔

اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتی تیز خوشبو کے جھونکے کے ساتھ ایک الٹرا ماڈرن فیشن زدہ وجود اندر داخل ہوا اور اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ سبرینہ کو دیکھ کر آنے والی کے ہونٹ سیٹی نما آواز کے ساتھ وا ہوئے۔

''واؤ.....'' شہریار فوراً ہی اپنی سیٹ چھوڑ کر آنے والی کے استقبال کے لیے بڑھا۔ سبرینہ نے اپنے پیچھے اس کے ریمارکس سنے۔

''شیری یہ بیوٹی کوئین یہاں کیا کر رہی ہے؟''

''بیوٹی کوئین! او آئی سی میری نئی سیکرٹری ہے۔'' لاپرواہی سے جواب دیا گیا تھا۔ جس پر سبرینہ کا ذہن کچھ صاف تو ہوا تھا مگر اس کے آفس میں آنے والی اس فیشن ماڈل کو دیکھ کر اسے شہریار محسن کی تربیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔

شہریار محسن نے غلط کہا تھا کہ وہ کام کو اہمیت دیتا ہے۔ وہ صرف اور صرف حسن کو سراہتا تھا۔ اس نے اپنی سیکرٹری کے لیے یہی شرط رکھی تھی کہ وہ خوبصورت ہو اسی لیے بغیر انٹرویو کے سبرینہ جمال کا سلیکشن ہوا تھا۔ خوبصورتی اس کی کمزوری تھی اس لیے ہر روز ایک خوبصورت چہرہ اس کے پہلو میں نظر آتا تھا۔ اور کیوں نظر نہ آتا وہ ایس۔ ایم گروپ آف انڈسٹریز کا اکلوتا وارث تھا۔ جسے اپنے فیصلے خود کرنے کا اختیار بھی فراخدلی سے دیا گیا تھا۔

سبرینہ نے یہاں کام کرنے کے لیے خود آمادہ تو کر لیا تھا مگر اسے خود پر قابو پانے کے لیے کافی ضبط و برداشت سے بھی کام لینا پڑا تھا۔ شہریار نے بظاہر تو پھر آئندہ اپنے بے باک رویے کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح کام کے بہانے ہی سبرینہ کو اپنے شیشے میں اتارنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ ہر لڑکی پگھلتی ہے کوئی جلدی اور کوئی دیر سے۔ سبرینہ کے لیے اسے بہت صبر سے کام لینا تھا جو کہ وہ لے رہا تھا۔ سبرینہ اس کے لیے چیلنج بن گئی تھی اور یہ چیلنج اسے ہر حال میں جیتنا تھا۔

☆☆☆

''شیری تم سنجیدگی سے میری بات سن سکتے ہو۔'' آج زہرا آنٹی کا موڈ کافی بگڑا ہوا تھا۔ خود پر پرفیوم کی بوچھاڑ کرتے ہوئے اس نے قدرے حیرت سے مڑ کر انہیں دیکھا۔

''کیا بات ہے؟ آنٹی آج مزاج کچھ گرم لگ رہا ہے۔'' وہ پرفیوم کی شیشی رکھ کے ان کی طرف بڑھا وہ اس کے کمرے کے وسط میں کھڑی کافی سنجیدہ لگ رہی تھیں۔

''تمہیں میرے مزاج کی کیا پروا، تم اپنے آپ میں مگن رہو، من مانیاں کرو۔ محسن بھائی کے سامنے شرمندگی تو مجھے ہی اٹھانی پڑے گی ناں۔'' ان کے لہجے میں مزید خفگی گھل گئی۔

''ڈیڈ سے کس بات کی شرمندگی؟ ہوا کیا ہے آخر؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بن گیا۔ حالانکہ جانتا تھا کہ اس کی روٹین آنٹی زہرا یعنی اس کی چچی کو پسند نہیں ہے۔

آنٹی زہرا جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں۔ ان کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی، اس لیے انہوں نے ہمیشہ شہریار کو سگی اولاد سے بڑھ کر چاہا تھا اور جب سے سیمیں یعنی اس کی مما کی ڈیتھ ہوئی تھی تب سے تو اس کی ساری ذمہ داریاں بھی انہوں نے اپنے ذمہ لے لی تھیں۔ شیری بھی کہتا تو انہیں آنٹی تھا مگر ماں کی طرح چاہتا بھی تھا اس لیے ان کے بگڑے موڈ نے اسے کچھ بے چین کر دیا تھا۔

''اتنے انجان مت بنو تمہیں معلوم ہے ناں محسن بھائی اب تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں مگر تم اس بارے میں سنجیدگی سے نہ بات کرتے ہو اور نہ ہی سوچتے ہو۔''

''شادی؟ افوہ یہ ٹاپک ابھی رہنے ہی دیں۔ آنٹی آخر آپ اور ڈیڈ میری خوشیوں کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟'' وہ قدرے جھنجھلا کر دوبارہ اپنی ڈریسنگ ٹیبل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ہم تمہاری خوشیوں کے پیچھے پڑے ہیں یا تم خود؟ شیری زندگی اس طرح نہیں گزرتی جس طرح تم گزار رہے ہو۔ آخر تمہیں شادی تو کرنی ہے ناں۔'' پہلے تو وہ غصے میں بھڑک اٹھیں مگر پھر فوراً ہی اسے تحمل سے سمجھانے لگیں۔

''کر لوں گا..... شادی بھی کر لوں گا آنٹی مگر اس وقت مجھے بور نہیں کریں۔ مجھے میری ایک اہم میٹنگ ہے اور آپ مجھے شادی پر آمادہ کر رہی ہیں۔''

''تمہاری یہ میٹنگز میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ بہر حال میں تمہیں محسن بھائی کا فیصلہ سنا چکی ہوں۔ اگر تمہاری اپنی کوئی پسند ہے تو ہمیں بتا دینا ورنہ پھر ہم اپنی مرضی کریں گے۔''

''یہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ زندگی میری ہے اور مرضی آپ لوگوں کی چلے گی۔ اٹس ناٹ فیئر آنٹی۔'' وہ بوکھلا کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''ہم تو فیئر ہیں بیٹا! پہلے تمہاری پسند پوچھیں گے پھر اپنی مرضی کریں گے۔ او شاید تمہیں دیر ہو رہی ہے۔'' آنٹی معنی خیز شرارت سے دیکھتی ہوئیں اس کے کمرے سے نکل گئیں اور وہ جھنجھلاتا ہوا ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

ابھی تک اس نے شادی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں تھا۔ زندگی اس کے لیے

انجوائے منٹ سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ خوبصورت لڑکیوں کے ساتھ دوستیاں رکھنا۔ ان کے ساتھ وقت گزارنا۔ ان سے تحفے تحائف لینا، دینا۔ اسے اچھا لگتا تھا مگر ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی زندگی گزارنے کے بارے میں اس نے بھی سوچا نہیں تھا۔ اسے اندازہ تھا اس کے ڈیڈ اس بار بزنس ٹور سے واپس آتے ہی اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کی حتیٰ الامکان کوشش کریں گے سو وہ اب سنجیدگی سے غور کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ وابستہ رہنے والی لڑکیوں میں سے کون اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ لائف شیئر کی جا سکے۔ مگر کوئی لڑکی بھی اس کے دل میں سما نہیں سکی تھی۔ سبھی کی کشش وقتی معلوم ہوئی تھی۔ ایک کے بارے میں سوچتا تو ذہن دوسری کی طرف چلا جاتا تھا۔ کسی کی مسکراہٹ دل موہ لیتی، کسی کی ادائیں گدگدانے لگتیں کسی کی بولڈنیس نشے کی مانند چھانے لگتی مگر یہ سب وقتی اثرات تھے جس سے وہ کچھ دیر بعد ہی نکل آتا تھا۔

وہ عجیب مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔ ایک مشکل اس نے خود مول لی تھی۔ سبرینہ جمال جو کسی بھی طرح اسے اپنی ایک مسکراہٹ تک عنایت نہیں کرتی تھی جبکہ وہ اسے مکمل طور پر اپنے شیشے میں اتارنا چاہتا تھا۔ مگر وہ اس کی دسترس سے بہت دور تھی۔

☆☆☆

''ارے تم.....؟ یہاں کیوں کھڑی ہو؟ آؤ میں ڈراپ کر دوں۔'' گاڑی کے ٹائر اس کے قریب چرچرائے تھے تو وہ یکدم خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی اور پھر سنبھلتے ہوئے جیسے ہی گاڑی میں بیٹھی شخصیت پر نگاہ ڈالی اس کے چہرے پر ناگواری کی لہریں اٹھنے لگیں۔

آج اس شخص کی وجہ سے اسے آفس سے نکلنے میں دیر ہوئی تھی۔ شہریار نے اسے ضروری کام میں الجھا رکھا تھا۔ لگتا تھا آج ہی وہ تمام فائلز نمٹانے کے موڈ میں تھا۔ وہ جب آفس سے نکلی تو کافی اندھیرا ہو چکا تھا۔ اس کی تمام کولیگز کو آفس کی وین لے کر جا چکی تھی اسی لیے اسے مجبوراً سٹاپ پر آ کر کھڑا ہونا پڑا تھا اور پھر کچھ دیر بعد ہی شہریار کی گاڑی اس کے قریب آ رکی تھی۔

شہریار کی دوبارہ پیش کش پر وہ ناگواری کے باوجود قدرے تحمل سے گویا ہوئی۔

''تھینکیو سر! ابھی کوئی سواری مل جائے گی۔''

''وہ تو ظاہر ہے کہ مل جائے گی لیکن اگر میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا تو اٹس موسٹ بٹیر ایوری تھنگ۔'' شہریار نے اسے اپنی مخصوص نظروں سے دیکھا۔

سبرینہ اس کے اس طرح دیکھنے سے بھی نالاں رہتی تھی۔ اسے شہریار کی نگاہ میں اپنے لیے

عجیب سی چمک نظر آتی تھی۔ جسے وہ سمجھتی بھی تھی لیکن نظر انداز کرنے پر مجبور تھی۔ شہریار کی بے باک فطرت نے اسے کئی بار ریزائن کرنے پر اکسایا تھا مگر وہ کیا کرتی اپائنٹمنٹ لیتے ہوئے وہ کم از کم ایک سال تک جاب نہ چھوڑنے کا ایگریمنٹ بھی سائن کر چکی تھی۔ ابھی تو دو ماہ بھی پورے نہیں ہوئے تھے جبکہ اس کی ممی بھی اس کے مشغلے سے تنگ آ کر اس سے کچھ کچھ ناراض رہنے لگی تھیں۔ انہیں سبرینہ کا اس طرح دفتروں میں خوار ہونا پسند نہیں تھا۔

''تھینکیو اگین سر پلیز آپ زحمت نہ کریں میرا گھر زیادہ دور نہیں ہے میں خود چلی جاؤں گی۔'' سبرینہ نے کہنے کے ساتھ ہی پیدل چلنا شروع کر دیا۔ مقصد تو اس سے جان چھڑانا تھا۔ وہ شہریار کے بارے میں جتنی کہانیاں سن چکی تھی انہیں سننے کے بعد بلکہ ان پر یقین کرنے کے بعد بھی اس وقت اس کے ساتھ جانا حماقت ہی تھی۔

شہریار کچھ لمحے سوچتا رہا اور پھر کندھے اچکا کر گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ اس کے وہاں سے نکلتے ہی سبرینہ نے سکون کی سانس لی۔ کچھ قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ ایک اور گاڑی نے اس کے قریب رک کر اسے متوجہ کیا۔ جھنجھلاہٹ و غصہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا لیکن پھر گاڑی سے برآمد ہونے والی ہستی کو دیکھ کر فوراً کافور بھی ہو گیا۔

''تم یہاں اس وقت کیا کر رہی ہو بیٹا؟'' حیرت بھرا استفسار تھا۔ سبرینہ اس مشفق خاتون کو دیکھ کر مطمئن ہو گئی۔

''وہ بس آنٹی آج آفس میں دیر ہو گئی۔ سٹاف کی وین بھی جا چکی تھی اس لیے میں رکشے وغیرہ کے انتظار میں کھڑی ہوں۔''

''اچھا آؤ میں تمہیں چھوڑ دیتی ہوں۔'' انہوں نے پھر پیش کش کی۔ سبرینہ کچھ متذبذب تھی۔ اسے ان کے بھتیجے کی باتیں بھی یاد آ گئی تھیں۔ اس لیے اس نے فوراً ہی معذرت پیش کی۔

''تھینک یو آنٹی میں چلی جاؤں گی آپ تکلیف نہ کریں۔''

''ارے تکلیف کیسی ڈونٹ وری آج میرا بھتیجا نہیں ہے میرے ساتھ..... کم آن۔'' وہ زبردستی ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی کے قریب لے کر گئیں۔

''معلوم ہے تم سے دوبارہ ملنے کے لیے میں نے کتنی دعائیں کی ہیں۔'' سبرینہ نے انہیں حیرت سے دیکھا۔ وہ ڈرائیور کو آگے بڑھنے کا اشارہ دے کر پھر سے بات کرنے لگی تھیں۔

''اس دن میں نے تو تمہیں اپنا کارڈ دے دیا تھا مگر تم سے تمہارا فون نمبر تک نہیں پوچھا اور تم

نے بھی مجھے فون تک نہیں کیا۔ حالانکہ میرا خیال تھا کہ تم اگلے دِن ہی فون کر کے میرا شکریہ ادا کرو گی۔'' سبرینہ نے خجالت کے مارے سر جھکا لیا پھر اس اثر سے نکلنے کے لیے معذرت کرنے لگی۔

''سوری آنٹی واقعی مجھ سے غلطی ہوگئی۔ ایکچولی مجھے ان دنوں نئی نئی جاب ملی تھی۔ جاب میں ایسی مصروف ہوئی کہ پھر کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔''

''ارے تم جاب کرتی ہو؟ کیوں بھئی شوقیہ کرتی ہو یا پھر؟'' ان کی دلچسپی سبرینہ میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔

''بس آنٹی شوقیہ ہی، ممی تو ناراض بھی ہوتی ہیں مجھے ہی ایڈونچرز کا خبط رہتا ہے۔''

''ہاں آج کل سبھی بچوں کا یہی حال ہے ماؤں کی کب سنتے ہیں۔''

وہ خاتون بہت اپنائیت برت رہی تھی سبرینہ کو وہ پہلی ملاقات میں ہی اچھی لگی تھیں اور اب اور وہ امپریس ہوگئی تھی۔ ایسے ہمدرد لوگ کہیں کہیں ہی قسمت سے نظر آتے تھے۔

''نہیں..... نہیں آنٹی میں اپنی ممی کی اچھی بچی ہوں۔ حسب وعدہ یہ میری آخری جاب ہے پھر میں ان کی مرضی کے مطابق ہی چلوں گی۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' باتوں کے دوران راستہ کٹنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ سبرینہ نے اپنے گھر کے سامنے گاڑی رکواتے ہوئے انہیں بھی اندر گھر میں چلنے کی پیش کش کی۔

''سوری بیٹا ابھی تو مجھے دیر ہو رہی ہے۔ پھر کسی دن آؤں گی۔ اب تو میں نے گھر دیکھ لیا ہے تم بھی کسی دن ہمارے گھر آؤ بلکہ ایسا کرو کل شام کی چائے میرے ساتھ پیو میں انتظار کروں گی۔'' انہوں نے فوراً ہی پروگرام مرتب کیا۔

''آنٹی کل نہیں پلیز..... آپ انتظار مت کرنا۔ آفس میں کل کچھ زیادہ کام ہے اس لیے میں آ نہیں سکوں گی۔''

''کوئی بہانہ نہیں اگر تم مجھے اپنی دوست سمجھتی ہو تو کل آنا پڑے گا۔ پھر بہت سی باتیں ہوں گی۔ گھر والوں سے پرمیشن کا مسئلہ ہے تو میں فون پر تمہاری ممی سے اجازت لے لوں گی۔'' انہوں نے اس کی جھجھک کو اس انداز میں لیا۔

''گھر والوں کی اجازت کی بات نہیں ہے۔ ایکچوئلی آفس سے نکلنے کا مسئلہ ہے۔ میں کوشش کروں گی اگر میں نہ آسکی تو فون کر دوں گی اوکے۔'' سبرینہ ان کی پرخلوص پیش کش کو ٹھکرا نہیں سکی۔

☆☆☆

''شیری آج تم آفس سے جلدی آسکتے ہو؟'' اس کے سامنے جوس کا گلاس رکھنے کے بعد آنٹی زہرا نے اس سے استفسار کیا۔ اس وقت دونوں ناشتے کی میز پر اکٹھے تھے اور شہریار آفس جانے کے لیے تیار تھے۔

''نہیں آج تو بالکل بھی جلدی نہیں آسکتا۔ کیوں کوئی کام ہے؟'' شہریار نے جوس کا گلاس لبوں سے لگانے سے پہلے پوچھا۔

''کام ہے تو کہہ رہی ہوں جلدی آنے کے لیے۔'' وہ ذرا بگڑ کر بولیں۔

''کہیں جانا ہے تو پلیز ڈرائیور ہے ناں۔''

''کہیں نہیں جانا ہے مجھے۔ میں تمہیں کسی سے ملوانا چاہتی ہوں اور تم آج شام گھر پر موجود ہو گے انڈر سٹینڈ؟''

''پلیز آنٹی ٹرائی تو انڈر سٹینڈ میں نہیں آسکتا ناں۔ آپ کو معلوم ہے ناں تین چار روز میں ڈیڈ آرہے ہیں اور ان کے آنے سے پہلے مجھے سارے پینڈنگ کام نمٹانے ہیں۔ آپ کے جو بھی گیسٹ ہیں میں ان سے پھر کسی دن مل لوں گا۔'' وہ جوس کا گلاس ختم کر کے کھڑا ہو گیا۔ عجلت اس کے ہر انداز سے ظاہر تھی، زہرا آنٹی مزید خفا ہو گئیں۔

''میں تمہارے کسی کام وام کو نہیں جانتی، تمہیں بس آنا ہے اوکے۔'' انہوں نے حتمی انداز میں کہا۔

''اچھا بابا ناراض مت ہوں میں کوشش کروں گا لیکن پلیز آنٹی ابھی میری شادی کو بھول جائیں۔ میں ابھی شادی نہیں کروں گا۔ اگر وہ اس سلسلے کے گیسٹ ہیں تو سوری پلیز۔'' آنٹی کے اصرار سے اسے اندازہ ہی نہیں خطرہ بھی محسوس ہو رہا تھا اس لیے دوٹوک انداز میں کہتا ان کے گلے میں بازو حمائل کر کے گال رگڑ کر وہ اپنی محبت جتاتا باہر نکل گیا۔ آنٹی زہرا بس سر ہلا کر رہ گئیں۔ اس کی لاپروائیاں انہیں کھٹکنے لگی تھیں۔

☆☆☆

''سر آج مجھے ذرا جلدی گھر جانا ہے۔'' صبح سے اب ذرا اسے سانس لینے کی فرصت ملی تھی تو اسے یاد آیا کہ آج وہ چائے پر مدعو ہے۔ اسی لیے وہ فوراً ہی شہریار خان سے اجازت لینے آ گئی۔

شہریار اس کی بے وجہ آمد پر پہلے تو ٹھٹھک کر خوش گمانیوں میں گھر گیا تھا لیکن اگلے ہی پل اس کا مدعا سننے کے بعد سگریٹ کا دھواں ایک طرف چھوڑتے ہوئے استفسار کیا۔

''آپ کو کیوں جلدی گھر جانا ہے؟ معلوم ہے ناں کہ آج کتنا کام ہے؟'' شہریار کے لہجے نے اسے خواہ مخواہ تپانے کی کوشش کی تھی۔

''سر! میں نے اپنا کام ختم کرلیا ہے اور مجھے ایک بہت اہم جگہ جانا ہے۔ اس لیے میں جلدی جانا چاہتی ہوں۔''

''آپ کو جہاں ضروری جانا ہے وہاں پھر کسی دن چلی جایئے گا فی الحال آپ صدیقی صاحب (منیجر) سے کہیے کہ شوگر مل کی بیلنس شیٹ میرے پاس لے کر آئیں۔'' شہریار نے اسے اضافی کام بتایا۔

''سر لنچ ٹائم میں صدیقی صاحب بیلنس شیٹ آپ کی ٹیبل پر رکھ گئے تھے۔ شاید آپ نے غور نہیں کیا؟'' سبرینہ نے فوراً ہی اس کی مشکل حل کر دی۔ وہ اندر ہی اندر خجل سا ہو کر کاغذات کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دیکھ تو وہ پہلے ہی چکا تھا بس ذرا سبرینہ جمال کو الجھانے کا بہانہ تھا۔

''سر میں کل زیادہ ٹائم رک جاؤں گی لیکن آج مجھے جانے دیں۔ میرا انتظار ہو رہا ہوگا۔'' خلاف فطرت سبرینہ نے خاصی منت سے التجا کی تو شہریار نے چونک کر سر اٹھایا۔ آج وہ اپنی روٹین سے ہٹ کر ذرا بہتر انداز میں ڈریس اپ تھی۔ خیال سا آیا جسے اس نے فوراً زبان بھی دے دی۔

''کیا کسی کے ساتھ ڈیٹ پر جا رہی ہیں آپ؟'' اس کی بات سنتے ہی سبرینہ کا چہرہ احساس توہین سے سلگ اٹھا۔

''سر میں ایسی لڑکی نہیں ہوں یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں آپ۔''

''لیکن مس جمال آپ کے انداز اور تیاری تو کچھ اور کہہ رہی ہے۔ آپ مجھے اپنا دوست سمجھیں۔ کون خوش نصیب ہے وہ۔'' شہریار کی نگاہیں اس پر مسلسل ٹکی تھیں اور چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ۔

''سر! آپ میری انسلٹ کر رہے ہیں۔'' سبرینہ کا بس چل رہا تھا کہ ایک ہاتھ لگا کر اس کی ذہنی کثافت جھاڑ دے۔

''میں اور آپ کی انسلٹ؟ میں ایسا کیسے کرسکتا ہوں۔ میں تو آپ کو اپنا دوست سمجھتا ہوں آپ مانیں یا نہ مانیں، اسی لیے مشورہ دے رہا ہوں۔ آپ جیسی خوبصورت لڑکی انتظار کرواتی اچھی لگتی ہے۔ جو بھی ہے کرنے دیجیے انتظار۔'' سبرینہ کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھنے کے باوجود شہر

یار بے دھڑک اپنی بات کہہ رہا تھا۔

''سر آپ اپنی لمٹ کراس کر رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ میں بھی اپنی حد سے نکل آؤں۔ اس لیے میں جا رہی ہوں۔''

''افوہ یار تم تو ہر بات کا برا مان جاتی ہو، ادھر آؤ بات سنو اچھا ایسا کرتے ہیں میں خود تمہیں وہاں چھوڑ دیتا ہوں جہاں تمہیں جانا ہے۔'' سبرینہ نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔ ایک نمبر کا ڈھیٹ انسان تھا جس کی کسی بات کا اثر لیتا ہی نہیں تھا نہ ہی مقابل کے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔ پل میں بے تکلف ہو جاتا تھا اگلے پل پوری سنجیدگی سے تکلف برتنے لگتا تھا۔

''سر قصور آپ کا نہیں ہے آپ کی سوسائٹی آپ کی کلاس ہی اس قسم کی ہے اس لیے آپ کو ہر لڑکی اپنی سوسائٹی کی لڑکیوں جیسی لگتی ہے۔''

''آپ کے نزدیک لڑکیوں کا گھر سے نکلنے کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لیے آپ ہر لڑکی کو ایک ہی ٹریٹمنٹ دیتے ہیں۔ مگر سبرینہ جمال ان لڑکیوں جیسی نہیں ہے آج کے بعد یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے گا۔'' غم و غصے سے سبرینہ کی آواز اونچی ہوگئی تھی۔ دل تو چاہا تھا ایک تھپڑ اس کے گال پر چھاپ کر اس کے چودہ طبق روشن کر دے لیکن اسے اس وقت بھی اپنی پوزیشن کا خیال تھا۔ وہ کسی کو خود پر انگلی اٹھانے کا موقع ہی نہیں دے سکتی تھی اس لیے اپنے غصے کو دباتی ہوئی اس کے کمرے سے نکل کر اپنے کیبن میں چند لمحے ٹھہری۔ حواس ذرا بحال ہوئے تو وہ پھر آفس سے ہی نکل گئی تھی مگر اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئی تھی۔ اس کا ایک ایک لفظ سماعت میں دھماکہ بن کر اترا تھا۔

اس کے تمتماتے چہرے کے خدوخال میں سمٹی اپنے لیے تحقیر پہلی بار گراں محسوس ہوئی تھی۔ وہ تو لڑکیوں کے چہروں پر اپنے لیے محبت بھرے جذبات دیکھنے کا عادی تھا۔ ان کی وارفتگی ان کی اداؤں سے ہی ہویدا ہو جاتی تھیں جبکہ سبرینہ جمال نے آج تک اپنے کسی تاثر سے اسے سراہا نہیں تھا بلکہ شہریار نے اس کے چہرے پر سپاٹ سی سنجیدگی اور آنکھوں میں نفرت دیکھی تھی۔ صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہ مجبوری کے عالم میں اس کے آفس میں کام کر رہی ہے۔ اس کے احساسات یک دم کسی بھاری بوجھ تلے آ گئے تھے۔ اس کی معمولی سی ورکر اسے آئینہ دکھا کر جا چکی تھی اور وہ گم صم بیٹھا اپنی بے وقعتی پر کف افسوس ملنے کے سوا کیا کرسکتا تھا۔ بہت مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا تھا۔

سبرینہ کی ہر بات کا جواب اس کے پاس تھا اور آئندہ وہ اس سے اپنی بے عزتی کا حساب

لینے کا ارادہ بھی رکھتا تھا لیکن پھر اچانک ہی اس کی سوچوں کا رخ بدلا۔ سبرینہ جمال اپنی ہر بات سمیت اسے اپنی جگہ ٹھیک لگنے لگی تھی۔ وہ اپنے ہی افعال کو گرفت کرنے لگا تھا۔ زندگی لمحہ بھر میں رخ بدل گئی تھی اور اس تبدیلی پر اسے خود بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ احساسات کا تغیر خوشگواریت لیے اس کے رگ و پے میں سماتا چلا گیا۔

☆☆☆

''میں تو سمجھ رہی تھی تم آؤ گی نہیں۔'' زہرا آنٹی نے سبرینہ کے پہنچتے ہی اپنی بیتابی کا اظہار کیا۔ نجانے کیوں وہ سبرینہ کا شدت سے انتظار کر رہی تھیں۔

''کیسے نہ آتی آنٹی آپ نے اصرار ہی اتنا کیا تھا۔ سوری مجھے کچھ دیر ہو گئی ہے شاید اسی لیے آپ نے سوچا کہ میں آؤں گی نہیں۔'' رسمی علیک سلیک کے بعد دونوں ہی بے تکلف ہو گئی تھیں۔ زہرا آنٹی اسے اپنے ڈرائنگ روم لیے بیٹھی اپنی شدتوں کا اظہار کر رہی تھیں جس پر سبرینہ شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

اتنی اپنائیت و محبت کی توقع اسے کب تھی۔ وہ تو اس دن گاڑی میں ان کے اکیلے پن کا دکھ سن کر ہمدردی میں چلی آئی تھی۔ یہاں آ کر اسے اپنے ہمدردی والے احساسات پر شرمندگی بھی ہوئی تھی۔ آنٹی زہرا تو محبت و احترام کے لائق تھیں۔ اتنی بے لوث چاہت اس نے کب دیکھی تھی۔

''دراصل میں تنہا ہوتی ہوں ناں اس لیے جلدی مایوس ہو جاتی ہوں لیکن تمہارے معاملے میں مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔'' شفیق سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر بکھری ہوئی تھی۔

''آپ کی فیملی نہیں ہے؟ میرا مطلب ہے آپ بالکل تنہا ہوتی ہیں۔'' سبرینہ نے حیرت زدہ ہو کر استفسار کیا۔ لمحہ بھر کو اس کے ذہن سے نکل گیا تھا کہ وہ بیوہ ہیں اور اپنی دوسری ملاقات میں اسے مختصراً اپنے بارے میں بتا بھی چکی ہیں۔

''نہیں بھئی ماشاء اللہ سے میری فیملی ہے کیوں نہیں۔ بیٹوں سے بڑھ کر بھتیجا ہے میرا۔ میرے جیٹھ بھائیوں سے بڑھ کر چاہتے ہیں۔ بس کبھی کبھی تنہائی محسوس کرتی ہوں تو تم جیسی بیٹی کی کمی محسوس ہوتی ہے، سبرینہ کے لیے ان کے لہجے کے ساتھ آنکھوں میں بھی پیار سمٹ آیا۔

''تو آپ اپنے بھتیجے کی شادی کر دیں پھر دیکھیے گا آپ کی تنہائی ختم ہو جائے گی۔'' سبرینہ نے چٹکی بجانے میں ان کا مسئلہ حل کیا۔

''ہاں میں نے بھی یہی سوچا ہے مگر ابھی وہ مانتا نہیں۔ اس کے ڈیڈی آ جائیں پھر ہی کچھ ہو سکتا ہے۔ ہماری باتوں میں چائے ٹھنڈی ہو جائے گی، چلو شروع ہو جاؤ۔'' ملازمہ چائے کی ٹرالی ان کے سامنے کچھ دیر پہلے رکھ کر گئی تھی۔ اس لیے انہوں نے فوراً چائے کی طرف توجہ مبذول کی۔

''تم نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' کیک کی پلیٹ اس کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے پھر دلچسپی سے استفسار کیا۔

''میرے بارے میں ایسا کچھ خاص نہیں ہے۔ جیسی ہوں آپ کے سامنے ہوں۔ آپ میری ممی سے ملیں گی ناں تو وہی آپ کو میرے بارے میں صحیح طرح بتائیں گی کہ میں انہیں کتنا تنگ کرتی ہوں۔''

''تمہاری ممی سے تو مجھے ضرور ملنا ہے۔'' انہوں نے ذومعنی لہجے میں کہا۔

''موسٹ ویلکم آنٹی! پتا ہے ممی آپ سے بھی میری یہی شکایت کریں گی کہ میں ہر دو ماہ بعد نئی نئی جابز کرتی ہوں حالانکہ میں ان سے کہہ چکی ہوں یہ میری آخری جاب ہے۔ پھر بھی ہر روز ہم دونوں میں اس بات پر بحث ہوتی ہے۔ وہ تو پاپا میرے حامی ہیں ورنہ ممی تو مجھے گھر سے اکیلے باہر جانے ہی نہ دیں۔''

سبرینہ یکدم ہی بے تکلف ہو کر باتیں کرنے لگی تھی۔ معصومیت اور بھولپن کی جو چھاپ اس کے چہرے پر تھی انہوں نے اب سے پہلے کسی لڑکی میں نہیں دیکھی تھی۔

''تم جیسی پیاری بیٹی کو گھر سے اکیلے نکلنا بھی نہیں چاہیے۔ زمانے کا چلن خراب ہے بیٹا۔''

''آنٹی وہ تو میں مانتی ہوں لیکن میں اپنی حفاظت کر سکتی ہوں اور اچھے برے کو بھی پہچانتی ہوں۔ اسی لیے تو گزشتہ ڈیڑھ سال میں پانچ چھ جگہ جاب کر چکی ہوں۔ مجھے سبھی لوگ اچھے ملے ہیں بس یہ باس ہی کچھ ٹیڑھا ہے۔ اس کو بھی ایک منٹ میں میں سیدھا کر سکتی ہوں لیکن کیا فائدہ فضول کی خواری ہو گی۔'' چپس کھاتے ہوئے پہلے تو وہ سنجیدگی سے بولتی رہی پھر یکدم ہی اس کے چہرے کا زاویہ بدل گیا۔ اپنے باس کا ذکر کرتے ہوئے وہ بے مزا ہو گئیں۔ آنٹی زہرا پوری دلچسپی سے اسے سن رہی تھیں۔

''لگتا ہے بہت تنگ ہوا اپنے باس سے؟''

''ایسی ویسی..... بہت زیادہ۔ عجیب شخص ہے۔ فضول اور بدتمیز بلکہ ایک نمبر کا فلرٹی ہے۔ ہر لڑکی کو سمجھتا ہے کہ اس کے لیے ہے۔ ایک اس شخص نے سارے آفس کا ماحول خراب کر رکھا

ہے۔تم باہر جو کچھ بھی کرتے پھرو کم از کم چکنے چہروں کو آفس کے اندر تو نہیں لانا چاہیے۔گھنٹوں تک فون بزی رہتا ہے۔ڈنر، لنچ کے لیے ایک دن میں چار چار جگہ پر ریزرویشن ہوتی ہے۔مائی گاڈ کیسی لڑکیاں ہوتی ہوں گی وہ جو جان بوجھ کر بھی فریب میں مبتلا رہتی ہیں۔'' سبرینہ کو پہلی بار کسی کے سامنے شہریار کے حوالے سے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا تھا۔آنٹی زہرا قدرے کھٹک سی گئی تھیں۔اس لیے ذرا بے چینی سے پوچھا۔

''کہاں کام کرتی ہو تم؟''

''ایس ایم گروپ آف انڈسٹریز کافی بڑا نام ہے لیکن شہریار خان لگتا نہیں کہ اس نام کو بڑا رہنے دے گا۔جہاں کا باس ہی کرپٹ ہوگا وہاں ورکرز بھی کرپشن کریں گے ہی۔خیر چھوڑیں اس ذکر کو میں تو ویسے بھی دو چار روز میں ریزائن کر رہی ہوں۔''

سبرینہ اپنی دھن میں بولتی جا رہی تھی اس لیے اسے آنٹی زہرا کی آنکھوں میں جلتی قندیلیں بجھتی دکھائی نہ دے سکیں۔سبرینہ کے خیالات جان کر انہیں شدید جھٹکا لگا۔شہریار کی شہرت اتنی خراب تھی اس کا انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔دل ہی دل میں وہ اس وقت شہریار کے نہ آنے کی دعائیں مانگ رہی تھی۔

آفس سے اٹھ کر تو وہ سیدھا گھر ہی آتا تھا۔پھر وہ بمشکل خود کو سنبھال پائی تھیں۔سبرینہ نے بھی دوسرا موضوع چھیڑ دیا تھا۔ان سے رخصت ہوتے ہوئے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت بہ اصرار دے گئی تھی۔سبرینہ جمال کے حوالے سے دیکھے گئے سارے خواب پل بھر میں ٹوٹ کر بکھر گئے۔جو لڑکی شہریار خان کو اچھی سمجھتی ہی نہیں تھی وہ اس سے شادی پر کیسے تیار ہو جاتی۔وہ افسردہ ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

سبرینہ خلاف معمول آج لیٹ آفس آئی تھی۔صبح تیار ہوتے ہوئے اسے شہریار خان کی باتیں یاد آ گئی تھیں اسی لیے بے دل ہو گئی تھی دل تو چاہ رہا تھا کہ آفس جائے ہی نہ لیکن وہ مہینے کی یہ آخری تین چار دن کسی طرح گزار ہی لینا چاہتی تھی۔سارا مہینہ اپنی جان کھپائی تھی آخر سیلری بھی تو لینی تھی۔شہریار اپنے معمول سے ذرا پہلے آ گیا تھا اس لیے بار بار اسے بلا رہا تھا۔اس کے پی اے نے جب باس کے بلاوے کا بتایا تو وہ خواہ مخواہ ہی گھبرا گئی۔

''سوری سر میں کچھ لیٹ ہو گئی ہوں ایکچوئلی۔'' اپنی بوکھلاہٹ پر اسے خود ہی غصہ آ رہا تھا۔

''اٹ اوکے۔کم آن سیٹ ڈاؤن ہیئر مس جمال۔'' شہریار کی نگاہ اور مسکراہٹ میں رتی بھر بھی فرق نہیں آیا تھا۔وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔آج وہ پہلے سے بھی سادہ حلیے میں تھی۔اس کا بکھرا چہرہ کسی بھی قسم کی مصنوعی آلائش سے پاک تھا حتیٰ کہ آج اس نے نیچرل لپ اسٹک بھی نہیں لگائی تھی۔اس کے گھنے بال بھی صحیح طرح گندھے نہیں ہوئے تھے۔وہ تھینک یو کہہ کر کرسی پر بیٹھ کر فائل میں لگے کاغذات پر نظر ثانی کر رہی تھی۔شہریار کی نگاہیں خود پر مرتکز محسوس کر کے اس نے سر اٹھا کر قدرے برہمی سے دیکھا۔

''جی سر.....'' اس کے استفسار میں بھی آنچ تھی جسے شہریار خان نے اپنے وجود میں اترتے محسوس کیا تھا۔

''کل کی تمہاری ڈیٹ آئی مین میٹنگ کیسی رہی؟ دیر تو نہیں ہو گئی تھی؟'' اس کی بات سنتے ہی سبرینہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا لیکن وہ ضبط سے کام لیتے ہوئے صرف اتنا بولی۔

''سر آپ کام کی بات کریں میرے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میرے لیے تو یہی کام کی بات ہے ویل تمہیں پسند نہیں ہے تو جانے دو۔اچھا بتاؤ آج کا کیا پروگرام ہے؟'' سبرینہ کو اس کی مسکراہٹ زہر لگ رہی تھی۔پھر بھی وہ تحمل کا مظاہرہ کرتی ہوئی اسے آج کی روٹین بتا رہی تھی۔جس پر اس نے سبرینہ کو درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

''میں اپنے نہیں تمہارے پروگرام کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔آج تو جانے کی جلدی نہیں ہو گی ناں تمہیں؟ آج لاسٹ میں تم اپنی اور میری میٹنگ رکھ لو آج میں تمہیں ڈنر دے رہا ہوں۔'' شہریار کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

''سر! آپ جانتے ہیں مجھے آپ کی ایسی کوئی آفر ایکسیپٹ نہیں ہے۔'' سبرینہ نے سنجیدگی و قطعیت سے جواب دیا۔

''کم آن سبرینہ کب تک اپنا امیج بچانے کے چکر میں رہو گی۔اس آفس کی ہر لڑکی میرے ساتھ چائے پینے کے لیے ترستی ہے اور تم میری ڈنر کی آفر کو ریفوز کر رہی ہو۔''

''وہ اور قسم کی لڑکیاں ہیں سر میں ویسی نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں تم ان سب سے ڈفرنٹ ہو اسی لیے تو تمہیں ڈنر کی آفر کر رہا ہوں۔دیکھو اگر تمہیں اس سسٹم میں کام کرنا ہے تو کچھ کمپرومائز تو کرنا پڑے گا، بدلے میں تمہیں بہت سے پرافٹ ملیں گے۔تم اتنی نادان نظر تو نہیں آتی ہو آئی تھنک ابھی تمہارا ورک ایکسپیرینس کم ہے اسی

لیے تم جھجک رہی ہو۔ ڈونٹ وری آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔'' سبرینہ اس کی باتیں سنتے ہی جیسے بھڑک اٹھی۔ اس کی بات اچھی طرح سمجھ رہی تھی اسی لیے فوراً ہی کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''سوری سر آپ نے بہت غلط جگہ پر اپلائی کیا ہے۔ جس پرافٹس کی بات آپ کر رہے ہیں ناں ان پر میں ہزار بار لعنت بھیجتی ہوں اور ایسی جاب پر بھی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں آپ کی لچھے دار باتوں میں پھنس جاؤں گی تو یہ آپ کی بھول ہے آپ کا واسطہ ابھی تک کمزور کردار کی لڑکیوں سے پڑا ہو گا اسی لیے آپ کو ہر چیز بکتی ہوئی نظر آتی ہے لیکن اتنا یاد رکھیں ہر چیز فار سیل نہیں ہوتی۔ میں آج ابھی اسی وقت آپ کا آفس چھوڑ رہی ہوں۔ آپ کو کل ہی میرا ریزائن لیٹر مل جائے گا۔''

دل تو چاہ رہا تھا کہ آج اچھی طرح اس کی طبیعت صاف کر دے مگر پھر وہی ماحول کا خیال، لوگوں کا خوف اپنا امیج بگڑنے کا اندیشہ۔

شہر یار کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی قہر بھری نگاہوں کے جواب میں بھی وہ ہنستا رہا تھا۔

''میں خود یہی چاہتا تھا کہ تم ریزائن کر دو تم جیسی لڑکی اس پوسٹ کے لیے سوٹ ایبل ہے بھی نہیں۔ ویسے تم نے میری نیت پر شک کیا ہے۔ تمہارے معاملے میں میری نیت بالکل صاف تھی۔ میں نے تمہیں اچھی نیت کے ساتھ ڈنر کی آفر دی تھی اب یہ تمہارا ذہن ہے کہ وہ اس آفر کو کیا سمجھتا ہے۔ کل تم اپنا ریزائن خود لے کر آنا۔ ورنہ تمہیں ایگریمنٹ کے لیے تھرو ایک نوٹس ملے گا اور پھر تمہیں ہر حال میں باقی دس ماہ یہاں کام کرنا پڑے گا اور وہ بھی میری مرضی کے مطابق انڈر سٹینڈ؟'' شہر یار خان کمینگی سے ہنس رہا تھا جبکہ سبرینہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور پھر ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتی اس کے آفس سے نکل آئی۔

شہر یار خان کے لبوں پر بھی خوش آئند مسکراہٹ کھل اٹھی۔ دل نے اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کی ٹھان لی تھی۔ وہ بھی اسی وقت آفس سے اٹھ گیا۔ ویسے بھی آج شام کو اس کے ڈیڈ محسن علی خان اپنے بزنس ٹور سے آ رہے تھے۔ اس وقت وہ یہ خوشخبری صرف اپنی آنٹی کو سنانا چاہتا تھا۔ اسی لیے سیدھا گھر آ گیا۔ آنٹی زہرا اسے دیکھ کر حیران ہوئیں۔ اپنی خوشی میں اس نے آ کر انہیں بھی گھما ڈالا تھا۔

''کیا بات ہے؟ آج مجھ سے لاڈ کس خوشی میں ہو رہے ہیں؟'' انہوں نے خفگی سے اس کے بازو کے گھیر سے خود کو نکالا۔ سبرینہ کی باتوں نے انہیں کافی کبیدہ کر دیا تھا۔ کل رات گھر آنے

کے بعد اس نے اپنی غیر حاضری پر معذرت تک نہیں کی تھی اس لیے وہ خفا تھیں۔

''پلیز..... پلیز آنٹی ناراض مت ہوں، میں آپ کو ایک خوشخبری سنانے آیا ہوں۔'' اس نے زبردستی انہیں صوفے پر بٹھایا اور خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر پھر سے ان کے گلے میں بازو ڈال دیئے۔

''وہ تو تمہاری شکل سے ہی لگ رہا ہے۔''

''رئیلی؟ مائی گاڈ اس معاملے میں کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ چہرہ سائن بورڈ بن جاتا ہے۔'' شہر یار کی خوشی کسی معصوم بچے کی طرح امڈ رہی تھی جسے وہ سنبھال بھی نہیں پا رہا تھا۔ دل کی دنیا میں عجب سی ہلچل مچی تھی اور وہ ہلچل بے چین بھی کر رہی تھی اور سکون بھی دے رہی تھی۔

''کس معاملے میں؟'' زہرا آنٹی نے حیرت استفسار کیا تو وہ کھل کر ہنسا۔

''یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ فی الحال آپ میری شادی کے معاملے میں پریشان ہونا چھوڑ دیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کروں گا۔ آپ کی اور پاپا کی مرضی نہیں چلے گی او کے۔'' اس نے زہرا آنٹی کے گال پر محبت بھرم بوسہ لیا۔

''ہاں..... یہ تو مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا۔''

''کیا لگ رہا تھا؟'' زہرا آنٹی کی سنجیدگی پر وہ یک دم سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگے۔

''کہ ہماری مرضی نہیں چلے گی۔ ہماری پسند کی ہوئی لڑکی تمہارے معیار پر پوری اتر بھی نہیں سکتی تھی۔ کون ہے وہ لڑکی؟''

''کہہ رہا ہوں ناں کچھ دن انتظار کریں۔ ڈونٹ وری میری پسند آپ کی پسند کے مطابق ہی ہے۔ پیور ایسٹرن ماڈل، موڈیسٹ بھی ہے اور باکردار بھی رئیلی بلیومی۔'' وہ اپنی دھن میں بولتے ہوئے انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

آنٹی زہرا مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھیں جن خوبیوں کو وہ فخریہ بیان کر رہا تھا ایسی صفات کی حامل لڑکی اس کے سرکل میں کیسے ہو سکتی تھی۔ دھیان ذرا سا سبرینہ کی طرف بھی گیا تھا مگر سبرینہ شہر یار کے لیے پہلے ہی واضح لفظوں میں ناپسندیدگی کا اظہار کر چکی تھی جبکہ شہر یار کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ پراعتماد ہے گویا اسے اپنی محبت کے حوالے سے پورا بھروسہ تھا۔

وہ انہیں وہیں بیٹھا چھوڑ کر مگن سا اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کے حواسوں پر اس وقت بھی صرف اور صرف سبرینہ تھی۔ اسے خود خبر نہیں تھی کہ اس کی خوشی اور سرشاری کی ابتدا ہے یا انتہا۔ وہ

باہر کی دنیا سے بے خبر رہنا چاہتا تھا۔اس کے دل کے اندر ایک محفل سجی تھی جہاں ہر طرف سبرینہ ہی سبرینہ تھی۔آج اور کل کے اس کے رویے نے ذہن و دل کو جیسے جکڑ لیا تھا۔سبرینہ کے گزشتہ دو ماہ کے رویوں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ مشرقی لڑکیوں کی پہچان ان کا ایسا ہی رویہ ہوتا ہے۔ ان کا لب ولہجہ ان کی شرم وحیا کا محافظ ہوتا ہے۔

سبرینہ کی اصل کشش اس کے انداز واطوار میں تھی۔اس کا مشرقی حسن ہمیشہ مشرقی ملبوس میں ملفوف نظر آیا تھا اور یہی اس کی خوبی تھی۔شہریار کو آج لگ رہا تھا کہ وہ اپنی زندگی کے باقی سفر میں ایسی ہی ہستی کا متلاشی تھا جو اس کے خالص جذبوں کی حقدار ہوتی۔اس کے دل کے ہر خانے میں اب سبرینہ ہی کی شبیہ تھی اور ہر دھڑکن میں اسی کی پکار تھی۔اب اس کی زندگی کا ہر راستہ ایک ہی منزل کی طرف جا رہا تھا۔سبرینہ کو پانے کی تمنا دل میں سجائے وہ نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے سبا آج تم آفس نہیں جاؤ گی۔'' سبرینہ اپنے معمول کے وقت اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی اس لیے اس کی ممی تشویش میں مبتلا ہو کر اس کے کمرے میں چلی آئیں۔جہاں وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔انہیں دیکھتے ہی وہ اٹھ بیٹھی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟''

''جی ممی ٹھیک ہوں۔'' وہ بال پیچھے سمیٹتے ہوئے بولی۔

''آج آفس نہیں جاؤ گی۔'' وہ اس کے کمرے میں بکھری چیزیں سمیٹنے لگیں۔

''جاؤں گی مگر ذرا دیر سے۔آج میں ریزائن کر رہی ہوں ناں۔''

''رئیلی؟'' مسز جمال حیرت وخوشی سے جیسے چیخ اٹھیں۔اس کی تائید پر فوراً ہی شکر ادا کرنے لگیں۔

''شکر ہے اللہ کا تمہیں عقل آ گئی۔میں آج ہی تمہارے پاپا سے کہہ رہی تھی کہ وہ تم پر سختی کریں۔اگر تمہیں کام ہی کرنا تھا تو اپنے پاپا کے ساتھ کرتیں۔''

''ہاں میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ اب پاپا کو جوائن کروں،بس کچھ دن ریسٹ کر لوں پھر۔'' وہ انہیں چڑانے کو اپنا پروگرام سنانے لگی تو مسز جمال فوراً تنبیہ کرنے لگیں۔

''خبردار اگر تم نے اب اس بارے میں سوچا تو شرافت سے اب گھر میں بیٹھو اور اپنا وعدہ پورا کرو۔بچے اب کچھ گھر داری بھی سیکھ لو،شادی کے بعد تمہارے جابز ایکسپیرینس کام نہیں آئیں

گے۔''

''افوہ ممی صبح صبح شادی کا نام تو مت لیں،مجھے آپ دونوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا ہے اور پلیز.....پلیز نو لیکچر آپ کی نصیحتیں پھر سہی۔ابھی میرے لیے اچھا سا ناشتہ بنائیں۔میں فریش ہو کر آ رہی ہوں۔'' اٹھ کر باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے اس نے لاڈ میں اپنی ممی کا گال کھینچا اور انہیں مزید بولنے کا موقع دیئے بغیر باتھ روم میں گھس گئی۔

☆☆☆

''تو کیا آپ واقعی جاب چھوڑ رہی ہیں؟'' شہریار نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا میز پر بچھا ہوا ریزیشن لیٹر اپنے ہاتھوں میں الٹتے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

''میں یہ جاب چھوڑ چکی ہوں شہریار صاحب! آپ اکاؤنٹنٹ سے کہیے میرے ڈیوز پے کر دے۔''

''آپ کے ڈیوز.....او کے شیور آئیں بیٹھیں۔میں ابھی اکاؤنٹنٹ سے کہتا ہوں۔'' شہریار سے اس درجہ شرافت کی امید تو نہیں تھی اسی لیے سبرینہ نے اسے اچنبھے سے دیکھا۔دیکھنے میں تو کافی معقول انسان تھا مگر اس کی ریپوٹیشن.....سوچ کر ہی سبرینہ کے ذہن میں تناؤ پیدا ہو گیا۔اسی لیے اس نے اسی بے رخی سے جواب دیا۔

''تھینک یو میں باہر جا کر ہی بیٹھتی ہوں۔''

''مس سبرینہ آج تو آپ میرے ساتھ چائے پی سکتی ہیں ناں؟''

''آج ہی تو میں آپ کے ساتھ چائے نہیں پی سکتی مسٹر شہریار۔'' سبرینہ نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے بہت کچھ جتا دیا۔

''پھر آپ میرے ساتھ لنچ پر چل رہی ہیں؟'' شہریار اس کے غصے سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا تو وہ ایک دم بھڑک اٹھی۔

''آپ کس قسم کے انسان ہیں آپ کو میرا انکار سمجھ نہیں آتا۔میں آپ جیسے انسان کے ساتھ کھانا پینا تو دور کی بات دو منٹ بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتی انڈر سٹینڈ؟''

''میرا تجربہ کہتا ہے کہ لڑکیوں کے انکار میں اقرار چھپا ہوتا ہے۔ویسے بھی کل شاید آپ میری آفرز اس لیے ٹھکراتی تھیں کہ آپ کو آفس سرکل میں اپنی ریپوٹیشن بچانی تھی۔اب تو اس قید سے آپ آزاد ہیں۔ہم اب باس اور ورکر کے عہدوں سے فارغ ہو چکے ہیں میں آپ سے دوستی

کرنا چاہتا ہوں سبرینہ۔''

''شٹ اپ مسٹر شہریار! میں مردوں سے خصوصاً آپ جیسے مردوں سے دوستی کرنا گناہ سمجھتی ہوں۔ آپ اپنا وقت ضائع مت کریں۔ آپ جیسے شکاری کے لیے شکار پھانسنا مشکل نہیں ہوگا۔ اپنی قسمت کہیں اور آزمائیں۔'' وہ پیچ و تاب کھاتی آگ برساتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دروازے کی طرف پلٹ گئی۔

شہریار کے چہرے سے مسکراہٹ یک دم ہی غائب ہوئی تھی۔ اس نے پوری سنجیدگی سے سبرینہ کو آواز دے کر روکنا چاہا بلکہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''پلیز سبرینہ ایک منٹ رکو، میری بات سنو۔ ضروری نہیں ہے تم جو میرے بارے میں جانتی ہو وہ درست بھی ہو، میں تمہارے لیے سیریس ہوں اور میں تمہیں پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔''

''شٹ اپ مسٹر شہریار آپ کی جرأت کیسے ہوئی، آپ نے سوچا ہوگا۔ اس طرح میں آپ کے دام میں نہیں آئی تو اس طرح پھانسنا چاہتے ہیں۔ آپ کی قسمت اچھی ہے کہ آپ اپنے آفس میں موجود ہیں ورنہ آپ کی باتوں کا جواب میں آپ کو ایسا دیتی کہ آپ کی سات پشتیں یاد رکھتیں۔ آئندہ خیال رکھنا ورنہ.....'' سبرینہ اتنی غضب ناک تھی کہ صرف تھپڑ مارنے کی کسر رہ گئی تھی۔ اندر داخل ہونے والی شخصیت نے اس کی آخری باتیں سنی بھی تھیں اور اس کی غضبناکی دیکھی بھی تھی۔

شہریار جامد و ساکت رہ گیا تھا۔ اس کے ڈیڈی محسن علی خان اس کے آفس میں آئے تھے اور یقیناً سبرینہ کی باتوں کا کچھ حصہ بھی سن چکے تھے۔ سبرینہ جیسے ہی پلٹی ایک لمحے کے لیے اس کے بھی حواس بکھر سے گئے لیکن اگلے ہی لمحے وہ کمال اعتماد سے خود کو سنبھال چکی تھی۔

''سبرینہ..... بیٹا تم یہاں؟'' سبرینہ کی حالت بھی مختلف نہ تھی۔

''تم نے بتایا نہیں یہاں کیا کر رہی ہو؟''

ان کا انداز حیرت زدہ سا تھا۔ شہریار ان کے سامنے تھا اسے بھی انہوں نے سنجیدہ نظروں سے دیکھا۔

''وہ..... انکل..... جاب میرا مطلب ہے میں یہاں جاب کر رہی تھی۔ آج ریزائن کر دیا ہے اور آپ یہاں؟ واپس کب آئے؟''

شہریار حیرت زدہ تھا کہ اس کے ڈیڈ اور سبرینہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ وہ بے خبر تھا تو شاید اس لیے کہ وہ کچھ عرصہ پہلے ہی پاکستان آیا تھا۔ اپنے ڈیڈ کے حلقہ احباب سے زیادہ وسیع اس

کا حلقہ احباب تھا۔ اس لیے اسے ڈیڈ کے حوالے سے کسی سے ملنے کی فرصت ہی کب تھی۔

''میں کل آیا ہوں۔ جمال سے میری کل ہی ملاقات ہوگئی تھی بتا رہا تھا وہ تمہارے شوق وہی ہیں۔''

''بس انکل! اچھا میں جا رہی ہوں۔ آپ سے گھر پر باتیں ہوں گی۔'' سبرینہ کو یک دم ہی یاد آیا کہ وہ کہاں کھڑی ہے اس لیے مزید کسی بات پر غور و خوض کرنے کے بجائے وہ اس کے آفس سے نکل گئی۔ شہریار گم صم سا دروازے کو دیکھتا رہ گیا۔ محسن علی نے چٹکی بجا کر بیٹے کو متوجہ کیا۔

''کدھر ہو صاحبزادے؟'' وہ چونک کر گڑبڑا کر پوچھنے لگا۔

''ڈیڈ..... آپ اس وقت؟''

''کیا ہوا ہے وقت کو؟ کیا مجھے اس وقت نہیں آنا چاہیے تھا؟''

''نو..... نو ڈیڈ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ آیئے بیٹھیے۔'' اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے انہیں اپنی کرسی پیش کی۔ مگر وہ سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئے اور پھر اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور سنجیدگی سے پوچھنے لگے۔

''سبرینہ جمال یہاں کس سیٹ پر تھی؟''

''وہ ڈیڈ دو مہینے پہلے میری پرسنل سیکرٹری اپائنٹمنٹ ہوئی تھی۔''

''اس نے ریزائن کیوں کیا؟''

''اس کی مرضی ڈیڈ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''اس کی مرضی یا تم نے مجبور کیا تھا؟'' اس بار انہوں نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

''تم جانتے ہو وہ جمال آفریدی کی بیٹی ہے۔ جمال سے ملتے رہنے کی میں نے تم سے تاکید بھی کی تھی مگر تم اپنے آپ میں مگن رہے میں نجانے کیا سوچ کر آیا تھا مگر تم نے تو یہاں اپنا امیج ہی اس قدر خراب کر رکھا ہے کہ بیٹا تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ یہ امریکہ نہیں پاکستان ہے یہاں سب لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہیں۔ سبرینہ کو معلوم ہوگیا کہ تم میرے بیٹے ہو تو۔''

''پلیز ڈیڈ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ آپ ایزی فیل کریں۔ اب مجھے کیا معلوم تھا کہ میری پرسنل سیکرٹری بن کر آنے والی لڑکی آپ کے دوست کی بیٹی ہوگی۔ ریئلی بلیومی میں نے اس کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ وہ خود ہی میرے بارے میں غلط اندازے لگا بیٹھی تھی۔ میں تو اسے اچھا چھوڑیں آئی تھنک اسے علم بھی ہو جائے گا کہ میں آپ کا بیٹا ہوں تو بھی وہ آپ کو شرمندہ نہیں

کرے گی۔''

اس کا مطلب ہے تم نے شرمندہ کروانے والا ضرور کچھ کیا ہے اس کے ساتھ۔'' محسن علی نے بیٹے کو جس انداز سے دیکھا تو وہ پھر سے گڑبڑا گیا۔

''نو..... نو بلیوی ڈیڈ! میں نے اسے صرف ساتھ بیٹھ کر چائے پینے اور ڈنرز کی آفرز کی ہیں اور بس۔''

''اور بس؟ مزید کیا کرنا چاہتے ہو۔'' اس بار انہوں نے قدرے نرمی سے پوچھا تو وہ کچھ لمحے توقف کے بعد پراعتماد انداز میں گویا ہوا۔

''ڈیڈ میں اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں اور آپ کو میری ہیلپ کرنی ہے پلیز۔''

''رئیلی..... آر یو سیریس شہری۔''

''اچھی طرح سوچ لو، کہیں تم میری دوستی کی وجہ سے تو۔'' انہوں نے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔ شہریار کی سنجیدگی انہیں یقین تو دلا رہی تھی مگر وہ اسے اچھی طرح پرکھنا چاہتے تھے۔ حالانکہ اپنے دل میں پہلے ہی وہ سبرینہ کے حق میں یہی فیصلہ دے چکے تھے۔ بلکہ آج اس سے اس بارے میں بات کرنے آئے تھے۔ خوش قسمتی سے سبرینہ پہلے ہی شہریار کی نگاہ و دل میں سمائی ہوئی تھی۔

''ڈیڈ میں نے سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہے۔ آئی تھنک کہ میری چوائس آپ کی بھی پسند ہوگی بلکہ مجھے تو لگ رہا ہے کہ آپ کی خواہش بھی یہی تھی۔'' شہریار نے باپ کے چہرے پر اطمینان بکھرتا محسوس کرلیا تھا اسی لیے مسکراتے ہوئے ان کی تائید مانگی تو وہ کھل کر ہنس دیئے۔

''یو چیٹر تم ہمیشہ مجھے حیران کر دیتے ہو۔ تمہارے بارے میں کچھ اور سن کر آیا ہوں لیکن تم نے سبرینہ کو لائف پارٹنر بنانے کا فیصلہ کر کے ثابت کر دیا ہے کہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں کہ تم بگڑ گئے ہو۔ آئی وش بیسٹ آف لک۔ اب تو جانا پڑے گا جمال کے پاس۔''

''اوہ ڈیڈ سو گریٹ۔''

''وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر ان سے آلپٹا۔'' ابھی اتنی خوشی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ جمال نے اپنی بیٹی کے لیے کیا فیصلہ کیا ہے اور سبرینہ نے خود اپنے لیے کیا سوچا ہے۔ ویسے بھی جانو تم سبرینہ کی نظروں میں اپنا مقام کھو چکے ہو۔ پہلے اسے یقین دلاؤ کہ تم اپنی غلط نیت اور ارادے سے اسے تنگ نہیں کیا۔ پھر بات بنے گی ورنہ.....''

انہوں نے ایک بار پھر سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسے جیسے ڈرانے کی کوشش کی۔ حالانکہ

دونوں دوستوں میں کچھ عرصہ پہلے اس موضوع پر بات ہو چکی تھی۔ محسن علی خان نے سبرینہ کو اپنی بیٹی بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا جواب میں جمال آفریدی نے سب کچھ آنے والے وقت اور تقدیر پر چھوڑ دیا تھا۔

کل ملاقات کے دوران بھی سبرینہ کے بارے میں پوچھنے کا اصل مقصد اپنی خواہش کا در پردہ اظہار ہی تھا۔ جمال آفریدی نے بیٹی کے مشاغل وغیرہ سے آگاہ کرتے بتا دیا تھا کہ ابھی بیٹی کے بارے میں شادی کے حوالے سے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اسی اطمینان کے پیش نظر وہ آج پہلے شہریار سے بات کرنا چاہتے تھے۔

''ڈیڈ پلیز میں نے آپ سے کہہ دیا ہے کہ آپ کو ہر حال میں میری لائن کلیئر کروانی ہے۔ آپ بات تو شروع کریں ناں پھر میں خود ہی رینو کی غلط فہمیاں دور کر دوں گا۔ آئی پرامس یو۔''

''یہ رینو کون ہے؟'' محسن علی نے مصنوعی حیرت سے پوچھا تو اپنی بے اختیاری پر پہلے تو وہ جھینپا اور پھر خجالت سے ہنس دیا۔

''ڈیڈی آپ بھی بس۔'' ان کے دل میں بیٹے کے لیے محبت بھرے جذبات ابھرے۔

''میرا خیال ہے آج تو تم سے کام نہیں ہوگا او کے یار آج تم عیش کرو۔ میں آفس دیکھ لیتا ہوں۔'' محسن علی نے بیٹے کو محبت سے دیکھا۔

''او تھینکیو ڈیڈ میں ذرا آنٹی کو خوشخبری سناتا ہوں جا کر۔''

''او ہاں مجھے یاد آیا زہرا نے ویسے بھی تمہیں آج جلدی گھر بلایا تھا۔ وہ آج شام کی فلائیٹ سے اسلام آباد جا رہی ہے۔

''وہاٹ..... کیوں..... صبح تک تو ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔''

''ہاں تمہارے آفس آنے کے بعد وہاں سے فون آیا تھا۔ توقیر بھائی کی طبیعت ناساز ہے اپنی بہن سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''ویری سیڈ..... مگر آنٹی اس موقع پر جائیں گی۔''

''کس موقع پر؟'' انہوں نے حیرت سے استفسار کیا۔

''ڈیڈ آپ کو جمال انکل سے نہیں ملنا؟ آپ کیا اکیلے میری شادی کی بات کریں گے آنٹی کے بغیر وہ ناراض نہیں ہوں گی۔''

وہ اس وقت صرف اپنے دل کی دنیا کے حصار میں تھا اسی لیے اپنی دھن میں بول رہا تھا۔

انہوں نے بیٹے کی بے تابی پر اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے چھیڑا۔

''لگتا ہے تمہیں بہت جلدی ہے بیٹا کچھ کرنا پڑے گا۔ یو ڈونٹ وری زہرا کو ہم جلدی بلا لیں گے اور جمال سے تو میں بات کر ہی لوں گا۔ یار تم ٹینشن مت لو او کے۔'' ایک بار پھر شہریار اپنی بے اختیاری پر خجل ہو گیا اور پھر ان سے نظریں چراتا گاڑی کی چابی اٹھا کر اپنے آفس سے ہی نکل گیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ مزید آفس میں ٹھہرا رہا تو ڈیڈ پر دل کی ساری کیفیات عیاں ہو جائیں گی۔ باپ سے وہ فری ضرور تھا لیکن اس حد تک نہیں کہ دل کی تمام باتیں ان پر کھول دے۔

''آنٹی..... آنٹی؟'' گھر میں گھستے ہی اس نے بے تابی سے انہیں پکارنا شروع کیا۔ وہ جو اپنے کپڑے وغیرہ بیگ میں رکھ رہی تھیں اس کی چیخ و پکار سن کر گھبرا کر اپنے کمرے سے نکل آئیں۔

''کیا ہوا ہے شیری کیوں اتنا چلا رہے ہو؟'' زہرا آنٹی کے چہرے سے ہی ملول نظر آ رہی تھیں اس لیے وہ یک دم ہی سنبھل گیا۔

''وہ ڈیڈ کہہ رہے تھے آپ نے مجھے بلایا ہے۔''

''ہاں..... وہ شام کو جلدی آنے کے لیے کہا تھا لیکن تم ابھی۔ خیریت تو ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔'' ان کی ممتا فوراً ہی امڈ پڑی۔ شیری ان کی محبت پر مسکراتا ان کی طرف بڑھا اور پھر انہیں بانہوں کے گھیرے میں لے کر صوفے پر بٹھانے کے بعد ان کے قدموں میں بیٹھ کر ان کے ہاتھ تھام کر بولا۔

''میں ٹھیک ہوں انکل تو قیر کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''پتا نہیں صبح ندا بھابھی کا فون آیا تھا بلکہ کئی روز سے وہ بلا رہی ہیں۔ ہارٹ پیشنٹ کی طبیعت کا کیا بھروسہ۔'' وہ آبدیدہ ہو گئیں۔ انہیں اپنے بڑے بھائی سے محبت بھی بہت تھی۔ بیٹوں کی طرح چاہتے تھے۔ ان کی بیوگی کے بعد کئی بار کوشش کر چکے تھے کہ زہرا دوسری شادی کر لے مگر وہ نہیں مانی تھیں۔ اسی لیے تو آج تک اپنی سسرال میں موجود تھیں۔

''آنٹی اللہ پر بھروسہ رکھیں انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ ویک اینڈ کا پروگرام رکھتیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چلتا۔''

''کیوں کیا تم اکیلے نہیں آ سکتے ویک اینڈ پر۔'' انہوں نے اپنی آنکھوں کے کنارے دوپٹے کے پلو سے صاف کیے اور نارمل انداز میں اس سے بات کرنے لگیں۔

''آ سکتا ہوں بلکہ ضرور آؤں گا آپ کو جلدی واپس لانے کے لیے ہی آنا پڑے گا ورنہ آپ وہاں ڈیرہ جما لیں گی اور میں بے چارہ مفت میں مارا جاؤں گا۔''

''افوہ شیری کوئی خاص بات ہے۔ مجھے جلدی واپس بلانے کے لیے تم کچھ زیادہ ہی بے چین ہو۔ کیا بات ہے بچے ابھی تو میں گئی نہیں۔''

''کوئی نئی بات نہیں ہے آپ کو بتایا تو تھا کہ آپ کی بہو پسند کر لی ہے میں نے۔ اب میں آپ کو اس سے ملوانا چاہ رہا تھا مگر آپ جا رہی ہیں۔ ظاہر ہے اب آپ کے آنے کے بعد ہی کوئی سلسلہ ہو گا۔'' وہ ان کے پاس سے اٹھ کر ان کے برابر بیٹھ گیا۔

''اوہ تو یہ بات ہے۔ فکر نہ کرو جانو میں جلدی آ جاؤں گی۔ آخر تمہاری وہ پیور ایسٹرن ماڈل چوائس بھی تو دیکھنی ہے۔''

''ضرور دیکھیے گا آپ کو خود یقین آ جائے گا۔ آپ کو شاید میری باتیں مذاق لگ رہی ہیں آپ ڈیڈ سے اس کے بارے میں پوچھیے گا۔ پھر تو اعتبار آ جائے گا ناں مجھ پر۔''

''اچھا تو بھائی صاحب سے بات ہو گئی تمہاری؟ شیری تم تو بہت تیز نکلے ہو کہاں تو مان نہیں رہے تھے اور اب نان سٹاپ جا رہے ہو۔'' انہوں نے پیار سے اسے چھیڑا تو وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

''رئیلی بلیوی میں نے ڈیڈ کو نہیں بتایا وہ تو خود ہی جان گئے کہ میں اسے پسند کرتا ہوں۔ اس لیے میں نے ہامی بھر لی۔ ایکچوئلی آنٹی ڈیڈ کی اینٹری میرے آفس میں ہوئی اس وقت جب میں اسے پرپوز کر رہا تھا۔ اور مزے کی بات سنیں ڈیڈ اسے پہلے سے ہی جانتے ہیں۔ وہ ڈیڈ کے کالج فیلو بیسٹ فرینڈ جمال آفریدی کی بیٹی ہے۔ ہے ناں مزے کی بات۔''

''تو کیا وہ رضامند ہیں؟'' زہرا آنٹی نے بے یقینی سے پوچھا۔

''لڑکی اور اس کے گھر والے۔''

''یہ تو ڈیڈی اور آپ کنفرم کریں گے ناں..... ویسے کیا آپ کے بیٹے کو ریجیکٹ کیا جا سکتا ہے۔''

''ایسا کون ہے جو میرے بیٹے کو ریجیکٹ کرے۔'' انہوں نے شفقت سے اس کی پیشانی چوم کر اس کا سر اپنے کندھے سے لگایا۔

''نہیں ویسے سبرینہ کی طرف سے تھوڑا سا ڈاؤٹ ہے لیکن آپ کو ڈیڈی کو اسے منانا ہے

پلیز۔''

''سبرینہ..... تم سبرینہ کی بات کر رہے ہو جو تمہارے آفس میں کام کرتی ہے۔'' آنٹی زہرا کو جیسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا اسی لیے اچنبھے سے پوچھ رہی تھی۔

''یس..... آپ سبرینہ جمال کو جانتی ہیں، کیسے.....؟'' جھٹکا تو اسے بھی لگا تھا اسی لیے وہ فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔

''تمہیں یاد ہے ایک دن بلکہ شاید دو ماہ پہلے ہی ہم نے دو لڑکیوں کو لفٹ دی تھی۔ سبرینہ انہی میں سے ایک ہے۔ میں تو سبرینہ کو تمہارے لیے اسی وقت پسند کر چکی تھی۔ بعد میں تمہیں بھی ملوانا چاہا تھا مگر تم راضی ہی نہیں تھے۔'' وہ اسے معلومات بہم پہنچا رہی تھیں اور وہ افسوس میں گھرا تھا اگر اسے پہلے ہی علم ہوتا تو اتنی بدگمانیاں نہ بڑھتیں۔

''میں واقعی اسٹوپڈ ہوں۔ میں اسے اس وقت کیوں نہیں دیکھ سکا مائی گڈنیس اور آپ نے بھی مجھے نہیں بتایا کہ آپ سبرینہ کو جانتی ہیں۔'' وہ ان سے شکوہ کناں ہو گیا۔

''میں تمہیں کیا بتاتی بلکہ میں تو اسے بھی نہیں بتا سکی کہ تم میرے بھتیجے ہو۔ وہ تم سے سخت بدگمان ہے۔ تمہارے سارے کرتوت مجھے بتا چکی ہے کہ ہر لڑکی پر پھسل پڑتے ہو۔ اس لیے میری جان سبرینہ کی طرف سے تھوڑا سا نہیں۔ پورا ڈاؤٹ دیکھو۔ وہ نہیں ماننے والی میں اس کے خیالات سن چکی ہوں۔''

''آنٹی ایسا تو نہ کہیں۔ ڈیڈ کی دوستی اور آپ کی ریلیشن شپ کا کیا فائدہ آپ دونوں اپنے بیٹے کی ایک خواہش نہیں پوری کر سکتے۔ آئی پرامس یو اسے میری زندگی میں آنے دیں پھر میں اس کی ساری شکایات دور کر دوں گا۔''

''تمہاری خوشی کے لیے کوشش تو کریں گے باقی تمہاری قسمت اور نصیب۔''

''قسمت تو میری بہت اچھی ہے اور نصیب بھی شاندار ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں ہمارے ستارے ملتے ہیں تبھی تو وہ ڈیڈ کو پہلے سے پسند تھی۔ آپ کو ایک نظر میں بھا گئی اور آفٹر آل میری تو وہ پہلی خواہش بن ہی گئی ہے۔ اسے میرے بارے میں صرف غلط فہمی ہے۔ آپ سوچ سکتی ہیں کہ میں شہریار محسن لڑکیوں کے آگے پیچھے پھروں گا۔ اب لڑکیاں خود میرے آگے پیچھے پھریں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔'' وہ شرارت سے ہنسا تو انہوں نے دھپ لگائی۔

''زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لیے سیریس ہو تو اپنے بی ہیویئر میں بھی

سیریس پیدا کرو اور اگر مجھ سے مزید باتیں کرنی ہیں تو میرے بیڈروم میں آ جاؤ مجھے ابھی شام کے لیے پیکنگ کرنی ہے۔ پھر آ کر تمہارا کیس بھی تو سولو کرنا ہے۔'' وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھیں تو وہ بھی پیچھے ہو لیا۔ آنٹی زہرا دل ہی دل میں اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔ آج سے پہلے انہوں نے اسے اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔ ان کے دل میں بھی سبرینہ کی طرف سے ہی خدشات تھے۔

☆☆☆

اور پھر وہ جو کہہ رہی تھی بلکہ جس نے شہریار محسن سے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ دو منٹ بھی گزارنا پسند نہیں کرتی۔ تو تقدیر اس کی نادانی پر مسکراتے ہوئے اپنے نئے فیصلے صادر فرما رہی تھی۔ اس کے پاپا نے بنا اس سے پوچھے ہی محسن علی خان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے صرف رضامندی ہی نہیں دی تھی بلکہ ان کی دی ہوئی انگوٹھی بھی لے لی تھی۔ زہرا کے بغیر وہ فی الحال دھوم دھام نہیں کرنا چاہتے تھے اور سبرینہ بھی فی الحال ہما کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی جو دو ماہ بعد متوقع تھی۔

اس شام وہ گھر واپس آئی تو ممی کی بے پناہ خوشی پر چونک اٹھی اور پھر ان کے انکشاف نے بلکہ قیمتی انگوٹھی دیکھ کر تو وہ بھونچکا ہی رہ گئی۔ دکھ سے اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔

''مجھ سے پوچھے بغیر مجھے بتائے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں ممی؟ مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے جو وہ سزا دے رہے ہیں۔''

مسز جمال نے ہنستے ہوئے بیٹی کو گلے لگایا۔ ان کی خوشی تو آج سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ سب بچے ملک سے باہر تھے۔ اندیشہ تھا کہ سبرینہ بھی کہیں باہر نہ بیاہی جائے۔ شہریار کا پروپوزل ان کے اندیشے دور کر گیا تھا کیونکہ وہ باہر سے آ کر یہاں سیٹ ہوا تھا۔

''پگلی ہو اس میں سزا کی کیا بات ہے ایک دن تو تمہاری شادی کرنی تھی اور تمہارے پاپا اور محسن بھائی میں کچھ عرصہ پہلے اس معاملے میں بات چیت ہوئی تھی۔ اب وہ واپس آئے ہیں اور بیٹا بھی یہاں سیٹ ہو گیا ہے تو اپنی خواہش پوری کرنا چاہتے ہیں۔''

''پھر بھی یہ انصاف تو نہیں ہے ناں ممی جسے میں ہی نہیں آپ بھی نہیں جانتے۔ پاپا نے اس کے ساتھ میری زندگی بھر کا فیصلہ کر دیا ہے۔ لیا میں اتنی ہی بھاری ہو گئی تھی پاپا پر کہ.....'' اس نے اب تک من مانی کی تھی اس لیے اس اہم معاملے میں اس کی اہمیت کو نظر انداز کیا جانا اسے شاک لگا

گیا تھا وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو رینو! تم ہم پر بھاری ہو گی۔ یہ تم نے سوچا بھی کیسے کوئی بیٹی اپنے ماں باپ پر بھاری نہیں ہوتی۔ یہ تو نظام قدرت ہے۔ نبیوں پیغمبروں نے اپنی بیٹیوں کو رخصت کیا ہے تو ہم کس حیثیت کے مالک ہیں۔'' اس کی ممی اس کے آنسو دیکھ کر تڑپ اٹھیں پھر اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''اور تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو، کیا تمہیں اپنے پاپا پر اعتبار نہیں ہے۔ وہ تمہارے لیے غلط فیصلہ کر سکتے ہیں؟ انہوں نے ہمیشہ تمہاری مانی ہے تم ان کے ایک فیصلے پر بدگمان ہو رہی ہو اور محسن بھائی کو تو تم جانتی ہو ناں، بلکہ تم ان کے بیٹے کے ساتھ کام بھی کر چکی ہو۔ ہم نے سوچ سمجھ کر ہی یہ قدم اٹھایا ہے لو یہ انگوٹھی پہنو اور شاباش۔''

وہ مزید کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ نظروں میں شہریار محسن کی صورت گھوم گئی۔ ساری کڑیاں ملنے لگیں۔ محسن انکل کی اس دن وہاں موجودگی بھی سمجھ میں آ گئی۔ اور پھر اس نے شد و مد کے ساتھ اس رشتے سے صاف انکار کر دیا تھا مگر اس کی ممی اس کی ایک بھی سننے کو تیار نہ تھیں۔ ان کے خیال میں سبرینہ کا انکار صرف وقتی بات تھی اس لیے انہوں نے اس کے پاپا سے اس حوالے سے بات نہیں کی تھی اور نہ ہی شہریار کے حوالے سے سبرینہ کے انکشافات پر وہ یقین کر رہی تھیں۔ بلکہ کئی بار وہ سبرینہ کو اس کے رویے پر ڈانٹ چکی تھیں۔ سبرینہ نے احتجاجاً نہ انگوٹھی پہنی تھی اور نہ ہی شہریار کی اپنے گھر پر آمد پر اس کا سامنا کیا تھا۔ نہ ہی اس کا فون اٹینڈ کیا تھا۔ اسے سبھی پر غصہ تھا اس کی دوست تک نے اس کی بات سمجھنے سے انکار کر دیا تھا۔

ہما نے کہا تھا کہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جس پر وہ اس سے بھی ناراض ہو گئی تھی۔ شہریار کی اپنے گھر میں بے دھڑک آمد اسے ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ خصوصاً ممی کے ساتھ گھنٹوں بیٹھنا۔ اسے مجبوراً کمرے میں بند ہونا پڑتا۔ اگر کبھی سامنا ہو بھی جاتا تو معنی خیز انداز میں بڑی معصومیت سے آفر کرتا۔

''اب تو تم میرے ساتھ ڈنر کے لیے چل سکتی ہو ناں آفٹر آل میں تمہارا فیانسی ہوں۔'' جواباً وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ کر رہ جاتی۔ دل میں آتا فوراً کہہ دے ذلیل انسان میرا پیچھا چھوڑ دو۔ مگر کہہ نہ پاتی کیونکہ امی کی نگران آنکھیں اس کا پہرہ دیتی تھیں۔ اکثر وہ اس کے غلط رویے کا احساس بھی دلا دیتیں۔

وہ کیا کرتی اس کی نظروں میں ہر وقت شہریار کی بدتمیزیاں گھوما کرتی تھی۔ خصوصاً دوسری لڑکیوں کے ساتھ وقت گزاری، فون کالز ہونٹنگ تو وہ بھلا ہی نہیں پائی تھی۔ کئی بار تو شہریار پر اسے شک ہونے لگا تھا۔ اس سے شادی اور لگاوٹ کا چکر مصنوعی اور دھوکا لگتا تھا۔

''کہیں یہ مجھ سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے تو کوئی کھیل نہیں کھیل رہا؟'' پل بھر کے لیے وہ خوفزدہ ہو جاتی۔ کالج لائف میں پڑھی گئیں کئی کہانیاں یاد آنے لگتیں۔

''اگر اس نے کوئی کھیل کھیلا یا میرے ساتھ کچھ غلط کیا تو میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔''

اگلے پل وہ اپنی ہی ہمت بندھاتی۔ فی الحال اسے اپنا کوئی بھی غم گسار نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان حالات میں اسے اچانک آنٹی زہرا کا خیال آیا۔ ان سے مل کر شاید اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ اسی لیے وہ بڑے دنوں بعد شام کے وقت گھر سے نکلی۔ وہ اب تک زہرا آنٹی اور شہریار کے تعلق سے بے خبر تھی اسی لیے بے دھڑک ان کے گھر میں آ گئی تھی۔

چوکیدار نے اس کے لیے دروازہ کھولا۔ اس نے اپنی گاڑی اندر کھڑی کر کے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ جب وہ پہلے یہاں آئی تھی سناٹا تو تب تھا مگر آج خاموشی کچھ زیادہ ہی تھی۔

''آنٹی..... آنٹی۔'' پکارتی وہ کمروں کی طرف آئی۔

ایک بار دل میں آیا بھی کہ واپس چلی جائے لیکن موسیقی کی آواز پر دل کو تسلی ہوئی کہ گھر میں ضرور کوئی موجود ہے۔ عدنان سمیع کی آواز ماحول میں سحر پھیلا رہی تھی۔ اس لیے وہ بے سوچے سمجھے اندر چلی گئی

بھیگی بھیگی راتوں میں کبھی تم آؤ ناں
ایسی برساتوں میں آؤ ناں

اور پھر سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر تو اسے لگا کہ ساری عمارت ہی اس پر آ رہی ہو۔ شہریار بھی لمحہ بھر کو چونک گیا تھا اور اگلے ہی لمحے اس کی آمد اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس لیے اس کے لب ہی نہیں پورا چہرہ انوکھی مسرت سے کھل اٹھا تھا۔

''آ..... پ..... یہاں آنٹی کے گھر.....؟'' اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہی وہ فوراً جانے کو مڑی لگتا تھا ابھی گر جائے گی، قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ لڑکھڑا کر گرنے ہی والی تھی کہ شہریار نے بڑھ کر اسے بازوؤں سے تھام لیا۔ فی الحال وہ کچھ نہیں سوچ رہی تھی سوائے اس کے کہ وہ اس گھر میں شہریار محسن کے ساتھ اکیلی ہے۔ وہ اس قدر ہراساں ہوئی کہ مزاحمت بھی نہ کر سکی۔

آنکھیں بے بسی کے آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ بے ہوش ہو کر اس کے بازوؤں میں جھول جاتی شہریار نے اس کی کیفیات محسوس کر کے اسے پکارا۔

''تم جس سے ملنے آئی ہو وہ اسلام آباد گئی ہوئی ہیں۔''

''تو..... آپ یہاں؟'' وہ اپنے سوال کو روک نہ سکی۔ البتہ آنکھوں سے گرنے والے آنسو اس نے روک لیے تھے۔

''یہ میرا گھر ہے، آئی مین ہمارا گھر ہے۔ آنٹی میری چچی ہیں انہوں نے میری پرورش کی ہے۔'' شہریار نے اس کی حیرت میں مزید اضافہ کیا۔

''اوہ.....؟'' اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ سوچے سمجھے بغیر یہاں آنے کی حماقت کی سزا تو ملنی تھی۔

وہ پچھتانے لگی کہ کاش فون کر کے ہی آتی۔ یا اس دن سے کسی معاملے میں دلچسپی لی ہوتی تو وہ پہلے ہی کافی کچھ جان چکی ہوتی۔ وہ اپنی سوچوں میں غلطاں جانے کے لیے پلٹی تو شہریار کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

''ایسے کیسے جا سکتی ہو تم؟ آنٹی اور ڈیڈی کو معلوم ہوگا کہ ان کی بہو پہلی بار اپنے گھر آئی اور بنا چائے پانی پیے چلی گئی تو وہ دونوں مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔'' سبرینہ کو نئی سوچ نے پریشان کر دیا۔

''آپ سب کو بتائیں گے کہ میں یہاں آئی تھی؟''

''ظاہر ہے بھئی۔'' وہ اس کے خوف سے محظوظ ہوا۔

''میں..... تو آنٹی سے ملنے آئی تھی۔ میری ان سے فرینڈ شپ ہے مجھے کیا معلوم تھا کہ.....'' وہ ایک بار پھر روہانسی ہوگئی۔ آنسو چھلک بھی پڑے تھے، اس کے اس روپ کو دیکھ کر وہ شرارت پر آمادہ ہوگیا۔

''تو تم چاہتی ہو کہ میں کسی سے نہ کہوں کہ تم یہاں مجھ سے ملنے آئی تھی؟''

''کہ..... کیا؟ آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے؟ میں آنٹی زہرا سے ملنے آئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ یہاں ہوں گے ورنہ.....'' وہ یک دم ہی بھڑک اٹھی۔ شہریار کی ڈھٹائی اسے تاؤ دلا گئی تھی۔

''تم مجھ سے ملنے آؤ یا آنٹی زہرا سے بات تو ایک ہی ہے۔''

''نہیں ایک بات نہیں ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں آپ گھر والوں کی نظروں میں دھول جھونک چکے ہیں تو مجھے بھی امپرس کر لیں گے۔ یہ آپ کی بھول ہے مسٹر شہریار! اپنی خوش فہمیاں ابھی ختم کر لیجیے بعد میں آسانی رہے گی۔'' وہ جھٹکے سے مڑی۔ شہریار جو زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ اور سن رہا تھا فوراً سنجیدہ ہو کر پھر اس کے سامنے ہوا۔

''کس قسم کی خوش فہمی ذرا وضاحت فرمائیں گی محترمہ؟''

''یہی کہ میں آپ سے..... میرا راستہ چھوڑ دیں ورنہ مجھے اب پاپا کو آپ کا اصل چہرہ دکھانا پڑے گا اور پھر مجھے یقین ہے وہ مجھے آپ جیسے انسان کے جال میں پھنسنے نہیں دیں گے۔'' اس کے بھی جو منہ میں آیا وہ بولتی چلی گئی۔

شہریار حیرت سے اسے سنے گیا۔ سبرینہ اس کی چاہت و محبت کو نجانے کیا سمجھ رہی تھی۔ اسے شدید جھٹکا لگا۔

''تم مجھے چالباز سمجھتی ہو؟ تمہارا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہا ہوں؟ تمہیں اور تمہارے گھر والوں سمیت اپنے گھر والوں کو بھی دھوکا دوں گا؟ تم نے مجھے ایسا ہی ذلیل اور کمینہ انسان سمجھا ہے؟ میں تمہارے لیے کیا سوچتا ہوں اور تم میرے لیے۔ ایسے خیالات رکھتی ہو۔ اگر تمہیں مجھ سے شادی پر اعتراض ہے تو اپنے پاپا سے کہو میرے ڈیڈی سے کہو۔ مجھ پر الزامات لگانے کی ضرورت نہیں ہے انڈر سٹینڈ۔''

وہ اس کے سامنے سے ہٹ کر ایک طرف ہوگیا۔ سگنل تھا کہ وہ یہاں سے جا سکتی ہے۔ سبرینہ چند لمحے تو ساکت رہ گئی۔ پھر اپنے آنسو روکتی وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

کچھ دیر بعد شہریار کو جب ہوش آیا تو اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے سبرینہ سے اتنی سختی کیوں برتی۔ بعد میں اس نے کئی بار اپنے رویے کی معذرت پیش کرنا چاہی مگر سبرینہ اس سے کترا کر اِدھر اُدھر ہو جاتی۔

آنٹی زہرا واپس آ گئی تھیں اور شہریار کی طرف سے اس کا دل صاف کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کر چکی تھیں۔ وہ لاکھ کوشش کرتی پھر بھی اپنے ذہن سے شہریار کا لڑکیوں سے میل جول اور بے تکلفی نہیں بھلا پائی تھی۔

اس کی ممی اسے سمجھا بجھا کر تھک چکی تھیں اس لیے اب انہوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کے احتجاجی رویوں کے باوجود اس کی شادی کے فیصلے میں ترمیم نہیں کی گئی۔ اس کی

شادی عید کے بعد ہونا قرار پائی تھی کیونکہ اس کے بھائی اور بہن عید پر آ رہے تھے۔ ان کے آنے سے پہلے پہلے اس کی ممی ساری تیاریاں مکمل کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے خوب شاپنگز ہو رہی تھیں۔

محسن انکل نے خصوصی طور پر فون کر کے کہا کہ وہ اپنی پسند سے شہر یار کے ساتھ ساری شاپنگ کرے۔ شہر یار تو حکم کی تعمیل میں اسے کئی بار لینے آیا تھا مگر وہ ہر بار انکار کر دیتی تھی۔

آج وہ لینے آیا تو وہ بے زاری سے تلخ ہو گئی۔

''جب زندگی کے اتنے اہم معاملے میں میری پسند کا خیال نہیں رکھا گیا تو عام ضروریات زندگی میں میری پسند کو ترجیح کیوں دی جا رہی ہے۔ یہاں بھی اپنی اپنی مرضی کیجیے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ پلیز ممی ڈونٹ ڈسٹرب می۔'' آخر میں وہ روہانسی ہو گئی۔

اس کی ممی اسے گھور کر شہر یار سے معذرت کرنے چلی گئیں اور جب واپس آئیں تو ان کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔

''رینو آخر یہ تماشا کب ختم ہوگا؟ تم ہماری اور شیری کی شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔ ارے یہاں لوگ اچھے رشتوں کے لیے منتیں مانتے ہیں۔ تمہاری قسمت اچھی تھی کہ محسن اور شیری کی خواہش بن گئی ہو لیکن تمہارا نخرہ ہی ختم نہیں ہو رہا۔ ایک دن بھی تم نے شہر یار کے ساتھ ڈھنگ سے بات نہیں کی۔ اس کے نتائج کچھ اچھے نہیں نکلیں گے۔ تمہارا رویہ تمہارا مستقبل تباہ کر سکتا ہے۔ آئندہ شیری کے ساتھ تمہارا رویہ ٹھیک نہ ہوا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' وہ ایک دم ہی بھڑک اٹھیں۔

''ممی آپ صرف مجھے ہی الزام دیں گی صرف اس لیے کہ آپ نے شہر یار کا شریفانہ روپ دیکھا ہے۔ آپ کبھی اسے کسی لڑکی کے ساتھ بات کرتے دیکھیں تو شرافت کا ملمع اتر جائے گا۔''

''شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جاتا ہے بچے، ہر مرد اس عمر میں ایسی غلطیاں کرتا ہے۔ شیری تو سنبھل گیا ہے ناں۔ تمہاری زہرا آنٹی بھی گواہ ہیں کہ تمہارے لیے اس نے خود کو بہت بدل لیا ہے۔ اب زیادہ دیر گھر سے باہر بھی نہیں رہتا۔ فون کالز بھی بہت کم ہو گئی ہیں۔'' پہلے انہوں نے سختی برتی اور پھر نرمی سے سمجھانے لگیں۔

''اس کا مطلب ہے آپ جان بوجھ کر مجھے تختہ دار پر لٹکانا چاہتی ہیں اگر وہ شادی کے بعد بھی نہ سدھرا تو میں ساری زندگی جلوں گی ناں۔'' اس کے خدشات آنسوؤں کے ساتھ باہر آ گئے۔

اس کی ممی پہلے تو مسکرائیں اور پھر بڑھ کر اسے سینے سے چمٹایا۔

''بالکل بے وقوف ہو خود پر کانفیڈنس نہیں ہے کیا۔ کیا ہو گیا ہے رینو؟ تم ایسی کم ہمت تو کبھی نہیں تھیں؟ سنو جانو پھل اگر خود بخود جھولی میں گرے تو کوئی کیا اسے اٹھا کر پھینک دے گا۔ شیری کے ساتھ یہی مسئلہ تھا۔ لڑکیاں خود اس کے آگے پیچھے تھیں۔ اب شیری کو ان سے کیسے دور رکھنا ہے یہ تمہارے گٹس ہیں۔ او کے اب اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں پلاننگ کرو پچھلی باتیں بھلا دو خوش رہا کرو۔''

ممی نے اسے جو سمجھانا چاہا تھا وہ سمجھ بھی رہی تھی مگر اپنی کیفیات پر اسے اختیار بھی نہیں تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ شہر یار کے ساتھ کس طرح دوستانہ رویہ اپنائے۔ کس طرح اپنائیت کا اظہار کرے۔ اپنے والدین کی شرمندگی اسے بھی منظور نہیں تھی اس لیے اس نے خود پر جبر کر کے اپنے مستقبل کی خاطر مصالحت کرنے کی سوچ لی تھی۔ اب جب شہر یار کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ ہو ہی چکا تھا تو اسے ایسا کرنا ہی تھا۔

☆☆☆

رمضان شروع ہو چکا تھا۔ افطاری اور سحری کے اہتمام کے علاوہ اس بار اس کی شادی کی مصروفیات بھی تھیں۔ سبرینہ نے اپنا احتجاجی رویہ نہیں بدلا تھا۔ اس کی ممی اپنی کزنز اور سہیلیوں کی مدد سے اس کے لیے جہیز خریدتی پھر رہی تھیں اور اسے کسی چیز میں دلچسپی نہیں تھی سوائے رمضان کی عبادات کے۔ وہ پورے خشوع و خضوع سے روزے رکھ رہی تھی۔ تلاوت اور نمازیں پڑھنے میں مصروف رہتی تھی۔ اس نے کہیں آنا جانا بھی چھوڑ رکھا تھا۔ آج بھی وہ ممی کے کزن کی طرف افطار پارٹی پر نہیں گئی تھی۔ ممی نے ابھی اسے مجبور کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے وہ اس کے پاپا کے ساتھ چلی گئی تھیں۔ جبکہ سبرینہ ملازمہ کے ساتھ گھر میں اکیلی تھی۔

افطار کے بعد ملازمہ کے ساتھ کچن سمیٹ کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی نماز تراویح کے لیے ابھی کافی وقت تھا۔ سو اس نے سوچا کہ گرم شاور لے کر ذرا تازہ دم ہو جائے کچھ دنوں سے وہ حرارت محسوس کر رہی تھی مگر ناراضگی میں ممی کو بتا نہیں رہی تھی۔ ویسے بھی اسے اندیشہ تھا اس کی معمولی سی بیماری بھی سبھی کو پریشان کر دے گی۔ سو وہ کسی کو بتانا نہیں چاہتی تھی۔

شاور لے کر وہ جیسے ہی نکلی اپنے بیڈ پر شہر یار کو نیم دراز دیکھ کر پہلے تو اسے یقین ہی نہیں آیا اور جب اسے یقین آیا تو عجیب سی ناگواریت اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ اسے شہر یار کا بے دھڑک اپنے کمرے میں آنا اور بیڈ پر نیم دراز ہونا قطعی پسند نہیں آیا تھا۔

''آپ..... یہاں..... میرے روم میں؟'' سبرینہ کی ناگواری کسی بھی طرح چھپی نہ رہ سکی۔
شہریار تو آہٹ پر پہلے ہی متوجہ ہو گیا تھا اور اس کا نکھرا دھلا روپ دیکھ کر مبہوت بھی رہ گیا تھا۔ اس کے ٹاول میں لپٹے بالوں سے پانی اس طرح ٹپک رہا تھا جیسے کہ موتی۔

سبرینہ نے خود پر اس کی نگاہیں محسوس کر کے بیڈ کے سرے پر پڑا اپنا دوپٹہ اٹھایا اور اچھی طرح اوڑھ کر دوبارہ مخاطب کیا۔

''ممی پاپا گھر پر نہیں ہیں آپ کو ڈرائنگ روم میں بیٹھنا چاہیے تھا۔ ویسے۔ انہیں آنے میں کچھ دیر ہو جائے گی۔'' مقصد یہی تھا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں لیکن شہریار بھی آج کچھ اور ہی سوچ کر آیا تھا۔

''آج میں صرف تم سے ہی ملنے آیا ہوں۔ تمہیں اپنے روم سے نکلنا گوارا نہیں ہوتا اس لیے مجھے یہاں تک آنا پڑا۔''

''پھر بھی آپ کو باہر ہی بیٹھنا چاہیے تھا۔ آئیں باہر چلیں۔'' ممی کی ڈانٹ کا احساس تھا اس لیے کچھ نرمی اور لچک تھی اس کے لہجے میں۔ شہریار اس کی حساسیت محسوس کر رہا تھا پھر بھی لاپرواہی سے بولا۔

''یہاں بیٹھنے میں کوئی پرابلم ہے؟ ویسے بھی اب اس روم میں میرا بھی شیئر ہے ہے ناں۔''
سبرینہ نے اسے سنجیدگی سے گھورا۔

''ٹھیک ہے آپ بیٹھیں میں جاتی ہوں۔'' ان کی شادی میں کچھ دن ہی رہ گئے۔ وہ کسی کی باتیں نہیں سننا چاہتی تھی۔

''تم..... تم کہاں جا رہی ہو؟'' وہ ایک دم ہی سیدھا ہو گیا۔

''آپ کی خاطر مدارات کا بندوبست کرنے۔'' اس کے لبوں کے کناروں سے شریر سی مسکراہٹ چھلکی تھی۔ شہریار فوراً ہی پیچھے لپکا۔ وہ کوریڈور میں کھڑی فون پر نمبر ملا رہی تھی۔ شہریار نے سر پر پہنچ کر اس سے ریسیور لے کر تھاما اور پھر کریڈل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''کس کو فون کر رہی ہو؟''

''ممی پاپا کو.....؟'' وہ لاپرواہی سے کہتی اس کے قریب سے ہٹ کر دور جا کر کھڑی ہوئی۔
شہریار کو اس کی احتیاط اچھی لگی تھی۔

''کیوں؟ انہیں کیوں بلا رہی ہو کہا ہے ناں میں تم سے ملنے بلکہ کچھ باتیں کرنے آیا

ہوں۔''

''آپ کو ان کی موجودگی میں آنا چاہیے تھا۔ اس وقت میں گھر پر تنہا ہوں آپ پھر کسی وقت آیئے گا پلیز۔'' سبرینہ کو لگ رہا تھا وہ اپنی بات سمجھا نہیں پا رہی ہے۔ کیونکہ مقابل لاپروا بنا ہوا تھا۔

''ان کی موجودگی میں تو تم اپنے حجرے سے جھانکنا بھی پسند نہیں کرتی۔ ٹھیک ہے تمہیں مشرقی روایات کا پاس ہے مگر یار ہم اکٹھے کام کر چکے ہیں۔ مجھ سے پردہ کس خوشی میں کرتی ہو؟ ڈونٹ وری میری یہاں موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ میں بڑوں کی پرمشن لے کر ہی یہاں آیا ہوں کیا مجھے آج چائے، کافی، کچھ نہیں ملے گا۔ شہریار نے مسلسل بولتے ہوئے اس کی کچھ کہنے کی خواہش کو جیسے ناکام بنا دیا۔

وہ بے بسی سے سر ہلا کر اسے لاؤنج میں بیٹھنے کا اشارہ کر کے کچن کی طرف مڑ گئی۔ ملازمہ سے شہریار کے لیے کافی اور لوازمات لے کر جانے کا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں پھر سے چلی آئی۔ بالوں میں تولیہ لپٹا تھا۔ پہلے بالوں کو تولیے سے آزاد کیا اور پھر ان میں برش پھیرنے لگی۔ خیالات بار بار شہریار کی طرف رخ موڑ لیتے تھے۔ وہ خود کو اس کے ساتھ ایڈجسٹ ہونے کے لیے کئی بار سمجھا چکی تھی بلکہ اس نے اپنے شعور و لاشعور کو بھی شہریار کے لیے ہموار کرنا شروع کر دیا تھا۔

وہ سب کی محبت دیکھتی تو شہریار میں کوئی کمی محسوس نہ ہوتی لیکن اپنے احساسات پرکھتی تو وہ ایک بات کھٹکنے لگتی کہ شہریار اپنے سچے جھوٹے جذبات ہر لڑکی پر لٹاتا ہے۔ بحیثیت بیوی اس کے حصے میں کیا آئے گا۔ بس یہیں اس کے جذبات سرد پڑنے لگتے ہیں۔ وہ اپنے آپ میں مگن تھی جب ملازمہ نے آ کر اسے چونکا دیا اور شہریار کے بلاوے کی اطلاع بھی دی۔ اسے علم تھا یہ حضرت سیدھی طرح ٹلنے والے نہیں ہیں سو دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے وہ پھر سے اس کے سامنے لاؤنج میں آ گئی۔

''کیا تم اپنے ہر گیسٹ کے ساتھ ایسا ہی کرتی ہو اسے اکیلا بیٹھا کر خود غائب ہو جاتی ہو۔'' اسے سامنے دیکھتے ہی شیری نے خبر لی تو وہ گڑبڑا گئی۔

''وہ ایکچوئلی میں.....'' اس سے کوئی بات نہیں بن پڑی تو اس کی توجہ میز پر پڑے لوازمات کی طرف مبذول کروائی۔

''آپ نے کچھ لیا نہیں؟ کافی تو ٹھنڈی ہو گئی ہو گی۔ میں دوسری بنواتی ہوں۔ صغراں؟''

ملازمہ کو آواز دیتے ہوئے وہ خود بھی اٹھنے لگی تو شیری نے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھے رہنے کو کہا۔

''اٹس اوکے ویسے بھی مجھے ہاٹ کافی کو کولڈ کافی بنا کر پینے کی عادت ہے۔''

وہ جانتی تھی وہ اسے شرمندہ کر رہا ہے۔ اس لیے ملازمہ کے آنے پر اس نے دوسری کافی بنانے کا کہا اور پھر اسے پلیٹ سرو کی۔

''پلیز تھینکس میں اس سب کے لیے نہیں آیا ہوں۔ ایکچوئلی مجھے اوپر سے سخت آرڈر ملے ہیں۔ عید کی شاپنگ تمہاری مرضی سے ہوگی۔ ورنہ ڈیڈ اور آنٹی مجھے گھر سے نکالنے کا ارادہ کر چکے ہیں۔'' سبرینہ نے اسے الجھن زدہ نظروں سے دیکھا۔

''پلیز..... پلیز سبرینہ نو آرگومینٹس، تمہیں ابھی میرے ڈیڈ کے غصے کا علم نہیں ہے۔ گھر آؤ گی تو میرا حال دیکھنا۔ اگر میں ان کا کوئی حکم ماننے سے منکر ہو جاؤں تو وہ مجھے فوراً عاق کر دیں گے۔ پلیز تمہیں آج تو میرے ساتھ چلنا پڑے گا ورنہ پھر تمہیں بھی سزا بھگتنی پڑے گی۔ میرے ساتھ کسی تھرڈ کلاس علاقے کے تھرڈ کلاس کوارٹر نما مکان میں رہنا پڑے گا۔ اس لیے پلیز۔''

سبرینہ کو نہ تو اس کی باتوں پر یقین آ رہا تھا اور نہ ہی اس کا یہ مسخرہ پن ایک آنکھ بھایا تھا۔ پھر بھی تحمل کا مظاہرہ کر کے بولی۔

''ممی پاپا گھر پر نہیں ہیں۔ میں ان کی اجازت کے بنا کہیں نہیں جاتی۔ میں انکل اور آنٹی سے ابھی فون پر معذرت کر لیتی ہوں۔''

''ڈیڈ تو گھر پر نہیں ہوں گے بلیومی سب کی اجازت سے میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ کم آن پھر زیادہ رات ہو جائے گی تو تم ہی پریشان ہوگی۔'' شہریار اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کا ہاتھ تھام کر باہر کی طرف چل دیا۔

سبرینہ اس افتاد کے لیے تیار نہیں تھی اس لیے ارے..... ارے کرتی رہ گئی۔ شیری اسے کھینچتے ہوئے گاڑی تک لے گیا اور پھر فرنٹ سیٹ پر اسے دھکیل کر لاک لگایا۔ پیچھے آتی ملازمہ صغراں کو ہدایت دی کہ اس کے گھر والوں کو بتا دے کہ وہ اس کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی ہے۔

شہریار گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آیا تو وہ مسلسل ہینڈل کے ساتھ احتجاجی سلوک کر رہی تھی۔

''یہ اندر سے نہیں باہر سے کھلے گا اس لیے پلیز زور آزمائی مت کرو۔'' شہریار نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے اسے اطلاع دی۔

''یہ..... یہ کیا طریقہ ہے۔ آپ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔ میں کہیں نہیں جا رہی،

گاڑی روکیں آئی سیڈ سٹاپ دی کار۔'' وہ آخر چیخ ہی اٹھی مگر شہریار ان سنی کرتا گاڑی گھر سے نکال کر سڑک پر لے آیا۔

''تمہارے ساتھ یہی طریقہ اپنایا جا سکتا تھا اور اب تو جانا پڑے گا۔''

''ہرگز نہیں گاڑی واپس موڑیں۔'' سبرینہ کا غم و غصے سے برا حال تھا اس نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھ کر اسے روکنا چاہا۔ لمحہ بھر کے لیے گاڑی کنٹرول سے باہر ہوئی تھی مگر پھر شہریار نے سنبھال لی۔

''آرام سے بیٹھو بچپنا مت دکھاؤ۔''

''میں بچپنا دکھا رہی ہوں؟ یا آپ؟ آپ کو تو نہ مینرز معلوم ہیں نہ ایٹی کیٹس کا پتہ ہے۔ آپ مجھے جس طرح لے کر آئے ہیں ناں اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔''

''مجھے مینرز بھی پتہ ہیں اور ایٹی کیٹس بھی لیکن یہ سب تم نے مجھے بھولنے پر مجبور کیا ہے۔ اگر مجھے اچھے برے انجام کی پروا ہوتی ناں تو تم جیسی بے حس لڑکی کے ساتھ میں اپنا ماتھا نہیں پھوڑتا انڈر سٹینڈ۔'' شہریار نے اسی کا لہجہ اپنایا تو وہ مزید بھنا گئی۔

''تو کس نے کہا ہے آپ میرے ساتھ ماتھا پھوڑیں جائیں کوئی اور ڈھونڈ لیں۔ ویسے بھی آپ کو اپنے معیار کی لڑکی ڈھونڈنے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔''

''ایک ڈھونڈ لی ہے وہی سنبھالی نہیں جا رہی مجھ سے۔ اچھا پلیز اب آرام سے شاپنگ کے لیے اترو۔'' شہریار نے ایک بڑے شاپنگ پلازا کے پارکنگ میں گاڑی روک کر اسے پہلے اسی کے انداز میں جواب دیا اور پھر یکدم نرمی پر اتر آیا۔

''مجھے کچھ نہیں لینا مجھے واپس گھر چھوڑ کر آئیں۔'' اس نے سارا رخ کھڑکی کی طرف موڑ کر باہر دیکھا۔ سردی کے باوجود لوگوں کا ہجوم سا تھا جو شاپنگ سینٹر کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ مسرتوں سے چہرے جگمگا رہے تھے۔ قہقہے، مسکراہٹیں، سرگوشیاں سبھی مل کر ماحول میں ردھم سا پیدا کر رہی تھیں، جبکہ اسے غصہ اور ناراضگی گھیرے ہوئے تھی، کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

شہریار گاڑی بند کر کے اتر کر گھوم کر اس کی طرف آیا اور پھر اس کی طرف کا لاک کھولتے ہوئے اسے پھر نرمی سے مخاطب کیا۔

''رینو پلیز فار گاڈ سیک اتر آؤ، یہاں کوئی تماشا نہیں بنوانا۔ ویسے بھی مجھے آنٹی اور انکل کے گھر پہنچنے سے پہلے تمہیں گھر پہنچانا ہے۔'' سبرینہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تو وہ خجل سا ہو

کر اپنا کان کھجانے لگا۔

''اس کا مطلب ہے آپ مجھے جھوٹ بول کر لائے ہیں۔''

''سارا جھوٹ نہیں ہے۔ تمہیں اپنے ساتھ کبھی بھی کہیں بھی لے جانے کی پرمیشن آل ریڈی وہ مجھے دے چکے ہیں۔ کم آن یار اب ٹائم ویسٹ نہیں کرو۔'' شہریار نے اس کے تاثرات کی پروا کیے بغیر ایک بار پھر اس کا بازو پکڑ کر کھینچنا چاہا تو اس نے سرد مہری سے اپنا بازو چھڑایا۔

''مجھے کچھ بھی نہیں لینا ہے۔ آپ جائیے اور اپنے شوق پورے کیجیے میں یہیں بیٹھی ہوں۔''

''میرے شوق کی تسکین تمہیں اپنے ہمقدم لے کر چلنے سے ہوگی۔ سنا ہے اس ماہ مبارک میں سچے مسلمان اپنے دلوں کی کدورتیں مٹا دیتے ہیں۔ آؤ ہم بھی سب کچھ بھلا کر دوستی کر لیں۔'' شہریار نے اسے پرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے پُرخلوص انداز میں اپنا ہاتھ بڑھایا جسے نظر انداز کر کے وہ گاڑی سے نکل کر بولی۔

''میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں مردوں کے ساتھ دوستی نہیں رکھتی۔''

''سبرینہ آئی ایم یور فیانسی..... میں سچی دوستی کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ اس کے بے لچک لہجے پر قدرے حیرت سے چیخ اٹھا اور پھر ماحول کا احساس کرتے ہی لہجہ مدھم بھی کر لیا۔ اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس لڑکی کو کیسے سمجھائے وہ اس کے خلوص کو کوئی اہمیت دینے کو تیار ہی نہیں تھی۔

''سبرینہ تم اتنی ناسمجھ ہو تو نہیں کہ میرے سچے جذبات کو سمجھ نہ سکو۔ ٹھیک ہے آئندہ میں تمہیں اپنے بارے میں صفائیاں نہیں دوں گا۔ کم آن۔'' وہ اسے ہمراہ لے کر شاپنگ پلازہ کی سیڑھیاں چڑھ گیا۔ سبرینہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ یہاں کسی قسم کا احتجاجی مظاہرہ کر کے وہ کوئی تماشا کھڑا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہاں تو کسی شناسا ملنے کے امکان بھی زیادہ تھے۔ وہ مجبوراً اس کے ساتھ تھی۔ وہ اس کے لیے نہ جانے کیا کچھ خرید رہا تھا۔ اس کی تائید کے لیے اس کی جانب دیکھتا تو وہ نظریں چرا لیتی۔ دل ہی دل میں اس کے انتخاب کو سراہتی بھی تھی۔ اس نے ہر چیز لاجواب چنی تھی۔ آخر میں اسے چوڑیوں کی دکان میں لے کر گیا۔ اس کے لیے خوبصورت پنک چوڑیوں کا دیدہ زیب اور نازک سیٹ پسند کرنے کے بعد خود ہی اسے پہنانے کی آفر کی۔

''میں گھر جا کر پہن لوں گی شہریار!'' پہلی بار اس کا نام لیا تھا۔ خود کو عجیب لگا تھا جبکہ شہریار کی سماعتیں تو کب سے اپنا نام اس کی زبان سے سننے کو بے چین تھیں لمحہ بھر میں ہی وہ سرشار ہو

گیا۔

''ہاں جیسے انگیجمنٹ رنگ پہنی تھی۔'' وہ یکدم ہی شرمندہ ہوگئی۔ اس نے اب تک انکل محسن کی دی ہوئی انگوٹھی نہیں پہنی تھی۔

''شاید تمہیں ڈیزائن پسند نہیں ہوگا ہے ناں ڈیڈ سے کہا بھی تھا کہ رنگ میری پسند کی ہوگی مگر انہیں اپنی خاندانی رنگ ہی پسند ہے۔ خوبصورت رنگ خرید رکھی ہے اگر اجازت ہو تو۔'' اس کی نازک سفید کلائی میں گلابی کانچ کی چوڑیاں پہناتے ہوئے سرگوشی میں بولا تو اس کا دل چاہا کہ واپس بھاگ جائے۔ یہ شخص اس کی ہر بدتمیزی کو جس حوصلے سے سہہ رہا تھا۔ اس میں اس کا خلوص اس کا حوصلہ شامل تھا۔

پھر شہریار نے بنا اس کے کسی احتجاج کی پروا کیے بغیر وہیں چوڑیوں کی دکان میں بیٹھ کر اس کی انگلی میں ڈائمنڈ کی بیش قیمت انگوٹھی پہنائی۔ جسے وہ پہلے دن سے اپنی جیب میں لیے پھرتا تھا مگر اسے موقع آج ملا تھا۔

''آئی ہوپ کہ تم اسے نہیں اتارو گی۔'' سبرینہ جیسے گم صم ہوگئی تھی۔ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیا ردعمل دکھانا چاہیے۔

''مہندی تو انہیں میرے نام کی تھوڑے دنوں بعد ہی لگنے والی ہے۔ آج نہیں۔ آئی پرامس اگلے سال ضرور یہاں سے مہندی بھی لگوائیں گے۔'' وہ سیلز گرل سے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ سبرینہ نے جل کر سوچا۔

''ہونہہ خوش فہمی اگلے سال۔ ایک پل کا پتہ نہیں ہے اور.....''

''چلیں.....'' وہ فارغ ہو کر پھر اس کی جانب متوجہ ہوا۔

سبرینہ ناراضگی برقرار رکھے ہوئے اس کے ساتھ دوبارہ گاڑی میں آ بیٹھی۔ زوردار آواز کے ساتھ اس نے دروازہ کھینچ کر بند کیا۔ جھنجلاتے ہوئے اپنا بازو کھڑکی پر رکھا تو کئی ایک چوڑیاں بھی ٹوٹ کر بکھر گئیں۔

''سنبھال کے..... سنو ابھی میں زندہ ہوں میرے مرنے کے بعد تم ایسا کر لینا۔'' شہریار کی سنجیدہ اور افسوس سے پر آواز پر سبرینہ کو بھی جیسے ہوش آیا۔ اس کی بات کی گہرائی محسوس کر کے وہ بھی شرمندہ ہوگئی۔

''تم اگر سمجھتی ہو کہ تمہارے رویوں سے تنگ آ کر میں اس شادی سے انکار کر دوں گا تو یہ

تمہاری بھول ہے۔ ہمارے خاندان میں شادی کر کے چھوڑ دیتے ہیں اپنی منگ نہیں چھوڑتے۔'' اس نے جس انداز میں کہا تھا سبرینہ کو سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔ اس کی ممی یہی باتیں اسے سمجھاتی رہی تھیں۔ زندگی گزارنے کے لیے سمجھ بوجھ کے درس بھی دیتی رہی تھیں لیکن وہ کیا کرتی، شہریار کی کمزوریاں اس کی آنکھوں سے اوجھل ہی نہیں ہوتی تھیں۔

وہ اپنی سوچوں میں ایسی غلطاں تھی کہ اسے خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب شہریار راستہ بدل کر اپنے گھر تک لے آیا ہے وہ چونک کر ہوش میں آ گئی۔

''آپ..... مجھے یہاں کیوں لے آئے؟ مجھے اپنے گھر جانا ہے۔''

''یہ گھر بھی تمہارا ہی ہے بلکہ یہی گھر تمہارا ہے کچھ دن بعد بھی تو آنا ہے تو میں نے سوچا کہ آج ہی.....؟''

''وہاٹ..... آپ ہوش میں تو ہیں شہریار؟ آپ مجھے اس طرح اس گھر میں لانے کے خواب دیکھ رہے ہیں؟ کیا آپ نے مجھے اپنے روپوں سے خریدی ہوئی کوئی پلو فرینڈ سمجھا ہے یا بازاری لڑکی، مجھے پہلے ہی پتہ تھا آپ جیسے انسان کی نیچر نہیں بدل سکتی۔ کائینڈ یور انفارمیشن مسٹر شہریار میں امریکہ کی سڑکوں پر چند ڈالرز کے عوض اپنا آپ لٹانے والی کال گرل نہیں، پاکستان کے باعزت گھرانے کی باعصمت لڑکی ہوں۔ مجھے اپنے جال میں پھانسنا بہت مشکل ہے۔''

شہریار کی ادھوری بات سنتے ہی وہ جس طرح بھڑکی تھی شہریار حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ وہ اس کی مذاق میں کہی بات کا مطلب اتنا غلط لے گی اس کا اسے اندازہ ہی نہیں تھا۔ وہ اسے آنٹی زہرا سے ملوانے لایا تھا۔ بلکہ یہ دکھانے کہ اس گھر میں ہر فرد اس کی آمد کو کسی نعمت سے کم نہیں سمجھتا اور وہ اسے کیا کیا نہیں سنا رہی تھی۔ اپنی بھڑاس اچھی طرح نکال کر وہ غصے میں تلملاتے ہوئے اس کی گاڑی سے نکلی اور فوراً باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ شہریار کو تب ہوش آیا جب وہ جا چکی تھی۔ بعد میں وہ پیچھے گیا بھی لیکن اسے رکشہ مل گیا تھا۔

سبرینہ کے خیالات سن کر افسوس و صدمے سے دو چار تو وہ بھی ہوا تھا۔ سبرینہ جلتی بھنتی گھر پہنچی۔ چوکیدار کے ہاتھ پیسے بھجوا کر وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔ اس کی ممی پاپا آ چکے تھے اور شہریار کے ساتھ جانے کے بارے میں جان کر مطمئن بھی تھے۔ اس کی ممی نے بعد میں اس کے کمرے میں جا کر شہریار کے ساتھ جانے، شاپنگ کا احوال جاننا چاہا مگر اس نے دروازہ کھول کر نہیں دیا بلکہ وہ اس رات سحری کے لیے بھی نہیں اٹھی۔ اس کی ممی نے اس کے نہ اٹھنے کا خاص نوٹس نہیں لیا

تھا لیکن جب وہ اگلی دوپہر تک نہ نکلی تو انہیں تشویش ہونے لگی۔ پہلے تو انہوں نے جا کر اس کا دروازہ بجا ڈالا اور جب اس نے دروازہ نہ کھولا تو وہ پریشان ہو اٹھیں۔

سبرینہ نے آج تک ایسا ردعمل نہیں دکھایا تھا کہ دروازہ بند کر کے بیٹھ جاتی۔ ناراضگی کے باوجود وہ روٹین کے کام تو ضرور کرتی تھی مگر رات سے وہ کمرے میں بند تھی۔ انہیں فوراً شہریار کا خیال آیا تو انہوں نے اسے فون کر کے بلایا اور ساتھ ہی اس کی دوست ہما کو بلا لیا۔

نجانے کیا بات تھی ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ دونوں بیٹے اور بیٹی بھی اپنے بال بچوں سمیت ایک روز میں آنے والے تھے۔ انہیں کسی بدمزگی کا اندیشہ سا ہو چلا تھا۔ شہریار تو فوراً ہی بھاگا آیا تھا۔ رات بھر وہ بھی پریشان رہا تھا۔ اپنے مذاق میں کہے الفاظ یاد آنے پر خود سے ہی شرمندگی بھی تھی۔

سبرینہ کتنی حساس ہے اس بات کو جانتے ہوئے بھی اس نے جس ڈرامائی انداز میں اس سے وہ مذاق کیا تھا اس پر اس کا بگڑ اٹھنا تو لازمی تھا۔ پھر مسز جمال کے پوچھنے پر اس نے ایسے اور اس کے درمیان ہونے والی غلط فہمی کا بتایا تو وہ اپنا ماتھا پیٹ کر رہ گئیں شہریار کو تو وہ کچھ نہ کہہ سکیں البتہ سبرینہ کی جذباتیت پر اسے دل ہی دل میں خوب سنایا۔

شہریار کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ پھر سے اس کے کمرے کی طرف آئیں۔ دروازہ کھٹکھٹانے کے جواب میں سبرینہ کی بوجھل بیزار آواز ان کی سماعت میں اتری۔

''ممی مجھے ڈسٹرب مت کریں مجھے جب آنا ہوگا میں باہر آ جاؤں گی۔''

''سبرینہ دروازہ کھولو بچے کیا ہوا ہے مجھے بتاؤ۔''

''میں کہہ رہی ہوں ناں ابھی مجھے تنگ نہیں کریں۔'' اس کا لہجہ ہنوز ویسا ہی تھا۔

''سبرینہ تم دروازہ کھول رہی ہو یا میں تمہارے پاپا کو فون کروں؟ دیکھو بچے ہر بات جذبات اور غصے سے حل نہیں ہوتی۔ شیری تم سے ایکسکیوز کرنے آیا ہے۔'' وہ شاید دروازے کے پاس تھی کھٹک سے دروازہ کھول دیا۔

''وہ اب یہاں کیا کرنے آیا ہے؟ ممی میں ایسے انسان سے شادی نہیں کروں گی آپ پاپا سے کہہ دیں یا پھر میں خود کہوں۔'' اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔ آنکھیں سوجی ہوئی اور چہرہ اترا ہوا تھا۔

''کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو سبرینہ؟ یہ کوئی گڈے گڑیا کی شادی ہے جو کبھی بھی

ملتوی ہوسکتی ہے اور تم یہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو مسئلہ بنانا چھوڑ دو ورنہ ساری زندگی پچھتاؤ گی۔ شیری نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے وہ اپنے مذاق پر شرمندہ بھی اور.....؟''

''پلیز مام بس کریں میں اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔ اس نے آ کر آپ سے کچھ بھی کہہ دیا اور آپ نے یقین کرلیا۔ آپ کو مجھ پر اپنی بیٹی پر اعتبار نہیں ہے۔ آپ سے وہ نقاب چڑھا کر ملتا ہے میں نے اس کا بے نقاب چہرہ دیکھا ہے۔ میں سب کچھ بھلا بھی رہی تھی مگر کل رات اس نے جس گھٹیا پن کا ثبوت دیا ہے اس کے بعد تو میری اس سے شادی ناممکن ہے، اگر آپ مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہیں تو.....؟'' اس کے لہجے پر دل میں خوفزدہ ہونے کے باوجود اسے سرزنش کیے بنا نہ رہ سکیں۔

''قصور تمہارا نہیں قصور ہمارا ہے۔ ہم نے ہی تمہیں کھلی چھٹی دے کر تمہارا دماغ ساتویں آسمان پر چڑھایا ہے۔ تم پہلے روز سے ہی اس لڑکے کے خلاف ہو۔ اس کی وجہ کوئی اور ہے تو ہمیں صاف بتا دو۔ اس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہانہ مت بناؤ آئی سمجھ۔ میں تمہارے پاپا کو بھی ابھی بلاتی ہوں بتاتی ہوں انہیں تمہارے اعتراضات۔''

وہ غصے سے کہتی ہوئیں کمرے سے نکل گئیں جبکہ وہ صدمے سے گنگ کھڑی رہ گئی۔ اس کی ممی اسے کتنا غلط سمجھ رہی تھیں۔ صرف اور صرف شہریار کی وجہ سے غم و غصے سے اس کے دماغ کی نسیں جیسے پھٹنے لگیں۔ وہ فوراً ہی اوندھے بیٹھ پر جیسے گر سی گئی۔ اس کی ممی ڈرائنگ روم میں آئیں تو ہما بھی آ گئی۔

''کیا بات ہے آنٹی؟ کیا ہوا ہے سبرینہ کو؟'' ہما نے آتے ہی بے چینی سے پوچھا۔ اس کی ممی فون پر پہلے ہی اسے بتا چکی تھیں کہ وہ رات سے کمرے میں بند ہے۔''

''دماغ خراب ہوگیا ہے بے وقوف لڑکی کا جاؤ دیکھو سمجھاؤ اسے۔'' وہ پریشانی اور غصے سے جھنجھلائی ہوئی تھیں۔ شہریار بھی ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''آنٹی اس کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟'' ہما نے چونک کر دیکھا وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

''ارے شیری بھائی آپ..... السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ؟'' وہ اپنی موجودگی عجیب محسوس کر رہا تھا۔ سبرینہ کی ممی کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔

''میں تو اچھی ہوں مگر لگتا ہے آپ خیریت سے نہیں ہیں۔'' ہما نے شریری لہجے میں کہا تو وہ

پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔

''آپ دونوں میں ابھی تک مفاہمت ہی نہیں ہوسکی۔ آخر پرابلم کیا ہے؟'' سبرینہ کی ممی وہاں سے ہٹی تو ہما نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں تو بہت کوشش کر چکا ہوں۔ اب مفاہمت ون سائیڈڈ تو نہیں ہوتی۔ سبرینہ کو کوئی پرابلم ہے تو وہ مجھ سے یا کسی سے ڈسکس تو کرے۔ معلوم تو ہو کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ ہماری شادی اتنی قریب ہے مگر اس کا بی ہیو ہی چینج نہیں ہو رہا۔'' اس کے لہجے میں سنجیدگی کے ساتھ شکوؤں کی آمیزش بھی تھی۔

ہما کو بھی دوستی کے ناتے سبرینہ کے حوالے سے شرمندگی سی ہونے لگی۔ وہ جانتی تھی سبرینہ نے ابھی تک شہریار کو دل سے قبول نہیں کیا۔ وہ مزید وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی فوراً کھڑی ہوگئی۔

''میں ذرا رینا سے مل آؤں۔ دیکھتی ہوں اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

''اس کی طبیعت ٹھیک ہو بلکہ اس کا موڈ ٹھیک ہو تو اس سے کہیے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔'' شہریار کے لبوں پر زیرلب مسکراہٹ آ گئی۔ ہما سر ہلا کر رینا کے کمرے میں آ گئی۔

سبرینہ کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ بستر پر اوندھے منہ لیٹی سسک رہی تھی۔ ہما کی پکار پر اس نے فوراً اپنی آنکھیں صاف کیں۔ دوبارہ آواز دینے پر وہ سیدھی ہوگئی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟''

''ہاں وہ سر میں درد ہے شاید ٹمپریچر بھی ہوگا۔'' اس کی بھرائی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

''آؤ بیٹھو خیریت سے آئی ہو؟'' وہ اپنے بستر پر سمٹ کر بیٹھ کر اسے بھی بیٹھنے کی پیش کش کرنے لگی۔

''میں نے فون کیا تھا تو آنٹی نے بتایا کہ تم رات سے اپنے روم میں بند ہو جبکہ سننے میں آیا ہے کہ ہمارے جیجا جی کے ساتھ کل شاپنگ بھی ہوئی ہے۔'' ہما نے اسے بولنے پر اکسایا۔

''کیا کیا خریدا؟'' ہما کے شرارت آمیز لہجے پر اس کا ضبط پھر سے ٹوٹ گیا۔

''ہما تم یہ کیا جیجا جی، بھیجا جی لگی ہوئی ہو۔ میرا اس خبیث انسان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ لے جاؤ اور ممی کو دے دو۔ مجھے اس فضول انسان کی کسی چیز سے لگاؤ نہیں ہے۔''

سبرینہ نے چیختے ہوئے بیڈ سائیڈ پر پڑا ایک شاپر اٹھا کر ہما کی گود میں پھینکا جس میں شہریار کی رات کی پہنائی چوڑیاں اور رنگ اور انکل محسن کی دی ہوئی انگوٹھی بھی تھی۔ اس کی وارڈ روب

سے باہر اس کی سسرال سے آئے وقتاً فوقتاً دیئے جانے والے تحائف بھی کارپٹ پر ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔

''یہ..... یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ اور یہ حماقت تم ہوش میں تو ہو رینو؟'' ہما شاپر کے اندر جھانک کر یکدم گھبرا کر بولی۔ معاملے کی نزاکت کا اسے احساس ہو رہا تھا۔ شہریار محسن کی طرف سے ایسی کوئی بات ہوئی تھی جس کا یہ ردعمل تھا۔ ہما کو سمجھنے میں ذرا دیر نہیں لگی۔

''کیا؟ شہریار بھائی کی طرف سے پھر کوئی مس انڈرسٹینڈنگ ہوگئی ہے؟''

''مس انڈرسٹینڈنگ..... ابھی تو مجھے سمجھ آئی ہے کہ اس جیسے گھٹیا سوچ کے انسان کے ساتھ میں زندگی نہیں گزار سکتی۔ پاپا کی دوستی اور عزت کی خاطر میں نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا۔ سوچا تھا شاید وقت اور حالات انسان کی نیچر بدل دیں۔ رشتوں اور تعلقات کی پاکیزگی اس شخص کو بھی سمجھ آ جائے مگر سب بے سود ہے، نہ وہ بدل سکتا ہے نہ اس کی سوچ نہ اس کی حرکتیں۔ میں کسی کرپٹ انسان کے ساتھ نبھاہ نہیں کر سکتی۔ یہ بہت مشکل ہے۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ہما کے بار بار سنبھالنے پر اس نے رات کا قصہ کہہ دیا۔ سن کر ہما بھی صدماتی کیفیت کا شکار ہوگئی لیکن اس وقت سبرینہ کو سنبھالنا زیادہ ضروری تھا۔

''رینو تمہیں غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے۔ شیری بھائی نے ہو سکتا ہے تم سے مذاق کیا ہو؟''

''مذاق؟ ایسے ہوتے ہیں مذاق؟ وہ بالکل سیریس تھا اور مجھے اپنے گھر تک لے گیا تھا۔ اس نے پہلے جو کچھ کیا، لڑکیوں سے دوستیاں رکھیں، ان کے ساتھ فلرٹ کیا، ہوٹلنگ کی یہ سب میں نے اگنور کر دیا تھا مگر اس نے مجھے بھی ان لڑکیوں کی طرح ڈیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ میں کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ میں پاپا سے بات کروں گی۔''

وہ پھر سے ہچکیوں سے رونے لگی۔ ہما کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیسے سنبھالے؟ کیسے سمجھائے وہ جو کہہ رہی تھی اگر وہ سچ نہیں تھا تو جھوٹ بھی نہیں تھا۔ کچھ سچائی تو تھی اس لیے۔

''کوئی بھی میری فیلنگز نہیں سمجھتا۔ وہ دولت مند ہے، بڑے باپ کا بیٹا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کے عیب بھی اس کی کوالٹیز ہوں گی۔''

''کتنا تضاد ہے ناں ہماری سوچ میں۔'' وہ مسلسل اپنی بھڑاس نکال رہی تھی۔ رات سے وہ اکیلی گھٹ رہی تھی کسی پر تو اپنی گھٹن ظاہر کرنی تھی۔

''سبرینہ تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو میں تمہاری فیلنگز بھی سمجھتی ہوں لیکن سوچو اس وقت تمہارا

انکار کتنی مشکلات کھڑی کر دے گا۔ تمہاری شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی ہے کارڈز بٹ چکے ہیں۔ لوگ تیاریوں میں مصروف ہیں اور سب سے بڑھ کر انکل جمال کے بارے میں سوچو تمہارے اس انکار سے انہیں کتنی پریشانی ہوگی۔ تمہارے بھائی عرصے بعد بہن کی خوشی کی خاطر وطن لوٹ رہے ہیں۔ وہ آ کر یہ سچویشن دیکھیں گے تو کتنا دل خراب ہوگا ان کا۔ اب اپنے خاندان کو کسی بھی قسم کی بدنامی اور مشکل سے تم ہی بچا سکتی ہو۔ میں مانتی ہوں شہریار بھائی میں خامیاں ہوں گی۔ بلکہ دیکھو آج کل ہر لڑکے اور مرد کی بیرونی سرگرمیاں مشکوک ہی ہیں۔ کچھ کی گھر والوں کی نظر آ جاتی ہیں کچھ بچ نکلتے ہیں۔ اب شہریار بھائی کی کمزوریاں اگر تمہاری گرفت میں آ گئی ہیں تو تم اپنے صبر و تحمل سے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش تو کر سکتی ہو۔ میرے خیال میں تو تمہیں کوشش بھی نہیں کرنی پڑے گی مجھے تو وہ کافی سدھرے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔'' ہما نے اسے حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ مزید بکھر گئی۔

''سب مجھ سے ہی کمپرومائز چاہتے ہیں۔''

''وہ اس لیے کہ تم پر سب کو بھروسہ ہے۔ تم ہر مشکل کو ہینڈل کر سکتی ہو۔ بلکہ مجھے یقین ہے شیری بھائی کو بھی۔''

''ہاں..... پہلے میں بھی یہی سمجھتی تھی مگر اب بہت مشکل ہے۔ میرے اور اس کے درمیان طویل فاصلے پیدا ہو گئے ہیں جو اب شاید شادی کے بعد بھی ختم نہیں ہوں گے۔'' ہما کی باتیں پوری سچائی سے اس نے مانی تھیں تبھی ہارے ہوئے لہجے میں اپنے کرب کو دبا کر بولی تھی۔

''رینو! اس طرح تو تم اپنی زندگی مزید الجھا لو گی۔ شیری بھائی تمہارے اس قسم کے اقدام سے زیادہ بھٹک سکتے ہیں۔ پلیز اس طرح مت سوچو۔'' ہما اس کے عزائم جان کر لرز اٹھی۔

''پلیز مجھے کسی طرح تو جینے دو۔ میں کیا کروں کوئی مجھے بتائے؟'' وہ اس بار ہچکیوں سے رونے لگی۔ ہما نے اسے گلے لگانا چاہا تو اسے تھام کر وہ چونک اٹھی۔ وہ کسی بھٹی کی طرح دہک رہی تھی۔

''مائی گاڈ تمہیں تو تیز بخار ہے۔ میں آنٹی کو بلاتی ہوں۔'' وہ فوراً ہی اس کے کمرے سے نکلی۔

''آنٹی آپ نے رینو کو چیک کیا؟ اسے تو ہائی ٹمپریچر ہے۔ اور آپ بے فکر بیٹھی ہیں۔ پلیز کسی ڈاکٹر کو بلائیں یا پھر۔'' اس کی ممی اس کی پوری بات سنے بغیر ہی شیری کے پاس سے اٹھ کر

چلی گئیں۔ ہما بھی پیچھے جانے لگی تو شہریار نے اسے آواز دے کر روکا۔

''ہما کیا سبرینہ کو واقعی ٹمپریچر ہے یا.....؟''

''تو کیا میں غلط کہہ رہی ہوں اور یہ آپ کی ہی دی ہوئی عنایت ہے۔'' ہما کا لہجہ نجانے کیوں تلخ ہو گیا۔ شہریار چونک کر پوچھنے لگا۔

''میری عنایت؟ میں نے تو ایسی کوئی عنایت نہیں کی تھی جس کا ایسا اثر ہوتا۔ البتہ میری نظر لگ گئی ہو گی کیونکہ شی از ویری پریٹی اور رات تو وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔'' شہریار کے چہرے پر شرارت جگمگا اٹھی۔

''حیرت ہے اس کی خوبصورتی آپ کو صرف کل رات ہی نظر آئی اور آپ نے اسے نظر لگا دی۔''

''آئندہ کیئر فل رہوں گا کہ اسے اس طرح نہ دیکھوں جو اسے ڈسٹرب کر دے۔'' ہما کا غصہ اور ناراضگی اس کی سمجھ میں آ رہی تھی اس لیے لاپرواہی سے ہنس رہا تھا۔

''سچ سچ بتائیں شہریار صاحب آخر آپ اس کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟ آپ کو تو روز اس سے بڑھ کر حسین ترین ملتی ہی ہوں گی۔''

''اچھا سوال ہے۔ ملتی ہیں، ملتی رہتی ہیں لیکن اس جیسی کوئی نہیں ملتی اسی لیے میں اس کے پیچھے پڑا ہوں۔'' شیری کا خیال تھا ہما سبرینہ کی ایماء پر اس سے باز پرس کر رہی ہے۔

''خدا کے لیے اسے برباد کرنے کی کوشش نہ کریں۔'' ہما زچ ہو کر بولی تو اس بار شہریار بھی سنجیدہ ہو گیا۔

''سسٹر ہما آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ میں اسے برباد کروں گا؟ میں تو اسے اپنے دل میں اپنے گھر میں آباد کرنا چاہتا ہوں جبکہ وہی میری محبت، میرے خلوص اور جذبات کو مسلسل ٹھیس پہنچا رہی ہے اس کے پاس تو میرے لیے ایک نظر التفات بھی نہیں ہے۔''

''نظر التفات حاصل کرنے کے لیے بھی کچھ اچھے عمل کیے جاتے ہیں جبکہ آپ نے رات اس کے ساتھ جو کرنے کی کوشش کی ہے اس کے بعد آپ توقع رکھ سکتے ہیں کہ اس کے بی ہیول بدل جائے گا؟''

''ہما سبرینہ پوزیٹو ہیں مجھے اچھا لگا تھا اس لیے میں میں جانتا تھا ایسی لڑکیاں صرف اپنے شوہر کے ساتھ سچی ہوتی ہیں۔ ان کی محبت ان کی وفا صرف اپنے گھر اور شوہر کے لیے مخصوص ہوتی

ہے۔ اس کے رف بی ہیویئر کے باوجود میرے دل میں اس کی قدر و محبت ذرا بھی کم نہیں ہے۔ آپ اس سے کہیں جس بات کو وہ ایشو بنا رہی ہے اگر وہ اسے پوزیٹو اینگل سے دیکھے گی تو بات کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر میں اسے اپنے ساتھ کل رات شاپنگ کے لیے لے گیا تھا تو اس میں غضب کیا ہوا یا پھر میں اسے گھر تک ڈنر کے لیے لے جانا چاہ رہا تھا تو اس میں برائی کیا تھی؟ اگر اس کی انگیجمنٹ میرے علاوہ کسی اور سے ہوئی ہوتی تو کیا اسے اس کے ساتھ شاپنگ کے لیے نہ جانا پڑتا۔ کیا آج کل لڑکیاں اسپیشلی ہماری کلاس کی لڑکیاں اپنے فیانسی کے ساتھ باہر گھومتی پھرتی نہیں۔ پھر بھی میں ایکسیپٹ کرتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے سبرینہ کی مکمل رضامندی کے بعد ہی اپنی کسی خواہش کو پورا کرنا چاہیے تھا۔

وہ پر اثر انداز میں اپنی بات سچائی سے کر رہا تھا۔ اس کے جذبوں کی صداقت لہجے سے چھلک رہی تھی اور چہرے پر چمک رہی تھی۔ ہما بھی متاثر ہو گئی۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ سبرینہ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ شہریار اس قدر بے حمیت نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے لیے غلط ارادے اور نیت رکھے اور وہ بھی ان متبرک راتوں میں جب ہر مسلمان کا دل و ذہن حتیٰ کہ وجود بھی سجدۂ ندامت پیش کر کے اپنے گناہوں، لغزشوں کی بخشش کا متمنی ہوتا ہے۔

''میں یہ نہیں کہہ رہی تھی کہ آپ نے کچھ غلط کرنے کی کوشش کی تھی ایکچوئلی سبرینہ بہت حساس ہے۔ وہ اپنے لائف پارٹنر کو وہ اچھا انسان دیکھنا چاہتی ہے آپ کے ساتھ اس نے جو دو ماہ کام کیا ہے بس اسی عرصے میں وہ آپ کے بارے میں جو وہ سن چکی ہے دیکھ چکی ہے اس سے وہ باہر نہیں نکل پا رہی۔ ہم نے کوشش کی تھی مگر آپ نے پھر اپنا امیج خراب کر لیا۔'' ہما نے اسے مزید کچھ سمجھانے کی کوشش کی۔

''ماضی قریب میں اگر مجھ سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں تو رئیلی میں نے انہیں درست کرنے کی کوشش بھی اسی کے لیے کی ہے۔ میں جہاں زیادہ عرصہ رہا وہاں کا کلچر ہی ایسا تھا۔ لڑکیوں سے دوستی، ہوٹلنگ عام سی بات تھی لیکن بلیومی میں نے اپنی لمٹ کبھی کراس نہیں کی۔ ویل یہ باتیں جس سے کرنی چاہئیں وہ تو سن نہیں رہی پھر بھی آپ یقین رکھیں کہ آپ کی پیاری دوست کو مجھ سے اپنی نئی زندگی میں کبھی کوئی شکایت نہیں ہو گی۔''

''ہونی بھی نہیں چاہیے۔'' ہما بھی ہلکی پھلکی ہو کر مسکرا دی۔ اس وقت سبرینہ کی ممی پھر سے گھبرائی ہوئی آئیں۔

''ہما بچے وہ تو بے ہوش پڑی ہے۔ میری کوئی بات ہی نہیں سن رہی۔'' لگتا تھا وہ بھی رو پڑیں گی۔ شہریار فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔

''آنٹی آپ پریشان نہ ہوں میں اسے ہسپتال لے جاتا ہوں۔''

پھر شہریار فوراً ہی اس کے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ اپنے بیڈ پر بے سدھ پڑی تھی جھجکتے ہوئے اسے بازوؤں میں اٹھا کر گاڑی تک لایا۔ ہما اور اس کی ممی بھی اس کے ہمراہ تھیں۔ شہریار اسے قریبی پرائیویٹ ہسپتال میں لے آیا۔ وہاں اس کے کئی ڈاکٹرز اور لیڈی ڈاکٹر بھی واقف کار تھے۔ اسے فوری ٹریٹمنٹ دے دی گئی تھی۔ سبھی پریشان ہو کر آپہنچے تھے۔ سبھی نے افطار بھی ہسپتال میں کیا۔ رات تک سبھی وہاں موجود رہے۔ شیری نے بڑی مشکل سے سب کو گھر بھیجا تھا۔

سبرینہ کا بخار کم ہونے کے بعد ہی اس کی ممی جانے پر تیار ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی موجودگی کا اطمینان دلا کر انہیں مجبور کر دیا تھا کہ صبح آجائیں ویسے بھی اسے صبح تک ہی ہوش آنا تھا۔ ہسپتال کی اونر ڈاکٹر شمسہ صدیقی اس کے دوست فراز کی بھابھی تھی شہریار کی اس کے ساتھ دیوروں والی بے تکلفی تھی اس لیے وہ اسے اپنے روم میں لے آئی تھیں۔

''شادی کر لی اور ہمیں خبر ہی نہیں فراز یہاں نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے ہماری کوئی ویلیو ہی نہیں۔''

''کس نے کہا ہے میں نے شادی کر لی ہے؟'' وہ اپنے لاپرواہ موڈ میں بولتے ہوئے ہنس دیا۔

''اندھے کو بھی نظر آرہا ہے اس لڑکی کے لیے تم جس قدر پریشان ہو ظاہر ہے تمہاری بیوی ہی ہوگی ورنہ تمہیں کسی اور کی پروا کب ہوتی تھی کیا لو میرج کی ہے؟''

''لو Love ہو چکا ہے میرج ہونی باقی ہے۔ آفٹر ٹین ڈیز۔''

''تو کیا دس دن پہلے ہی اڑا لائے ہو؟''

''ڈیئر ڈاکٹر میں پاکستان میں ہوں اور پاکستانی لڑکی سے شادی کر رہا ہوں۔ ویل مجھے بتاؤ سبرینہ کتنے دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔''

''دو چار دن تو لگ ہی جائیں گے۔ ایک بات سمجھ نہیں آئی لڑکیاں ایسے خاص موقع پر کافی فریش لگتی ہیں۔ تمہاری فیانسی کیوں ڈپریسڈ دکھائی دیتی ہے۔ تم دونوں کی شادی سے دونوں کی فیملیز تو خوش ہیں ناں؟''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم دونوں کی فیملیز کے ریلیشن ہمارے ریلیشن سے پہلے کے ہیں۔ ڈونٹ وری شادی میں آکر کیچ لے گا۔ سب کتنے خوش ہیں۔ کارڈ آپ کے ہز بینڈ کو دے چکا ہوں اب انہوں نے آپ کو انفارم نہیں کیا تو یہ میری غلطی نہیں ہے۔ اب ذرا میری مریضہ کا خیال رکھیے گا میں تھوڑا فریش ہو کر آتا ہوں۔'' وہ ان کے سامنے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تمہاری مریضہ.....؟'' ڈاکٹر شمسہ بے اختیار ہنسی۔

''ہاں لگتا ہے بیمار بھی تمہی نے کیا ہے۔ ویل تم تھوڑا نہیں بہت زیادہ فریش ہو کر آؤ۔ یہاں میں بھی ہوں اور نرسز بھی ہیں۔ ڈونٹ وری ایاؤٹ دیم۔''

ڈاکٹر شمسہ نے اسے دوستانہ انداز میں تسلی دی تو وہ سر ہلا کر وہاں سے نکل کر پہلے سبرینہ کے کمرے میں آیا جہاں وہ بیڈ پر بے سدھ پڑی تھی۔ نرس قریب بیٹھی اونگھ رہی تھی اسے دیکھ کر الرٹ ہوگئی۔ شیری نے نرس کو ہاتھ کے اشارے سے بیٹھے رہنے کو کہا۔

سبرینہ کے چہرے پر زردی سی نمایاں تھی۔ اس کے تمام نقوش اس وقت کرب کی تہہ تلے دبے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ دل چاہا تھا اس کے چہرے پر بکھرے بالوں کو ہاتھوں سے ہٹا کر اپنی مسیحائی کا ایقان بخشے مگر وہ اپنی ہر خواہش مناسب وقت کے آنے کے انتظار میں دبا کر واپس چلا آیا۔

سبرینہ کو صبح ہوش آگیا تھا۔ سبھی سحری کے بعد پھر چلے آئے تھے۔ شہریار بھی موجود تھا مگر ڈاکٹر شمسہ کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ بلکہ اصرار کر رہا تھا کہ ڈاکٹر شمسہ اس کا لایا ہوا سرخ گلابوں کا گلدستہ سبرینہ تک پہنچا دے۔

''تم خود کیوں نہیں جا رہے اس کے سامنے ساری رات تو اس کی پٹی سے لگے بیٹھے رہے ہو۔'' ڈاکٹر شمسہ زچ ہو کر بول اٹھیں۔

''اس وقت وہ محترمہ ہوش میں نہیں تھیں، اب ہوش میں ہے۔ سمجھا کریں ڈیئر ڈاکٹر۔'' شیری شرارت سے کہہ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

پھر وہ ہسپتال تو جاتا تھا سب سے ملتا بھی تھا مگر سبرینہ کے سامنے نہیں جاتا تھا۔ ہما کے احساس دلانے پر سبرینہ بھی چونک اٹھی تھی۔ سبھی آئے تھے مگر وہ نہیں آیا تھا جس کی وجہ سے وہ ان حالوں کو پہنچی تھی۔ آہستہ آہستہ ہما نے اپنے اور شہریار کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی اس کے گوش گزار کر دی تھی۔

اس کے بھائی اور بھابھیاں بھی آ چکے تھے۔ بہن اور بہنوئی بھی۔ گھر میں خوب رونق تھی جبکہ وہ تین دن سے ہسپتال کے بستر پر پڑی تھی اور بیچاری ہما اس کی تیمارداری میں لگی تھی۔ ڈاکٹر اسے چھٹی دینے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ڈاکٹر شمسہ ہر بار مذاق میں کہہ دیتیں۔

''بھئی جس کی تم مریض ہو جب وہ کہے گا تب میں تمہیں ڈسچارج کروں گی۔'' اسے بھی لگ رہا تھا کہ یہ شیری کی کارستانی ہے ویسے بھی اس کے علم میں آ چکا تھا کہ شیری ہر روز دو تین بار ہسپتال آتا ہے۔ مگر ڈاکٹر شمسہ کے روم تک ہی محدود رہتا ہے۔

ہما نے آخر تنگ آ کر شیری کو ہی کہا تھا بلکہ اس کی اچھی خاصی خبر لی تھی کہ وہ سبرینہ کی آ کر خیریت بھی نہیں پوچھتا۔ آخر وہ ہما کے کہنے پر آ ہی گیا۔ ویسے بھی کل عید متوقع تھی اور رنجشیں مٹانے کا یہ اس کے لیے آخری موقع تھا۔ پھولوں کے خوبصورت گلدستے کے ساتھ وہ آ کر بے تکلفی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''السلام وعلیکم لیڈیز سنا ہے مجھے بہت یاد کیا جا رہا تھا؟'' سبرینہ کے چہرے پر دیکھ کر سنجیدگی بڑھ گئی۔ اس نے پہلے ہما کو مخاطب کیا پھر سبرینہ کی طرف دیکھا۔

''یاد انہیں کیا جاتا ہے جو دور چلے گئے ہوں۔ آپ تو سامنے ہی ہیں ویسے ایک مسئلہ ہے آپ کی ڈاکٹر شمسہ ہیں ناں یہ ہمیں جانے نہیں دے رہیں۔ سبرینہ اب گھر جانا چاہتی ہے۔ ویسے بھی لگتا ہے کل عید ہو جائے گی تو.....؟'' ہما نے ذومعنی انداز میں کہتے ہوئے شیری کا لایا ہوا بوکے سبرینہ کے پہلو سے اٹھا کر کارنر ٹیبل پر رکھا۔

''میری ڈاکٹر.....؟'' شہریار حیرت سے ہنسا پھر سمجھ کر بولا۔

''اوکے.....اوکے میں اپنی ڈاکٹر سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ سبرینہ کو ڈسچارج کر دے۔ تم واقعی ٹھیک ہو گئی ہو سبرینہ؟'' شہریار نے اس بار براہ راست اسے مخاطب کیا تو وہ بے نیازی سے بولی۔

''سانس لے رہی ہوں کھا پی رہی ہوں اور کیسے ٹھیک ہوں گی؟''

''میں ڈاکٹر شمسہ سے کہتا ہوں۔'' اسی دم ڈاکٹر شمسہ بھی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

''لگتا ہے یہاں میری ہی برائیاں ہو رہی ہیں۔''

''میرے بارے میں تم ایسا نہیں سوچ سکتی کہ میں تمہاری برائی کروں گا البتہ ان لیڈیز کے دل کا حال میں نہیں جانتا شاید دل ہی دل میں کرتی ہو گی۔'' شیری شرارت سے ہنسا تو سبرینہ کی جان ہی جل گئی۔

''نہیں بھئی مجھے ان پر بھی اعتبار ہے اچھا مذاق ایک طرف۔ اب مجھے بتاؤ تمہاری مریضہ گھر جانا چاہ رہی ہے کیا کروں؟''

''ٹھیک ہے تو جانے دو نو پرابلم۔''

''میرا تو خیال تھا کہ رخصتی سے ایک دن پہلے ہی ڈسچارج کرتی۔ اس بہانے تمہاری صورت تو نظر آتی رہی۔ مریض عشق کو مسیحا کی۔'' ڈاکٹر شمسہ شرارت آمیز نظروں سے دونوں کو دیکھ کر ذومعنی بات کہہ رہی تھیں اشارہ دونوں کی طرف تھا لیکن سبرینہ اپنے ذہن کے مطابق مطلب اخذ کر کے کڑھ رہی تھی۔ یہ کبھی نہیں سدھرے گا فلرٹی۔''

''مجھ پر کوئی پابندی نہیں ہے ڈیئر ڈاکٹر آتا جاتا رہوں گا۔'' شیری نے بھی اسی انداز میں ہنس کر جواب دیا سبرینہ تو اس کے لبوں سے ڈیئر ڈاکٹر سن کر مزید خاک ہو گئی۔

''تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں مگر ایک بات یاد رکھنا یہ پاکستان ہے یہاں بہت سی پابندیاں شادی سے پہلے ہی لاگو ہو جاتی ہیں اور بعد میں تو۔'' ڈاکٹر شمسہ نے اسے چڑایا۔ وہ پھر بھی ہنستا رہا۔

''ڈونٹ وری اباؤٹ می! مجھے راستہ بنانا آتا ہے۔''

''شیری بھائی اپنا راستہ بعد میں بنایئے گا پہلے ہمیں بتائیں ہم جائیں کہ نہ جائیں۔'' ہما نے جان بوجھ کر مداخلت کی۔ اسے سبرینہ کے تیور کچھ اچھے نہیں لگ رہے تھے اندیشہ تھا کہ ابھی پھٹ پڑے گی۔ شہریار نے ہما کی بات سن کر ڈاکٹر شمسہ کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا جس پر ڈاکٹر شمسہ نے بھی ہلکے سے کندھے اچکا کر ہاتھ سے اوکے کہہ دیا۔

''اوکے پھر ان کو میں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔''

''سیدھا گھر ہی چھوڑنا۔ کہیں آٹھ دن پہلے نہ لے اڑنا۔'' ڈاکٹر شمسہ کی شرارت سمجھ کر بھی وہ سنجیدہ ہو گئی۔

''آپ کی رائے بھی میرے بارے میں ایسی ہے افسوس ہے۔ ڈیئر ڈاکٹر میں باہر ضرور رہا ہوں لیکن اپنی قدروں اور روایات کو بھولا تو نہیں ہوں۔ اچھی طرح جانتا ہوں ہمارے مذہب و معاشرے کی حدود و قیود کیا ہیں؟ رشتوں کی تعظیم کیسے کی جاتی ہے۔ انہیں کیسے سنبھالا جاتا ہے۔ ویل یہ سب چھوڑیں ہاں تو سسٹر ہما آپ لوگ ریڈی ہو جاؤ۔'' شہریار نے ڈاکٹر شمسہ کی آڑ میں جسے جتانا چاہا تھا جتا دیا تھا۔ سبرینہ ٹیک لگا کر بیٹھی لب چبا رہی تھی۔

''تم تو واقعی سیریس ہو گئے ہو گڈ چیلنج او کے گرلز مجھے اجازت اس گدھے کی خاطر یہاں کھڑی ہوں۔ میرے باقی پیشنٹ مجھے کوس رہے ہوں گے۔ اچھا سبرینہ شادی میں ملاقات ہو گی اپنا خیال رکھنا۔ جلدی ٹھیک ہو جانا۔ میرے دیور کو زیادہ تنگ نہیں کرنا۔ بڑا اچھا بچہ ہے ہمارا۔'' ڈاکٹر شمسہ اپنی کہہ کر باہر نکل گئی تھیں۔ ہما بھی زیر لب مسکرا رہی تھی شیری کے دوبارہ کہنے پر سبرینہ فوراً بول اٹھی۔

''تھینک یو آپ زحمت مت کیجیے ہم خود چلے جائیں گے گھر سے کوئی بھی لینے آ جائے گا۔''

''او کے ایز یو لائیک مجھے بھی کچھ جلدی ہے۔'' شہریار پھر رکا نہیں خدا حافظ کہہ کر نکل گیا۔ تو ہما نے حیرت سے سبرینہ کو دیکھا۔

''رینو آخر تم چاہتی کیا ہو؟ ایسے کیسے نبھا ہو گا؟ شیری بھائی تمہاری خاطر یہاں آئے اور تم نے ان سے بات تک نہیں کی۔ اگر وہ ہمیں گھر چھوڑ دیتے تو کیا ہو جاتا؟ آخر تو تم آٹھ دن بعد بھی انہی کے ساتھ سیر سپاٹے کرتی پھرو گی۔'' ہما کو سبرینہ کا رویہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''نہیں کروں گی دیکھ لینا تم اس کے ساتھ سیر سپاٹے کرنے والیاں کم نہیں ہیں۔'' سبرینہ نے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

''کیسی سوچیں ہیں تمہاری جاہل عورتوں والی۔ ویسے ایک بات تم صحیح بھی کہہ رہی ہو جب بیویاں تم جیسی ناشکری ہو جائیں ناں تو شوہر کوئی اور ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔'' ہما نے بڑبڑاتے ہوئے اسے جتایا۔ وہ مزید برافیختہ ہو گئی۔

''تمہیں اس میں تو کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ سارا قصور میرا نکالتی ہو۔ وہ یہاں ہر روز کئی بار آتا تھا مگر جاتا کس کے پاس تھا ڈاکٹر روم میں اپنی ڈیئر ڈاکٹر کے پاس۔ میں تو اتنے دن سے یہاں تھی نہیں ناں آج آ گیا مجھ پر احسان کرنے۔ اصل میں وہ میرے بہن بھائیوں کو دکھانا چاہ رہا تھا کہ اسے میرا کتنا خیال ہے اور میں ہی بری ہوں جو اس کی قدر نہیں کرتی۔''

سبرینہ نے آج کھل کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ ہما پہلے تو حیرت سے سنتی زیر لب مسکرا دی۔ اسے سبرینہ کی جیلسی سمجھ آ گئی تھی۔

''سبرینہ تمہیں نجانے کیا ہو گیا ہے۔ تم ایسے تو پہلے نہیں سوچتی تھی۔ تمہارا اعتراض درست ہے کہ وہ تمہیں پوچھنے نہیں آئے گا مگر یہ بات میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ تمہاری خاطر ہی آئے تھے۔ کیونکہ میں نے انہیں تمہاری خاطر بہت پریشان دیکھا ہے جس رات تم بے ہوش ہوئی

ہو وہی یہاں موجود تھے کوئی اور نہیں تھا تم انہیں غلط سمجھتی تھیں سمجھتی ہو۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا تمہاری غلط سوچوں کا کہ تم ڈاکٹر شمسہ کے بارے میں کیا سوچ رہی ہو اور وہ ابھی شیری بھائی کو کتنے استحقاق سے اپنا دیور کہہ کر گئی ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ ہم جو بھی دیکھ رہے ہوں وہ درست بھی ہو۔ کبھی کبھی ہمارے سوچنے کا غلط انداز بھی ہمیں صحیح منظر نہیں دکھا پاتا۔ اگر وہ کبھی فلرٹی تھے بھی تو تمہاری خاطر وہ سنبھل چکے ہیں۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تم ایک بگڑے انسان کو سیدھے راستے پر لے آئیں۔ جن باتوں کو تم برائیاں کہتی ہو وہ تم لوگوں کی سوسائٹی میں عادتیں بن چکی ہیں اس میں صرف شیری بھائی کا قصور تو نہیں ہے قصور ہم لڑکیوں کا بھی ہے۔ اب قدم قدم پر جلوے بکھرے ہوں، سر عام دعوت نظارہ پیش ہوتا ہو تو بندہ کب تک اور کہاں تک نظریں چرا سکتا ہے۔''

سبرینہ دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

''کیا تم ٹھیک کہہ رہی ہو کہ وہ سب کچھ چھوڑ چکا ہے۔ میری خاطر۔''

''ہم سب کو تو یہی نظر آ رہا ہے کہ وہ تمہارے عشق میں اپنی خودی بھلا کر صرف تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تمہارے آگے پیچھے پھر رہے ہیں اب تمہیں یقین نہ ہو تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' ہما خفگی سے کہتی کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی پھر اپنا اور اس کا سامان سمیٹنے لگی آخر گھر جانا ہی تھا۔

اس نے گھر فون کر کے چھٹی کی اطلاع دے دی تھی۔ پاپا لینے آ رہے تھے۔ سبرینہ مسلسل خاموش تھی۔ اسے شہریار کے ساتھ اپنی ساری بدتمیزیاں یاد آ رہی تھیں۔ جنہیں اس نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے قبول کیا تھا حتیٰ کہ نوکری کے دوران بھی سبرینہ نے کافی من مانی کی تھی وہ تو اس کی شرافت بھی کہ اپنے عہدے کا فائدہ اٹھا کر اس پر زبردستی اپنی مرضی نہیں ٹھونسی تھی ورنہ وہ کیا کر لیتی۔ دل میں جھانکا تو وہاں صرف شہریار کی تصویر ہی سجی تھی۔ کب سے؟ اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔ ہما اس کی خاموشی کو بھی خفگی سمجھ رہی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن عید ہو گئی تھی۔ ہنگامہ اور ہلہ گلہ تو رات بھر بھی مچا رہا تھا۔ صبح ہوتے ہی افراتفری اور گہما گہمی مچ گئی تھی۔ بہت عرصے بعد اس کے بعد بھائی عید پر اکٹھے تھے اور یہ اس کی شادی کی وجہ سے تھا۔ وہ بظاہر خوش تھی مگر اب اندر ہی اندر شہریار کی ناراضگی کا خیال کھائے جا رہا تھا۔

شام تک اس کے سسرال سے ملنے سبھی آئے مگر شہریار نہیں آیا۔ سبھی نے اسے عیدی دی مگر

جس کی طرف سے اسے عید پر کسی خاص تحفے کی توقع تھی وہی نہیں آیا تھا۔ ہما بھی مصروفیت کے باعث شام تک نہیں آئی تھی۔

شام کے بعد ہما آئی تو شہریار کے بارے میں پوچھا جس پر وہ مایوسی سے نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''او ہو تو دلہن رانی اپنے دولہا کی دید کی منتظر ہیں۔''

''جی نہیں مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں تو ان کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' مصنوعی ناراضگی دکھاتے وہ کھڑکی کی طرف رخ موڑ گئی۔

''دیکھو نہ دیکھو وہ تو اپنی صورت دکھانے آ پہنچے ہیں۔ ڈرائنگ روم میں آئے بیٹھے ہیں۔ مل کر آ رہی ہوں کافی بے تاب لگتے ہیں مگر افسوس ان کی بے تابی بے قراری میں بدل جائے گی۔'' ہما نے جان بوجھ کر اسے چھیڑا۔ وہ پہلے تو بے ساختہ مڑی۔

''کیا واقعی؟ مجھے تو کسی نے بتایا نہیں خیر مجھے کیا.....؟''

''ہاں یار تمہیں کیا؟ مگر وہ بہت ثابت قدم ہیں بے چارے جانتے ہیں پتھر سے۔ سر پھوڑ رہے ہیں۔ لہولہان ہو جائیں گے مگر پتھر نہیں ہلے گا۔''

''ہما تم ہوش میں تو ہو۔ تم عید ملنے آئی ہو یا مجھے جلی کٹی سنانے۔'' سبرینہ نے اسے خفگی سے گھورا تو وہ ہنستی ہوئی اس سے آ کر لپٹ گئی۔

''مجھے لگتا ہے پتھر میں جونک لگ گئی ہے۔ شکر ہے بے چارے شیری بھائی کا سر پھوڑنا رنگ لے ہی آیا۔''

''فضول باتیں نہیں کرو یہ کیا تم نے بے چارے بے چارے لگا رکھی ہے۔ ایک نمبر کا بزنس مین ہے۔ مجھے معلوم ہے میری ہر بدتمیزی کا حساب کتاب رکھا ہوگا تبھی تو۔'' سبرینہ بگڑتے بگڑتے چپ ہو گئی۔

''کیا ہوا تم کچھ کہہ رہی تھیں؟''

''نہیں کچھ نہیں تم بیٹھو کھڑی کیوں ہو۔ میں چائے منگواتی ہوں۔ کہیں تم اپنے بے چارے شیری بھائی کے ساتھ پی کر تو نہیں آ رہیں۔'' وہ دروازے سے پلٹ کر پوچھنے آ گئی۔

''اللہ رینو تم بھی ناں جس کے پیچھے پڑ جاؤ ناں اس کا اللہ ہی حافظ ہے۔ میں نے صرف کھڑے کھڑے ان سے سلام دعا کی ہے۔ انہیں تمہارے بھانجے بھتیجوں نے گھیر رکھا ہے پتا نہیں

بے چارے کس حال میں ہوں گے۔'' ہما نے مصنوعی ہمدردی و افسوس سے کہا تو سبرینہ اسے گھور کر دیکھنے لگی۔

''تم یہ بے چارے..... بے چارے کی گردان ختم نہیں کرو گی میں تمہیں بے چاری نہیں لگتی جو ایسے شخص کے ساتھ نبھاہ کرنے جا رہی ہے۔''

''معافی دے دو بابا عید کے دن دوستوں سے بدگمانی اچھی نہیں ہوتی۔ بائی دی وے ادھر عیدی میں کیا آیا ہے۔'' ہما نے مصالحت سے کہتے ہوئے ذرا راز داری میں پوچھا بھی اس سے پہلے کہ سبرینہ مزید گوہر افشانی کرتی اس کی نو سالہ بھتیجی بمشکل ایک بوکے اور بھاری بھرکم سا گفٹ پیک سنبھالتی اندر داخل ہوئی۔

''پھپھو جانی جلدی پکڑ لیں ناں میرے ہاتھ تھک گئے ہیں۔''

''یہ..... یہ کیا ہے؟ کس نے دیا ہے؟'' سبرینہ نے ٹھٹک کر پوچھا۔ دل خوش فہم نے اپنا سر تال بدل لیا تھا۔

''انکل شیری نے آپ کے لیے ہے۔ کسی کو بتایئے گا نہیں میں نے پرامس کیا ہے کہ کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ اب ہم ذرا ان کے ساتھ آئس کریم کھانے جا رہی ہیں۔'' اس کی بھتیجی رمشاء جلدی سے کہہ کر جانے لگی تو سبرینہ نے روکا۔

''کدھر ہیں وہ؟''

''اپنی کار میں بیٹھے ہیں جانے دیں نا مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''تم ایک منٹ رکتی ہو یا نہیں؟'' کہاں ہے ان کی گاڑی پورچ میں یا سڑک پر؟''

''کیا عید گفٹ واپس لوٹانے کا ارادہ ہے؟'' ہما نے حیرت سے پوچھا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

''تم کہاں جاؤ گی؟ میں واپس کر آتی ہوں بلکہ اچھی طرح سمجھا آتی ہوں کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔ فضول کی محنت ہے۔''

''ہما تم تو چپ کرو ناں۔'' رمشاء دونوں کو الجھتے دیکھ کر پہلے ہی رفو چکر ہو چکی تھی اسے ویسے بھی اس وقت چاکلیٹ آئس کریم کی کشش کھینچ رہی تھی۔

''یہ رمشا کدھر گئی؟ یہ کوئی طریقہ ہے گفٹ دینے کا۔ اس طرح تحفے دیئے جاتے ہیں اب تک کسی کا لحاظ نہیں کیا آج سارے آداب یاد آ گئے۔'' سبرینہ نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے ہاتھوں

میں پکڑے گفٹ پیک کو بیڈ پر تقریباً پٹخ دیا۔

''اوہو تو اس بات کا قلق ہے۔ رینو یہ تم ہی ہو ناں۔''

''نہیں میرا بھوت ہے۔'' اس نے سر ہلایا پھر بیڈ پر ٹک کر گفٹ پیک کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

ہما نے پہلے تو اسے حیرت سے دیکھا اور پھر معنی خیزی سے چھیڑا۔

''اوہو تو اپنے عاشق کے تحفے قبول کر لیے گئے، یہ انقلاب کیسے آیا؟ تم تو ان کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔''

''کیا کروں ترس آ گیا ہے بے چارے پر۔ میں نے ٹھکرا دیا تو پھر گلی گلی منڈلاتا پھرے گا۔ گلی گلی خوار ہوتا پھرے گا۔'' سبرینہ نے اسے مسرت سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر محبت کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

''بڑی جلدی عقل آ گئی تمہیں۔'' ہما نے اطمینان کی سانس لی۔

''میرا کیا قصور ہے، تم ہمیشہ ہی ادھار لوٹانے میں دیر لگا دیتی ہو۔''

''سبرینہ کی بچی تم ہمیں بے وقوف بنا رہی تھیں۔ خیر تم سے تو نمٹ ہی لوں گی۔ پہلے دکھاؤ تو کیا بھیجا گیا ہے۔ اتنی راز داری سے۔'' پیک میں سے ایک خوبصورت اور دیدہ زیب پنک سوٹ مع لوازمات کے برآمد ہوا تھا۔ جس پر خوبصورت ڈیزائننگ میں نگینے جگمگا رہے تھے۔ سبرینہ سوٹ ایک طرف کر کے کارڈ نکال کر دیکھنے لگی۔ خوبصورت مہکتا ہوا کارڈ عجیب سی کشش رکھتا تھا۔

سبرینہ کی نگاہیں دل دھڑکا دینے والے الفاظ سے ہوتی ہوئیں سائیڈ پر لکھے ہوئے اشعار پر آ ٹھہریں۔ جذب دل کی صداقتیں عیاں کرتے ہوئے الفاظ اس کے دل سے شکایتیں، کدورتیں مٹاتے چلے گئے۔ دو قطعات اس کی زندگی پل بھر میں بدل گئے تھے۔

پہلو میں ہم دل کو یوں شاد نہ رکھتے
کچھ لوگ جو محبت کا نگر آباد نہ رکھتے
کیسے ممکن تھا شب و روز کے جھمیلوں میں
اس یوم کی خاصیت ہم یاد نہ رکھتے

پہلے قطعے میں تو اس کے ان کہے شکووں کا جواب تھا جو اس کے دل میں صبح سے مچل رہے تھے اور دوسرا قطعہ ایک پیغام تھا، دعوت تھی، محبت تھی، خواہش تھی، امید تھی۔

نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس

کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
دلوں میں پھول اگائیں نئی محبت کے
کدورتوں کو دلوں سے مٹائیں اب کے برس

اسے یوں گم صم لطیف سا مسکراتے ہوئے دیکھ کر ہما نے اس کے ہاتھوں سے کارڈ اچک لیا۔

''واؤ شاعرانہ ذوق بھی رکھتے ہیں آپ کے عاشق۔ یہ خصوصیت تو شاید آپ کو معلوم نہیں ہو گی سبرینہ جمال۔''

''ہما پلیز کارڈ واپس کرو یہ اخلاقی جرم ہے۔'' سبرینہ نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کارڈ چھیننا چاہا۔

''اخلاقی جرم اوہو آج سبرینہ بی بی کو اخلاقیات یاد آ رہی ہیں۔ تم نے تو فوراً گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیا ہے۔ ویسے اگر شہریار بھائی کو تمہاری حالت زار کا علم ہو جائے تو ایمان سے خوشی سے ہی پاگل ہو جائیں گے۔''

''پہلے کون سی کسر رہ گئی ہے۔'' ہما سے اس نے کارڈ جھپٹ کر لفافے میں رکھا۔

''اچھا اب ذرا اٹھو اور چینج کر کے آؤ میں ان کی چوائس دیکھنا چاہتی ہوں اور سنو پلیز ان کی دی ہوئی رنگ اور چوڑیاں بھی پہن لینا۔''

ہما کے کہنے پر اس نے اٹھ کر شہریار کے بھیجے ہوئے تمام تحائف اٹھائے اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ واپس آئی تو ہما نے ماشاء اللہ کہنے کے ساتھ اسے شریر نظروں سے دیکھا۔

''شیری بھائی کو بلواؤں آ کر دید بھی کر لیں اور عید بھی۔'' جواب میں سبرینہ اسے گھور کر رہ گئی۔

سبرینہ کو اپنے سابقہ رویوں پر ندامت محسوس ہو رہی تھی لیکن اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ آئندہ زندگی میں وہ اپنے رویوں کی تلافی کر دے گی۔ شہریار اگر واقعی بدل گیا تھا تو اسے بھی اس سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ اور پھر شادی کے ہنگامے اٹھے اور سبرینہ کو بہت سی سوچیں دے گئے۔ سب سے پہلی سوچ یہی تھی کہ شہریار نے پلٹ کر نہ خبر لی تھی نہ ہی فون کیا تھا حالانکہ ایسی کوئی پابندی تھی نہ رکاوٹ۔

وہ پھر سے وہم و گمان میں گھرنے لگی۔ ہما بھی شہریار کی لاپرواہی پر ششدر تھی۔ اسے بھی توقع نہیں تھی کہ بے پرواہ ہو جائے گا۔ مہندی کا فنکشن ایک جگہ پر تھا لیکن رسومات الگ الگ ادا

ہوئی تھیں۔ سبرینہ نے منع کر دیا تھا۔ اس کی ممی نے اس کی یہ بات آسانی سے نہ صرف مانی تھی بلکہ منوائی بھی تھی۔ ہما نے البتہ کھانے کے دوران اسے جا پکڑا۔

''شیری بھائی آپ کو کس نے روکا تھا یا پھر آپ ہمت ہار گئے؟''

''میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہتی ہیں سسٹر؟''

''ایسے ناسمجھ تو نہیں ہیں آپ کہاں تو آپ کی بے تابیاں عروج پر تھیں اس کی بے رخی کے باوجود آپ نے اپنی روش نہیں بدلی۔ میں تو آپ کی ثابت قدمی اور حوصلے کی داد دیتی تھی۔ وہ مائل ہوئی تو آپ نے بے اعتنائی برت دی۔

''او مائی گاڈ لگتا ہے آپ کو بھی مجھ سے بہت سی شکایات ہوگئی ہیں۔ کیا کروں ایک وقت میں سب کو کیسے خوش کروں؟'' شیری نے ہنستے ہوئے مصنوعی فکرمندی دکھائی۔

''مجھے آپ سے یہ امید نہیں تھی۔ آپ عید والے دن اس سے ملے بھی نہیں۔ اس کی خیریت تک نہیں پوچھی نہ ہی بعد میں رابطہ کیا۔ آپ کو معلوم ہے آپ کے اس رویے سے وہ کتنی پریشان ہو گئی ہے۔''

''اچھا اسے پریشان ہونا بھی آتا ہے میرا تو خیال تھا وہ دوسروں کو پریشان کرنا جانتی ہے۔'' شہریار کی بات پر ہما نے بے یقینی سے اسے دیکھ کر ٹوکا۔

''پلیز شیری بھائی اب آپ اس کی طرح بی ہیومت کیجیے گا۔ رئیلی وہ بہت بدل گئی ہے۔ اب اسے آپ سے کوئی شکایت بھی نہیں ہے۔''

''میں کل دیکھ لوں گا کہ وہ کتنا چینج ہوئی ہے۔ آج کوشش کی تو کہیں محترمہ پھر سے باغی نہ ہو جائیں۔ پہلے نکاح ہونے دیں پھر میں ساری غلط فہمیاں دور کر دوں گا۔'' اس کی بے ساختہ مسکراہٹ پر ہما کو تسلی ہوئی کہ وہ کوئی غلط ارادہ نہیں رکھتا تھا جیسا کہ سبرینہ کو وہم تھا۔

☆☆☆

نکاح کے پاکیزہ بندھن نے سبرینہ کو اندر باہر سے بدل دیا تھا۔ جو محبت دل کے نہاں خانوں میں کہیں چھپی تھی وہ بھی مہک بن کر پورے وجود میں گردش کرنے لگی تھی۔ سانس میں مہکنے لگی تھی۔ دلہن بن کر اس پر جو روپ آیا تھا وہ سبھی کو مبہوت کیے دے رہا تھا۔

شہریار کی وجاہت بھی کئی گناہ بڑھ گئی تھی۔ اس کا چہرہ آج سچی مسرتوں کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ جسے چاہا اسے پانے کا نشہ آنکھوں میں خمار بن کر اترا ہوا تھا۔ شہریار کی بے قراریاں بھی انتہا کو

پہنچی ہوئی تھیں۔ بمشکل دوستوں سے جان چھڑا کر وہ اپنے حجلہ عروسی میں پہنچ پایا تھا۔ یہ رات اس کے لیے حسین ترین رات تھی جو انوکھے رنگوں سے سجی تھی۔ انجانی مہک سے اس کا وجود معطر تھا۔ آج اس سے دور بھاگنے والی اس کے پاس اس کے قریب اس کی دسترس میں تھی۔

سبرینہ کے لیے بھی یہ گھڑیاں کسی آزمائش سے کم نہ تھیں۔ شہریار جب تک پذیرائی نہ کرتا اس کا دل وہم کے بھنور میں پھنسا ہی رہتا۔ اس نے شہریار کو اندر آتے کن اکھیوں سے دیکھا۔ وہ پہلی بار اپنا بہت اپنا سا لگا۔ دل مچل کر ٹھہرنے لگا تھا۔

شہریار اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور پھر اس نے اس کا گھونگھٹ بھی الٹ دیا۔ سبرینہ نے فوراً ہی اپنا چہرہ چھپایا۔

''سبرینہ خدا کے لیے اب تو میرے صبر کا امتحان مت لو۔ میں نے تمام فاصلے مٹائے ہیں صرف تمہاری قربت کی خاطر۔'' شہریار کی جذبات سے بوجھل آواز ماحول میں سحر پھیلانے لگی۔

''میں جانتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے بہت سی شکایتیں رہی ہیں لیکن آج میں تم سے وعدہ کرتا ہوں ماضی کی غلطیاں نہیں دہراؤں گا۔ ویسے بھی جب طالب کو مطلوب مل جاتا ہے تو مرکز دل و نگاہ اپنے مطلوب سے ہٹتی کہاں ہے۔ محبت زیست کا حاصل بن جائے تو لغزشوں کے لیے گنجائش کہاں کہاں نکلتی ہے۔ مجھے بھی تم سے محبت ہے۔ لیکن شاید تمہیں ابھی محبت کی حقیقت پر اعتبار نہ آئے البتہ آئے گا ضرور یہ میرا یقین ہے۔'' شہریار نے اس کے حنائی ہاتھوں کو اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے اس کی لرزتی پلکوں کو ہولے سے چھوا۔ سبرینہ کا سر مزید جھک گیا۔ شہریار کی آواز ایقان وفا کا پیغام دے رہی تھی۔ اس کی بولتی نظریں سبرینہ کو اپنے وجود پر سنائی دے رہی تھیں۔ مزید اس کی آواز جادو جگا رہی تھی۔

آؤ کہ بتائیں ہم تم کو
کیا چیز محبت ہوتی ہے
انسان کے دل پر انساں کی
پاکیزہ حکومت ہوتی ہے
کچھ حسن میں جدت ہوتی ہے
کچھ عشق میں چاہت ہوتی ہے
کچھ آنکھیں اشارہ کرتی ہیں

بس یونہی محبت ہوتی ہے

وہ جو اس کی آواز کے سحر میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس کے چپ ہونے پر پلکیں اٹھا کر دیکھا تو وہ آنکھوں میں تمام جذبے سمیٹے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ پھر سے پلکیں جھکا گئی۔

ایسا سہانا روپ اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ خود کو شرارت سے نہ روک سکا۔ اس بار سبرینہ نے مزاحمت نہیں کی تھی بلکہ خود سپردگی سے اس کے بازوؤں میں سمٹ گئی تھی۔ آج اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا بس اس کی چاہتیں ہی اپنی زبان میں ان فاصلوں کو مٹا سکتی تھیں جو اس نے کھڑے کیے تھے۔

شہریار کو بھی جیسے اپنی محبت کا اعتبار تھا تبھی تو وہ بہت کچھ دینے کی چاہ رکھتا تھا۔ آج کی شب ہی اس نے اپنا آپ لٹا دیا تھا۔ اسی لیے تو سبرینہ اس کی چاہتوں کی پناہوں میں محو خرام تھی۔ مطمئن اور آسودہ ہر دوری فاصلے کو مٹائے ہوئے۔

☆.....☆.....☆

''اضحیٰ یہ فیصلہ تمہارا ابھی ہے۔ شافع نے گاڑی ایک طرف روکی اور پھر ساتھ بیٹھی اضحیٰ شبیر کو بے یقینی سے دیکھا۔

''ہاں..... بالکل۔'' اضحیٰ کا انداز ہنوز حتمی سا تھا۔

''تم ہوش میں تو ہو؟'' اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اضحیٰ بھی اپنی ممی کے فیصلے کو اپنا فیصلہ کہے گی۔ حیرت اس کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

''میرے خیال میں تم تیسری بار تصدیق کر رہی ہو اور میرا جواب وہی ہے، ہم مزید ساتھ نہیں چل سکتے۔ میں نے تمہارے ساتھ کبھی بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ اسی لیے میں تمہیں اچھے دوست اور اچھے ساتھی کی طرح گڈ بائے کہنے آئی ہوں۔'' جس آسانی سے وہ کہہ رہی تھی شافع کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

''کوئی وجہ؟ مجھ سے کیا غلطی ہوئی، جو تم اس طرح سوچنے پر مجبور ہو گئی ہو۔ چار پانچ سالہ بندھن کو ایک جھٹکے میں توڑنا چاہتی ہو۔ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ.....'' شافع نے مضطرب ہو کر ڈیش بورڈ سے سگریٹ کی ڈبیا اور لائٹر اٹھایا اور پھر ایک سگریٹ نکال کر سلگائی۔

''واقعی تمہیں کیوں سمجھ آنے لگی تم تو ''زوار ہاؤس'' کے لیے اپنی ذات بھی بھلا چکے ہو تم یہ

بھی بھول چکے ہو کہ اس دنیا میں تمہاری بہنوں اور بھائیوں کے علاوہ اور بھی کوئی ہستی ہے جس کی ساری خواہشیں، سارے ارمان تمہارے نام تھے، جس نے ایک عرصہ اس انتظار میں گزارا ہے کہ تمہاری رفاقت کا خواب ایک دن سچ ہی ہوگا۔ میں سمجھتی تھی وہ ہستی تمہاری زیست کا حاصل ہوگی مگر ان حالات میں، جہاں تم اس ہستی کے جذبات سمجھنے سے قاصر ہو گئے ہو تو پھر یہ ممکن کیسے ہے کہ کوئی خواب سچ ہو سکے ساری خواہشیں تکمیل تک پہنچیں، سارے ارمان پورے ہوں۔'' اضحیٰ کا لب و لہجہ پہلی بار ایسا کھردرا اور سخت ہوا تھا۔ ہمیشہ متبسم رہنے والی اضحیٰ کو شافع نے اس کے تلخ انداز پر مزید حیرت سے دیکھا۔

اسے اضحیٰ کے اس رویے کی سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔

''وہاٹ ڈو یو مین رئیلی آئی ڈونٹ انڈر سٹینڈ۔''

''میری باتیں تمہارے لیے نافہم ہو گئیں، حیرت ہے۔'' اضحیٰ کے طنز پر ناگواری کی لہر اس کے چہرے پر پھیل کر سمٹی اور وہ زچ ہو کر بولا۔

''پلیز اضحیٰ صاف صاف بتاؤ مسئلہ کیا ہے؟ حالانکہ میں تو آج کل میں تمہیں سرپرائز دینے والا تھا۔ اسی لیے تو فارینہ آپی کو میں نے بلوایا ہے تاکہ وہ پھپھو سے ہماری شادی کی تاریخ کے بارے میں ڈسکس کر سکیں اور تم.....''

''کوئی فائدہ نہیں ہے ان باتوں کا اب، میں اپنے فیصلے پر اٹل ہوں۔'' اضحیٰ نے اس بار بھی لڑی سے اس کی بات کاٹی۔

''پاگل تو نہیں ہوئیں۔'' شافع نے جلتی ہوئی سگریٹ کھڑکی سے باہر اچھال دی۔

''پاگل ہو گئی تھی جو تم پر تمہارے وعدوں پر اعتبار کر بیٹھی تھی، مگر اب مجھے ہوش آ گیا ہے ورنہ تم مجھے اسی طرح پاگل کرتے رہتے اور میں اپنا سب کچھ لٹا کر تہی داماں رہ جاتی۔'' جوش سے بولتے بولتے اضحیٰ کی آواز ایک دم پھٹ گئی تھی۔ اس نے اپنی گھٹن کو آنکھوں کے راستے باہر نکالنا شروع کر دیا۔ شافع اضحیٰ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے یہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا فوراً اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

''فار گاڈ سیک اضحیٰ مجھے بتاؤ؟ مجھ سے کہاں غلطی ہوئی میری محبتوں میں کہاں کمی رہ گئی۔ میں نے تم سے کیا بے وفائی کی جو تم مجھ سے اس قدر بدگمان ہو گئی ہو اور اس قسم کا احمقانہ فیصلہ کر بیٹھی ہو۔ تمہارا رویہ اسی طرح رہا تو تم جانتی ہو میں کچھ کر بیٹھوں گا۔'' اضحیٰ نے اس کی گرفت سے خود کو چھڑانے سے نکالا تو شافع نے اپنا غصہ اسٹیئرنگ پر مکے برسا کر نکالا۔ اضحیٰ نے بھری ہوئی آنکھوں سے

بھی اسے برہمی سے دیکھا۔

''اس کا جواب تمہیں اپنی ذات سے لینا ہوگا۔ گزشتہ دو سال کے عرصے میں جب سے ممانی جان کی ڈیتھ ہوئی ہے اور نافع بھائی اپنی فیملی کے ساتھ امریکہ جا کر سیٹل ہو گئے ہیں تب سے تم نے مجھے کتنا وقت دیا ہے۔ میرا کتنا خیال رکھا ہے تمہارے پاس صرف ایک ہی بہانہ کہ آفس کی مصروفیات گھر کی ذمہ داریاں، بہنوں کی تنہائی، بیمار بھائی کی تیمار داری و دلداری۔ اس کے سارے عرصے میں میرا تو کہیں ذکر نہیں رہا، میری تنہائی کا تو تمہیں خیال نہیں رہا۔ جب بھی ملے اپنے مسائل کا رونا روتے رہے۔ میں پھر بھی برداشت کرتی رہی لیکن اب تو حد ہو گئی ہے۔ شافع زوار حد ہو گئی ہے۔ کل..... کل تم میری برتھ ڈے بھول گئے۔ میں تمہارے لیے اتنی غیر اہم ہو چکی ہوں مجھے سمجھ آ رہی ہے۔ شافع میں دیکھ رہی ہوں اب تمہاری زندگی میں میری گنجائش بھی نہیں رہی۔ آج تم میرا برتھ ڈے بھولے ہو، کل کو شادی کے بعد ایک طرف ڈال کر یہ بھی بھول جاؤ گے میں وہی اضحیٰ شبیر ہوں۔ جس کے پل پل کو سیلیبریشن کرنے کے تم بہانے ڈھونڈا کرتے تھے۔ جس کے لیے تم نے دنیا سے ٹکرانے کے دعوے کیے تھے جس کے دامن کو زمانے بھر کی خوشیوں سے بھرنے کے منصوبے بنائے تھے۔ آج اس کا تمہاری زندگی میں یہ مقام آ گیا ہے کہ تم اسے باسی پھولوں کے ساتھ رسمی سی معذرت کرتے ہوئے بھی شرمندہ نہیں ہو۔ میں اپنا نظر انداز ہونا برداشت نہیں کر سکتی۔ اس بات سے تم اچھی طرح واقف ہو شافع زوار۔'' اس کی باتوں پر شافع مسکرایا وہ اس کے غصے کو وقتی تصور کر رہا تھا۔

''بس اتنی سی بات پر اتنا بڑا فیصلہ۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں تمہارا برتھ ڈے نہیں بھولا تھا۔ میں تم سے سوری کر چکا ہوں تمہیں بروقت وش نہ کرنے کی وجہ بھی بتا چکا ہوں۔ رونی کی طبیعت بہت زیادہ خراب تھی۔ اسے دیکھ کر تو میں اپنا آپ بھی بھول گیا تھا۔ جب اسے فٹس پڑتے ہیں تو وہ کب کسی سے کنٹرول ہوتا ہے۔ پلیز سوری اگین فار می۔'' شافع نے بہت نرمی سے کہتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' اضحیٰ نے اسے گھور کر دیکھا۔

''کیوں؟ آئندہ کیا تم اپنے پاگل بھائی کو مینٹل ہسپتال بھیج دو گے یا پھر.....؟''

''اضحیٰ!'' شافع نے قدرے سختی سے اسے پکارا۔

''شافع مجھے آئندہ کے بہلاوے مت دو میں کسی بہلاوے میں نہیں آنا چاہتی۔ ممی ٹھیک کہتی

ہیں تمہاری ترجیحات اب بدل گئی ہیں۔ تمہارے پاس میرے لیے اب کچھ بھی نہیں رہا۔ اس لیے مجھے تمہیں اب یہیں روک دینا چاہیے۔ میں نے اس طرح ترسنے تڑپنے اور انتظار کرنے کے خواب نہیں دیکھے تھے۔ میں جینا چاہتی ہوں اپنی زندگی کو اپنا سمجھ کر اور اس زندگی میں تمہیں بھی صرف اپنا دیکھنا چاہتی ہوں کسی ذمہ داری کسی بوجھ کے بغیر مکمل میرے..... ورنہ۔''

''اضحیٰ! یہ تم کہہ رہی ہو؟'' شافع سمجھ رہا تھا کہ اس کا غصہ وقتی ہے اس لیے اسے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب اس کا سنگین لہجہ اور کرخت تاثرات دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ لاپرواہ سی شارٹ کٹ بالوں کی پونی جھلاتی قدرے بے وقوف اضحیٰ اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی تھی بے یقینی تو لازمی تھی۔

''ہاں..... ہاں یہ میں ہی ہوں اضحیٰ شبیر جسے تم بے وقوف بنانا چاہتے ہو۔ اپنے ساتھ اپنے مسائل میں الجھا کر میری زندگی کو بے رنگ و نور کرنا چاہتے ہو۔ مجھے اب تم کیا دو گے؟ زندگی کے چند لمحے تو تم مجھ پر خرچ نہیں کر سکے، بعد میں مجھے کیا دو گے۔ نہیں شافع پلیز میں سمیعہ بھابی نہیں بننا چاہتی جنہوں نے اپنی خوشیوں کے حصول کے لیے دس سال جدوجہد کرنے کے بعد اب جا کر اپنی منزل پائی ہے۔ میں ویسی برداشت نہیں رکھتی، مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی خوشیاں دان کرتی چلی جاؤں اور انتظار کی سولی پر ٹنگی رہوں کہ کب تمہیں مجھ پر نظر کرم کا وقت ملے گا۔ میں دوسری سمیعہ بھابی نہیں بننا چاہتی۔ میں نہیں بن سکتی ویسی۔''

اضحیٰ بری طرح رو پڑی وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اس کے منہ میں کسی اور کی زبان بول رہی ہے۔ ورنہ وہ تو ہر حال میں اس کے ہم قدم رہنے کے دعوے کیا کرتی تھی۔ وہ اب تک ششدر سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی ہچکیوں پر وہ سنبھلا۔

''اضحیٰ پلیز چپ کرو تم مجھ سے کھل کر کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔ پھر ویسا ہی ہوگا جیسا تم چاہتی ہو۔'' شافع نے ٹشو پیپر بکس سے کئی ٹشو کھینچ کر اس کی طرف بڑھائے جنہیں اس نے تھام لیا۔ شافع نچلا ہونٹ دانتوں سے کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''شافع تم..... تم مجھ سے میری چاہت پوچھ رہے ہو۔ تمہیں نہیں معلوم مجھے تمہاری بھرپور توجہ و چاہت درکار ہے۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تمہیں میری ضرورت ہے تو خود کو ان ذمہ داریوں سے آزاد کرا لو۔ پھر میں تمہارے ساتھ ہوں ورنہ مزید انتظار میرے اختیار میں نہیں۔''

اس نے آنسو صاف کر کے ٹشو پیپرز کا گولہ سا بنا کر کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے قدرے نارمل ہو کر کہا۔

''میں صحیح کہہ رہی ہوں شافع تم نے جس طرح خود کو گم کرلیا ہے اپنے گھر والوں میں اور مجھے بھول رہے ہو۔اس سے میرے خدشات مزید بڑھ رہے ہیں۔اور مجھے اس طرح سوچنے پر مجبور کر گئے ہیں۔زوار ہاؤس کی ساری ذمہ داری تمہارے سر پر ہے۔اب تو تم اپنی مرضی سے ایک سانس بھی نہیں لے سکتے۔تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے نافع بھائی تمہارے ساتھ کیا کر گئے ہیں۔اپنی ذمہ داریاں وہ تمہارے سر ڈال گئے ہیں۔بہنوں کے فرض ادا کرنا ان کی ذمہ داری تھی مگر انہوں نے بڑے آرام سے تمہیں ٹریپ کرلیا اور اب تم انہیں حقیقتاً اپنی ذمہ داری سمجھنے لگے ہو۔رافع تو ہے ہی تمہاری چاہتوں،محبتوں کا منبع تمہارا سارا وقت اب ان کو سوچتے،ان کو بہلاتے ہوئے گزرتا ہے۔بتاؤ پھر میری جگہ کہاں ہوگی اپنی زندگی میں میری گنجائش کیسے پیدا کرو گے؟ مجھے کون سا وقت دو گے؟ تھکی ہوئی مضمحل راتیں وہ بھی بہلاوے کے لیے۔'' اضحیٰ کا یہ صاف کھرا خود غرضی میں لپٹا روپ پہلی بار اس کے سامنے تھا اور وہ حیران ہوتے ہوئے بھی تھک گیا تھا۔

''اضحیٰ.....اضحیٰ تم کتنا غلط سوچ رہی ہو۔ہر انسان کے دل میں،ہر رشتے کا الگ مقام ہوتا ہے،زرینہ،شرینہ کی ذمہ داری اور معصوم رافع سے محبت وشفقت کو تم اپنی زندگی کا رقیب سمجھ رہی ہو۔انہیں اپنی زندگی کی خوشیوں کی رکاوٹ سمجھ رہی ہو۔اس قدر سطحی سوچ ہے تمہاری۔'' شافع بھی اپنا ردعمل ظاہر کیے بنا نہیں رہ سکا۔

''ابھی میں نے انہیں دیا ہی کیا ہے۔صرف ایک سال کی توجہ،تھوڑا سا وقت،کچھ پیار و شفقت اور تم اس نہج پر سوچنے لگی ہو۔اضحیٰ وہ میری ذمہ داریاں ہمیشہ سے تھیں اور ہمیشہ رہیں گی۔میں ان کی محبتوں کے بغیر کچھ نہیں ہوں۔آج میں جس قابل بھی ہوں انہی کی محبتوں کی وجہ ہوں ورنہ.....''

''یہی تو میں کہنا چاہتی ہوں ان کے بغیر تم کچھ نہیں ہو۔تو پھر ٹھیک ہے نا۔'' وہ پھر سے روہانسی ہونے لگی۔

''اضحیٰ کیا تم نہیں جانتی تم میرے لیے کیا ہو؟ تم میرے دل کی پہلی خواہش ہو،تمہیں خوشیاں دینے کا میں نے وعدہ کیا ہے تو میں تمہیں تمہارے حصے کی خوشیاں ضرور دوں گا۔میری زندگی میں تمہارا جو مقام ہے اور جو رشتہ قائم ہوگا۔اسے پوری ایمانداری سے نباہوں گا۔تمہیں تمہارے تمام حقوق ملیں گے اور میری بہنوں اور بھائیوں کے مجھ پر جو حق ہیں ان کی ادائیگی سے مجھے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کرسکتا اور نہ ہی تمہیں اتنی اجازت دے سکتا ہوں کہ تم مجھے میری ذمہ داریوں سے بدظن کرنے کی کوشش کرو۔'' اس بار شافع کا انداز بھی قطعی واٹل تھا۔

اضحیٰ اس کی سنجیدگی پر حیران رہ گئی۔اسے امید نہیں تھی کہ شافع اسے اس طرح اس انداز سے پیش آئے گا،اس کے خیال میں تو وہ جو کہے گی بلا چوں چرا مان لے گا۔جیسا کہ وہ ہمیشہ اس کی ہر بات ہر خواہش مانتا اور پوری کرتا آیا تھا۔مگر اب۔''

''شافع تم.....''

''تم جانتی نہیں۔نافع بھائی نے ابا کے مرنے کے بعد ہمارے لیے کتنی جدوجہد کی۔سمیعہ بھابھی نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی اماں تو ابا کے بعد بیمار ہی رہنے لگی تھیں۔سمیعہ بھابھی نے اماں کی ساری ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔آپی کی شادی کی۔مجھے اس مقام تک پہنچایا۔ہمیں اچھے برے کا شعور دیا۔مینا،شینا کو انہوں نے بہنوں سے کم نہیں سمجھا اور نہ ہی رافع کو اپنی اولاد سے الگ جانا ہے۔ہم سے دور انہیں ان کا نصیب لے کر گیا ہے وہ جس دل سے پرائے دیس جا کر بسی ہیں یہ ہم ہی جانتے ہیں۔مگر تم یہ سب سمجھنے سے قاصر ہو۔تم چاہتی ہو میں خود غرض بن جاؤں اپنوں کو ہی بے آسرا چھوڑ دوں۔شاید میں تمہاری محبت تمہاری یہ ترغیب قبول کر بھی لیتا اگر بھائی اور بھابھی یہاں ہوتے۔اماں،ابا زندہ ہوتے۔اب میں کیسے انہیں تنہا چھوڑ سکتا ہوں۔یہ ناممکن ہے اضحیٰ! میں اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے بعد تمہیں تمہاری من چاہی زندگی دوں گا،اپنی بھرپور رفاقت لیکن اس کے لیے تمہیں مینا اور شینا کی شادی تک انتظار کرنا ہی پڑے گا۔'' شافع نے اپنے ساتھ جیسے اسے بھی آزمایا۔

''نہیں چاہیے مجھے تمہاری محبتوں کی خیرات۔مجھے پتہ تھا تم ایسا ہی کرو گے۔تم سمجھتے کیا ہو خود کو،میں تمہارا انتظار کروں گی۔اپنے جرم کی سزا کاٹوں گی۔یہ تمہاری بھول ہے۔تم مجھے کچھ نہیں دے سکتے تو میں تمہیں کیسے اپنے ارمانوں بھرے ماہ وسال دے دوں۔شافع زوار یہ تمہاری بھول ہے،شافع زوار تم نبھاؤ اپنی ذمہ داریاں ادا کرو اپنے سارے حقوق اور بھول جانا کہ ایک پاگل لڑکی نے تمہاری چاہ کی تھی۔تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا عہد کیا تھا۔یہ لو اپنی جھوٹی محبت کی زنجیر۔'' اضحیٰ پھر سے رونے لگی تھی اور اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے اپنی اور شافع کی محبتوں کی امین اس یادگار کو نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔

شافع کبھی اس کی ہتھیلی پر دھری ڈائمنڈ رنگ کو دیکھ رہا تھا اور کبھی اضحیٰ کو یہ انگوٹھی تو اس نے بڑے مان سے خاندان بھر کے سامنے پانچ سال پہلے پہنائی تھی یہ کہہ کر کہ تم میری ہو صرف میری۔اور آج وہی تمام رشتے اور مان بھلا کر اس کی ہر بات اس کے اعتماد کو جھٹلا رہی تھی۔

''تم نے جس طرح مجھے راہ میں چھوڑا ہے دیکھ لینا اب تمہیں کبھی بھی منزل نہیں ملے گی۔ تم یونہی بھٹکتے رہو گے۔ کبھی سکون نہیں پاؤ گے۔'' شافع نے بہت اضطراب کی حالت میں اس کی ہتھیلی سے انگوٹھی اٹھائی تھی۔

''اضحیٰ یہ تم اچھا نہیں کر رہی ہو۔ رشتے اس طرح نہیں توڑے جاتے اور دیکھو زندگی میں ذمہ داریوں سے فرار بھی حاصل نہیں کی جاتی۔ تمہیں کیوں بدگمانی ہوگئی ہے کہ میرے پاس تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔ میں صرف تمہارا ہوں دو تین سالوں میں میری ذمہ داریاں بھی تقریباً نمٹ جائیں گی۔ پھر ہم ساتھ ساتھ ہر فکر سے آزاد ہوں گے۔ کیا تم میری خاطر کچھ عرصہ تک میری ذمہ داریوں سمیت مجھے برداشت نہیں کر سکتیں۔'' ایک موہوم سی کوشش تھی۔ دل میں کہیں ابھی امید کی رمق باقی تھی۔ شاید اضحیٰ اپنے ارادے سے باز آجائے۔ شاید اس کی محبت اپنا آپ منوا لے مگر اضحیٰ اپنی ضد پر جیسے ڈٹ گئی تھی۔

''اس بار فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے شافع۔ میں نے تو تمہاری خاطر بہت لمبا سفر طے کیا ہے اب تمہاری باری ہے۔ ماسٹرز کرنے کے بعد سے یہ دو سال میں نے تمہارے لیے ہی تو صبر سے کاٹے ہیں۔ اب اور نہیں۔ تمہیں تو معلوم ہے نا میرے ددھیال والے پہلے ہی ممی کو اس رشتے پر کس قدر سناتے رہتے ہیں اور اب تو انہیں مزید موقع تم ہی فراہم کر رہے ہو۔''

''اضحیٰ تم تو بچوں والی ضد کر رہی ہو۔ میں کیسے اپنے بھائی بہنوں کو اس وقت تنہا چھوڑ کر تمہارے ساتھ تمہارے حسب منشا چل سکتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ زندگی کا نیا سفر کل ہی شروع کرنے کو تیار ہوں مگر اس سفر میں میرے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی شریک سفر ہوں گے اس بات کو ذہن میں رکھو۔''

''ٹھیک ہے پھر تمہارے ساتھ جو تمہارے ان بوجھوں کو اٹھا کر چلنے کو تیار ہو جائے اسے اپنے ہمراہ کر لو۔ آج سے میری اور تمہاری راہیں الگ ہوگئی ہیں۔'' اضحیٰ کی ضد، ہٹ دھرمی میں چھپی خودغرضی نے پہلی بار اپنا آپ دکھایا تھا۔ شافع کو شدید جھٹکا لگا تھا۔

''یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟'' شافع کو اپنی آواز گہرے کنویں سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔

''آخری بھی اور اٹل بھی۔''

اضحیٰ اس قدر کٹھور ہو جائے گی اس کا اسے گمان بھی نہیں تھا۔ گزشتہ دو سالوں میں وہ اتنی بدل چکی ہوگی وہ کب سوچ سکتا تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ زندگی کے اس پر آزمائش دور میں جب بھی تھکن حد سے سوا ہو جائے گی اس کی محبت و چاہت اس کی ساری تھکن چن کر اپنی پناہ میں لے لے گی۔

اسے کیا خبر تھی کہ اس کی محبت ہی اس کی آزمائش بن جائے گی۔ گزشتہ دو سال میں اماں کی موت نے اسے یک دم احساس ذمہ داری کے لبادے میں ملفوف کر دیا تھا۔ وہ جو اپنے آپ میں مگن و مسرور رہتا تھا گھر سے وابستہ ذمہ داریوں کا احساس تو اسے تب ہوا جب نافع بھائی نے امریکہ جانے کا فیصلہ سنایا اور اس کے نزدیک یہ ان کا حق تھا۔ جس جدوجہد سے انہوں نے بہنوں اور اسے سنبھالنے کا مظاہرہ کیا تھا اب اپنے بچوں کے لیے کوشش کرنا ان کا مستقبل روشن کرنے کی سعی کرنا ان کا حق بھی تھا۔

وہ کالج یونیورسٹی لائف میں لاپروانہ تھا کھلنڈرا تھا تو اس کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ اسے گھر اور گھر سے وابستہ ہستیوں کی بھی پرواہ و فکر نہیں تھی۔ بہنوں بھائیوں کی محبت تو اس کی گھٹی میں شامل تھی۔ ان کی تکلیف پر سب سے زیادہ بے چین وہی ہوا کرتا تھا اور یہ اضحیٰ چاہ رہی تھی وہ انہیں بیچ راہ میں چھوڑ دے جو کہ ممکن نہیں تھا۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے مٹھی میں بند انگوٹھی ڈریش بورڈ پر اچھالی۔ اس طرح کہ جیسے اس نے اپنا دل جسم سے نکال کر ایک طرف پھینک دیا ہو۔ اس نے آخری بار اضحیٰ کو دیکھا وہ ناراضگی کے بھرپور تاثر کے ساتھ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔ شافع نے جھٹکے سے گاڑی سٹارٹ کی اور پھر اس سمت بڑھنے لگا جہاں سے ان کے راستے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جانے تھے۔ اس کے اندر شدید غصہ بھرنے لگا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں عورت کا خودغرضانہ روپ پہلی بار دیکھا تھا اور جسے اس روپ میں دیکھا تھا اس پر اسے بہت مان تھا لیکن آج مان اعتماد بھی مٹی میں مل گیا تھا۔

☆☆☆

''تائی امی آپ ہی شافع کو سمجھائیں، کب تک وہ منگنی ٹوٹنے کا سوگ منائے گا۔ اس گھر کو ایک عورت کی ضرورت ہے۔ ذمہ دار عورت کی، میں روز روز اپنا گھر اپنے بچے چھوڑ کر کیسے آسکتی ہوں اور آپ بھی یہاں کب تک رہ سکتی ہیں آپ کے بھی گھر میں آپ پر سو ذمہ داریاں ہیں۔ خدا کے لیے کچھ کیجیے۔ اس گھر کا بھی حق ہے کہ خوشیاں سمیٹے، دوسرے اپنی خوشیوں کا جشن مناتے پھر رہے ہیں اور شافع کو دیکھیں وہ تو مجنوں بن گیا ہے۔''

نرینہ آپی جب سے سسرال سے آئی تھیں اسی بات پر بار بار الجھنے لگتی تھیں۔ پھپھو اور اضحیٰ کا اس طرح منگنی توڑنا انہیں غصے کے ساتھ دکھ میں بھی مبتلا کر گیا تھا بلکہ سبھی ششدر تھے کہ دونوں طرف کی چاہت سے بندھنے والا یہ بندھن ایک جھٹکے میں ٹوٹ گیا تھا۔ ذرا سی زندگی کی دھوپ

پڑی تھی تو خوبصورت رشتے کا ریشم بودا ہو کر بکھر گیا تھا۔

''کس نے کہا ہے میں مجنوں بن گیا ہوں؟'' اندر آتے شافع نے آخری جملہ سن کر سنجیدگی سے پوچھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس وقت موضوع گفتگو اسی کی ذات ہے اور کیوں؟ وہ یہ بھی جانتا تھا۔

''تو پھر یہ سب کیا ہے؟'' اس نے اپنی گردن گما کر اسے دیکھا۔

''تمہیں کتنی لڑکیاں بتائی ہیں مگر تمہارے مزاج ہی نہیں ملتے۔ سارا گھر چوپٹ پڑا ہے۔ میں اپنے مسئلوں سے نکل کر یہاں آئی ہوں تو یہاں نئے مسائل، ثینا مینا ابھی بچیاں ہیں تنہا کیسے سنبھال سکتی ہیں اور نہ ہی ان کی تنہا رہنے کی عمر ہے۔ شافی تم ہی کچھ عقل سے کام لو، رافی کو دیکھا ہے۔ آج کل بات بات پر چیزیں اٹھا کر پھینکنے لگا ہے۔ ڈاکٹر نے تمہارے سامنے یہ کہا تھا اسے توجہ دو ہوش رکھو۔ تم کیسے مرد ہو، اس گھر کو چند خوشیاں نہیں دے سکتے۔'' فرینہ آپی نے اسے پھر سے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ان کے ساتھ ہی پندرہ سالہ راضی بیٹھا ان کے دوپٹے کا کونا چبا رہا تھا۔

پندرہ سالہ رافی ذہنی و جسمانی دونوں طرح سے نارمل نہیں تھا۔ ذہن تو اس کا ابھی تک تین چار سالہ بچے جتنا تھا البتہ علاج معالجے سے جسمانی طاقت میں ضرور اضافہ ہوا تھا۔ وہ خود آڑھا ٹیڑھا ہو کر چل پھر لیتا تھا۔ نہا وغیرہ بھی خود ہی لیتا تھا اور یہ ان کے لیے بہت بڑا کرم تھا ورنہ تو انہوں نے اکثر پولیو زدگان کو بستر تک محدود دیکھا تھا، رافع کھا پی بھی خود لیتا تھا۔ البتہ کبھی کبھی ضد و غصے میں چیزیں اٹھا کر اِدھر اُدھر پھینکنے لگتا تھا۔ برتن توڑنے لگتا تھا۔

اضحیٰ اور زینب پھپھو نے لوگوں کے سامنے اسی معصوم کو نشانہ بنا کر منگنی توڑنے کا جواز بتایا تھا کہ اضحیٰ ایسے ذہنی مریض کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہ سکتی اور پھر انہوں نے مزید یہ بھی کہا تھا انہیں خدشہ تھا کہ شافع کی اولاد بھی کہیں اسی قسم کی پیدا نہ ہو۔ تبھی تو فرینہ آپی مشتعل تھیں۔

''شافع تم میری بات سن رہے ہو کہ نہیں؟'' شافع ان کے پاس ہی صوفے پر رافع کے پاس آ کر بیٹھا تھا اور اب خود رافع کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔

''میری شادی کیا اس گھر کی خوشیوں کی ضمانت ہے۔'' شافع نے تلخ مسکراہٹ سے کہا۔

فرینہ آپی نے فہمائشی انداز میں اپنے چھوٹے اور لاڈلے بھائی کو گھورا۔

''تم ایسے تو نہیں تھے شافع کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

''کیا ہوا ہے مجھے ٹھیک تو ہوں آپ کو وہم ہوا ہے۔ اگر آپ کو تسلی نہیں ہے تو آج ہی کسی ڈاکٹر سے چیک اپ کرواتا ہوں۔'' شافع نے ہنسی میں بات اڑائی تو وہ مزید بگڑ گئیں۔

''تم مجھے اس طرح نہیں ٹال سکتے آج فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ آخر تمہیں شادی کرنے پر اعتراض کیوں ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تو تم شادی کے لیے دل و جان سے راضی تھے۔ اگر تمہیں اضحیٰ سے ابھی بھی کوئی امید ہے تو یہ تمہاری بے وقوفی ہو گی۔ پھپھو زینب اضحیٰ کا رشتہ طے بھی کر چکی ہیں اور عنقریب تمہیں اس کی شادی کا دعوت نامہ بھی مل جائے گا۔''

''مجھے کسی سے کوئی امید نہیں ہے آپی فی الحال میں شادی نہیں کرنا چاہتا پلیز مجھے مجبور مت کریں۔'' وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا۔ چہرے پر تاریک سایہ لہرا گیا تھا۔

''یہی تو میں پوچھتی ہوں کہ کیوں؟'' فرینہ آپی آج فیصلہ کن موڈ میں تھیں اور اسے فرار ہونے کا موقع بھی نہیں دے رہی تھیں۔

''آپ نہیں جانتیں کیوں؟ بھائی ابھی واپس نہیں آ سکتے اور ان کے بغیر میری شادی ہو یہ مجھے اچھا نہیں لگے گا۔'' اس نے نظریں چرا کر جواز بتایا جو کہ نہایت بودا تھا۔ نافع بھائی تو جانے سے پہلے ہی کہہ گئے تھے ان کے انتظار میں کسی کی بھی خوشی نہ روکی جائے۔''

''بھائی جان تو پہلے معذرت کر چکے ہیں اور ساری ذمہ داری تم پر ڈال چکے ہیں۔ انہیں تم پر اعتماد تھا کہ تم احسن طریقے سے یہ گھر اور اس کی ذمہ داری اٹھا سکتے ہو لیکن اب تم خود ہی فرار حاصل کر رہے ہو۔ سمیعہ بھابھی ہوتیں تو مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں مینا، ثینا کی فکر کرتی۔ فرسٹ اور سیکنڈ ایئر کی بچیاں کیا سمجھ بوجھ رکھتی ہیں۔ دونوں کو اچھے برے کی تمیز ہی کب ہے۔ میرے بھائی اس لیے تم سے کہہ رہی ہوں کچھ سوچ لو۔ اس گھر کی ان بچوں کو سمیعہ بھابھی جیسی ہستی کی ضرورت ہے۔''

فرینہ آپی بے حد جذباتی ہو گئیں، لہجہ رندھ گیا۔ آنکھیں چھلک پڑیں۔ تائی امی بھی ان کے ساتھ اشکبار ہو گئیں۔ اب تک وہ خاموش بیٹھی تھیں۔ اب ناصحانہ انداز میں بولیں۔

''شافی بیٹا فرینہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بیٹیاں کچا برتن ہوتی ہیں۔ ان کی حفاظت کرنا پڑتی ہے اپنی محبت و توجہ کے ہاتھوں سے انہیں ٹوٹ پھوٹ سے بچانا پڑتا ہے۔ سمیعہ سمجھدار بچی تھی۔ جب تک یہاں رہی تم سب کو اپنی اولاد کی طرح سمیٹ کر رکھا۔ اب اس کے جانے کے بعد اس گھر کو بکھرنے سے بچانے کے لیے اس جیسی عورت سے بچانے کے لیے اس جیسی عورت کا ہونا بہت

ضروری ہے۔تم خود سمجھ دار ہو۔ چوبیس گھنٹے گھر میں نہیں رہتے۔ نہ ہی ہر بات پر تمہاری نظر ہوگی۔ خود کو کسی پچھتاوے سے پہلے بچالینا بھی عقلمندی ہوتا ہے بیٹا۔'' تائی امی نے اپنی نمناک آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے جیسے اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ جھنجھلایا ہوا تھا۔ ذہن و دل میں جو بدگمانی آبسی تھی نکل ہی نہیں پا رہی تھی۔

''آپ سمجھتے کیوں نہیں سب لڑکیاں بھابھی جیسی نہیں ہوسکتیں، میں یہ رسک نہیں لے سکتا کہ کوئی آئے اور رہا سہا سکون بھی برباد کردے۔''

''اضحیٰ لے سکتی تھی وہ جگہ؟'' آپی نے سختی سے پوچھا۔

''آپی پلیز ٹرائی ٹو انڈر سٹینڈ می میں یہی تو آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ جب اضحیٰ میری کزن، میری منگیتر نے میرے مسائل شیئر کرنے کے بجائے خود کو الگ کرلیا تو کوئی اور لڑکی کیسے سب نبھائے گی۔'' وہ پھر سے بیٹھ گیا تھا۔ مگر آپی اور تائی امی بھی ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھیں۔

''سب لڑکیاں اضحیٰ جیسی نہیں ہوتیں جو برسوں کے رشتوں ناتوں کو ایک جھٹکے میں ختم کردیں اور نہ ہی پھپھو زینب کی طرح ہوتے ہیں کہ وقت پڑنے پر اپنوں سے رخ موڑ لیں۔'' آپی بھی تلخ ہوگئیں۔

''مٹی ڈالیں جو کیا ان کے لیے مناسب ہوگا ہم زبردستی تو نہیں کرسکتے نا۔'' شافع نے ہاتھ جھٹک کر بات ختم کی اور کھڑا ہوگیا۔

''پھر یہ حالت بڑھی ہوئی شیو، بے ترتیب حلیہ، نہ دن کا ہوش، نہ رات کی خبر اور وہ اضحیٰ اس گھر کا خواب دیکھنے والی، خواب چور ہونے پر بھی دیکھو زخمی نہیں ہوئی۔ ویسی ہی اٹکھیلیاں کرتی پھرتی ہے۔ بلکہ زیادہ ہشاش بشاش، بس روگ تو ہمیں لگ گیا ہے، جیسے خواب تو تمہارے ہی چور ہوئے ہیں۔

''پلیز آپی پلیز۔'' اس نے تڑپ کر انہیں کمزور آواز میں روکا۔ انہوں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ جو رکھ دیا تھا۔

''تم مرد ہو شافی، کیوں خود کو کمزور ظاہر کرتے ہو میرے بھائی خود کو سنبھالو، یہ گھر، کاروبار تمہاری توجہ کا طالب ہے سمیٹ لو انہیں۔'' تائی امی اور میں کب تک یہاں آکر یہاں کے مسئلے حل کرتے رہیں گے۔ تمہیں ہی اب ہمت کرنا ہے، تم ہی اب اس گھر کے بڑے ہو، تم نے ہی ان بہنوں کو وداع کرنا ہے اور رافع معصوم کو بھی تمہاری شفقت کی ضرورت ہے کتنے دن ہوگئے ہیں

تمہیں تمہیں اس کے ساتھ وقت گزارے ہوئے۔''

''مجھے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے آپی انشاء اللہ میں ان سے خوش اسلوبی سے عہدہ برا ہوں گا۔ ابھی مجھے ڈسٹرب مت کریں پلیز مجھے خود کو سنبھالنے کا موقع تو دیں پھر آپ لوگ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گا۔'' وہ وہاں سے تیزی سے نکل گیا۔

آپی نمناک آنکھوں سے لب بھینچے اسے جاتا دیکھتی رہ گئیں۔ سبھی کو معلوم تھا وہ اضحیٰ سے کس قدر محبت کرتا ہے۔ اس کی شدید خواہش پر ہی اماں اور بھابھی نے بڑے ارمانوں سے اس کی منگنی کی تھی اور اب پھپھو نے کس طرح تمام خوشیوں ارمانوں کو روندھ ڈالا تھا۔ ایک معمولی بات پر کہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی پر گھر کی ذمہ داریاں نہ دیکھ سکتی تھیں جو شافع سے شادی کے بعد اس پر پڑنے والی تھیں۔ سمیعہ کی موجودگی ان کی ڈھارس تھی کہ وہ جانتی تھیں کہ سمیعہ ان کی بیٹی کی دیورانی نہیں بلکہ کسی بیٹی کی طرح رکھے گی جیسے اس نے اپنی نندوں اور دیور کو رکھا تھا۔ کسی بھی ذمہ داری کو ان پر نہ ڈالا۔

ان کا موقف تھا کہ اب ان حالات میں شافع ان کی بیٹی کو اصل خوشی بھی نہیں دے سکتا تھا جو اس کا حق تھا۔ دو بہنوں کی ذمہ داریاں پھر معذور بھائی کی دیکھ بھال۔ آدھی سے زیادہ زندگی تو ایسے ہی گزر جاتی۔ اپنے تئیں انہوں نے دور اندیشی دکھائی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو پرتعیش زندگی دینا چاہتی تھیں۔ ذمہ داریوں کی بھٹی میں جھونکنا انہیں منظور نہ تھا۔ انہوں نے اضحیٰ کو نہ جانے کیسے اپنے شیشے میں اتارا تھا کہ اس نے شافع کی محبتیں بھلا کر سنہرے خوابوں کو پانے کی سعی شروع کردی تھی۔

شافع تو اب تک اضحیٰ کے بدلتے روپ پر ششدر تھا۔ وہ ساتھ مرنے جینے کی قسمیں کھانے والی اضحیٰ تو نہیں تھی۔ یہ تو کوئی نئی اضحیٰ تھی جو وفا و مروت سے نا آشنا تھی۔ جس نے اپنی محبت آسائشوں پر قربان کردی تھی۔ شافع کے اندر کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ اسے اضحیٰ سے ایسی امید نہ تھی، چار پانچ سال سے بندھا تعلق اور وابستگی ایک لمحے میں ختم کردی تھی۔ صرف اپنی بات منوانے کی خاطر۔

وہ کیسے اس کی ضد پوری کردیتا اس کے سامنے بہنیں تھیں، بھائی تھا۔ ان کے دکھ سکھ تھے، ان سے محبتیں تھیں۔ انہیں منزل تک پہنچانے کا اس کا خود سے عہد تھا۔ وفا اس کی مٹی میں تھی وہ صرف اضحیٰ سے محبت نبھانے کی خاطر اپنے پیاروں سے خودغرضی نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس نے اضحیٰ کو اس کی خوشی پر چھوڑ دیا تھا نہ کوئی وعدہ یاد دلایا تھا نہ ہی رسم وفا کے تقاضے سمجھائے تھے۔ وہ صرف ایک اضحیٰ کی محبت کی خاطر اپنے پیاروں کی محبت کا سودا نہیں کرسکتا تھا۔

وہ اضحیٰ کے رویوں سے بکھر تو گیا تھا مگر خود کو سنبھالنے کی کوشش بھی کر رہا تھا اور پھر اس کے

اپنے بھی تو اسے سمیٹنے کو آگے بڑھ رہے تھے۔ آپی، مینا، شینا، تائی امی حتیٰ کہ معصوم سا رافع بھی اس کی دلجوئی میں لگے ہوئے تھے۔ آخر اس نے ان سبھی کی خاطر بہت ہمت سے اپنے خوابوں کو اندر دفن کیا اور ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہوا وہ اگلے ہی دن آپی کے سامنے آیا تھا۔ فرینہ آپی نے رات سے بہتر اسے محسوس کیا تھا۔ وہ کافی سنبھلا ہوا لگ رہا تھا۔ تائی امی نے بھی چشمے کے پیچھے سے بغور اس کا جائزہ لیا۔ اسے دیکھ کر ان کے اندر اطمینان اترا تھا۔

''آپی میں آپ سب کا فیصلہ ماننے کو تیار ہوں مگر کیا آپ ایسی ہستی تلاش کر سکتی ہیں جو اس گھر کے لیے مخلص ہو۔ اس گھر کو بھابھی جان کی طرح بے مثال بنا دے جسے اپنے سکھ سے زیادہ اس گھر کے سکھ عزیز ہوں جو ہر مشکل ہر آسانی میں بھی ثابت قدم رہے۔'' آپی دم بخود رہ گئیں۔

کل جب انہوں نے اسے یہ سب کہا تھا تو وہ بکھر گیا تھا۔ ان سے کترا کر چلا گیا تھا۔ آج اپنی پرانی چھب میں کھڑا مضبوط پرعزم دکھائی دے رہا تھا۔

''میں نے تمہیں جتنی لڑکیاں دکھائی تھیں سب ہی اچھی تھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کوئی اچھی لڑکی ہی اس گھر میں آئے گی اور تم بھی تب تک خود کو سنبھالو، اچھی طرح خود کو سنبھالو۔'' آپی نے بہت محبت کے ساتھ اسے دیکھا۔ وہ سر ہلانے لگا۔

''فری ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹا اب پچھلی باتیں آئندہ زندگی پر اثر انداز نہیں ہونی چاہئیں۔ گھر کی بنیاد خلوص و وفا ہوتی ہے۔ اگر تمہاری طرف سے کوئی کمی نہیں ہوگی تو کوئی بھی لڑکی تمہارے ہم قدم ہو سکتی ہے۔'' تائی امی کا انداز بھی ناصحانہ تھا۔ وہ ان کی بات پر بھی تائید اً سر ہلاتا واپس مڑا۔ واپس کمرے میں آ کر جیسے پھر حوصلہ ہارنے لگا۔ دل واویلا مچا رہا تھا۔ اس نے دل کو سرزنش کی۔

''اب کچھ بھی ممکن نہیں ہے۔ نہ اضحیٰ سے تجدید تعلق ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس پر اعتبار۔ وہ اپنا اعتبار کھو چکی ہے۔ اس نے مجھے روشنی دکھا کر اندھیروں میں دھکیل دیا ہے، میری وفا میرے خلوص کا مذاق اڑایا ہے۔ ذرا سی آزمائش پر اس نے دل کے بندھن توڑ لیے، بھابھی جان نے بھی اپنی محبت کو پانے کے لیے انہی ذمہ داریوں کو قبول کیا تھا۔ انہوں نے بھی تو اپنی خوشیاں سمیٹنے کے بجائے ہمیں خوشیاں بانٹیں تھیں تو کیا تم ایسا نہیں کر سکتی تھیں تم میرے ساتھ کچھ دور تک دھوپ میں نہیں چل سکتی تھیں؟''

بے اختیار اس کی نظر بیڈ پر پڑی اور اضحیٰ کی تصویر سے مخاطب ہو گئی۔ شاٹ کٹ بالوں کی پونی، شرارت سے چمکتی آنکھیں، تیکھے نقوش والی، سرخ و سفید قدرے مغرور سی اضحیٰ کل تک اس کا

سب کچھ تھی مگر آج بہت اجنبی لگ رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ اسے اپنا مذاق اڑاتی محسوس ہو رہی تھی۔

''یہ تم ہو اضحیٰ مجھے ابھی تک یقین کیوں نہیں آ جاتا؟'' اس نے جھنجھلا کر سر ہاتھوں میں گرانے سے پہلے ہاتھ بڑھا کر اس کی تصویر بھی الٹ دی تھی اور پھر اسے یقین آ ہی گیا، جب اگلے ہی ہفتے زینب پھپھو نے اضحیٰ کی منگنی بڑی دھوم دھام سے کر دی۔ اگلے دن خود ہی مٹھائی لے کر آئی تھیں۔ شافع نے پھپھو کو اپنی طرف مٹھائی بڑھاتے دیکھ کر بہت شاکی نظروں سے دیکھا اور پھر گھر سے باہر ہی چلا گیا۔ پھپھو کٹھور بنی شاداں و فرحاں، فرینہ کی طرف بڑھ گئیں جو اپنے سسرال پنڈی جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

پھپھو کو اپنے گھر دیکھ کر حیران رہ گئیں مزید حیرت میں ان کا انداز ڈال رہا تھا۔ وہ خود ہی اپنے داماد کی خوبیاں بیان کر رہی تھیں۔ ان کا زیادہ زور اپنے داماد کے اکلوتا ہونے پر تھا۔ جس کی صبح لندن اور شام پیرس میں ہوتی تھی۔ آپی خاموش رہنے کے سوا کچھ نہ کر سکیں۔ پھپھو کی ذہنیت یہ رنگ بدلے گی اس کا کسی کو گمان کب تھا۔

جانے سے پہلے فرینہ آپی نے تائی امی کو پھر چند دن رہنے کے لیے زوار ہاؤس بلایا تھا۔ اصل میں تائی امی بڑے بیٹے اور تینوں بیٹیوں کے فرض سے فارغ ہو کر قدرے اطمینان سے تھیں۔ اکلوتی بہو بھتیجی بھی تھی اور سمیعہ بھابھی کی بہن بھی اس لیے اسے تائی امی کی دنوں گھر سے غیر موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ ویسے بھی ساس بہو کے تعلقات خاصے اچھے تھے اور اس میں زیادہ کمال تائی امی کے دھیمے مزاج کا تھا۔

تائی امی اور ان کی امی بھی آپس میں کزن تھیں اور گہری سہیلیاں بھی تھیں۔ ان بچوں سے انہیں بہت خاص قسم کی انسیت تھی۔ ان کا ارادہ اپنی چھوٹی بیٹی کو اس گھر میں بیاہنے کا تھا مگر شافع کا رجحان تو زمانہ طالب علمی اور نوجوانی میں ہی اضحیٰ کی طرف ہو گیا تھا سو وہ اپنی چاہت و ارادہ کسی پر ظاہر کیے بغیر اپنے فرض سے فارغ ہو گئی تھیں۔

''فری اچھا ہوتا تم اس بار کوئی لڑکی دیکھ کر ہی جاتیں۔ اب بچہ مان گیا ہے تو دیر مت کرو۔'' تائی امی نے آتے ہی فرینہ آپی کو مشورہ دیا تھا۔

''تائی امی مہینہ تو ہو گیا مجھے یہاں رہتے ہوئے بچے بھی اب بار بار بلا رہے ہیں۔ ان کی پڑھائی کے خیال میں انہیں یہاں زیادہ دن کہاں رکھ سکی۔ اب تو ہشام نے بھی دبے دبے لفظوں میں واپسی کا حکم دیا ہے۔ آپ کو تو معلوم ہے سسرال کتنا بھی اچھا ہو بہوؤں کی کوتاہیاں کہاں

برداشت کرتا ہے۔ میرے میاں صاحب کا بھی مزاج بے شک ٹھنڈا ہے۔ بگڑ گیا تو کیسے سنبھالوں گی۔ فرینہ آپی بے حد الجھی ہوئی تھیں۔

''اچھا..... اچھا تم فکر مت کرو میں کچھ دن تو ادھر ہی ہوں۔'' تائی امی سے اس کی پریشانی دیکھی نہ گئی۔

''تائی امی بعد میں بھی آتی رہیے گا۔ آپ ہی اب تو ہماری بزرگ ہیں۔ انہیں آپ ہی سمجھ بوجھ دے سکتی ہیں۔ شینا، مینا میں کسی بات کی سمجھ شعور کہاں ہے۔ شافع کو تو آپ جانتی ہیں۔ فی الحال ڈسٹرب ہے وہ، آپ کی رہنمائی کی انہیں ضرورت ہے۔'' فرینہ آپی بھائیوں بہنوں کے لیے متفکر و پریشان تھیں۔

''اسی لیے تو کہتی ہوں اب دیر مت کرو۔ شافع کی شادی کر دو سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔''

''سوچا تو میں نے بھی یہی ہے تائی امی مگر کچھ وقت تو لگے گا فی الحال تو کوئی لڑکی بھی نظر میں نہیں ہے۔''

''کیوں کلثوم (چھوٹی پھپھو) کی سمیرا بھی تو ہے، ماشاء اللہ اچھی بچی ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کلثوم بھی راضی ہو جائے گی۔ بلکہ اسے کیا اعتراض ہوگا اگر.....''

''سمیرا..... اوہ نہیں تائی امی ایک تو وہ ابھی اتنی سمجھدار نہیں ہے کہ شافع کے ساتھ اس کے موجودہ مزاج کے مطابق چل سکے۔ آپ نے سنا نہیں تھا کیا کہہ رہا تھا۔ اس کے سکھوں پر اپنا آپ وارنے والی ہستی چاہیے اسے اب۔

اضحیٰ کے رویوں سے وہ کافی ہرٹ ہوا ہے۔ سمیرا کے لیے وہ نہیں مانے گا۔ ہم منا بھی لیں تو سوچیں ذرا خاندان میں سبھی شافع اور اضحیٰ کی پسندیدگی و چاہت سے واقف ہیں۔ خاندان کی لڑکی کے دل میں ہر وقت یہ کھٹک رہے گی۔ پھر ایک خاندان کی لڑکیوں کا آپس میں آمنا سامنا بھی رہے گا۔ دل میں کھنچاؤ پیدا کرنے والے بھی سینکڑوں ہوتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی اب خاندان میں مزید کوئی بدمزگی ہو، بہتر یہی ہے کوئی باہر کی لڑکی تلاش کروں۔'' فرینہ آپی کافی دور اندیشی سے سوچ رہی تھیں۔

''تو کیا باہر کی لڑکی کو خبر نہیں ہوگی کہ اضحیٰ اور شافع۔'' تائی امی نے تشویش ظاہر کی۔

''ہو تو جائے گی ایسی باتیں چھپتی ہیں بھلا سمیرا تو اچھی طرح باخبر ہے تائی امی! باہر والی کو اتنا کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ دراصل میرے تامل کی ایک وجہ سمیرا کا بچپنا بھی ہے۔ وہ گھریلو ذمہ داریوں

اور مسائل کو حل کرنے کی سوجھ بوجھ کہاں رکھتی ہوگی۔ میں نے کئی لوگوں کو کہہ دیا تھا آپ بھی نظر میں رکھیے گا۔ کوئی سلسلہ ہوگا تو میں پھر آجاؤں گی، آخر تو اس گھر کو بسانا ہی ہے۔ مینا کیا کر رہی ہو چائے نہیں لائیں ابھی۔ تائی امی کب سے آئی بیٹھی ہیں۔'' فرینہ کو اچانک خیال آیا تو وہ چھوٹی بہن کو آواز دینے لگیں۔

☆☆☆

فرینہ آپی اپنے سسرال میں نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ گھر کی بڑی بہو ہونے کے لحاظ سے سب کی نظر میں ان کی قدر و منزلت تھی اور یہ سب انہوں نے اپنے اپنے رکھ رکھاؤ، سمجھاؤ اور محبتوں کو بانٹ کر حاصل کیا تھا۔ اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کی قربانی دے کر خود کو اس نمایاں مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔ اس لیے تو اتنے روز میکے میں گزار کر آنے کے باوجود نہ ساس نے باز پرس کی تھی اور نندوں دیورانیوں نے تیوریاں چڑھائی تھیں۔ حالانکہ وہ اپنے تینوں بچے ان کے حوالے کر کے گئی تھیں۔ بلکہ ان کی ساس تو ہمیشہ انہیں شفقت سے بھیجا کرتی تھیں اور اب بھی ان کی مجبوری اور دکھ کو سمجھ رہی تھیں۔

شام کی چائے پر وہ اپنی ساس کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ تبھی انہوں نے بھی وہی مشورہ دیا جو سب دے چکے تھے۔

''اب تو وہاں تم ہی بڑی ہو۔ اللہ کا نام لے کر اپنے بھائی کی شادی کر دو۔ اللہ جنت مکانی کرے تمہاری امی کو ان کی وفات کے بعد تو سچ پوچھو اس گھر کی ویرانی دیکھ کر دل کڑھتا رہتا ہے۔ بڑے سچ ہی کہتے ہیں بزرگوں کی برکتوں سے ہی گھر بھرے پرے لگتے ہیں۔ تمہاری امی گئیں تو بڑے بھائی نے بھی ٹھکانہ بدل لیا۔ یہاں کس بات کی کمی تھی۔ بس ہماری نسل کی تو مانو سوچ ہی بدل گئی ہے۔'' ربیعہ خاتون نے خاصی افسردگی سے اظہار خیال کیا تو فرینہ بھی ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

''امی جان میں نے بھی یہی سوچا ہے مگر.....'' وہ پہلی بار جھجک گئیں۔ کیونکہ ابھی تک اضحیٰ کے بارے میں کچھ نہ بتایا تھا۔

''کہو..... کہو تم رک کیوں گئی ہو؟ کیا بات ہے جب سے آئی ہو پریشان نظر آتی ہو؟ کیا کوئی مسئلہ ہو گیا ہے وہاں؟'' انہوں نے پیار سے تھپتھپاتے ہوئے حوصلہ دیا۔

''مسئلہ ہی تو تھا امی جان تبھی تو اتنے دن رہی ہوں۔ آپ کو ہشام نے بتایا نہیں؟ وہ اپنے شوہر کو تو آگاہ کر چکی تھیں۔

''کیا ہوا؟ ہشام کا تو تمہیں معلوم ہے خود کبھی کوئی بات نہیں بتاتا۔ خیریت ہے بیٹا؟'' ربیعہ خاتون متفکر ہو گئی تھیں۔

''خیریت کہاں امی جان میں شافی کی شادی کے ارادے سے ہی گئی تھی مگر وہاں پہنچی ہوں تو معاملہ ہی الٹا ہوا تھا۔ پھپھو نے رشتہ توڑ دیا ہے۔''

''کیا..... رشتہ توڑ دیا ہے؟'' انہیں اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔

''جی امی جان اسی لیے میں پریشان ہوں۔''

''ارے اتنے عرصے بعد تمہاری پھپھو کو یہ کیا سوجھی اور پھر سنا تھا شافع اور اس کی منگیتر میں بڑی محبت ہے۔ پھر کیسے؟'' وہ ہنوز حیرت زدہ تھیں۔

''بس امی جان وقت کے ساتھ ساتھ ان کی ترجیحات بھی بدل گئی ہیں۔'' اور پھر اس نے انہیں پھپھو زینب کے تمام جواز تمام حیلے بہانے کہہ سنائے۔

''ارے یہ کوئی وجہ ہے رشتہ توڑنے کی۔ انہیں پہلے نہیں معلوم تھا کہ بیٹی بیاہ کر جائے گی تو شوہر کے علاوہ نندوں، دیور کی ذمہ داری بھی ہوگی۔ سمیعہ تمہاری بڑی بھاوج یہاں ہوتی تب بھی وہ بیٹھ کر تو نہ کھاتی۔ انہیں رشتہ کرتے وقت یہ بات معلوم نہ تھی کہ بیٹی جب سسرال جاتی ہے تو کچھ ذمہ داریاں خود بخود اس کے پلو سے بندھ جاتی ہیں۔ کیسی انوکھی بات کی ہے تمہاری پھپھو نے۔ سچ پوچھو تو فرینہ تو مجھے تمہاری وہ پھپھو شروع سے ہی مغرور لگتی ہیں۔ رکھ رکھاؤ تو نام کو نہیں ہے۔ نہ کسی کا ادب لحاظ ہے ان میں، جب بھی جہاں بھی ملیں بہت لیے دیئے رہیں۔ نجانے تمہاری امی نے کیسے رشتہ کر لیا تھا۔'' وہ سن کر ہی بھڑک اٹھی تھیں اور اب اپنی بھڑاس نکال رہی تھیں۔

''کیا کرتے، شافی کی خوشی تھی۔ مرضی تھی وہاں اب نصیب کا کسے پتہ تھا۔'' فرینہ مغموم تھیں۔

''ارے..... ہائے تم نے تو مجھے بھی پریشان کر دیا۔ چار پانچ سال کا بندھا تعلق کیسے پل میں توڑ دیا۔ سچ ہے خون سفید ہو گئے ہیں۔ اب کیا سوچا ہے بچہ تو بہت دلگیر ہوگا۔''

''وہ تو امی جان بڑی مشکل سے سمجھایا ہے شادی کے لیے منایا ہے۔ اب کوشش کروں گی۔ مینا، شینا کو گھر پر تنہا چھوڑنے پر دل نہیں مانتا۔ تائی امی بے چاری آجاتی ہیں وہ بھی کب تک۔ آپ بھی اپنے ملنے والوں میں نظر ڈالیں۔ خاندان کی لڑکی سے تو شافع مانے گا نہیں۔'' انہوں نے ربیعہ خاتون کو بہت منت اور امید افزا انداز میں کہتے ہوئے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تو وہ محبت

سے تھپتھپانے لگیں۔

''اللہ بہتر کرے گا تم فکر مت کرو۔ ہمارے بچے کو لڑکیوں کی کیا کمی۔ اس طرح اتنی مدت بعد رشتہ ٹوٹنے میں بھی کوئی مصلحت ہی ہوگی۔ دیکھیں گے کہوں گی میں اپنے ملنے والوں سے بھی۔ کوئی تو سبیل نکل ہی آئے گی انشاء اللہ۔''

''بڑی امی آپ نے چائے پی لی ہے کچھ اور تو نہیں چاہیے؟'' تبھی کمرے میں ان کے دیور کی بیٹی ہادیہ نے جھانکا۔

فرینہ آپی کے ذہن میں جھماکا ہوا، ان کی ساس نے بھی شاید ان کا ذہن اور روشن چہرہ پڑھ لیا تھا۔ خوش آئند مسکراہٹ ان کے لبوں پر بھی پھیل گئی۔ انہوں نے اطمینان دلاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں بیٹا کچھ نہیں چاہیے۔ کہاں ہو، کب سے نظر نہیں آئی کیا کر رہی تھیں؟'' ربیعہ خاتون نے پر شفقت لہجے میں پوچھا۔

''بڑی امی زارا بھائی کا سوٹ سی رہی تھیں ان کے کمرے میں تھی۔ آپ کو کوئی کام تھا؟'' بہت میٹھے لہجے میں برتن سمیٹتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

''ہادیہ رہنے دو نا میں خود برتن لے جاؤں گی۔'' فرینہ آپی نے اسے محبت سے ٹوکا۔

''بھابھی جان آپ مجھے غیر سمجھتی ہیں۔''

''پاگل لڑکی ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔''

''پھر مجھے کام کرنے سے مت ٹوکا کریں۔ فارغ بیٹھنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' ہادیہ نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔

''اچھا بابا جیسی تمہاری خوشی۔'' فرینہ آپی نے ہارتے ہوئے کہا۔

وہ کب آرام سے بیٹھنا جانتی تھی۔ جب سے یہاں آئی تھی سو کام اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ وہ برتن سمیٹ کر ان کے کمرے سے جونہی نکلی فرینہ نے بے چینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اظہار خیال کیا۔

''امی جان لڑکی تو گھر میں موجود ہے۔ میں یونہی پریشان ہو رہی تھی۔ ویسے کیا ہادیہ کے لیے چچی جان مان جائیں گی ناں۔''

''اس کے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوگا۔ اسے ہادیہ سے۔ کوئی سروکار ہی کب ہے۔ دیکھا

نہیں تھا تم نے، کیسا سلوک کیا اس نے بے چاری بچی کے ساتھ۔ اصل مسئلہ تو ہادیہ اور اس کے باپ کا ہے اور ان کو منانا تو ہمارا تمہارا کام ہے۔ لڑکی گھر کی ہے لڑکا گھر کا، اعتراض کیا ہوسکتا ہے۔ مجھے تو خود بڑا بھایا ہے تمہارا فیصلہ۔'' ربیعہ خاتون نے کھلے دل سے کہا۔

''چچی جان کا مزاج تو آپ جانتی ہیں کہیں وہ کوئی مسئلہ نہ کھڑا کر دیں۔''

''وہ کیوں مسئلہ کھڑا کریں گی۔ وہ تو خوش ہوگی تم تو جانتی ہو جب سے اسے پتہ لگا ہے ہادیہ اس کی سوکن کی بیٹی ہے۔ تب سے تو وہ دشمن بن گئی ہے۔ ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتی اس کا بس چلتا تو بچی کو قتل ہی کر ڈالتی۔ میں نے لاکھ سمجھایا کہ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے، شیراز سے بھی اگر غلطی ہوگئی تو اس میں بے چاری ہادیہ کا کیا قصور۔

اس کی ماں تو کب کی مرکھپ گئی ہوئی ہے۔ ایک عرصہ تمہارے ہی زیر سایہ پلی بڑھی ہے اب بھی کچھ عرصہ پناہ دے دو، مگر وہ سدا کی کم فہم ضدی بدمزاج معصوم بچی کی جان کو ہی آ گئی کہ کہیں بھی دفعان ہو میں اپنی سوکن کی پرچھائیں بھی برداشت نہیں کروں گی۔'' ربیعہ خاتون ہادیہ پر بیتی پھر سنانے لگیں۔

''چچا جان نے بھی تو حد کر دی۔ دوست کی بیٹی بنا کر رکھا اور انکشاف بھی ایسے کیا جیسے کوئی بات نہیں۔ انہیں خاندان کے بڑوں کو شامل کر کے ہی ظاہر کرنا چاہیے تھا۔ اب سزا بے چاری تو ہادیہ بھگت رہی ہے نا۔ کتنی محبت سے اپنے گھر میں رہتی تھی۔ مسرت چچی کے تو آگے پیچھے پھرتی تھی۔ اپنے ہی باپ کے گھر کسی صبر و حوصلے سے غیر بن کر رہی ہے تبھی کسی سے شکایت تک نہیں کی۔ امی جان میرے تو میکے کے نصیب جاگ جائیں گے جو ہادیہ جیسی نیک خو لڑکی وہاں جا کر بسے گی۔ آپ ابا جان سے کہیے گا۔ وہی چچا جان سے بات کریں گے۔''

فرینہ آپی تو مستعد ہوگئی تھیں۔ جس فکر پریشانی کو لے کر میکے لے آئی تھیں۔ وہ فوراً ہی رفع ہو جائے گی اس بارے میں انہیں گمان بھی نہ تھا۔

''ہاں..... ہاں کیوں نہیں تم بے فکر ہو جاؤ، میں تو خود چاہتی ہوں بچی جلد از جلد اپنے گھر بار کی ہو جائے گی۔ اس پریشانی سے تو نکلے گی کہ باپ کے بجائے تایا کے گھر پڑی ہے۔ تم جانو یہاں اسے لاکھ سکھ بھی ملیں گے پھر بھی اس کی تشفی نہ ہو پائے گی۔ اپنا گھر تو اپنا ہی ہوتا ہے۔'' ربیعہ خاتون کو واقعی ہادیہ کی فکر تھی اور پھر جلد ہی یہ معاملہ بھی طے ہوگیا۔

بڑے ابا شیراز چچا تو دل و جان سے راضی تھے۔ شافع سبھی کو پسند تھا۔ پھر پھپھو کے رشتہ

توڑنے کو سبھی نے ان کی خود غرضی گردانا تھا۔

پندرہ دن بعد شافع آپی کو پھر اپنے گھر دیکھ کر حیران تھا۔ اتنی جلدی وہ بھی نہیں آئی تھیں۔ وہ ان کی آمد پر مشکوک ہوگیا تھا۔

''خیریت ہے آپی بھائی صاحب سے جھگڑا تو نہیں ہوگیا۔'' سلام دعا کے بعد اس کا پہلا سوال یہی تھا۔

''ہاں..... تو اور کیا؟ کہتے ہیں ہر وقت اماں کے گھر کی فکر سوار رہتی ہے۔ یا تو سر سے فکریں اتار کر آؤ یا پھر اپنا ٹھکانہ بھی وہیں کر لو۔'' آپی نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا تو لمحہ بھر کو تو شافع بھی یقین کر بیٹھا پھر اگلے ہی پل تردید کرنے لگا۔

''نہیں ایسا تو نہیں بھائی صاحب کہہ سکتے۔ پلیز آپی بتائیں نا کیا بات ہے؟''

''بھائی آپی اس بار اپنی فکریں اتارنے آئی ہیں۔'' شینا نے شوخی سے جواب دیا تو اس کی جان میں جان آئی۔

''آپی رئیلی آپ نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ بچوں کو اس بار بھی نہیں لائیں آپ۔'' وہ صوفے پر بیٹھ کر اپنے شوز اتارنے لگا۔

''وہ اپنے ماموں کی شادی پر آئیں گے۔'' آپی کا انداز ویسا ہی تھا۔

''کیا.....؟'' اسے اپنی سماعت پر دھوکا ہوا۔

''کس کی شادی ہے؟'' پیروں سے جراب کھینچتے کھینچتے اس کا ہاتھ رک گیا۔

''تمہاری شادی پر۔ اب اتنی چھٹیاں تو میں انہیں نہیں کروا سکتی کہ مہینہ پہلے ہی لے آتی پہلے ہی تینوں میری غیر موجودگی سے نالائق ہوتے جا رہے ہیں۔'' انہوں نے آرام سے اطلاع دی۔

''آپی..... میری شادی.....؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ واقعی تو بھائی صاحب سے لڑ کر نہیں آ گئیں۔ اسی لیے دماغ پر اثر ہو رہا ہے۔'' شافع نے حیرت کے ساتھ اظہار خیال کیا تو آپی مسکرا دیں۔

''دماغ میرا نہیں تمہارا متاثر لگ رہا ہے۔ سیدھی سی بات بھی پلے نہیں پڑ رہی۔ تو صاف سن لو میں نے تمہارے لیے لڑکی منتخب کر لی ہے اور اسی ماہ میں تمہاری شادی بھی کر رہی ہوں۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

''آپی آر یو سیریس؟'' وہ مسلسل حیرت میں تھا۔

''تو کیا میں مذاق کرنے اتنی دور سے آئی ہوں۔''

''آپ..... آپ تو ضرور مجھے شاکڈ کر کے رہیں گی۔ شادی ہے کہ مذاق ہے۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا صوفے سے اٹھا ساتھ ہی اپنے شوز بھی اٹھائے اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگا۔

''اپنے شوز رکھ کر واپس آؤ اور میری بات سنو۔'' آپی نے اسے پیچھے سے آواز دی۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپی اتنی جلدی اس کی زندگی کا رخ بدلنے کی کوشش کریں گی۔ ابھی تو اس نے صرف ہامی بھری تھی پکا ارادہ تو نہیں کیا تھا، اور آپی پندرہ دن بعد ہی اسے آزمانے آ پہنچی تھیں۔ ابھی اضحیٰ کی بے وفائی کی کسک پورے وجود اور روح میں پھیلی ہوئی تھی۔ ابھی تو اسے اپنا کرب چھپانے کا ہنر بھی نہیں آیا تھا۔ ابھی وہ کیسے کسی نئے ہمسفر کے ساتھ آغاز سفر کرنے کا سوچ لیتا۔

شاور لیتے ہوئے وہ اپنے خوابوں، خیالوں اور یادوں کے انبار کو کھنگالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اضحیٰ اپنی بے وفائی کے باوجود پھر سے خیالوں میں در آئی تھی تبھی شینا کی تیز آواز نے اسے حال میں کھینچ لیا تھا۔

''بھائی جان آپی کہہ رہی ہیں کیا کر رہے ہیں جلدی آئیں۔'' وہ چونک کر شاور بند کرنے لگا۔ پھر جب باہر آیا تو رانی اس کے بیڈ پر پڑے والٹ سے سب کچھ نکال کر بیٹھا کھیل رہا تھا۔

''رانی کیا کر رہے ہو بیٹا پھٹ جائیں گے پیسے..... لاؤ شاباش۔'' شافع نے تولیہ ایک طرف رکھ کر بہت پیار سے اس سے اپنا والٹ لینا چاہا۔

''نہیں..... بھائی..... میرا ہے..... میں لے لوں؟'' وہ اپنے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں مچل کر بولا۔ شافع نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''ٹھیک ہے تم لے لو لیکن خراب نہیں کرنا ورنہ بھائی ناراض ہو جائے گا۔''

''نہیں کرتا.....'' وہ بے ترتیبی سے والٹ میں روپے اور کاغذات ٹھونسنے لگا تو شافع کو ناچار اس سے والٹ چھیننا پڑا۔

''ایسے نہیں کرتے۔ رانی اچھا بچہ ہے، رانی بھائی کے ساتھ آئس کریم کھانے جائے گا۔'' شافع نے اسے بہلایا۔

''بھائی..... شینا نائیں.....''

''ہاں..... ہاں کوئی نہیں جائے گا شینا بھی نہیں جائے گی۔ آؤ آپی بلا رہی ہیں کھانا کھانا ہے نا۔''

''نہیں آئسکریم کانی ہے۔''

''پہلے کھانا پھر آئس کریم ٹھیک ہے نا۔''

''نہیں..... نہیں۔'' وہ کبھی کبھی اسی طرح ضد میں آ جاتا تھا۔

''اچھا چلو مینا سے کہو تمہیں اچھا سا تیار کرے پھر چلتے ہیں۔'' اسے بہلانے کا یہ کامیاب گر تھا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر خود کو دیکھنا رانی کا پسندیدہ عمل تھا۔ کہیں باہر جانے کے نام پر وہ فوراً ہی آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بالوں میں الٹا سیدھا برش چلانے لگتا تھا۔

''کیا ہے یہیں چپک گئے ہو۔ ہم انتظار میں بیٹھے سوکھ رہے ہیں۔'' آپی نے بھی اس کے کمرے میں جھانکا۔

''آ رہا ہوں آپی! آؤ رانی باہر چلیں۔'' وہ اسے بڑی مشکل سے لے کر ڈائننگ روم میں پہنچا۔

''اف کبھی کبھی یہ رانی بہت تنگ کرتا ہے۔'' اپنا والٹ قمیض کی جیب میں رکھتے ہوئے اس نے اپنے لیے کرسی کھینچی۔''

''مینا تم نے صرف دال پکائی ہے۔'' باؤل کا ڈھکن اٹھاتے ہی شافع کا منہ بن گیا۔ چاول کی ڈش لاتی مینا کا بھی چہرہ فوراً اتر گیا۔

''بھائی مجھے یہی اچھی طرح پکانا آتا ہے کل سبزی بنائی تھی تو وہ بھی اچھی نہیں بنی تھی۔'' رندھے گلے کے ساتھ وہ ڈش میز پر رکھ کر پلٹ گئی۔

''تو مجھے بتا دیتیں۔ میں بازار سے کچھ لے آتا۔''

''میں نے ہی کہا تھا اسے دال چاول پکانے کے لیے۔ اپنی اسٹڈیز کے ساتھ وہ اتنا ہی ایڈجسٹ کر لیتی ہے۔ یہی غنیمت ہے۔ اسی لیے تو بس تمہاری شادی کر رہی ہوں میں۔ بیوی سے پکوا لیا کرنا نت نئی ڈیشز۔ ہادیہ نے تو ویسے بھی کئی کوکنگ اور دوسرے کورسز کر رکھے ہیں۔ وہ آ جائے گی تو کوئی فکر ہی نہیں ہے۔'' آپی نے پھر بلاتمہید کے ذکر چھیڑا۔

''آپی کیا ہر مسئلے کا حل میری شادی ہی ہے۔ اچھا کھانا کھانے کے لیے کوئی شیف بھی تو رکھا جا سکتا ہے۔'' انہیں ٹالنے کی ایک موہوم سی کوشش کی تھی۔

''ایک سال سے تو تم سوئے ہوئے تھے نا۔ بچیاں بے چاری پریشان ہو کر رہ گئی ہیں۔ ابھی تک ایک مستقل ملازمہ تو ڈھونڈ نہیں سکے۔ اب شیف رکھو گے۔'' آپی نے خاصی خفگی سے اسے دیکھا تو وہ سر جھکا کر چاول پلیٹ میں نکالنے لگا۔ پھر سر اٹھا کر پوچھنے لگا۔

''آپی کیا آپ واقعی کسی سنگین ارادے سے آئی ہیں؟''

''سنگین..... ارے میں نیک شگون لے کر آئی ہوں اور تم کہہ رہے ہو سنگین ارادہ ہے۔ بچو کچھ دن بعد پوچھوں گی۔ گھر میں سکھ شانتی ہوگی تو آرام میں کون رہے گا۔''

''جسے آپ لانے کی کوشش کر رہی ہیں۔''

''ہاں وہ تو رہے گی بچیوں کو اپنے گھروں میں ہی آرام ملتا ہے۔ میری بات دھیان سے سنو اب ٹال مٹول مت کرنا۔ میں شیراز چچا سے پکی بات کر کے آئی ہوں۔''

''کس کے لیے؟'' اس نے پہلا چمچ منہ تک لے جاتے ہوئے واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔

''بے وقوف تمہارے لیے اور کس کے لیے ہادیہ ان کی بیٹی ہے۔'' وہ زچ ہو کر بولیں دراصل وہ اس قدر خوش تھیں کہ بنا تسلسل کے دل کی باتیں کہے جا رہی تھیں۔ تبھی شافع کے پلے کچھ نہ پڑ رہا تھا۔

''ان کی بیٹی؟ آ آپی آئی تھنک ان کی ساری بیٹیوں کی شادی نہیں ہوگئی۔ یہ موصوفہ کیا ابھی عالم وجود میں آئی ہیں کہ.....'' وہ اپنی فطرت سے باز نہیں رہ سکا تو وہ اسے گھورنے لگیں۔

''ہادیہ ان کی دوسری بیوی سے ہے مسرت چچی پر بلکہ ہم سبھی پر کچھ عرصہ پہلے ہی آشکار ہوا ہے چچا شیراز نے چھپ کر ایک اور شادی کر رکھی تھی۔ ہادیہ کی امی کی بھی پچھلے سال ڈیتھ ہوئی تو چچا جان کو مجبوراً ہادیہ کو ساتھ رکھنا پڑا۔ پہلے انہوں نے سب سے کہہ دیا کہ دوست کی بیٹی ہے ہاسٹل میں نہیں رہنا چاہتی سو اپنے گھر لے آئے۔ پھر جب ہادیہ کی رہائش مستقل ہی ہوگئی تو چچی جان کو تو جیسے اس کا رہنا کھٹک گیا۔ پوچھ گچھ پر اور کچھ چچا جان کے التفات دیکھ کر آخر چچی جان کو حقیقت کا علم ہو ہی گیا۔ اب وہ ہادیہ کو اپنے پاس رکھنے کو تیار ہی نہیں ہیں۔ امی جان کا تو تمہیں علم ہی ہے کہ کس قدر مشفق ہیں۔ ہادیہ کو اپنے پاس لے آئی ہیں۔ سچ پوچھو تو مجھے اسے پہلی بار دیکھنے پر ہی خیال آیا تھا کہ کاش میں اسے اپنی بھابھی بنا سکتی مگر اس وقت تو اضحیٰ اور تمہاری نسبت۔''

''آپ آپ کچھ زیادہ جلدی نہیں کر رہیں۔ کرلوں گا میں شادی بھی آخر کرنی ہی ہے مگر پلیز ابھی یہ چیپٹر مت کھولیں۔'' وہ پانی کے گھونٹ بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ چیپٹر کھل چکا ہے شافی! آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو۔'' انہوں نے اسے رعب سے مخاطب کیا۔

''آپی پلیز ٹرائی تو انڈرسٹینڈ می۔''

''میں تو تمہیں اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔ تم ہماری مجبوری کب سمجھو گے۔ بیٹھ جاؤ۔'' انہوں

نے اسی لہجے میں کہا۔ وہ مجبوراً بیٹھ گیا۔ کسی نے بھی ابھی کھانا شروع نہیں کیا تھا۔ سوائے رانی کے جو پلیٹ میں چاول ڈالے چمچ سے اِدھر اُدھر بکھیرتے ہوئے کھا رہا تھا اور اپنی بولیاں بدل رہا تھا، لیکن اس وقت سبھی اس مسئلے میں الجھے ہوئے تھے

''یہ اب میری عزت کی بات ہے میرے بھائی! میں اپنے سسرال میں معاملہ طے کر کے آئی ہوں۔ تمہیں شادی تو آخر کرنی ہے نا تو پھر ابھی کیوں نہیں یا پھر صاف کہو اضحیٰ کی خاطر جوگ لینا چاہتے ہو۔''

''آپی کیسی باتیں کرتی ہیں۔ میں کیوں کسی کے لیے جوگ لوں گا۔ کسی نے میری پرواہ کی ہے میں..... ٹھیک ہے آپ کا جو دل چاہتا ہے کریں۔ اب خوش ہیں آپ لوگ۔'' وہ جھنجھلاتا ہوا اٹھ کر وہاں نکلتا چلا گیا۔

آپی کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ مان گیا ہے اور بنا کسی شرط شرائط کے۔ پھر زوار ہاؤس میں خوشیوں کا سماں بندھ گیا تھا۔ سبھی لوگ خوش تھے۔ صرف ایک شافع ہی بے تاثر کسی معمول کی طرح ری ایکٹ کر رہا تھا۔ اور آپی کا خیال تھا ایسا چند دن تو ضرور ہونا ہی تھا۔ آخر وہ نارمل ہو ہی جاتا۔

ہادیہ پر انہیں پورا بھروسہ اور مان تھا۔ انہیں یقین تھا کہ ہادیہ آ کر ان کے بھائی کی بے رنگ زندگی میں نہ صرف رنگ بھر دے گی بلکہ گھر بھر کو اپنی ذات کی روشنی سے چمکا دے گی۔ اپنے ہنر سے سجا دے گی۔ وہ اپنے اس بھائی کی زندگی میں آنے والی ہستی کو پورے اعزاز سے لانے کے بندوبست کر رہی تھیں۔

☆☆☆

دلہن بن کر گندمی رنگت اور تیکھے نین نقوش والی ہادیہ پر بہت روپ آیا تھا۔ جو بھی دیکھتا تعریف کیے بنا نہیں رہ سکا تھا۔ کم تو شافع بھی نہیں لگ رہا تھا یہ اور بات تھی کہ وہ از حد سنجیدہ ہو رہا تھا اور شاید اس کی وجہ پھپھو زینب اور اضحیٰ کی اس کی شادی میں شرکت تھی۔ سبھی حیرت بدنداں تھے۔ انہیں فارینہ نے بڑوں کے مشورے سے رسمی طور پر دعوت نامہ بھیجا تھا کسی کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ شرکت کرنے چلے آئیں گے۔ اضحیٰ تو کسی کی پرواہ کیے بنا کئی بار شافع سے ہم کلام ہو چکی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ شافع سے اب کس قسم کے راز و نیاز کر رہی ہے۔ سوائے شافع کے۔ وہ شافع کو اپنے میں جلانے کلسانے کا آخری موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ کبھی اسے خود

سے کیے عہد و پیماں توڑنے کے طعنے دینے لگتی تھی اور کبھی اس کی بے وفائی پر اس کی بے سکونی کی بددعا کرنے لگتی۔

زوار ہاؤس میں رخصتی کے بعد آتے ہی وہ پھر اس کے اردگرد تھی۔ سب تھکن کی وجہ سے اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔ دلہن بنی ہادیہ کو اس کے حجلہ عروسی میں پہنچا دیا گیا تھا۔ شافع بھی دوستوں کو رخصت کر کے لان چیئر پر قدرے تاریک گوشے میں آ بیٹھا تھا اور سگریٹ پھونک رہا تھا۔ تبھی نجانے کہاں سے اضحیٰ نکل کر آ گئی۔

''ارے شافع زوار اب یہاں تھک کر کیوں بیٹھ گئے ہو۔ کیا اپنی نئی ہمسفر کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی۔ اسے بتاؤ گے نہیں کہ تمہارے ساتھ چلتے ہوئے اسے اپنی کس کس خوشی کو قربان کرنا پڑے گا۔''

''اضحیٰ...... میرا اور تمہارا ہر تعلق ہر رشتہ ختم ہو چکا ہے اب تمہیں میری زندگی میں انٹرفیئر کرنے کا کوئی حق نہیں رہا۔ میں اپنی زندگی کو جس طرح بھی مینج کروں یہ میرا ہیڈک ہے۔ تمہیں اس غم میں گھلنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں اپنی بیوی کو کتنی خوشیاں دیتا ہوں۔ میری بیوی کا جو مجھ پر حق ہے وہ اسے ضرور ملے گا اور اس کے جو فرائض ہیں وہ تو اسے ہر حال میں نبھانے ہی پڑیں گے۔''

وہ ایک دم پھٹ پڑا۔ اس کی برداشت بس اتنی ہی تھی۔ اضحیٰ کا رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ خود محبت کی کوئی رسم نبھا نہیں سکی تھی۔ اب اسے ناکردہ جرم کا احساس دلانے نجانے کیوں چلی آئی تھی۔ وہ اسے زخمی نظروں سے گھورتا ہوا سگریٹ شوز تلے مسل کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

☆☆☆

''رافی...... چلو نا اب بہت رات ہو گئی ہے۔ دلہن بھابی کو بھی نیند آ رہی ہے۔ تم بھی آؤ سو جاؤ۔'' شافع اپنے کمرے میں جس غصے میں داخل ہوا تھا اگلے ہی پل اسے اپنی بہنوں اور بھائی کو دیکھ کر خود کو سنبھالنا پڑا تھا۔ زرینا بہت محبت اور پیار سے دلہن بنی ہادیہ کے ساتھ بیٹھے رافع کو مسلسل ساتھ لے جانے کی کوشش میں تھی۔ شینا بھی بار بار اسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہتی تھی مگر اس کی ایک ہی ضد تھی۔

''میں نئیں...... مری دولن بابھی ہے۔ میں نئیں جاؤں دا۔'' (میں نہیں جاؤں گا میری دلہن

بھابھی ہے)

''بھائی دولن اچی ہے۔ میری دولن اچی ہے۔'' وہ بار بار خوش ہو رہا تھا۔ ہادیہ رافع کے بارے میں آگاہ تو تھی مگر اب اسے دیکھ رہی تھی۔

شادی کے وقت بڑی مشکل سے اسے اسٹیج پر جانے سے روکا گیا تھا۔ ہادیہ کو اس کا معصوم سا اظہار اچھا لگ رہا تھا۔ کب سے وہ مختلف چہ مگوئیاں سن رہی تھی۔ دل کچھ بے چین و بے قرار بھی تھا۔ رافع کی آمد کے بعد قدرے وہ پرسکون ہو سکی تھی۔ ذہن مختلف تبصروں کے اثر سے اب آزاد ہوا تھا۔ وہ کبھی اس کے مہندی بھرے ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ کبھی اس کی کلائی سے چوڑیاں اتارنے کی کوشش کرنے لگتا تھا۔ مینا اسے ڈھونڈتی ہوئی آئی تھی تو اس نے بہت سلیقے سے اسے روکا تھا۔

''رافی تم بھابھی کی چوڑیاں کیا کرو گے۔ تم تو لڑکے ہو چوڑیاں تو لڑکیاں پہنتی ہیں۔'' وہ فوراً ہی رک گیا اور پھر وقفے وقفے سے اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ کہ دلہن اچھی ہے۔ اب وہ شافع کو دیکھ کر بھی اسی طرح بول رہا تھا۔

ہادیہ شافع کی آمد کا احساس پاتے ہی فوراً سمٹ کر رہ گئی۔ مینا شینا جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''بھائی جان رافی نہیں جا رہا ہے۔''

''تو کوئی بات نہیں جب اس کا دل چاہے گا چلا جائے گا۔'' شافع کی گمبھیر سنجیدہ آواز پر وہ دونوں اسے دیکھنے لگیں۔ اتنی ناسمجھ بھی نہیں تھیں۔ پھر آپی نے بھی بہت کچھ سمجھایا تھا کہ اب شافع بھائی کو وقت بے وقت ڈسٹرب کرنے مت پہنچ جایا کرنا اپنی ہر بات اب ہادیہ سے شیئر کرنا۔

''تمہیں بھی اگر ابھی یہاں بیٹھنا ہے تو آؤ۔'' شافع نے بہت محبت سے آفر کی۔

''نہیں بھائی اب تو نیند آ رہی ہے چلو شینا۔'' زرینہ نے شینا کے ارادے کو بھانپ کر فوراً اس کا بازو پکڑا، مبادا وہ بیٹھ ہی نہ جائے۔ کیونکہ اسے معلوم تھا رافی کی طرح وہ بھی ڈھیروں باتوں کا اسٹاک رکھتی ہے۔

''رافی تمہاری چاکلیٹ اور کھلونے پنکی اور شافی لے دیں گے پھر لڑائی مت کرنا۔'' زرینہ نے ایک اور کوشش کی جو کارگر ثابت ہوئی وہ فوراً ہی بیڈ سے اترا۔

''نئیں میں نہیں دوں دا میری چیجیں ہیں۔'' (چیزیں) وہ کئی الفاظ صاف بولتا تھا اور کوئی لفظ اس کے سمجھ نہیں آتے تھے۔ زرینہ نے آپی کے بچوں کا اسے ڈراوا دیا۔ آپی کے دونوں چھوٹے

بچے اسے بہت تنگ کرتے تھے۔ اس کی چیزیں چھپا لیتے تھے۔ چاکلیٹ وغیرہ کھا لیتے تھے اپنی چیزوں اور کھلونوں کا خیال آتے ہی وہ اچھی بھابھی کی خوشی بھلا بیٹھا۔ شافع نے مینا کو فہمائشی نظروں سے دیکھا۔

''بھائی آپی نے کہا تھا اسے اپنے ساتھ لے کر آنا۔ اچھا بھائی جان شب بخیر۔'' زرینہ نے وہاں سے نکلنا بہتر سمجھا۔ شافع گہری سانس کھینچ کر بیڈ کے سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے کے بعد اپنے شوز اتارنے لگا۔ سیدھا ہوا تو نگاہ بے اختیار ہی نارنجی اور گلابی کمبی نیشن کے خوبصورت عروسی لباس میں ملبوس ہادیہ پر پڑی۔ اس کا حُسن بے شک اضحیٰ کی طرح دمکتا چمکتا ہوا نہیں تھا پھر بھی وہ اس وقت کوئی شاہکار ہی لگ رہی تھی۔ اس کے حُسن میں ملاحت و کشش ضرور تھی۔ جو اپنی جانب کھینچتی تھی۔ اس نے آج جو سب سے زیادہ جملہ سنا تھا وہ یہ تھا کہ ''ہادیہ بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔'' اور اب وہ سوچ رہا تھا۔ کاش اس خوبصورت لگنے والی ہستی کا دل، عمل و کردار بھی خوبصورت ہو۔ وہ اس کے ساتھ زندگی کے اس سفر میں بہ احسن و خوبی چلنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔''

وہ شاید اس کے مسلسل دیکھنے سے کسمسائی تھی۔ چوڑیوں کی کھنک، پازیب کی چھنک نے ماحول کی خاموشی کے ساتھ اسے بھی جگایا۔ وہ اٹھ کر اپنی وارڈ روب کی طرف بڑھا اور پھر چند لمحوں بعد اس کے سامنے آ بیٹھا۔ ہاتھ میں مخملی لاکٹ کیس تھا۔ جسے کھولتے ہوئے شافع نے پہلی بار اسے مخاطب کیا تھا۔

''آپ مجھ سے آج بہت کچھ سننا چاہ رہی ہوں گی لیکن میں آپ سے صرف اتنا کہوں گا کہ جن حالات کے پیش نظر میں نے شادی کی ہے ان میں میرے لیے ابھی ظاہری حسن کی قصیدہ گوئی بہت مشکل ہے۔ میرے لیے آپ کا میرے گھر کے لیے مخلص ہونا اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے آپ سے توقع ہے کہ آپ کی بھی میری طرح یہ گھر اور میرے بھائی بہنیں پہلی ترجیح ہوگی۔ آپ مجھے نظر انداز کر دیں مجھے کبھی شکایت نہیں ہوگی مگر آپ میری بہنوں اور بھائی کو نظر انداز کر دیں یہ میں برداشت نہیں کروں گا۔ بس مجھے آپ سے یہی کہنا ہے۔''

ہادیہ کا دل تو اس کے قریب بیٹھنے سے پہلے ہی کانپ اٹھا تھا۔ مزید اس کی سنجیدگی سے کہی باتیں سن کر وہ لرزنے لگی تھی۔ وہ اسے تنبیہ نہ بھی کرتا تب بھی اس کی پہلی ترجیح تو گھر ہی تھا۔ جو کہ اب اس کا اپنا گھر بن گیا تھا۔ نجانے عورت کا اپنا گھر کوئی ہوگا بھی یا نہیں۔

دکھ کی لہر اس کے وجود میں پھیلی۔ پھر بھی اس نے خود کو سنبھال لیا۔ بہر حال وہ تو اپنے خالص جذبوں کے ساتھ زندگی کا نیا سفر شروع کرنے یہاں تک آئی تھی اور اس ہمسفر کے ہمراہ

اسے دور تک جانا تھا اسے اپنی وفا کا اعتبار بھی دینا تھا۔

''آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' لرزتی آواز میں اس کے اندر کا سچ مستحکم تھا۔ تبھی شافع کے لبوں پر مسکراہٹ کی لکیر کھنچ گئی۔ وہ اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوا۔

''مجھے آپ کے حوالے سے امید بھی یہی دلائی گئی ہے۔ اب تو مجھے اپنی خوش نصیبی کو آزمانا ہے یا پھر.....'' شافع نے آدھا جملہ زیر لب کہتے ہوئے اس کے سر سے دوپٹہ ہٹا کر اس کے گلے میں اپنے نام کے پہلے حرف سے مزین خوبصورت لاکٹ ڈال دیا۔ ہادیہ مزید سمٹ گئی۔ پھر شافع نے اسے اپنے اور اضحیٰ کے بارے میں بتایا۔

''میں نے آپی سے کہا تھا کہ وہ آپ کو اضحیٰ کے بارے میں ضرور بتا دیں مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ سے اس کا کوئی تذکرہ کیا ہے یا نہیں۔ میں اس کے بارے میں آپ کو بتانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ چونکہ ہم نے ایک ساتھ زندگی گزارنی ہے تو ہمیں ایک دوسرے کے ماضی سے بھی اچھی طرح آگاہ ہونا چاہیے۔''

''جی بھابھی نے..... آئی مین آپی نے مجھے بتا دیا تھا۔'' ہادیہ کے لیے اس خوبصورت رات میں اپنے شوہر کے منہ سے اس کے ماضی کے کسی ناکام معاشقے کو سننے کا حوصلہ نہیں تھا تبھی وہ اسے ٹوک گئی۔ یکدم ہی اس کے احساسات تبدیل ہوئے۔ احساس ملکیت جسم و جاں کے علاوہ ذہن پر چھایا۔

''میری آپ سے ایک ریکوسٹ ہے۔'' وہ اسے ٹوکنے کے بعد قدرے ملتجی ہو کر بولی۔ شافع نے کچھ حیران نظروں سے اسے بولتے ہوئے دیکھا۔

''جی کہیے۔''

''آپ مجھے بار بار آپ مت کہیں مجھے غیریت کا احساس ہو رہا ہے۔ اگر آپ مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنے کے ساتھ کوئی مقام دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو پلیز اب مجھے آپ مت کہیے گا اور پلیز ماضی کو ماضی ہی رہنے دیں۔ اس کی راکھ کرید کر حال کے آئینے کو دھندلا کرنے کے سوا تو کچھ حاصل نہیں ہوگا نہ۔'' ہادیہ نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھا کر متانت سے کہتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ شافع کی آنکھوں میں تحیر تھا۔

''میں بھی آ..... تم سے یہی کہنے جا رہا تھا کہ ماضی گئے وقت کے ساتھ دفن ہو گیا ہے میرے لیے اضحیٰ کے حوالے سے گزرا وقت کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لیے چاہوں گا کہ کبھی اس کی ذات کا تذکرہ بھی اس گھر میں نہ ہو۔''

شافع نے اپنے تحیر سے نکل کر اس کا حنائی ہاتھ تھاما۔ ہادیہ کے پر اعتماد انداز گفتگو نے اس

کے ذہن پر چھائے جمود کو توڑنے کی کوشش کی۔ وہ خود کو اب پہلے سے ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ ویسے بھی ہادیہ کو اس نے آدھے دل اور پورے ذہن کے ساتھ اپنایا تھا۔ وہ اسے ابھی اپنی خالص محبت و چاہت تو شاید نہیں دے سکتا تھا البتہ اپنے اور اس کے درمیان قائم ہوئے اس خالص رشتے کا حق ادا کرنے کی کوشش ضرور کر رہا تھا۔ اتنا تو اسے علم تھا کہ اب ہادیہ ہی زندگی کے ہر آسان اور مشکل راہ میں اس کے ہم قدم رہے گی وہی اس کی مسافتوں کی تھکن سمیٹ سکے گی۔ سو اس نے اپنے شکستہ احساسات اور بوجھل و تھکن سے چور وجود کو ہادیہ شیرازی کی گھنی پلکوں اور سایہ دار زلفوں کی چھاؤں کے حوالے کر دیا تھا۔

☆☆☆

ہادیہ کے لیے زندگی کا اچانک شروع ہونے والا یہ سفر کسی امتحان سے کم نہیں تھا۔ زندگی میں اب تک وہ مسلسل آزمائش سے ہی گزر رہی تھی۔

بچپن میں بابا کا ہفتوں مہینوں بعد چند ایک دنوں کے لیے ان کی زندگی میں آنا خوش کن تو ہوتا تھا مگر پھر بابا کے جانے کے بعد وہ بے کل و بے چین ہونے لگتی۔ اپنی امی سے بار بار سوال کرتی۔

''امی جانی بابا ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتے۔ سب کے بابا ان کے ساتھ رہتے ہیں۔''

ایسے میں اس کی امی اسے جھوٹے بہلاوے دیتی رہتیں۔ بابا کی آمد و رفت میں آنے والے تعطل کو وہ شدت سے محسوس کرتی تھی اور ان کے آنے پر ان سے بھی سوال در سوال کیے جاتی۔ ان کے ساتھ جانے کی ضد کرنے لگتی۔ پھر وہ جب بچپن سے نکلنے لگی تو امی جان اور بابا جان کو کبھی کبھی کی بحث و تکرار نے اسے لڑکپن میں ہی بہت سی باتیں سمجھنے کے قابل بنا دیا تھا۔ دوسری بیوی بننے والی عورت کو اپنے حقوق منوانے کے لیے کتنی جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ یہ وہ اپنی امی کو دیکھ کر اندازہ لگانے لگی تھی۔

پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس نے امی اور بابا کی مجبوریوں سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ وہ سمجھنے لگی تھی کہ بابا اسے کبھی وہ مان اور مرتبہ نہیں دلا سکتے جو ان کی پہلی اولاد کا حق تھا۔ اسے باپ کی اتنی محبت و رفاقت ہی کافی تھی۔ جو اسے وقفے وقفے سے میسر آتی تھی۔ امی جانی نے اسے ہمیشہ وقت اور حالات سے صبر و شکر کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کا درس دیا تھا۔ یہ اس کی امی نادیہ بیگم کی تربیت کا ہی تو اثر تھا جو وہ ان کی جدائی کا غم سہتے ہوئے بھی بابا کے ساتھ غیر بن کر اس گھر میں چلی آئی تھی جہاں کے در و دیوار موسم فضاؤں اور تمام رشتوں ناطوں پر اس کا بھی حق تھا۔ پھر بھی اس نے غیر بننا گوارا کر لیا تھا۔

وہ جانتی تھی بابا جان کے مشفق سائے میں رہنے کے لیے اس کے سوا چارہ بھی نہ تھا اور پھر غیر ہوئے بھی سب کی چاہتیں محبتیں پانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ تھی ہی ایسی۔ سردیوں کی چاندنی راتوں جیسی جو دن بھر کے تپتے سلگتے احساسات پر ٹھنڈی پھوار بن کر برسنے لگتی ہے۔ سبھی اس کے ٹھنڈے میٹھے رویے اور پرخلوص مسکراہٹوں کے گرویدہ ہو چکے تھے۔

وہ بھی زندگی کے اس رویے کی عادی ہو چکی تھی اور بہت خوش اسلوبی کے ساتھ بنا کسی شکوے شکایت کے وقت گزار رہی تھی۔ نجانے کیسے مسرت آنٹی (جو کہ اس کے بابا کی پہلی بیوی تھیں) کی آنکھوں میں وہ کھٹکنے لگی تھی۔ وہ اس کے اور بابا کے درمیان کسی تعلق کی کھوج میں لگ گئی تھیں اور آخر اپنی مہم میں کامیاب ہو کر انہوں نے وہ کہرام مچایا تھا کہ الامان۔ اس کا شیراز ہاؤس رہنا دوبھر ہو گیا تھا۔ تبھی دربدر ہوتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ زندگی کسی مضبوط سہارے کے بغیر گزارنا کس قدر مشکل ہے۔ بابا جان اس کا مضبوط سہارا اور حوالہ تھے۔ وہ چاہتی تو بہت دھڑلے سے اپنا حق منوا سکتی تھی مگر مسرت آنٹی نے انہیں بھی کمزور کر دیا تھا۔ خودکشی کی دھمکی دے کر وہ اپنی وجہ سے بابا جان کو کسی آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ تبھی تائی امی کی طرف چلی آئی تھی اور پھر آناً فاناً اس کی زندگی کا رخ پلٹ گیا تھا۔ سب کی یہی رائے تھی کہ ''ہادیہ کی شادی ہو جائے تو وہ سکھ سے رہے گی۔''

اس نے بھی سوچا تھا زندگی میں کبھی نہ کبھی تو اس رہگزر سے بھی گزرنا ہی پڑتا تو کیوں نہ ابھی۔ وہ اپنے بابا کے ساتھ دوسروں کو بھی اپنی وجہ سے کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ پھر فری بھابھی نے بھی بہت مان اور چاہت کے ساتھ اس سے اسی کو مانگا تھا۔ انہوں نے پہلے اپنے بھائی کی فطرت و مزاج سے بھی اسے آگاہ کیا تھا۔ اس کے سابقہ اور موجودہ رویوں کے بارے میں بھی بتایا تھا اور اس کی وجہ بھی کہ منگنی ختم ہونے کے بعد سے وہ سنجیدگی کی چادر میں لپٹ گیا ہے۔

ہادیہ نے اپنی زندگی بزرگوں کی مرضی پر چھوڑ تو دی تھی مگر اب نکاح کے بعد سے مسلسل چہ میگوئیوں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ اپنے آپ پر اعتماد رکھتے ہوئے شافع زوار کو اپنی محبت کی ڈور میں باندھ لینے کا عزم لے کر آ تو گئی تھی مگر شام سے رات تک کئی بار اس کا عزم لڑکھڑایا تھا۔ جب بھی اس نے کسی زبان سے دبی دبی سرگوشی اپنی سماعت میں اترتی محسوس کی اس کا دل دھڑکنا بند کر دیتا۔

''اضحیٰ اب شافع سے کیا راز و نیاز کر رہی ہے..... ہائے ہائے یہ لڑکی تو پاگل ہو گئی ہے۔ شافی ہی کچھ خیال کر لے۔ اسی قسم کی باتوں نے اسے ڈانواں ڈول کیا تھا۔

شافع زوار کی محبت کی دھیمی آنچ اس کے وجود میں جل اٹھی۔ اس کی چاہت اس کے رگ و

پے میں ہلچل مچا چکی تھی۔ وہ اپنے سارے جذبے اپنے شوہر پر لٹانے کا ارادہ کر چکی تھی تبھی وہ چہ میگوئیوں سے خوفزدہ سی ہوگئی تھی۔ اسے خود پر تو بھروسہ تھا مگر ابھی شافع پر مکمل اعتبار نہیں جما تھا۔

وہ گومگو میں تھی کہ نجانے شافع اس کی محبت کی خاطر اپنی اس ناکام محبت کو فراموش کرتا ہے یا نہیں۔ اس کی وفا و جان نثاری پر اپنی وفا نثار کرتا ہے یا نہیں۔ وہ سوچوں میں غلطاں کب تک کروٹ لیے شافع زوار کو دیکھے جا رہی تھی۔ شاید وہ بھی ابھی نہیں سویا تھا یا پھر ہادیہ کی مسلسل خود پر ٹکی نظروں کا احساس اسے متوجہ کر گیا تھا۔ یکدم کروٹ بدل کر شافع نے اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے نیند نہیں آ رہی؟'' شافع کی بوجھل آواز نے اسے نہ صرف اسے چونکایا تھا بلکہ بوکھلا بھی دیا تھا۔

''جی..... میں بس سوتی ہوں۔'' وہ فوراً ہی لیٹ گئی۔

''کوئی بات پریشان کر رہی ہے تو مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔ کیا سوچ رہی تھیں اتنی دیر سے؟'' شافع نے بہت نرمی سے اس کے چہروں پر آئی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے قدرے اپنائیت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے رویے سے ہادیہ کا اعتماد بھی بحال ہوا۔

''کوئی خاص بات نہیں تھی بس ایسے ہی بابا کا خیال آ گیا تھا۔'' اس نے شافع کو اطمینان دلانا چاہا۔

''تمہیں جھوٹ بولنا نہیں آتا۔ آئندہ جھوٹ مت بولنا ہمیشہ پکڑی جاؤ گی۔'' شافع نے زیر لب ہنستے ہوئے اس کے گال پر چپت لگائی۔ پھر قدرے سنجیدہ ہوتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''سنو ہادیہ اب ہم ایک ہو چکے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے سے خود کو نہیں چھپانا چاہیے نا۔ میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں پھر یقین دلاتا ہوں۔ ماضی کوئی یاد کوئی نام اب ہماری زندگی پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ میری زندگی میں اہم ہوتی تو کیا؟ میں تم سے شادی کرتا۔ اپنے اور تمہارے درمیان موجود فاصلے ختم کرتا؟ مجھے کسی نے مجبور تو نہیں کیا تھا۔ میں نے اپنے ذہن و دل کی آمادگی کے ساتھ تمہیں اپنایا ہے۔ اپنا آپ تمہارے حوالے کیا ہے۔ کسی وہم و گمان کو ذہن میں جگہ مت دو میری زندگی اب تمہارے ساتھ ہے۔''

شافع نے نجانے کیسے اس کے اندر اترتے خوف کو محسوس کر لیا تھا۔ شافع کا یہی احساس ہادیہ کے ذہن و دل پر چھائے ہراس کو پل بھر میں ختم کر گیا تھا کچھ ہی لمحے بعد وہ بہت پرسکون ہو کر اس کی بانہوں کے حصار میں لپٹی نیند کے جھولے میں جھول رہی تھی۔

☆☆☆

''جب تک میں یہاں ہوں تب تک تمہیں کچن میں جھانکنے کی اجازت نہیں ہے۔'' فرینہ

آپی نے اپنائیت بھرے رعب سے اس کے ہاتھ سے پلیٹ چھینتے ہوئے اسے سینک کے آگے سے ہٹایا جہاں ناشتے کے برتن دھونے کے لیے وہ آ کھڑی ہوئی تھی۔

''فری بھابھی آپ کو تو معلوم ہے نا میں فارغ نہیں بیٹھ سکتی۔ تین دن میں ہی مجھے لگنے لگا ہے کہ میں بہت نکمی اور ناکارہ ہوگئی ہوں اور.....''

''بس..... بس کوئی فضول بات نہیں ہوگی۔ ایک دو روز کی بات ہے اپنا گھر پھر تم کو ہی سنبھالنا ہے۔ ہم تو مہمان ہیں آج کل میں چلے جائیں گے۔ جاؤ شافع کے پاس جا کر بیٹھو پھر یہ فرصتیں نہیں ملا کرتیں۔'' آپی نے اسے معنی خیزی سے چھیڑتے ہوئے ہاتھ پکڑ کر کچن سے باہر نکالا تو شرم سے گلگوں ہوگئی۔

''بھابھی آپ بھی..... وہ ویسے بھی کہیں باہر جا رہے ہیں۔ شاید اپنے آفس انہوں نے ہی مجھے کہا تھا کہ میں اپنی بوریت کچن میں جا کر دور کر سکتی ہوں۔ اس لیے پلیز مجھے کچھ کرنے دیں۔''

''کچھ نہیں سب کچھ ہی یہاں تمہیں کرنا ہے۔ میری جان ابھی ایک دو روز تو صبر کر لو کل تو ولیمہ ہوا ہے تمہارا۔ کوئی آئے اور آ کر دیکھے تو یہی کہے گا کہ دلہن کی مہندی ماند پڑنے کا بھی انتظار نہ کیا اور ظالم نند نے کچن میں لا کھڑا کیا۔''

''توبہ بھابھی کون کہے گا ایسا اور کسی کو کیا اعتراض ہے جو میں.....''

''تم ابھی انہیں نہیں جانتیں بہت سے لوگ ہیں۔ گھر کی انہی چھوٹی بڑی ذمہ داریوں کو ہی تو مسئلہ بنایا گیا تھا۔ جو شافع کی منگنی.....'' فرینہ آپی کو کہتے کہتے ایک دم خیال آیا کہ وہ کس کے ساتھ ایسی باتیں کر رہی ہیں۔ ہادیہ بھی ان کی خفت محسوس کر چکی تھی۔ انہیں اس احساس سے نکالنے کے لیے بہت اپنائیت سے بولی۔

''بھابھی جان لوگوں کی باتیں دل میں رکھیں گے تو جینا مشکل ہو جائے گا۔ اپنی مرضی اپنی خوشی دیکھیں باقی سب بھلا دیں۔'' فرینہ آپی نے بھی مسکرا کر محبت سے اسے دیکھا۔

''پرواہ تو مجھے بھی کسی کی نہیں ہے بس ایسے ہی کبھی کبھی خیال آ جاتا ہے۔ تم بتاؤ تم دونوں نے اسلام آباد جانے کا پروگرام فائنل کیا ہے یا نہیں؟'' جواب میں اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''کیوں.....؟ چچا جان اتنی محبت سے بلا گئے ہیں۔ اصولاً تو تمہیں کل ہی ان کے ساتھ چلے جانا چاہیے تھا۔''

''کیسے جاتی صرف بابا چاہتے تھے میں ان کے ساتھ چلوں آنٹی مسرت تو نہ آئی ہیں اور نہ ہی انہوں نے فون کیا۔'' اس کی آواز میں کسی دکھ کی آمیزش تھی۔ جسے فرینہ آپی نے بخوبی محسوس کیا۔

''تو پاگل لڑکی ہمارا گھر بھی تو تمہارا میکہ ہے نا، بس ٹھیک ہے میں کل جا رہی ہوں پھر تم لوگ آنے کی تیاری کرو اور.....''

''آپی میرا والٹ کہیں دیکھا ہے؟'' اپنی پشت پر شافع کی آواز سنتے ہی ہادیہ نے چونک کر سر جھکا کر دوپٹے کے کونے سے اپنی بھیگی آنکھوں کی نمی کو صاف کیا۔

''میں تمہارا والٹ کیسے دیکھ سکتی ہوں۔ ہادیہ تم نے کہیں رکھا ہے؟'' آپی نے بھی فوراً اپنا لہجہ بدلا۔

''جی وہاں سائیڈ ٹیبل پر رسٹ واچ اور موبائل کے پاس ہی رکھا ہوا تھا۔'' ہادیہ نے بھی قدرے رخ موڑ کر اسے جواب دیا۔

''موبائل تو میں نے باتھ سے پہلے چارج ہونے کے لیے رکھا تھا۔ وہاں نہ تمہاری رسٹ واچ ہے نہ ہی میرا والٹ۔ تم نے کہیں اور تو نہیں رکھ دیئے ڈسٹنگ کرتے ہوئے۔'' شافع نے اب براہ راست اسے مخاطب کیا تو وہ مزید شرمندہ سی ہوئی کہ آج ہی کمرے میں اس کی چیزیں سمیٹی تھیں آج ہی بروقت اسے نہیں ملیں۔''

''میں دیکھتی ہوں..... میں نے تو وہیں رکھا تھا۔''

وہ کچن کے دروازے میں کھڑی تھی اور اس کے پیچھے شافع کھڑا تھا۔ وہ اس کے پہلو سے نکل کر کمرے کی طرف بڑھی۔ تبھی شینا ٹیرس کی سیڑھیاں اترتے ہوئے تیز آواز میں بتانے لگی۔

''بھائی آپ کا والٹ رافی کے پاس ہے اور اس نے ہادیہ بھابھی کی ریسٹ واچ بھی باہر سڑک پر پھینک دی ہے۔'' شینا بتاتے ہی گیٹ کی طرف گئی۔

''او مائی گاڈ یہ رافی بھی۔'' شافی بے بسی سے سر ہلا کر بولا۔

''میرا والٹ نجانے کیوں اسے پسند ہے، کہیں میرے امپورٹنٹ نمبرز اور کارڈز نہ پھاڑ دیئے ہوں۔'' کہتے ہوئے ہی وہ ٹیرس کی طرف بڑھا۔ اس کے علاوہ رافی کسی کو اس کا والٹ دیتا بھی نہیں۔ رافی اس کے بٹوے سے تمام کارڈز، روپے وغیرہ نکالے ارد گرد بکھیرے خوش ہو رہا تھا اسے دیکھتے ہی مزید خوش ہو کر بتانے لگا۔

''میں نے شینا کو نیں دی پھینت دی۔ یہ بھی پھینت (پھینک) دوں۔'' ہاتھ میں وہی انگوٹھی تھی جو اضحیٰ نے آخری ملاقات پر اتار کر اس کی ہتھیلی پر رکھی تھی۔ شافع نے بعد میں اٹھا کر ایک موہوم کے سہارے اپنے والٹ میں نہایت خفیہ حصے میں رکھ لی تھی۔ آج رافی نے نکال کر اس کا زخم جیسے کھرچ دیا تھا۔

''نہیں جانو اسے مجھے دے دو۔''

''نئیں یہ میری..... اچی بھابھی تو دوں دا۔'' (نہیں یہ میری ہے، اچھی بھابھی کو دوں گا۔)

''یہ اچھی نہیں ہے رافی اچھی بھابھی کو دوسری دے دیں گے۔ آؤ نیچے چلتے ہیں۔ میں نے فریج میں تمہارے لیے چاکلیٹ رکھی ہیں۔ شینا، شافی اور پنکی ساری کھالیں گے۔'' شافی نے اسے بہلانے کی کوشش کی۔ مگر وہ چھت کے فرش پر پاؤں پسارے کافی ناراضگی کا مظاہرہ کرنے لگا۔

''میں نئیں دوں دا..... مرا ہے۔'' سارے بکھرے کارڈز اور نوٹوں پر اس نے ہاتھ پھیلا کر رکھ لیے۔

شافع پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھ کر اسے پچکارنے بلانے لگا۔ بہت مشکل سے وہ مانا پھر کہیں جا کر شافع کو اپنی چیزیں سمیٹنے کا موقع ملا۔ شافع نے جلدی سے اپنے پرس میں سب کچھ ٹھونسا۔ ذہن میں ہادیہ کی گھڑی بھی تھی جو کہ خاصی قیمتی تھی اور اسے اس کے بابا نے کل ہی دونوں کو تحفتاً دی تھی۔ شافع نے اپنی رسٹ واچ تو ابھی باندھی نہیں تھی۔ البتہ ہادیہ نے کل رات ہی ہال میں اپنے بابا کا تحفہ پہن لیا تھا۔

وہ رافی کے ساتھ نیچے اترا تو شینا نے ہی نازک و نفیس رسٹ واچ کے حصے بخرے بھائی کے سامنے کیے جو کہ وہ گیٹ سے باہر سے سمیٹ کر لائی تھی۔

''شینا میں کہہ رہی ہوں نا ٹوٹنے والی چیز تھی ٹوٹ گئی۔'' ہادیہ لاؤنج میں ہی بیٹھی تھی اور شینا کو مسلسل روک رہی تھی۔ فری آپی بھی معذرت کیے جا رہی تھیں۔

''ہادیہ اپنی چیزیں سنبھال کر رکھا کرنا بیٹا! رافی تو ناسمجھ ہے اسے تو معلوم ہی نہیں ہے کون سی چیز قیمتی ہے اور کون سی نہیں۔''

''بھابھی آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ میں کوئی شکوہ شکایت کروں گی تب آپ مجھے کچھ کہیں۔ یہ مجھ سے بھی ٹوٹ سکتی تھی۔'' ہادیہ نے نہایت خلوص اور خندہ پیشانی سے کہا۔

''پھر بھی احتیاط تو ضروری ہے نا ہادیہ! رافع نے اپنی اچھی بھابھی کی گھڑی کیوں پھینکی۔'' رافی کو شافع کے ساتھ آتے دیکھ کر آپی نے قدرے ڈپٹتے ہوئے پوچھا۔

''میں نیں دوں دا۔ شینا دندی ہے (گندی)۔'' رافی نے اپنی دانست میں اپنی صفائی پیش کی۔

''وہ شینا کی نہیں تھی بھابھی کی تھی۔'' آپی نے پھر سے اسے جھڑکا۔

''بھابھی بس کریں نا اسے کیا معلوم۔''

ہادیہ سچ مچ شرمندہ ہو رہی تھی۔ شافع جو پہلے ہی کسی سوچ میں مبتلا تھا۔ ہادیہ کے رویے سے خاصا متاثر نظر آیا۔ دراصل اسے اس وقت اضحیٰ یاد آ گئی تھی۔ ایک بار رافی نے اضحیٰ کے بیگ سے

اس کی چیزیں نکال لی تھیں اور ایک دو لپ اسٹک بھی خراب کر دی تھیں جس پر اضحیٰ نے چیختے چلاتے ہوئے رانی کو تھپڑ کھینچ مارا تھا۔ شاید سبھی کے ذہنوں میں وہی واقعہ تازہ ہوا تھا تبھی وہ ہادیہ سے معذرتیں کر رہے تھے۔ رانی کو کوئی کچھ کہے یہ نہ تو شافع برداشت کر سکتا تھا اور نہ ہی بہنیں۔ وہ بھی یہ بات سمجھتی تھی پھر اسے احساس تھا کہ کوتاہی اس سے ہوئی ہے۔ احتیاط تو بہر حال کرنی چاہیے سو اس وقت ان سب سے زیادہ وہ خود شرمندہ ہو رہی تھی۔ شافع نے ٹوٹی پھوٹی گھڑی لے کر اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لی۔

''میں ٹھیک کروا دوں گا۔ ریپیئر نہ ہوئی تو دوسری لے دوں گا۔''

''پلیز رہنے دیں میرے پاس اور رسٹ واچز ہیں۔'' ہادیہ قدرے زچ ہو کر بولی۔ کوئی بھی اس کا خلوص سمجھ نہیں رہا تھا۔

''آپی میں ڈیڑھ دو گھنٹے میں آجاؤں گا۔'' شافع کو جانے کی عجلت تھی وہ خدا حافظ کہہ کر گیٹ کی طرف بڑھ گیا اور باقی سب کچھ دیر میں رانی کا رستانی بھلا کر لنچ پر کیا بنے گا کی فکر میں مبتلا ہو گئے۔ بار بار ہادیہ سے مشورہ مانگا جاتا وہ بے چاری کیا بتاتی۔ آخر بہ اصرار بتایا کہ ''دال چاول بنا لیں مرغن کھانے کھا کھا کر دل بھر گیا ہے۔'' شینا اور مینا تو کھی کھی کرنے لگیں۔ جبکہ آپی بھی مسکرائے گئیں۔

''کیا ہوا بھابھی خود ہی تو پوچھ رہی تھیں میں بنا لوں؟'' ہادیہ کو تینوں بہنوں کا ہنسنا سمجھ نہ آیا۔

''بھئی اب اتنی آسان ڈش تو ہم تم سے نہیں بنوائیں گے۔ باقاعدہ مینو دیں گے تمہارے میاں کی پسندیدہ ڈشز کا۔ تمہاری دال چاول والی فرمائش میں تو پوری کر دوں گی۔ اپنے میاں کا موڈ تم درست کر دینا۔''

''کیا؟ انہیں نہیں پسند کیوں.....؟'' آپی کی بات سن کر اس نے حیرت سے پوچھا۔

فرینہ آپی نے پھر اسے شافع کی پسند ناپسند سے اچھی طرح آگاہ کیا۔ اگلے ہی پل وہ اپنی فرمائش سے دستبردار ہو کر شافع کی پسند کا ہرے مصالحے کا قیمہ کھانے پر راضی ہو گئی تھی۔ حالانکہ یہ اسے پسند نہیں تھا لیکن اب اسے خود کو شافع کی پسند کے سانچے میں ڈھالنا تھا۔ جس میں وہ آہستہ آہستہ کامیاب ہو رہی تھی۔

☆☆☆

آپی واپس چلی گئی تھیں اور اب زوار ہاؤس کی ساری ذمہ داری ہادیہ کے سر پر تھی۔ شینا، مینا کے علاوہ وہ رافع کا خیال بھی اس طرح رکھتی جس طرح گھر کا کوئی چھوٹا سا بچہ ہو۔ اس کے لاڈ اسی طرح اٹھاتی جیسے کہ شینا، مینا یا شافع، رافع کو ٹریٹ کیا کرتے تھے۔ نہ ہی رافع کے چیزیں توڑنے

پھوڑے پر وہ چیختی چلاتی تھی بلکہ کئی بار تو کھانے کے دوران وہ اچھی بھابھی کے ہاتھ سے کھانے کی ضد کرنے لگتا تھا۔ ہادیہ سبھی کے روکنے کے باوجود اسے خود کھانا کھلانے بیٹھ جاتی۔ کبھی کبھی تو اسی کی پلیٹ سے اسی چمچ سے کھا لیتی تھی۔ شافع کئی بار متحیر ہوا تھا مگر کبھی اپنی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ البتہ وہ اب دل سے مطمئن ہو رہا تھا۔ اس شادی سے اسے جتنے خدشات تھے سبھی رفتہ رفتہ رفع ہو رہے تھے۔ تبھی ہادیہ قطرہ قطرہ اس کے لہو میں اتر کر گردش کرنے لگی تھی۔ اکثر وہ اپنی کیفیات پر حیران ہوا کرتا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے تک اس کے پاس اضحیٰ کے بغیر جینے کا تصور نہیں تھا اور اب وہ بہت آسانی سے سہولت بلکہ آسودگی کے ساتھ ہادیہ کے ساتھ نہ صرف جی رہا تھا بلکہ اکثر اس بات پر شکر گزار ہو جاتا کہ اس نے اضحیٰ کی محبت میں کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ ابھی بھی وہ بہت مطمئن سا گہری سوچوں میں منہمک تھا کہ ہادیہ نے کافی کپ پر زور سے چمچ بجا کر اسے متوجہ کیا۔

''کہاں گم ہیں کتنی بار آواز دی اتنی محویت سے کسے سوچ رہے تھے آپ؟'' اسے کافی کا کپ پکڑا کر وہ اپنا کپ لے کر اس سے کچھ فاصلے پر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''تمہارے علاوہ کسے سوچ سکتا ہوں۔''

''کیوں مجھے کیوں میں تو یہیں آپ کے پاس ہوں اور سوچا تو انہیں جاتا ہے جو پاس نہ ہو۔'' ہادیہ کا لہجہ پہلی بار کچھ عجیب ہوا اور اس کی ایک وجہ تھی آج شام ہی پھپھو زینب اور اضحیٰ آئے ہوئے تھے۔

اتوار کا دن تھا ان سب کا شام کو آئس کریم کھانے جانے کا پروگرام تھا جو ان لوگوں کے آنے سے نہ صرف ملتوی ہوا تھا بلکہ اضحیٰ کا شافع کے ساتھ بے تکلفانہ رویہ ہادیہ کا موڈ بھی آف کر گیا تھا۔ جسے شافع نے محسوس تو کر لیا تھا۔ مگر وہ اب تک ہادیہ سے کوئی بات نہیں کر سکا تھا۔

پھپھو زینب شافع کے پاس اس کے جیولر دوست سے زیورات بنوانے کی بات کرنے آئی تھیں جبکہ اضحیٰ زور و شور سے اپنی چند ماہ بعد ہونے والی شادی کا چرچہ اور پروگرام بتا رہی تھی۔ شینا اور مینا تو اپنے ہونے والے کالج ایگزام کی تیاری کا بہانہ کر کے وہاں سے ہٹ گئی تھی جبکہ ہادیہ کو ڈنر تک نہ صرف ان کی خاطر مدارت کرنا پڑی تھی بلکہ مصنوعی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کر کے انہیں برداشت بھی کرنا پڑا تھا۔

شافع ہادیہ کی کیفیت سمجھ تو رہا تھا مگر وہ بھی مجبور تھا گھر چل کر آئے مہمانوں سے کسی قسم کی بے مروتی کا مظاہرہ نہیں کر سکا تھا۔

''کیا ہوا ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں میں نے کچھ غلط کہہ دیا ہے؟'' شافع کو اپنی جانب سنجیدگی

سے دیکھتا پا کر ہادیہ نے کپ لبوں سے دور لے جاتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ غلط..... بہت غلط بات کی ہے دیا تم نے۔''

''اچھا..... اگر آپ کو میری بات اچھی نہیں لگی تو آئی ایم سوری میں نے تو جو محسوس کیا کہہ دیا تھا۔'' ہادیہ کے لہجے میں واضح خفگی تھی۔

''ہادیہ تمہیں کیوں محسوس ہوا ہے کہ میں تمہارے علاوہ اب کسی اور کو سوچوں گا۔ میری طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے؟'' شافع کی آنکھوں میں الجھن اور لہجے میں ہادیہ کو یقین دلانے کی کوشش تھی۔

''میں نے کب کہا کہ آپ کو کوئی کوتاہی ہے شاید کوتاہی میری طرف سے ہو رہی ہے جو۔'' ہادیہ کا نہ صرف لہجہ بھیگا تھا بلکہ آنکھیں بھی چھلک پڑی تھیں۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگی۔

''ہادیہ میری بات سنو۔'' شافع نے کچھ بے چینی سے پکارا۔ مگر وہ اپنے قدم نہ روک پائی۔

''دیا..... دیا واپس آؤ۔'' شافع کی سنجیدہ آواز پر ہادیہ کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر جیسے منجمد ہو گیا۔ آنسو گالوں پر پھسلے چلے آ رہے تھے۔ اسے خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

''میں کہہ رہا ہوں ادھر آؤ۔'' اس بار اس نے رعب سے حکم دیا۔ اس نے لب چبا کر جیسے خود کو سنبھالا پھر آہستہ سے رخ موڑتے ہوئے ایک ہاتھ سے بہہ جانے والے آنسوؤں کو صاف کیا۔ واپس چند قدم آنا اس کے لیے دشوار ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر شافع کی سنجیدگی و خفگی مزید بڑھ گئی۔

''تمہارا یہ رویہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے نادیہ! وہاٹس رانگ ود یو۔ تمہاری کبھی میں نے حق تلفی کی ہے جو تم بدگمان ہو رہی ہو۔ پھپھو یا وہ اگر ہمارے گھر آ گئی ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں نے تو انہیں اپنے گھر آنے کا انوٹیشن نہیں دیا تھا۔''

''میں نے ان کے آنے کی شکایت کی ہے۔'' ہادیہ نے کافی کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور خود ایزی چیئر پر جا بیٹھی۔

''پھر یہ سب کیا ہے جب سے وہ لوگ گئے ہیں تم مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہی ہو۔ کبھی یہ مصروفیت کبھی وہ بہانہ۔ رافی نے ضد بھی کی تب بھی تم ہمارے ساتھ آئس کریم کھانے نہیں چلیں۔'' شافع نے اس کا رویہ اس پر جتایا۔

''میں بھی چلتی تو سارا پھیلاوا کون سمیٹتا۔ اچھا چھوڑیں کافی پئیں ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی۔ تو شافع اسے دیکھے گیا۔

☆☆☆

''دیا آپی کا فون ہے۔'' شافع نے ٹھوڑی پر شیونگ فوم ملتے ہوئے کمرے سے جھانک کر اسے آواز دی۔

شینا، بینا کے کالج جانے کے بعد وہ اب اپنے اور شافع کے لیے ناشتہ بنا رہی تھی جبکہ شافع آفس جانے کی تیاریوں میں تھا۔ شافع کی پکار پر چولہے سے کیتلی ہٹا کر وہ کمرے میں چلی آئی جہاں شافع جھاگ آلود چہرے کے ساتھ آپی کے شکوے شکایتوں کو سن رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی ریسیور اس کی طرف بڑھایا۔

''لیں اپنی بھاوج سے بات کریں میں آپ سے رات کو بات کروں گی۔'' اسے محبت سے دیکھتے ہوئے شرارت سے اس کی ناک پر جھاگ لگائی تو وہ مصنوعی خفگی سے دیکھنے لگی۔

''السلام علیکم آپی کیسی ہیں آپ؟'' بیڈ کے سرے پر ٹکتے ہوئے اس نے فون سیٹ کا سپیکر بھی آن کیا۔

''وعلیکم السلام بے مروتو کتنا انتظار کرواؤ گے چار ماہ تو ہو گئے ہیں تم دونوں کی شادی کو، چچا جان بھی تم سے ملنے کو بے چین ہیں۔''

''تو بابا جان یہاں آ کر مجھ سے مل لیں کیا مسرت آنٹی نے ابھی بھی ان پر پابندی لگا رکھی ہے۔''

''نہیں بھئی ایسی بات نہیں ہے۔ تم کیوں ضد میں پڑی ہو۔ آ جاؤ نا۔''

''آنا تو ہے آپی میں کہاں اپنی ضد پر قائم رہ سکتی ہوں۔''

''تو پھر اس ویک اینڈ پر آ رہے ہو نا۔'' آپی کی محبت و اصرار میں ڈوبی آواز کمرے میں پھیل رہی تھی۔ باتھ روم سے شافع بھی کچھ بول رہا تھا۔

''نہیں آپی دسمبر کا پروگرام بنا ہے۔ مینا اور شینا کی کالج سے چھٹیاں ہوں گی تو ہم سبھی آئیں گے۔'' شافع نے قریب آ کر انہیں اپنا پروگرام بتایا۔

''چھٹیوں میں تو ڈیڑھ ماہ ہے کم از کم ایک دو دن کے لیے ہادیہ کو تو بھیج دو۔ بچیوں کے پاس تائی امی رہ جائیں گی۔''

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ دسمبر میں جانے کا پروگرام بھی ہادیہ نے ہی بنایا تھا۔''

''جی آپی میں زیادہ دنوں کے لیے آنا چاہتی ہوں۔ یہ مصروف ہوئے تب بھی نیکسٹ منتھ میں آ رہی ہوں۔''

''بس اب یہ پروگرام پکا ہونا چاہیے اور اس گدھے سے کہو ساری مصروفیتیں ختم کر لے ورنہ میں آ کر سیدھا کر دوں گی۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا آپی ان کی مصروفیات تو مزید بڑھ گئی ہیں اور شاید اگلے ماہ تو انہیں کان کھجانے کی بھی فرصت نہیں ہوگی۔'' ہادیہ نے بہ آواز بلند کہا۔

شافع کے کان فوراً ہی کھڑے ہوگئے۔ وہ تولیے سے منہ پونچھتا کمرے میں آکر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''کیوں اگلے ماہ کیا ہے؟ کسی بزنس ٹور پر تو نہیں جارہا ہے؟'' آپی نے فوراً ہی قیاس کر کے پوچھا تو وہ زیرلب ہنس دی۔

''یہی سمجھ لیں، انہوں نے ایک سائیڈ بزنس شروع کیا ہے بلکہ سوشل ورک کہنا چاہیے۔ دلہنوں کے زیورات و ملبوسات، فرنیچر، کیٹرنگ وغیرہ کے لیے مفت مشورے دینے کے ساتھ با رعایت خرید و فروخت بھی کروا دیتے ہیں۔''

''شٹ اپ۔'' شافع نے جھلاتے ہوئے ریسیور اس کے ہاتھ سے پکڑا۔ لمحہ بھر کو وہ بھول گیا تھا کہ سپیکر بھی آن ہے۔

''آپی لسن می ہمارا دسمبر کا پروگرام فائنل ہے۔''

''شافعی تم ہادیہ سے کس لہجے میں بات کر رہے تھے؟'' انہوں نے اس کی شٹ اپ کا خاصا برا مانا تھا۔

''تو آپی اسے بھی تو فضول بولنے کی عادت ہوتی جارہی ہے۔ ایکچوئلی پھپھو زینب آئی تھیں احمد جیولرز سے زیورات خریدنا چاہتی تھیں۔ علی احمد کو کئی بار انہوں نے میرے ساتھ دیکھا تھا۔ تبھی سوہ میرا فیور چاہ رہی تھیں۔ بس اتنی سی بات ہے۔ اوکے مجھے ابھی آفس سے دیر ہورہی ہے۔ میں آپ کو پھر فون کروں گا۔'' پھر اس نے سلام دعا کے بعد فوراً ہی فون بند کر دیا۔ پھر اسے مسکراتے دیکھ کر خفگی بھری آنکھوں سے گھورا۔

''یار تم بھی نہ..... ابھی آپی نے میری فون پر ہی دھلائی کر دینی تھی۔ تم اس بات کو دل سے نکال نہیں سکتی ہو۔ تم کہتی ہو تو میں ان کی ہیلپ نہیں کرتا، حالانکہ ایز اے کزن یہ میری ڈیوٹی بنتی ہے کہ.....''

''تو میں آپ سے کیا کہہ رہی ہوں۔ آپ اپنی ڈیوٹی دیجیے۔ ایک آپ ہی تو اس کے کزن ہیں۔ دن رات کبھی بھی اسے لے کر پھریں، اپنی پسند سے جیولری لے کر دیں، شاپنگ کرائیں، کچھ بھی کریں میں کون ہوتی ہوں کچھ کہنے والی۔'' ہادیہ کے لہجے میں تلخی و خفگی یکدم ہی اتر آئی تھی۔ گزشتہ دنوں کا غبار آج نکل رہا تھا۔ شافع بھی تو اس کے موڈ کی پرواہ کیے بغیر کئی دنوں سے پھپھو زینب اور اضحیٰ صاحبہ کے ساتھ ان کی مدد کو حاضر خدمت تھا۔

اس کا فلسفہ بھی نرالا تھا کہ وہ اضحیٰ کو صرف پھپھو زاد سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا اور اسی رشتے کے حوالے سے وہ بحیثیت کزن اور بھتیجے کے اب ان کی مدد کر رہا تھا۔ مگر یہ بات ہادیہ کو گوارا نہیں تھی۔ ہادیہ تو شاید اپنی مخلصانہ فطرت کے باعث شافع کے رویوں اور اس اقدام کو سراہ بھی لیتی مگر اردگرد سے اسے مسلسل وارننگ مل رہی تھی۔ تبھی عائشہ پھپھو اور سمیرا فون کر کے ہوشیار کرتیں کبھی تائی امی، کبھی کلثوم پھپھو سمجھانے چلی آتیں کہ ''بچی اتنی ڈھیل مت دو دونوں ماں بیٹی تمہارا گھر خراب کرنے کے درپے ہیں۔'' ہادیہ کچھ دن تو صبر کرتی رہی تھی اب اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ تبھی وہ شافع سے الجھنے لگی تھی۔

''شٹ اپ۔'' اس کی بات سنتے ہی شافع جیسے چیخ پڑا۔

''تمہارا کیا خیال ہے میں کوئی کرپٹ انسان ہوں کہ اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے کسی اور کی ہونے والی بیوی کے ساتھ ٹائم پاس کرنے کے ذرائع ڈھونڈوں گا۔ شرم آرہی ہے مجھے تمہاری گھٹیا سوچ پر۔'' شافع نے گردن سے تولیہ کھینچ کر بیڈ پر پٹخا۔

''مجھے بھی شرمندگی ہوتی ہے جب دوسرے لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اضحیٰ بی بی شادی سے انکار کے بعد بھی آپ کے ساتھ ساتھ کیوں نظر آرہی ہے۔ اسے آپ کی پسند ناپسند پر اتنا بھروسہ تھا تو کر لیتی نا آپ کے ساتھ شادی۔'' ہادیہ بھی بیڈ سے کھڑی ہوگئی غصے میں اس کی آواز بھی بلند ہوئی تھی۔

''کون لوگ ہیں جو تمہارے کان بھرتے رہتے ہیں۔ دو بار میں اس کے ساتھ گیا ہوں ایک بار پھپھو ساتھ تھیں، دوسری بار اس کا فیانسی اور دونوں بار میں نے تمہیں آکر بتا دیا تھا۔ تمہیں لوگوں پر بھروسہ ہے مجھ پر نہیں۔'' شافع نے افسردگی سے پوچھا۔

''آپ نے اپنا اعتبار خود ختم کیا ہے؟'' ہادیہ کا لہجہ اور آنکھیں دونوں ہی بھیگ کر چھلکیں تھیں۔

''کہ..... کیا..... تم ہوش میں تو ہو؟ کیا کیا ہے میں نے؟'' حیرت سے شافع کی آواز پھٹ گئی تھی۔

''یہ آپ اپنے آپ سے پوچھیں، آپ نے کیا کیا ہے۔ میرا آپ کی زندگی میں کیا مقام ہے؟ میں تو شاید آپ کے لیے ایک ضرورت کی چیز ہوں۔ دن بھر ملازمہ کی طرح آپ کا گھر سجائے سنوارے۔''

''یہ سب تو تمہیں شادی سے پہلے بھی معلوم تھا کہ یہاں یہی کچھ کرنا پڑے گا۔ اور ہر عورت شوہر کی دلداری کرتی ہے اور اس کا گھر سنوارتی ہے۔ تم کوئی انوکھی عورت تو نہیں ہو۔'' ہادیہ کے

رویے اور آنسوؤں نے اسے سیخ پا کر دیا تھا۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔

''میں تو عام سی عورت بھی نہیں ہوں جسے کبھی نہ کبھی تو شوہر کی سچی محبت ستائش نصیب ہو ہی جاتی ہے۔ میرے حصے میں تو اب تک فریب و دھوکا ہی آیا ہے۔'' ہادیہ اب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ شافع مزید برافروختہ ہوا۔

''وہاٹ..... میری رفاقت و چاہت تمہیں فریب و دھوکا لگتی ہے۔ ایسا ہی ہے تو تمہیں کس نے کہا ہے کہ اس فریب میں مبتلا رہو، تم اپنے آپ کو اس فریب سے نکال لو میری طرف سے اجازت ہے۔'' شافع نے اگلے ہی پل لباس بدلا اور اسے روتا ہوا چھوڑ کر بغیر ناشتے کے گھر سے ہی نکل گیا۔ ان کی ہنسی کھیلتی زندگی کو نجانے کس کی نظر لگی تھی۔ گھر کی فضا مکدر ہو گئی تھی۔

ہادیہ بالکل خاموش ہو کر رہ گئی تھی جبکہ شافع کا بھی غصہ ناراضگی کسی بھی طرح کم نہیں ہو رہا تھا۔ ہادیہ کو کمرے میں دیکھتے ہی یا تو خود کمرے سے نکل جاتا یا پھر اس قدر اجنبیت و لاتعلقی کا مظاہرہ کرتا کہ ہادیہ کا دل قطرہ قطرہ پگھل کر آنکھوں سے بہنے لگتا۔ اسے شافع کے رویے کا بے حد دکھ تھا جو دن بہ دن بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ہادیہ نے ان کے رویوں سے کچھ محسوس کیا تھا تبھی وہ بے قابو ہوئی تھی۔ اس کی برداشت ٹوٹنے کی ایک وجہ میکے سے ربط و تعلق نہ ہونا تھا۔ جس نے اسے اندر ہی اندر توڑ پھوڑ دیا تھا۔

شرینہ، زرمینہ بھائی کے بدلتے موڈ اور بھابھی کی سنجیدگی و خاموشی سے حیران و پریشان تھیں۔ بلکہ رافع بھی متاثر نظر آ رہا تھا۔ ہادیہ پہلے کی طرح ہر معمول تو نبھا رہی تھی مگر اب وہ چھیڑ چھاڑ، ہنسی مذاق بند تھا۔ مینا کئی بار اپنائیت سے پوچھ چکی تھی۔ مگر ہر بار ہادیہ اس کا گال تھپتھپا کر اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتی۔

''کوئی بات نہیں ہے گڑیا تم پریشان مت ہو۔'' پھر وہ مزید کیا کہتی۔ شرینہ تو کئی بار صاف صاف کہہ چکی تھی۔

''آپ کی اور بھائی جان کی لڑائی اضحیٰ آپی کی وجہ سے ہوئی ہے نا۔ بھائی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ آخر وہ شادی اپنی مرضی سے کر رہی ہیں پھر اب بھائی پر ڈورے ڈالنے کا مقصد۔'' پہلے وہ یہ بات زرمینا سے کہتی تھی آج ہادیہ سے بھی کہہ دی تھی۔

وہ سبھی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ شافع اپنے کمرے میں تھا۔ کسی کام سے کچن کی طرف آیا تو اس نے شینا کی باتیں سن لی تھیں۔ فوراً ہی اس کا پارہ چڑھ گیا۔ اس سے پہلے کہ ہادیہ شینا کو سرزنش کرتی وہ ماتھے پر تیوری ڈالے آنکھوں میں آگ بھرے ہادیہ پر برس پڑا۔

''تم میری بہنوں کو کیا سکھا رہی ہو کہ ان کا بھائی اس قدر گرا ہوا گھٹیا انسان ہو چکا ہے کہ اپنی

کزن کے ساتھ یہ تم ہمارے خاندان کی لڑکیوں کو کیا سمجھتی ہو کہ وہ شادی شدہ مردوں کو گھیرتی رہتی ہیں اور انہیں کوئی کام نہیں ہے دنیا میں۔''

شافع کا لہجہ تھا کہ آگ اور اس کی باتیں اس کی سماعتوں کو ہی نہیں جسم و جان کے ساتھ روح کو بھی چھیدتی چلی گئیں۔ شافع کی باتیں اسے اپنی والدہ کے کردار پر حملہ لگی تھیں۔ شافع اس طرح اس انداز میں کبھی بات کرے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے ساکت ہو گئی تھی۔

''بھائی! بھابھی جان تو کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔ وہ تو میں.....''

''بکواس بند کرو۔ اور دونوں اپنے کمرے میں جاؤ۔'' شینا نے کچھ کہنا چاہا مگر اسے بھی ڈپٹ کر رکھ دیا تھا۔ دونوں ہی سہم کر چلی گئی تھیں۔ شافع خود بھی کمرے میں چلا گیا جبکہ ساکت بیٹھی ہادیہ پر اس نے نگاہ غلط بھی نہ ڈالی۔

زندگی ٹھہر گئی تھی یا وقت تھم گیا تھا۔ اسے کچھ احساس نہ ہوا۔ شافع کی باتوں کی بازگشت مسلسل اس کے کانوں میں گونج رہی تھی اور ہر بار یہ گونج اس کی روح میں کرب تلاطم برپا کرتی جا رہی تھیے

''بھابھی..... دیا بھابھی کب تک یہاں بیٹھی رہیں گی جا کر لیٹ جائیں۔ رات کا ایک بج گیا ہے۔'' زرمینہ نے آ کر اس کے منجمد ہوتے ہوئے احساسات کو جیسے جگا دیا۔ اس کے اندر جمع درد آنکھوں کے راستے بہنے کو تیار تھا۔ اس نے گھٹنوں کے درمیان اپنا سر پھنسا کر اپنے گرد شال کا گھیرا سا بنایا۔

''میں ابھی سو جاتی ہوں مینا تم جاؤ سو جاؤ صبح کالج نہیں جانا۔'' ہادیہ نے بہت کوشش کی تھی کہ اپنے لہجے کی نمی کو ظاہر نہ ہونے دے۔ مگر پھر بھی اس کی آواز گھٹ گئی تھی۔

''آپ رو رہی ہیں بھابھی! بھائی تو غصے میں تھے۔ شینا بدتمیز بھی تو کتنا اونچا بول رہی تھی۔ معلوم بھی ہے کہ بھائی جان کو کسی کی برائی کرنا پسند نہیں ہے اور.....'' زرمینہ نے اپنے طور پر بھائی کی طرف سے صفائی دینے کی کوشش کی تھی۔ ہادیہ نے سر اٹھا کر زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہاں..... تمہارے بھائی جان کو کسی کی یعنی اضحیٰ شبیر کی برائی کرنا پسند نہیں ہے اور خود وہ گڑھے مردے بھی اکھاڑ سکتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں صاف طور پر لکھا تھا لیکن زبان خاموش تھی۔ ہادیہ نے مینا کو تو اصرار کر کے سونے بھیج دیا تھا مگر خود اس نے ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔ صبح جا کر اس کی اتھاہ سوچیں ایک رخ پر آ ٹھہری تھیں اور وہ اسلام آباد شیراز ہاؤس میں فون کر رہی تھی۔

☆☆☆

اگلی دوپہر ہی اس کے بابا اس کے آنسوؤں بھرے بلاوے پر کھنچے چلے آئے تھے۔ اتوار کا دن تھا۔ رات کی بدمزگی اور ہادیہ کے رات بھر اپنے بیڈ روم میں نہ جانے کے بعد شافع کا پارہ مزید چڑھا ہوا تھا۔ مگر وہ بہنوں کے سامنے ہادیہ کے ساتھ کوئی تلخ کلامی نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اب تک کمرے سے باہر نہیں آیا تھا۔

مینا نے جا کر انکل شیراز کا بتایا تو حیران رہ گیا۔ ان کی آمد غیر متوقع اور حیران کن تھی۔ ہفتے دس دن بعد ان سے فون پر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ جمعہ کو ہی ان سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے حسب سابق اسلام آباد چکر لگانے پر اصرار ضرور کیا مگر اپنے آنے کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ وہ خود کو اچھی طرح سنبھال کر اپنے کمرے سے باہر آیا تھا۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہادیہ نے ہی انہیں کسی طرح آنے پر مجبور کیا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا اور ہادیہ کا جھگڑا گھر سے باہر جائے۔ سو وہ انکل شیراز سے خاصی گرمجوشی سے آ کر ملا۔ جواباً انہوں نے بھی اسی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔

''آپ مجھے فون کر دیتے میں آپ کو ایئر پورٹ لینے آ جاتا۔'' ان کے رویے میں وہی محبت و شفقت دیکھ کر شافع کو اپنا خیال بدلنا پڑا کہ (انہیں ہادیہ نے بلایا ہے)۔

''میں اپنی بیٹی کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ اتنی مدت تک تو میں کبھی بھی اپنی بیٹی سے دور نہیں رہا۔ مجھے معلوم تھا میری سب سے پیاری بیٹی مجھ سے ناراض ہے تبھی مجھ سے ملنے نہیں آتی اس لیے مجھے خود آنا پڑا۔''

انکل شیراز نے کچن میں مصروف ہادیہ کو پیار سے دیکھا۔ ہادیہ نے اگرچہ انہیں کچھ نہیں بتایا مگر فون پر روتے ہوئے بار بار یہ کہا (بابا مجھے آپ اور امی جانی بہت یاد آ رہے ہیں۔ کیا آپ بھی مجھے بھول گئے؟) اور اب انہیں اپنے سامنے دیکھ کر حیرت و استعجاب کا مجسمہ بن جانے کے بعد ان سے لپٹ کر بے اختیار ہو جانا انہیں مسلسل کھٹک رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ ہادیہ اور شافع کے درمیان کوئی مسئلہ ہے۔

''ایسی بات نہیں ہے انکل! ایکچوئلی میں ہی مصروف تھا۔ ہم اکٹھا جانا چاہتے تھے دس بارہ دن بعد انشاء اللہ ہم سب آ رہے ہیں۔'' شافع نے جیسے ان کی تسلی کرانا چاہی۔

''میں بابا کے ساتھ آج ہی جا رہی ہوں۔'' شافع کے سامنے ناشتے کی ٹرے رکھ کر عام سے لہجے میں اطلاع دے کر وہ واپس مڑ گئی۔ شافع حیرت سے اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔ انکل شیراز نے بھی داماد کی حیرت کو محسوس کیا تھا۔

آج ہی.....؟ ابھی تو آئے ہیں انکل ایک دو روز تو ضرور رکیں گے یہاں۔'' شافع اپنی حیرت کو زیادہ دیر چھپا نہیں سکا۔

''بابا جان آپ کی آج ہی واپسی ضروری ہے نا۔'' ہادیہ نے ان کے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ وہ یہی بہتر سمجھ رہے تھے کہ فی الحال ہادیہ کو ساتھ لے جائیں، ہادیہ سے وہ یہاں کوئی بات نہیں پوچھ سکتے تھے۔ انہیں یہ بھی اپنی بیٹی پر یقین تھا کہ وہ بلا جواز اس طرح جانے پر اصرار نہیں کر رہی سو انہوں نے اس کی حمایت کی۔

''کل صبح میری آفس میں ایک اہم میٹنگ ہے۔ کچھ دنوں سے ہادیہ کے لیے دل بے چین و پریشان تھا مسرت بھی اب اپنے کیے پر خاصی پشیمان تھی۔ عید پر سبھی بچے جمع تھے بس تم لوگ نہیں تھے۔ اس بات کا سبھی نے انہیں احساس دلایا۔ کافی دنوں سے وہ مجھے کہہ رہی تھیں کہ ہادیہ کو جا کر لے آئیں سو میں چلا آیا۔'' اپنے آنسو پیتے ہوئے ہادیہ نے کچن کی کھڑکی سے ہی اپنے بابا کو بہت محبت سے دیکھا۔ بنا کہے وہ اس کا دکھ جان گئے تھے۔

''مگر انکل ہادیہ اس طرح..... میرا مطلب ہے صرف دس دن کی بات ہے ہم سب اکٹھے آ جائیں گے دس پندرہ دن تو رکیں گے ہم لوگ وہاں اور.....''

''تو بیٹا آپ ضرور آؤ آپ کا اپنا گھر ہے وہ اور جتنے دن چاہے وہاں قیام کرو۔ ہادیہ کے لیے میں اس لیے اصرار کر رہا ہوں کہ اس کی بھابھی سارا جنید کی بیوی کو میکے بھجوانا ہے۔ عورتوں کی رسمیں وسمیں ہوتی ہیں، مسرت کہہ رہی تھیں سبھی بہنوں کا ہونا ضروری ہے۔ تمہاری اجازت ہو تو میں ہادیہ کو لے جاتا ہوں ورنہ.....''

''اجازت؟ میری اجازت کی کیا ضرورت ہے انکل! ہادیہ کی اگر مرضی ہے تو مجھے کیا اعتراض ہے۔'' شافع بظاہر مسکرا رہا تھا۔ مگر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

مینا اور شینا اچانک بھابھی کے جانے کا سن کر الگ حیران تھیں۔ رافع الگ اچھی بھابھی کی خاموشی سے پریشان و بے چین اس کے اردگرد چکر کاٹ رہا تھا۔ اس کے بابا لنچ کے بعد کسی سے ملنے کا بہانہ کر کے گھر سے چلے گئے تھے۔ ویسے بھی انہیں اپنی اور ہادیہ کی ٹکٹیں او کے کروانی تھیں۔ شافع بھی لاؤنج میں بیٹھا بظاہر ٹی وی پر نظریں جمائے کرکٹ میچ دیکھ رہا تھا مگر اندر ہی اندر ہادیہ پر اسے خار چڑھ رہی تھی۔ اپنی بھڑاس نکالنے کا اسے موقع بھی نہیں مل رہا تھا۔

وہ بیڈ روم میں اپنا سامان سمیت رہی تھی اور شینا وغیرہ بھی وہیں موجود تھیں اور مسلسل اسے روکنے کی کوشش میں تھیں۔

''بھابھی آپ ابھی کیوں جا رہی ہیں۔ بھائی جان سے ناراض ہو کر جا رہی ہیں؟'' زرمینہ

بڑی تھی اور حساس بھی اسے بھابھی کا اس طرح جانا خاصا کھل رہا تھا۔

''بابا جان پہلی بار مجھے لینے آئے ہیں مجھے جانا چاہیے نا مینا!'' ہادیہ نے اپنے آنسو چھپانے کے لیے ان کی طرف سے رخ موڑا اور الماری کی طرف بڑھ گئی۔

''بھابھی کچھ دن اور ٹھہر جاتیں ہم سب اکٹھے چلتے

''شینا روہانسی ہو رہی تھی۔

''پروگرام تو یہی تھا چندا مگر.....'' وہ خود کو سنبھال کر شینا کے قریب آئی۔

''مجبوری ہے جانو تم لوگ بھی فارغ ہوتے ہی آ جانا، آئی پرامس تم لوگوں کے بغیر کوئی بھی پروگرام انجوائے نہیں کروں گی۔ رافع کو بھی ضرور لے کر آنا۔ آؤ گے تو تبھی مری ہل جائیں گے اوکے۔'' ہادیہ نے بچوں کی طرح انہیں بہلایا۔

''اور سنو مینی تم بڑی ہو اس لیے رافی اور شینا کی کیئر اب تمہاری ذمہ داری ہے۔ بہت کیئر فل ہو کر رہنا بلکہ ایسا کرنا تائی امی کو کل صبح ہی فون کر کے بلا لینا ٹھیک۔'' ہادیہ نے چھوٹے سے بیگ میں دو تین سوٹ اور ایک شال رکھی۔ پھر بیگ کی زپ بند کر کے بیڈ سے نیچے رکھا۔ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ کیا کیا لے کر جائے۔ دل اس کا بھی بے قرار تھا۔

''بس یہ لے کر جائیں گی؟ انکل تو کہہ رہے تھے وہاں ان کے گھر میں کوئی فنکشن بھی ہے اور آپ کو وہاں کافی دن رہنا ہے تو۔'' شینا مسلسل اسے نوٹ کر رہی تھی پھر دونوں بہنوں کو یقین تھا کہ بھابھی بھائی سے کسی جھگڑے کی وجہ سے ہی جا رہی ہیں۔ شافع بھی اپنی اندرونی بے چینی سے مجبور ہو کر کمرے میں چلا آیا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر ہادیہ مصروف نظر آنے کے لیے ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں کھنگالنے لگی۔

''بھائی جان آپ بھابھی کو روک لیں ہمیں پتہ ہے یہ ناراض ہو کر جا رہی ہیں۔'' شینا شروع سے ہی کچھ نڈر بھی تھی ہر بات بے دھڑک کہہ دیتی تھی۔ اب بھی شافع کو دیکھتے ہی فریاد کناں ہوئی۔

''جب تم لوگوں کے کہنے سے نہیں رک رہی تو پھر میں کیا کہوں؟'' شافع کے لہجے میں ہنوز ننگی و تلخی کھلی ہوئی تھی۔

''بھائی اس طرح تو.....؟''

''تم دونوں باہر جاؤ۔'' مینا کی بات کاٹ کر اس نے دونوں کو حکم دیا۔ دونوں ہی آگے پیچھے کمرے سے نکل گئیں۔

''تمہارے اس رویے اور اقدام کا مقصد کیا ہے۔'' اسے آخر مخاطب کر ہی لیا تھا مگر ہادیہ

خاموشی سے زیورات ڈبوں میں بند کرتی رہی۔

''میں کیا بکواس کر رہا ہوں۔'' وہ تمام ڈبے لا کر میں رکھ کر ڈبڈبائی آنکھوں سے مڑ کر اس کے سامنے آئی۔ کشمکش سے اس کی پلکیں ہی نہیں ہونٹ بھی لرز رہے تھے۔

شافع نے اس کی صبیح چہرے کی کشش میں بندھنے سے پہلے ہی نظریں چرا کر اسے پھر ڈپٹ کر مخاطب کیا۔

''مجھے کوئی ارمان نہیں ہے کہ تم میرے کہنے سے رک جاؤ مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ تم چاہتی کیا ہو؟''

''میں تو وہی کر رہی ہوں جو آپ چاہتے ہیں اور مجھے کوئی خوش فہمی بھی نہیں ہے کہ آپ کے دل میں میرے حوالے سے کوئی ارمان ہوگا۔ کبھی تو میں جا رہی ہوں اور پلیز مزید کچھ مت کہیں میں نہیں چاہتی کہ بابا کے سامنے ساری باتیں کھلیں اور انہیں پتہ چلے کہ یہاں میرے ساتھ کیا رویہ ہے آپ کا.....'' اس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں اور ناک رگڑتے ہوئے جیسے خود کو سنبھالا۔

''کیا ظلم ڈھائے ہیں میں نے تم پر؟ یا میری بہنوں نے۔ تم مجھے بتاؤ بلکہ سب کو بتاؤ میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے۔ ذرا سی بات کا بتنگڑ تو تم خود بنا کر بیٹھی ہو۔ اضحیٰ سے ایک دو بار ہنس کر کیا بات کر لی۔ اس کے ساتھ جیولر شاپ پر چلا گیا تو جیسے کوئی قیامت آ گئی ہے۔''

''ہاں قیامت ہی آ گئی ہے۔ میرے لیے تو یہ قیامت ہی ہے کہ میں جس بات کو اول روز سے فراموش کرتی آ رہی تھی وہی بات اب سچ ثابت ہونے لگی ہے۔ شافع آپ نے مجھے دل سے قبول نہیں کیا۔ میری..... میرے خلوص و وفا میری محبتوں کی آپ کے دل و نگاہ میں کوئی حقیقت کوئی وقعت نہیں ہے۔ آپ نے مجھے صرف مجبوری میں اپنایا ہے ورنہ آپ کے دل میں آج بھی اضحیٰ ہے۔ آپ ابھی بھی اسے نہیں بھول پائے۔'' وہ جیسے چیخ پڑی تھی پھر روتے ہوئے شافع کو مخاطب کر کے اس پر اپنا ہر وہم و گمان اپنا ہر خیال ظاہر کرنے لگی۔ شافع تو پہلے اس کی بدگمانیوں سے نالاں تھا اب اس کے اس قدر وثوق سے کہنے پر بھونچکا بھی رہ گیا۔

''یہ تم غلط کہہ رہی ہو۔ اضحیٰ میرے ماضی کا حصہ ضرور تھی مگر تم سے شادی کے بعد اسے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں۔''

''سوچا تو انہیں جاتا ہے جو پاس نہ ہوں اور وہ تو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہی ہے۔ اس کی تصویر ہمیشہ آپ کے والٹ میں رہی ہے اور اس کی انگلی کے لمس میں ڈوبی وہ منگنی کی رنگ آج بھی آپ کے والٹ کے خفیہ خانے میں محفوظ ہے کہ نہیں۔ وہ خطوط، وہ کارڈز، وہ گفٹس سبھی نشانیاں

آج بھی متاع زیست بنا کر آپ نے حفاظت سے رکھی ہوئی ہیں کہ نہیں۔ پہلے میرے لیے یہ تکلیف دہ نہیں تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ میری محبت میری وفا رفتہ رفتہ آپ کو ماضی کے ان لمحوں سے چھڑا لائے گی مگر میں غلط سمجھتی تھی۔ صرف میری یک طرفہ محبت و وفا تو کافی نہ تھی۔ جب مقابل ہی نہ چاہے تو کوئی اپنی چاہت کیسے نبھائے۔ میں..... مجھ میں مزید برداشت نہیں ہے، میں بے جان چیز نہیں ہوں کہ مجھے دکھ نہ ہو، تکلیف نہ ہو، نہ ہی میں اتنی اعلیٰ ظرف ہوں کہ اپنے سامنے ہی آپ کی کسی اور سے وابستگی دیکھ سکوں۔''

''ایسا نہیں ہے ہادیہ تم غلط سوچ رہی ہو اور.....'' شافع نے اس کے کڑوے سچ پر زچ ہو کر کچھ کہنا چاہا۔

''ہاں..... میں پہلے غلط سوچ رکھتی تھی۔ میں سمجھتی تھی آپ کے دل میں میرے لیے محبت نہ سہی عزت و احترام تو ضرور ہے کبھی نہ کبھی میں آپ کے دل کے اس خانے میں بھی پہنچ ہی جاؤں گی مگر رات کو ہی آپ نے مجھے میری اوقات یاد دلا دی۔ میری امی جان کی ایک بھول کو جسے قسمت کا لکھا کہنا چاہیے اسے آپ نے میرے لیے طعنہ بنا دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی آپ مجھے کوئی طعنہ دے سکتے ہیں۔'' وہ جو کب سے اپنی سسکیاں روکے کھڑی تھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شافع جو اس کی باتوں سے اس کی بدگمانی سے مزید برہم ہوا جا رہا تھا اس کی آخری بات سنتے ہی جیسے سکتے میں آ گیا۔ غصے میں وہ نجانے اسے کیا کہہ گیا تھا اور جسے وہ دل پر لے بیٹھی تھی۔ شافع کو اپنے رات کے جھگڑے کی ساری باتیں یاد آئیں تو اسے احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گیا تھا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔

ہادیہ فوراً ہی باتھ روم میں گھس گئی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر اس نے خود کو قدرے سنبھال لیا تھا۔ لپ اسٹک اور کاجل لگا کر اپنے چہرے کے تاثر کو بدلنے کی کوشش کی تھی۔

باتھ روم سے باہر آئی تو شافع اسی پوزیشن میں بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا اسے دیکھ کر سر اٹھا کر مخاطب کیا۔

''ہادیہ تم جانے سے پہلے میری بات سن لو بہتر ہے۔''

''اب مجھے سنانے کو اور کیا رہ گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہنا چاہتے ہوں گے کہ میں دوبارہ یہاں نہ آؤں تو بے فکر رہیے میں آپ کی خوشی ضرور پوری کروں گی اور اس بات کی بھی تسلی رکھیے کہ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔''

''گوٹو ہیل فار ایور۔'' شافع نے بھنا کر اس پر تکیہ اچھالا۔ تکیہ ہادیہ کی کمر میں لگا وہ غیر متوقع لگنے والی ضرب سے سنبھلتے سنبھلتے بھی لڑکھڑائی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ کارپٹ پر گر پڑی۔ تکیہ

بھاری نہ تھا بس ایک بہانہ تھا۔ رات بھر جاگنے اور صبح سے کچھ بھی نہ کھانے پینے کی وجہ سے اسے پہلے ہی کمزوری اور نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ سر بھی چکرا رہا تھا۔

اب وہ بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا تھا اور کمر میں شدید لہری اٹھی۔ شدید درد کے احساس کے علاوہ اسے کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ شافع اس کے لڑکھڑا کر گرتے ہی فوراً اس کے قریب آ بیٹھا۔ پھر اگلے ہی پل وہ بہنوں کو آواز دے رہا تھا۔ شیراز صدیقی بھی آ چکے تھے۔ بیٹی کو اس طرح دیکھ کر ان کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ وہ فوراً ہی ہادیہ کو ہسپتال لے کر پہنچے۔

☆☆☆

خوشی ان کے آنگن میں اترنے سے پہلے ہی اپنا رخ بدل گئی تھی۔ شافع کو جب سے علم ہوا تھا کہ ہادیہ کا مس کیرج ہو گیا ہے وہ گہرے ملال میں گھرا ہوا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ اس کے ذرا سے ناروا سلوک سے اس کا اتنا بڑا نقصان ہو جائے گا۔ اپنی ذات سے وابستہ یہ مشترکہ خسارہ اسے کسی سے بھی نظر ملانے نہیں دے رہا تھا۔ ہادیہ الگ بے حال و پریشان تھی۔ بہار اس طرح روٹھے گی اس نے کب سوچا تھا۔ ابھی تو وہ خود کیفیت انتظار میں تھی۔ اپنے وجود میں کھلتی بہار کے مرجھانے کا احساس زیاں ہر بات پر بھاری رہنے لگا تھا۔

وہ تو خود اپنے اندر پھوٹتی ننھی کلی کے استقبال کے لیے بے چین و بے قرار تھی اسے کیا خبر تھی کہ وقت سے پہلے ہی اس کے تن کی ہری بیل میں غم کا زہر پھیل کر اسے مردہ کر ڈالے گا۔ شافع سے اس کا رونا نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اس لیے وہ کم ہی اس کے سامنے آیا تھا۔ سبھی کو ہادیہ کے ساتھ ہوئے اس سانحے کا دکھ تھا۔ سبھی باری باری اسے ملنے اسے صبر و حوصلہ دینے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحتیں سمجھانے آئے تھے۔ اللہ کی قدرت سے مایوس تو وہ بھی نہ تھی۔ بس روح میں اترنے والے ممتا کے پہلے احساس کو بھلانا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

فرینہ آپی تو اسی دن سے اس کے پاس اس کے ساتھ ساتھ تھیں۔ انہیں اپنے بھائی کے رویے کا علم ہو چکا تھا۔ پھر شیراز صدیقی نے بھی فری آپی سے دبے دبے لفظوں میں شافع کے رویے کے بارے میں باز پرس کی تھی۔ بلکہ مسرت چچی نے بھی کہہ دیا تھا کہ ''ہماری بیٹی اگر وہاں خوش نہیں ہے تو ہم اسے لے آتے ہیں۔'' بلکہ وہ تو اپنا کہا ثابت کرنے ہادیہ کے گھر تک آ گئی تھیں۔ یہ بات سبھی کے لیے حیران کن تھی۔ مسرت چچی ہادیہ کی شادی میں مہمانوں کی طرح شریک ہوئی تھیں پھر بعد میں اسے رسماً بھی اپنے گھر آنے کا نہ کہا تھا اب اس کی تکلیف پر تڑپ اٹھی تھیں۔ بہرحال سبھی کے لیے خصوصاً ہادیہ کے لیے ان کی یہی محبت و اپنائیت کافی تھی البتہ اس

نے ہی انہیں مطمئن کر دیا تھا کہ اسے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ لیکن فری آپی محسوس کر رہی تھیں کہ دونوں کے درمیان ایک ان دیکھی سی دیوار حائل ہے جس نے دونوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے۔

وہ کافی دن سے یہاں تھیں مہمانوں کی آمد و رفت کی وجہ سے انہیں شافع سے بات کرنے، سمجھانے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ نہ ہی ہادیہ سے کچھ کہنے کا۔ ہادیہ بھی تو کچھ ظاہر نہیں کر رہی تھی۔ طبیعت سنبھلتے ہی آپی کے منع کرنے کے باوجود معمول میں لگ گئی تھی۔ ابھی بھی وہ شافع کی روٹین کے مطابق کھانے کے بعد اس کے اور آپی کے لیے کافی بنا کر اپنے کمرے میں ہی رکھ گئی تھی۔ کیونکہ آج کل شافع زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزارتا تھا۔ آپی بھی شافع کے پاس بیٹھی تھیں اسے پلٹتے دیکھ کر اسے پکار لیا۔

''ہادیہ تم کافی نہیں پیو گی ہمارے ساتھ؟''

''نہیں آپی دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے عذر پیش کیا تو شافع نے اسے نظر اٹھا کر دیکھا وہ خاصی کمزور دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ابھی تک براہ راست اس سے معذرت ہی نہ کر سکا تھا۔ حالانکہ دل اس کے دکھ اس کی خاموشی پر بے چین رہتا تھا۔ بس انا آڑے آتی تھی یا کیا تھا وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل آپی بھی اسے اس کی کوتاہیاں جتا چکی تھیں۔

''کافی تو چلو دل نہیں چاہ رہا ہوگا کیا ہمارے ساتھ بیٹھنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا؟'' آپی نے محبت بھرا شکوہ کیا۔

''نہ..... نہیں ایسی تو بات نہیں آپی۔ دراصل ابھی کچن میں کچھ کام ہے تو اچھا میں چولہا بند کر کے آتی ہوں۔'' اس نے راہ فرار ڈھونڈی۔

''تو مینا سے کہہ دو مینا باہر ہی ہے نا۔ مینا بچے چولہا تو بند کر دو۔'' آپی نے اس کی راہ فرار مسدود کر دی۔ تو اسے ناچار ان کے پاس بیٹھنا پڑا۔

''تم دونوں اس طرح کب تک رہو گے۔ یہ خاموشی، ناراضگی ہے دکھ ہے، ملال ہے کیا ہے؟ جانتے ہو تم دونوں کے اس رویے کا آنے جانے والوں پر کیا اثر ہو رہا ہے۔ لوگ تو چاہتے ہی یہی تھے کہ اس گھر کا سکون غارت ہو اور انہیں ہنسنے کا موقع ملے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم دونوں ہی اس درجہ بے عقلی کا مظاہرہ کرو گے۔'' آپی نے اس کے بیٹھتے ہی بلا تمہید بات شروع کی۔

''میں نے تو کسی سے کچھ بھی نہیں کہا ہے آپی اور لوگوں کو خود پر ہنستے رہنے کا موقع بھی نہیں فراہم کیا۔ میں تو ہر حال میں سمجھوتہ کر رہی تھی مگر.....'' شافع نے اسے بات پوری نہ کرنے دی۔

''سمجھوتہ.....؟ آپ خود سن لیں آپی یہ میرے ساتھ اپنی خوشی سے نہیں مصلحتاً سمجھوتے کے تحت گزارا کر رہی تھی۔ پھر بھی اسے میرے خلوص پر شک ہے کہ میرے دل میں اس کے لیے چاہت نہیں ہے۔'' شافع کے جتاتے لہجے پر اس نے بڑی شاکی نظروں سے دیکھا۔ اپنے دفاع کے لیے وہ کیسے اسے الزام دے رہا تھا۔

''میں موجودہ حالات سے سمجھوتے کی بات کر رہی ہوں آپی اور ان کے دل میں میرے لیے کتنا خلوص ہے یہ تو آپ پر بھی ثابت ہو گیا ہے۔'' ہادیہ نے بھی اسی کا لہجہ اپنایا۔

''ہادیہ میں تمہارے احساسات سمجھتی ہوں چند اگر دیکھو کئی بار انسان غلط فہمی کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔ بظاہر جو ہمیں نظر آ رہا ہوتا ہے وہ ہمارا فریب نظر بھی ہوتا ہے۔ میں مانتی ہوں اس کی کوتاہیوں سے تمہارے اعتماد کو ٹھیس لگی ہے مگر اس نے دل سے ارادتاً ایسا نہیں کیا ہے۔ نہ ہی اس کے دل میں تمہارے علاوہ اب کوئی اور ہے۔ ماضی کی کسی تلخی سے اپنے آج کو بدصورت کیوں کر رہے ہو تم لوگ.....'' آپی نے دونوں کو گہری سنجیدگی سے مخاطب کیا۔ وہ سر جھکا کر آنسو بہانے لگی۔

''آپی جو بات ثابت ہو جائے وہ فریب نظر کیسے ہوئی۔ آپ حقیقت سے ابھی بھی ناواقف ہیں میں آئندہ کوئی گلہ نہیں کروں گی اور کوشش کروں گی مجھ سے کسی کو کوئی شکایت ہو۔'' وہ آنسو پونچھتی اٹھ کر جانے لگی تو آپی نے اسے ہاتھ تھام کر روکا۔

''تو تم مجھے حقیقت بتاؤ نا کیا سچائی ہے۔ کیا بات ہے آخر تمہارے دل میں جو تمہیں ستا رہی ہے۔''

''یہ آپ ان سے پوچھیں ان کے دل میں کیا ہے؟'' ہزاروں شکوؤں کی آمیزش سے اس کا لہجہ بھیگ کر چھلکا۔

''آپی جانتی ہیں میرے دل میں کوئی چور نہیں ہے۔ آپی نے اپنی آنکھوں پر بدگمانی کا چشمہ نہیں لگا رکھا۔''

''شافی.....؟'' آپی نے اسے ناراضگی سے پکارتے ہوئے اسے گھورا بھی۔

''تمہارے دل میں کوئی چور نہیں ہے تو بات اتنی کیوں بڑھ گئی۔ ہادیہ کو تمہارے حوالے سے کوئی بدگمانی یا غلط فہمی ہو گئی تھی تو تم نے اس کی غلط فہمی دور کیوں نہ کی۔ کیوں نہیں ثابت کیا کہ تم اپنے ذہن و دل کو ماضی کی ہر یاد ہر بات سے آزاد کرا چکے ہو۔ تم اپنے پرس میں اپنی سابقہ منگیتر کی انگوٹھی اور تصویر لیے سینے سے لگائے پھرتے رہو بیوی باز پرس کرے تو ہنگامہ برپا کر دو یہ اچھی رہی بھائی۔'' آپی بھی آخر بھڑک اٹھی تھیں۔ ہادیہ کے ساتھ بھائی نے جو خود زیادتی کی تھی انہیں اس کا

بہت ملال تھا۔انہیں ہادیہ حق بجانب لگی تھی۔

''مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوگئی۔مگر قسم لے لیں آپی میں نے ارادتاً ایسا نہیں کیا تھا۔بس مصروفیت میں کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا کہ اس فسادن کی تصویر کہیں والٹ میں موجود بھی ہے کہ نہیں اور انگوٹھی بھی بس ایسے ہی والٹ میں رکھ چھوڑی تھی۔بی لیوی مجھے کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں آیا۔اب دیکھ لیں میرے والٹ میں آپ کو ہادیہ کی تصویر ملے گی اور میں نے وہ انگوٹھی بھی پھینک دی ہے۔'' شافع نے آپی کے بگڑنے پر اپنی صفائی پیش کی۔

''اب کیا فائدہ؟'' ہادیہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بڑبڑائی تو آپی پہلے تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔پھر اسے سمجھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ہادیہ وہ اپنی غلطی مان رہا ہے تو تم بھی اس کا اعتبار کرلو۔تم سمجھدار ہو اچھی طرح جانتی ہو باہمی اعتماد کے بغیر تو زندگی نہیں گزرتی۔صبح مجھے چلے جانا ہے تم دونوں کے حوالے سے مجھے کئی فکریں لاحق ہوگئی ہیں۔''

''آپی میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ پھر سے روہانسی ہوئی دکھ تو یہ تھا کہ شافع نے اس کی ممتا کے پہلے پہلے احساس کے مٹنے پر دو حرف تسلی اب تک نہ کہے تھے۔جبکہ اسے یہ کرب و آزار دینے والا بھی وہی تھا۔

''تم نے کچھ نہیں کیا جانو بس تھوڑی سی نادانی کی ہے۔خود جلنے کڑھنے کے بجائے بہتر تھا ماضی کے اوراق کو اس کے سامنے چولہے پر رکھ دیتیں اور پھر تماشہ دیکھتیں۔'' آپی نے دانت پیستے ہوئے شافع کو گھورا جو خود ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔

''تو ابھی رکھ دے، مجھے کیا اعتراض ہے۔'' وہ پہلی بار مسکرایا تو آپی نے اشارے سے قریب بلایا۔ہادیہ آپی کے کندھے سے لگی آنسو بہا رہی تھی۔

''اچھا آخری بار میرے کہنے پر اسے معاف کردو۔اپنا دل صاف کر کے نئی زندگی شروع کرو تم سے بڑھ کر ہمارے لیے کوئی ہے اور نہ ہوگا۔بلکہ ہمارے اس گھر کی خوشیاں صرف تم سے وابستہ ہیں۔تم آج کل ڈسٹرب ہو تو دیکھو لڑکیاں، گھر حتیٰ کہ روفی بھی ڈسٹرب ہو گیا ہے۔پھر سے ضد کرنے لگا ہے۔چیزیں توڑنے لگا ہے۔اگر تمہیں ہم سے اپنے اس گھر سے محبت ہے تو کل صبح میں تم دونوں ہنستے مسکراتے ایک ساتھ دیکھنا چاہوں گی۔'' آپی نے اسے تھپکتے ہوئے خود سے الگ کیا۔

''اب تم آرام کرو۔برتن میں لے جاتی ہوں۔ارے اس گدھے نے تو اپنی کافی پی نہیں ہے۔چلو آج اسے ٹھنڈی کافی پینے دو۔اس کے لیے یہی سزا کافی ہے بلکہ میری مانو تو اسے ایک ہفتے تک اسی طرح ٹھنڈی کافی پلاؤ بالکل سیدھا ہو جائے گا۔'' آپی نے شافع کی کافی کا مگ واپس

میز پر رکھتے ہوئے اسے خفگی سے دیکھا۔

''آپی یہ لے جائیں آپ کو معلوم تو ہے میں ٹھنڈی کافی نہیں پیتا۔'' وہ بچوں کی طرح مچلا۔

''آج پیو بچو! یہ تمہاری سزا ہے اور میری بات یاد ہے نا؟'' آپی نے دروازہ بند کرنے سے پہلے اسے تنبیہ کی۔

''افوہ ایک تو دسمبر کی سردی اس پر آنسوؤں کی برسات مزید ٹھنڈی کافی یہ تو میری قلفی جمانے کا پلان ہے۔'' اس نے روتی ہوئی ہادیہ کو شریر نظروں سے دیکھا۔اس نے پلکیں اٹھائیں تو وہ نظریں چرا کر ہاتھ ملنے لگا۔

''سنو کیا مجھے آج گرم کافی مل سکتی ہے؟''

''مل سکتی ہے مگر میں آپی کا حکم نہیں ٹال سکتی۔'' ہادیہ نے خاصے روٹھے پن سے جواب دیا اور بستر کی جانب آ گئی۔

''اس کا مطلب ہے تم آپی کا ہر حکم مانو گی، اور میں..... میری کوئی ویلیو نہیں ہے تمہاری نظر میں۔'' شافع یک دم سنجیدہ ہوا تو وہ بھی سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگی جیسے سمجھنا چاہ رہی ہو کہ وہ چاہتا کیا ہے۔

''آپ کو اگر یاد نہیں ہے تو میں آپ کو یاد دلا دوں کہ آپ نے شادی کی پہلی رات مجھ سے جو پہلی بات کی تھی وہ یہی تھی کہ میرے لیے آپ کی بہنوں اور بھائی کو خوش رکھنا زیادہ اہم ہے اور میں انہی کی خوشی کے لیے ان کی محبت کے لیے یہاں موجود ہوں ورنہ میرے پاس یہاں رہنے کا کوئی جواز تو نہیں ہے۔''

کافی دنوں بعد دونوں کے درمیان براہ راست بات ہوئی تھی۔شافع بھی بیڈ پر اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔

''صرف ان کی محبت؟ میری محبت و چاہت جواز نہیں ہے پھر یہ غصہ، لڑائی، یہ جلن یہ سب کیا ہے۔کہو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے، میری چاہت نے تمہیں جانے نہیں دیا ہے۔''

''تو میں نے اپنی محبت سے کب انکار کیا ہے۔مجھے تو آپ سے محبت پہلے روز سے ہے اور میں نے کبھی چھپایا بھی نہیں مگر آپ نے.....'' ہادیہ نے خود پر کمبل کھینچتے ہوئے گھٹنوں پر ماتھے کو ٹکا کر جیسے ضبط کی کوشش کی۔شافع نے اس کے جھکے ہوئے سر پر اپنے ہاتھ کو رکھا۔پھر انگلیوں سے سہلایا۔

''اتنی بدگمان ہو مجھ سے۔میں جانتا ہوں مجھ سے ایک دو غلطیاں ہوئی ہیں وہ بھی اس لیے کہ میرے دل میں ماضی کے حوالے سے کچھ بھی نہ تھا۔میرا ذہن ہر گرد سے پاک تھا تبھی میں بے

پرواہ ہو گیا تھا۔ میں سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ میری یہی بے پروائی تمہیں بدگمان کر دے گی۔ تم نے بھی تو مجھے احساس نہیں ہونے دیا کہ میرا ایسا کوئی بھولا بسرا عمل تمہارے لیے تکلیف دہ بن گیا ہے یا پھر تم مجھے یہ بتاتیں کہ میری چاہتیں تمہارے لیے ناکافی ہیں۔ میری محبتیں تمہیں سچی نہیں لگتیں۔ آخر کیوں تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے کہ میرے دل میں صرف تم ہی تم ہو۔ میری نیندوں میرے خوابوں پر صرف تمہاری حکمرانی ہے۔ میری آتی جاتی سانسیں تمہاری چاہت سے مہک رہی ہیں۔ آؤ سنو اور محسوس کرو میری دھڑکنیں کس کا نام لے کر دھڑکتی ہیں۔ میری آنکھوں میں کس کی شبیہ ہے۔ اپنی چاہت کا یقین و اعتبار ہے تو کیا اپنی محبت کے اثر پر اعتبار نہیں ہے۔ تم مجھ سے محبت کرو اور میں تم سے محبت نہ کروں یہ ہو سکتا ہے؟'' شافع نے زبردستی اس کا چہرہ اونچا کیا۔

''ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔'' ہادیہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے شکوہ کیا۔

''ہاں ٹھیک کہتی ہو ہونے کو کچھ بھی ہو سکتا ہے اور ہونے کو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں اعتبار دینے کے لیے آخری حد سے گزر جاؤں۔ مجھے بتاؤ تمہیں کیسے یقین آئے گا کہ میرے دل میں میرے ذہن میں تمہارے سوا نکاح سے اب تک کوئی نہیں ہے۔ کہو تو اپنی جان دے دوں یا پھر.....؟'' ہادیہ نے فوراً ہی اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے بولنے سے روکا۔

''فضول ڈائیلاگ ہی بولنے آتے ہیں نا آپ کو۔'' ہادیہ یہ سچ مچ اس کی سنجیدگی پر دہل گئی تھی۔ اس لیے بے ساختہ خفگی کا مظاہرہ کیا۔

''ابھی بھی میری محبت ڈائیلاگ لگ رہی ہے تمہیں؟''

''تو اور کیا؟ دل دہلا دیا ہے آپ نے میری ہارٹ بیٹس بڑھ گئی ہیں۔'' اس نے ذرا سیدھے ہو کر گہری سانس کھینچی۔

''تمہاری ہارٹ بیٹس بڑھ گئی ہیں اور جانتی ہو جب سے تم روٹھی ہو میرا ہارٹ کتنی بار بیٹ ہوا ہے۔ کتنی راتیں میں اس خوف سے نہیں سویا کہ کہیں تم مجھ سے دور چلی گئیں تو مجھ سے زندگی کی ہر خوشی بھی دور چلی جائے گی۔ کیونکہ میں نے اپنی زندگی تمہارے نام سچے دل سے کی ہے۔ دیا میری ذات کے سارے رنگ تمہارے مرہون منت ہیں۔ آؤ کہ عہد کریں، حالات کوئی بھی رخ بدلیں ہم ایک دوسرے پر اعتماد کریں گے۔ ہمیں حال میں جینا ہے، ہمیں مستقبل کے سہانے خواب بننے ہیں۔ ہمیں ماضی کی خاک نہیں اڑانی۔ پلیز دیا میرا اعتبار کرو میری زیست کی پہلی اور آخری تمنا صرف تمہارے ساتھ جینا ہے۔ ماضی کی پرچھائیوں سے اپنے ساتھ مجھے بھی خوفزدہ مت کرو۔'' شافع نے اس کا ہاتھ تھام کر جذب دل کی سچائیوں کو لہجے میں سمو کر اس کی سماعتوں کو روح پرور یقین بخشا تھا۔ ہادیہ کا دل تو کبھی کا اس پر اعتبار کر چکا تھا..... بس ایک گہری سانس

کھینچی۔

''اچھا لاؤ میں سنو تمہارے دل کی دھڑکن کیا کہتی ہے۔'' شافع اس کی خفگی دور ہوتے ہی شرارت سے اس کے سینے پر کان لگا کر اس کے دل کی دھڑکن سننے لگا۔

''ارے یہ تو میری سفارش کر رہی ہے بلکہ گنگنا رہی ہے۔''

دل نے یہ کہا ہے دل سے
محبت ہو گئی ہے تم سے
میری جان میرے دلبر میرا اعتبار کر لو
جتنا بے قرار ہوں میں خود کو بے قرار کر لو
میری دھڑکنوں کو سمجھو تم بھی مجھ سے پیار کر لو

شافع باقاعدہ گانے لگا تو ہادیہ نے اسے مصنوعی خفگی سے پرے دھکیلا۔

''شرم تو نہیں آ رہی نا۔ آپ کا یہ بے ہودہ گانا پورا گھر سن رہا ہوگا۔''

''بے ہودہ گانا.....؟ اتنا پیارا تو سونگ ہے اور تم..... اچھا بابا تم جو کہہ رہی ہو صحیح ہے اب کوئی بے ہودگی نہیں ہوگی۔ بس تم میرا یقین میرا اعتبار کر لو۔''

ہادیہ سر ہلاتے ہوئے بھیگی آنکھوں سے مسکرانے لگی تو شافع نے بھی فرط محبت میں اس کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا کر چوما۔ کچھ دیر بعد وہ اسے ڈائمنڈ کی نئی انگوٹھی پہناتے ہوئے نے اسے شال کا تحفہ دے رہا تھا۔ ہادیہ یکدم چونک اٹھی تھی۔ وقت کا اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

دسمبر کی آخری شب بھی گزر کر جنوری کی پہلی تاریخ میں بدل گئی تھی اس کے ہاتھ میں دو چیزیں جگمگا رہی تھیں ایک خوبصورت لفظوں اور جذبوں سے گندھا کارڈ اور دوسری ڈائمنڈ رنگ، شافع کے دونوں تحفوں نے اسے جیسے مالا مال کر دیا تھا۔ کارڈ پر لکھی نظم وہ آج شافع کی آنکھوں میں بھی پڑھ رہی تھی۔

تیرے نام سے سجی ہوئی
میری زندگی کی کتاب ہے
تجھے دیکھنا ہی یقین ہے
تیرے بعد سارا سراب ہے
میری دونوں آنکھوں کے شہر میں
فقط ایک تو ہے بسا ہوا
تیرے التفات کی ڈور سے

میرا سارا گھر ہے بندھا ہوا
کسی ایک چھوٹی سی بھول نے
ہمیں کر دیا ہے جدا جدا
کہیں دور پیار کی چھاؤں سے
کہاں لے گئی ہے ہمیں ہوا
کہاں زندگی میں بہار تھی
کہاں زندگی میں عذاب ہے
کوئی اور تیرے سوا نہیں
میری زندگی کی اساس میں
اسے رکھ لیا ہے سنبھال کے
تیرے لوٹ آنے کی آس میں
وہ جو ایک آنسو ہے یاد کا
وہ جو ایک قطرہ آب کا

اور وہ سوچ رہی تھی اب وہ کبھی شافع سے بدگمان نہیں ہوگی۔ اسے کبھی بے اعتباری کا احساس نہیں دے گی۔

شافع نے بھی خود میں سمیٹے اس کے ہر دکھ، ہر کرب کو اپنے اندر چھپا لینے کا عزم کر رکھا تھا۔ اور نئے سال کی صبح دھیرے دھیرے ان کے ہر عزم و ارادے کو پورا کرنے، آنگن میں پھیلنا شروع ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆